مقالاتِ قرآن کانفرنس

پہلی سہ روزہ قرآن کانفرنس

(منعقدہ 4 تا 6 اپریل 2008ء)

مرتبین

پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان
ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
ڈائریکٹر سیرت چیئر و چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ



اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
کلیہ علوم اسلامیہ

دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

مقالاتِ قرآن کانفرنس

پہلی سہ روزہ قرآن کانفرنس

(منعقدہ 4 تا 6 اپریل 2008ء)

جلد اوّل

مرتبین

پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان
ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
ڈائریکٹر سیرت چیئر و چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ

زیر اہتمام

کلیہ علوم اسلامیہ

دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

اشاعت .... اول 2009ء

تعداد 750

ناشر .... دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

زیر اہتمام .... کلیہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

فہرست مقالہ جات

مقدمہ

قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے کیا گیا آخری خطاب ہے۔

قرآن بظاہر ایک کتاب ہے، لیکن درحقیقت یہ ایک ایسی نعمت ہے جو ہر ایک دل میں جلوہ فگن ہے۔ قرآن کریم کی ہر آیت یکتا و بے مثل ہے، ترتیب اور شستگی الفاظ، بیان کی خصوصیات، سورتوں کا غیر معمولی آغاز و اختتام، آیات کی روانی، بے مثل افکار رسانی اور الفاظ کا ایک حسین امتزاج کا نظارہ اور کیف آور اور وجد آفریں ہے۔

قرآن کریم کے الفاظ و آیات اس قدر جامع اور وسیع المعنی ہیں کہ کسی بھی زبان میں ان کے ترجمہ کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ الفاظ و آیات کی مفصل تفسیر تو کی جا سکتی ہے لیکن ان کے معانی و مفہوم کا ہمہ جہت اور مکمل احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

قرآن حکیم ابدی اور سرمدی تعلیمات کا مجموعہ اور احکام خداوندی کا ماخذ ہے، جو ہر زمانہ میں پیدا شدہ مسائل کا حل کامیابی کے ساتھ پیش کرتا ہے اور یہی وہ قرآنی اعجاز ہے جس سے دوسری کتابیں محروم ہیں۔ علمائے امت پر ایک بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ اس عظیم کتاب کا ترجمہ اور تفسیر کے ذریعے ملت کی راہنمائی کریں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے دور رسالت سے لے کر آج تک ہر دور میں قرآن پاک کی تفسیر کو اپنا نصب العین بنایا۔

دنیا میں ترجمہ کی روایت کا آغاز کب اور کیسے ہوا یہ ایک سربستہ راز ہے، قرآن کریم میں انسانی رنگتوں اور زبانوں یا بولیوں کے اختلاف کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کی دنیا میں آبادی کے بعد جب انسانوں کی بولیوں میں یہ اختلاف اور تنوع پیدا ہوا ہوگا تو انہیں ایک دوسرے کی بات سمجھنے کے لیے ترجمے کی ضرورت پیش آئی ہوگی اور یوں ترجمے کی ابتدا ہوئی ہوگی۔ پھر تدریجاً ترجمے کی روایت میں پختگی اور باقاعدگی پیدا ہوئی اور ترجمے نے دنیا میں ایک اہم ادبی صنف اور تخلیقی عمل کے طور پر اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے۔ اور جب آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت عرب دنیا تحریر وکتابت کے ساتھ ساتھ ترجمے کی اس روایت سے بھی آگاہ ہو رہی تھی تو اس طرح مسلمانوں کے ہاں ترجمے کی روایت کی ابتدا بالکل ابتدائی دور سے ہوگئی تھی۔

جہاں تک آپ کی ذات مبارکہ کا تعلق ہے تو اس پر تمام مفکرین کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ عربی زبان

کی مختلف بولیوں سے بخوبی آگاہ تھے اور آپ اپنے پاس آنے والے وفود سے خود انہیں کی زبان اور لہجہ میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے ۶ ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد، عرب اور بیرون عرب کے مختلف حکمرانوں کو خطوط تحریر کیئے جن میں آپ نے قرآن حکیم کی آیات کا حوالہ دیا، اوران حکمرانوں نے ان خطوط کو اپنی زبانوں میں ترجمہ کروا کر سنا، جس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ملتا ہے۔اس کے علاوہ مکہ مکرمہ میں ابتدا ہی سے دوسری زبانوں سے تعلق رکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔مثال کے طور پر حضرت بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسی۔اور آخر الذکر جن کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے اہل فارس کے مطالبے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سورۂ فاتحہ کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا تھا۔اسی طرح سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جنھوں نے آپ ﷺ کے کہنے پر یہودیوں کی زبان سیکھی اور وہ ان کے خطوط کا جواب سریانی زبان میں دیا کرتے تھے۔

پھر اموی دور میں حضرت خالد بن یزید بن معاویہ نے سرکاری سرپرستی میں یونانی اور دوسری زبانوں کی کتب کا ترجمہ عربی میں شروع کرایا۔دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ''ترجمہ'' باقاعدہ ایک فن بن چکا تھا اور اس حوالہ سے خلیفہ مامون الرشید کے قائم کردہ دارالترجمہ اور دارالحکمت کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل رہی۔

جہاں تک برصغیر پاک وہند میں قرآن کریم کے تراجم کی روایت کا تعلق ہے تو اس کی ابتدا سندھی زبان سے ہوئی اور یہ ترجمہ تیسری صدی ہجری میں ایک عراقی عالم نے کیا جو سندھ میں رہ کر سندھی زبان سیکھ چکے تھے۔تاہم قرآن کے ترجمہ کا باقاعدہ آغاز شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے فارسی زبان میں ہوا کیونکہ اس وقت کی سرکاری زبان فارسی تھی، اور برصغیر پاک وہند میں اس ترجمہ کی تاخیر کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ علماء کرام عربی زبان سے بخوبی واقف تھے، لہٰذا وہ عامۃ الناس کو اپنی زبان میں وعظ وتبلیغ کے ذریعے قرآن کریم کی تعلیم سے آگاہ کر دیا کرتے تھے۔اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ابتداءً علمائے کرام، قرآن کے ترجمہ کو جائز نہ سمجھتے تھے۔اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو علماء کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔اگرچہ کچھ مفکرین کا خیال ہے کہ سب سے پہلا اردو ترجمہ قاضی محمد معظم سنبلی کا ہے، جسے انہوں نے ۱۱۳۱ء میں مکمل کیا، اور اس کا نام ''تفسیر ہندی'' رکھا۔اور پھر مراد اللہ انصاری سنبلی نے اس کی ۱۱۸۵ھ میں تفسیر کی جو ''تفسیر مرادیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

ہمارے پاس بالاتفاق سب سے پہلا اردو ترجمہ شاہ رفیع الدین دھلوی کا ہے جو ۱۷۷۶ء میں لکھا گیا۔ پھر اس کے بعد ۱۷۹۰ء میں شاہ عبد القادر نے ترجمہ کیا اور یوں اس خاندان کا برصغیر پر ایک عظیم احسان ہے کہ انہوں نے اس اہم کام کا آغاز کیا۔اس کے بعد برصغیر میں ترجمہ قرآن کی اس تحریک نے پوری طاقت اور

قوت حاصل کرلی، اور اردو میں ترجمہ کی روایت دنیا کی بہت سی قدیم زبانوں کی تحریک سے آگے نکل گئی۔

اس وقت بلا مبالغہ قرآن کریم کے نظم ونثر میں سینکڑوں تراجم ہو چکے ہیں۔مگر یہ سلسلہ مزید تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے اور ہر سال کئی نئے تراجم منظر عام پر آرہے ہیں۔ان امور کے پیش نظر اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اب تک قرآن پاک کے ہونے والے تراجم کا جائزہ لیا جائے،خصوصاً پاکستان کی علاقائی اور قومی زبانوں میں ہونے والے تراجم کا جائزہ لے کر عوام الناس اور اہل علم کی توجہ اس جانب مبذول کروائی جائے۔

فیکلٹی آف اسلامک لرننگ نے تین روزہ قومی قرآن کانفرنس کا اہتمام کیا جس کا انعقاد عالمی رابطہ ادب اسلامی ،ہائر ایجوکیشن اسلام آباد،اور دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور کے تعاون سے ممکن ہوا۔جس کا مقصد برصغیر پاک وہند میں ہونے والے اس بابرکت کام کو خراج تحسین پیش کرنے کی جہاں ایک کوشش ہے، وہاں اب تک اس سرمایہ پر کیئے گئے کام کا ایک علمی جائزہ ہے، جواب سے پہلے تک نہ ہو سکا تھا۔اس سلسلہ میں پورے ملک کی جامعات سے آئے ہوئے سکالرز نے اپنے اپنے علمی مقالہ جات پیش کیے جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

☆ پروفیسر ڈاکٹر عبدالروف ظفر
☆ پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن عارف
☆ ڈاکٹر زینت ہارون
☆ ڈاکٹر محمود اختر
☆ ڈاکٹر حافظ عبدالستار
☆ ڈاکٹر سفیر اختر
☆ ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم
☆ پروفیسر ڈاکٹر باقر خاکوانی
☆ حافظ زاہد علی
☆ محمد سعید شیخ
☆ ڈاکٹر ثناء اللہ بھٹو
☆ ڈاکٹر عبدالرزاق گھانگھرو
☆ پروفیسر ڈاکٹر شمس البصر
☆ پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق
☆ ڈاکٹر حافظ عبدالقدیر
☆ محترمہ زاہدہ شبنم
☆ ڈاکٹر عمر حیات
☆ ڈاکٹر محمد عبداللہ
☆ پروفیسر عبدالحی مدنی
☆ ڈاکٹر خالد ظفر اللہ
☆ ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس
☆ پروفیسر محمد یٰسین بٹ
☆ عبدالعزیز تھریو
☆ پروفیسر عبدالخالق
☆ ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء
☆ ڈاکٹر انعام الحق کوثر

☆ حافظ شعیب اسماعیل بخاری ☆ ڈاکٹر نور الدین جامی

مذکورہ بالا فاضل شرکاء کے پیش کردہ وقیع، علمی وتحقیقی مقالات کی برائے طبع جانچ پڑتال کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس نے ان تمام مقالہ جات کو زبان، اسلوب اور تحقیق کی بنیاد پر دیکھا اور اختلافی اور دل آزار حوالوں سے بچتے ہوئے محض تحقیق کو معیار بنایا اور بعض مقامات کی طرف نشان دہی کرتے ہوئے مقالہ نگار حضرات سے رابطہ کیا اور ان کی اصلاح کروائی گئی۔

اس کانفرنس کے بعض مقالات ''قافلہ ادب اسلامی'' کے دو مجلّات میں شائع کئے گئے اور بعض مقالات کو مجلّہ علوم اسلامیہ جلد نمبر ۱۲ شمارہ ۲۰۰۸ء میں شائع کیا گیا۔ منتخب مقالات قرآنی اب کتابی صورت میں اربابِ ذوق کے پیش خدمت ہیں۔

اس کانفرنس کی کامیابی لائق صد احترام عزت مآب وائس چانسلر دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور جناب ڈاکٹر بلال اے خاں صاحب کی مرہون منت تھی، کیونکہ جناب نے جس طرح اس کانفرنس کی سرپرستی فرمائی، اور شرکاء کانفرنس کے قیام وطعام کے لیے بہترین بندوبست کروائے، پھولوں اور خوشبوؤں میں رچا بسا ایک انتہائی خوبصورت ماحول مہیا کیا۔ یہ سب کچھ آپ کے حسن ذوق، اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی رویوں کا بھی آئینہ دار تھا۔ اور یہ آپ کی قرآن سے محبت اور علم دوستی کا بھرپور اظہار ہے۔ اور ہم اپنے رفقاء کار جناب پروفیسر ڈاکٹر شمس البصر، ڈاکٹر حافظ افتخار احمد، اسرار حسین بخاری، ڈاکٹر منیر احمد، ڈاکٹر بشیر احمد جامعی، قاری شبیر احمد، الطاف حسین، ضیاء الرحمٰن، محترمہ بجیلہ کوثر، محترم جاوید اختر (وائس پرنسپل ایس ای کالج)، محترمہ ڈاکٹر راحیلہ، ڈاکٹر شفیق احمد شیخ، ڈاکٹر شفیق احمد، ڈاکٹر احمد علی، محمد الیاس، محمد اکرم ازہری اور عبدالمجید بغدادی (ریسرچ سکالر) کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کے تعاون اور جدوجہد سے یہ کانفرنس کامیاب ہوسکی۔

قومی قرآن کانفرنس کے انعقاد میں ممدومعاون عالمی رابطہ ادب اسلامی، پاکستان کے اربابِ کار جناب فضل رحیم اور ڈاکٹر محمود الحسن عارف (سیکرٹری رابطہ ادب اسلامی) کے بھی ہم خصوصی طور پر شکرگزار ہیں جن کے علمی وانتظامی تعاون کی بدولت اس کانفرنس کی کامیابی ممکن ہوسکی۔ جزاھم اللّٰہُ احسن الجزاء.

مرتبین

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
چیئرمین علومِ اسلامیہ وسیرت چیئر
دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان
ڈین فیکلٹی آف سلامک لرننگ
دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

سفارشات

اس تین روزہ قومی قرآن کانفرنس میں سفارشات مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کی صدارت کا اعزاز پروفیسر ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء، پشاور یونیورسٹی کو بخشا گیا اور سیکریٹری کی ذمہ داری ڈاکٹر خالد ظفر اللہ، پرنسپل گورنمنٹ کالج سمندری کو سونپی گئی۔ کمیٹی کے ممبران میں مولانا فضل رحیم، صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی پاکستان، ڈاکٹر محمود الحسن عارف لاہور، حافظ عبد الرحمٰن مدنی لاہور، ڈاکٹر حافظ محمود اختر لاہور، ڈاکٹر محمد یحیی لاہور، ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم لاہور، ڈاکٹر شمس البصر بہاولپور، ڈاکٹر قاری محمد طاہر فیصل آباد، ڈاکٹر عمر حیات فیصل آباد، ڈاکٹر عبدالرشید کراچی، ڈاکٹر ثناء اللہ بھٹو سندھ، ڈاکٹر عبد الخالق سندھ، ڈاکٹر عبدالغنی سندھ، ڈاکٹر انعام الحق کوثر کوئٹہ، ڈاکٹر نور الدین جامی ملتان، ڈاکٹر محمد شریف سیالوی ملتان، ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر، اور بندۂ اس ناچیز کا نام شامل ہیں۔

کانفرنس میں پڑھے جانے والے مقالہ جات اور ارباب علم ودانش سے مجلس مشاورت کی روشنی میں درج ذیل سفارشات مرتب کی گئی ہیں:

☆ تمام تراجم قرآنی کا جامع اشاریہ شائع کیا جائے۔
☆ قرآنی بورڈ کا قیام عمل میں لایا جائے جو کم از کم ۲۰ افراد پر مشتمل ہو اور ہر فرد اپنے فن اور مضمون کا ماہر ہو۔
☆ تراجم کا کام قرآنی بورڈ کی زیر نگرانی عمل میں لایا جائے۔
☆ ہر یونیورسٹی میں قرآن ریسرچ سیل / قرآن چیئر کا قیام عمل میں لایا جائے۔
☆ دنیا بھر میں مروج متنوع قراءت کے ترجمہ وتفسیر قرآن پر اثرات کا جائزہ لینے کے لیے ایم فل / پی ایچ ڈی کی سطح پر کام اس تحقیقی کام کو آگے بڑھایا جائے۔
☆ مارکیٹ میں مطبوعہ قرآن پر پروف ریڈنگ کی مہر ہونے کے باوجود اغلاط کا پایا جانا معروف ہے۔ اس کانفرنس کے ذریعے حکام بالا کو اس کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی جائے۔
☆ طلباء کی ہر سطح پر قراءت قرآنی کی تصحیح وتجوید کا اہتمام ہونا چاہیے۔ بالخصوص یونیورسٹی کی سطح پر اس اہتمام کی سفارش کی جاتی ہے۔
☆ اسلامیات لازمی میں نصاب قرآنی کا حجم بڑھایا جائے۔

☆ ڈاکٹر حمید اللہ کے مشن "القرآن فی کل لسان" کو دی اسلامی یونیورسٹی آف بہاولپور آگے بڑھائے۔ اس بارے میں ایک قرآنک ریسرچ سنٹر قائم کیا جائے اور ایک ویب سائٹ جاری کی جائے۔
☆ فری آن لائن تراجم کا بندوبست ہونا چاہیے۔
☆ پاکستانی زبانوں یا لہجوں میں سے جن میں ترجمہ قرآن نہیں ہے، کھوج لگا کر اس زبان میں مستند ترجمے کا اہتمام کیا جائے۔
☆ علوم القرآن پر جامع اشاراتی فہرست مرتب کی جائے۔
☆ جامعات کی سطح پر قرآن کے حوالے سے پراجیکٹ شروع کیے جائیں۔
☆ تراجم وحواشی اور تفاسیر سے غیر متعلقہ غیر مطبوعہ لٹریچر اور تحقیقی مقالہ جات کو شائع کیا جائے تاکہ اس میدان میں کام کرنے والوں کے لیے ان سے استفادہ آسان ہو۔
☆ قرآن وحدیث وسیرت کے شعبہ جات کے طلباء اور اساتذہ کے باہمی مطالعاتی دوروں کا اہتمام کیا جائے۔
☆ جامعات کی سطح پر قرآن کانفرنس کا سالانہ انعقاد یقینی بنایا جائے اور خصوصی طور پر دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور میں ہر سال یہ کانفرنس ضرور منعقد ہو۔
☆ قرآن ریسرچ سکالرز کے درمیان باہمی رابطے کا بندوبست ہو۔ اور تحقیقی کام کے معیار اور ضابطے مقرر ہوں۔
☆ قرآنک سٹڈیز (مطالعات قرآن کریم) میں بی اے آنرز ہونا چاہیے۔
☆ قرآن کے حوالے سے ریفریشر کورسز کا اہتمام ہونا چاہیے۔
☆ کالجز میں داخلہ کے لیے ناظرہ قرآن کی شرط لازم ٹھہرائی جائے۔
☆ ملک میں قائم مختلف قرآن لائبریریوں اور قرآنی محلات کے مخطوطات کی مائیکروفلمز بنا کر قرآن مرکز میں محفوظ کیا جائے۔ اور انٹرنیٹ پر بھی جاری کیا جائے۔
☆ قرآن مجید کے حوالے سے پھیلائی جانے والی بدگمانیوں کا دقیق جائزہ لیا جائے اور ان پر لیکچرز، سیمینارز اور کانفرنسز کا اہتمام کیا جائے۔
☆ دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور بین الاقوامی سطح پر خدمت قرآن کے اداروں سے روابط بڑھائے تاکہ یونیورسٹی عالمی سطح پر اپنے اثرات بڑھا سکے بالخصوص شاہ فہد کمپلیکس مدینہ منورہ سے رابطہ کرکے جو تلاوت کے ساتھ ساتھ ترجمہ کے بارے میں بھی وسیع خدمات انجام دے رہا ہے۔
☆ اس کانفرنس میں پیش کردہ مقالہ جات کی اشاعت جلد از جلد یقینی بنائی جائے۔

تمام معززین ہاؤس نے ان سفارشات کی بھرپور تائید کی اور کانفرنس کے کامیاب انعقاد سے امید کی شمع روشن ہوئی کہ اس میدان میں کئی راہیں کھل سکتی ہیں۔

❀❀❀❀

خطبہ صدارت ''قومی قرآن کانفرنس''

(جناب پروفیسر ڈاکٹر بلال اے۔خان، وائس چانسلر دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور)

آج کی یہ تین روزہ قومی قرآن کانفرنس جس کا انعقاد عالمی رابطہ ادب اسلامی، ہائر ایجوکیشن اسلام آباد اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے تعاون سے ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے اس سلسلہ میں پوری ملک کی جامعات سے آئے ہوئے سکالرز، مولانا فضل رحیم، صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی پاکستان، ڈاکٹر محمود الحسن عارف ڈائریکٹر دائرہ معارف اسلامی لاہور، ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء پشاور یونیورسٹی، ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم جامعہ ازہر مصر، ڈاکٹر عبدالرشید جامعہ کراچی، کراچی، ڈاکٹر انعام الحق کوثر کوئٹہ، ڈاکٹر نور الدین جامی ملتان، حافظ عبدالرحمٰن مدنی، پروفیسر ڈاکٹر محمد یحییٰ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

بہاولپور کو ایک باقاعدہ ریاست کا درجہ حاصل رہا ہے۔ جس کے پہلے حکمران نواب سر صادق خان اوّل مقرر ہوئے، جن کا تعلق بغداد کے خلفائے عباسیہ سے تھا۔ ریاست کے حکمرانوں نے یہاں کی ترقی اور عوام کی خوش حالی کے لیے بہت سی خدمات انجام دیں، اور ریاست میں مدارس اور سکولز قائم کیے، جو اُن کی علم دوستی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

یہاں کے آخری حکمران نواب سر صادق محمد خان خامس عباسی مرحوم نے جب ریاست کے معاملات سنبھالے تو انہوں نے اپنے اتالیق مولوی غلام حسین صاحب کو وزیر داخلہ اور وزیر تعلیم مقرر فرمایا، اور ساتھ ہی جامعہ ازہر کی طرز پر ایک مثالی درسگاہ کے قیام کا حکم دیا۔ مولوی غلام حسین نے مختلف ممالک کی دینی درسگاہوں کا دورہ کیا، اور اس کی روشنی میں ۲۲ جون ۱۹۲۵ء کو ایک ادارہ جامعہ عباسیہ کے نام سے وجود میں آیا۔ پھر حکومت مغربی پاکستان نے ۱۹۶۴ء میں ایک آرڈیننس کے ذریعے اس کا نام جامعہ عباسیہ سے جامعہ اسلامیہ رکھا۔ پھر حکومت پاکستان نے جدید علوم کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے ۱۹۷۵ء میں جامعہ اسلامیہ کو ایک مکمل یونیورسٹی کا درجہ دے دیا۔

مہمان گرامی!

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کا شعبہ علوم اسلامیہ جو جامعہ اسلامیہ اور جامعہ عباسیہ کا حقیقی وارث ہے،

علمی کارناموں میں ہمیشہ نمایاں رہا ہے، جس کی جھلک آج اس تین روزہ قومی کانفرنس میں آپ کو نظر آ رہی ہے۔

میں اپنے رفقاء کار جناب پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان اوران کی ٹیم پروفیسر ڈاکٹر شمس البصر، پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر جنہوں نے شبانہ روز محنت سے رابطہ ادب اسلامی اور دائرہ معارف اسلامی کے مشترکہ تعاون سے اس کانفرنس کو منعقد کیا، اُن کا اور آپ لوگوں کا بہت شکر گزار ہوں۔

علمائے اُمت نے مختلف پہلوؤں سے قرآن کریم کی خدمت کی۔ مفسرین کرام نے اپنے اپنے طبعی ذوق کے مطابق قرآن کریم کی تفسیریں لکھیں۔ کسی نے صرف ونحو کے مسائل اس کتاب سے ڈھونڈے، تو کسی نے بلاغت و فلسفہ کی گتھیوں کو سلجھایا۔ کسی نے اعجازِ قرآن کے موضوع پر روشنی ڈالی تو کسی نے مفرداتِ قرآن کو موضوع سخن بنایا۔ کچھ ایسے خوش نصیب بھی تھے کہ جنہوں نے اپنی اپنی زبانوں میں قرآنِ کریم کا ترجمہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے دو ذرائع عطا کیے گئے۔ انبیاء کرام جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے تھا۔ اور دوسرا الہامی کتب وصحائف۔ قرآن مجید اس سلسلۂ ہدایت کی آخری کتاب ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں متن کتاب پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی نقول اسلامی مراکز میں بھیج دیں۔ اور تمام مسلمانوں کا بھی قرآن مجید کی قراءت پر اجماع ہو گیا۔

چنانچہ قرآن کریم اپنی انہی خصوصیات کے لحاظ سے صرف مسلمانوں ہی نہیں غیر مسلموں کے بھی زیر مطالعہ رہتا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب اپنی ایک تاریخ رکھتے ہیں جن میں اسلام بھی شامل ہے۔ اسلام دنیا کے تمام مذاہب میں جدید ترین مذہب ہے۔ باقی سب اس کے مقابلے میں قدیم ہیں۔ ان تمام مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان تمام میں ہر لحاظ سے قابل فخر ماضی مسلمانوں کا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے ماضی میں انفرادی سطح پر اخلاقی، مادی اور روحانی سطح پر اور اجتماعی نظام حیات کے حوالے سے ایسا سیاسی، معاشی اور سماجی نظام دنیا کو عطا کیا ہے کہ جس کا عشر عشیر بھی کسی دوسری قوم کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ یہ عالی شان اور قابل فخر ماضی صرف اور صرف قرآنی تعلیمات کا نتیجہ تھا۔ اس بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ آج ایک عالمی انسانی معاشرہ تشکیل دینے کے سلسلے میں قرآن ہی کو رہنما بنایا جا سکتا ہے۔ ایسا معاشرہ جو بنی نوع انسان کے لیے کل تک رہنمائی دینے والا مسلمان آج دوسروں سے رہنمائی اس لیے مانگ رہا ہے کہ اس نے

قرآن کی بنیاد پر ایک جدید معاشرہ تعمیر کرنے کے تصور کو بھلا دیا ہے۔ جس کے بارے میں شاعر مشرق نے بھی کہا تھا:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

گویا اقبال کے پیغام کے مطابق ہم بنی نوع انسان کے لیے ایک بھرپور محفوظ اور جدید معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

قرآن حکیم کے گزشتہ چودہ صدیوں میں سو سے زیادہ زبانوں میں تراجم ہوئے۔ گزشتہ دو سو سال سے تقریباً ایک ہزار کے قریب اُردو تراجم قرآن ہوئے۔

دنیا میں سب سے پہلا ترجمہ ۲۷۰ھ/۸۸۴ء میں سندھ میں الور کے راجہ کے لیے مقامی زبان میں کیا گیا۔ اوّلین تراجم میں پہلا ترجمہ پطرس طرابلس نے ۵۶۸ھ/۱۱۴۳ء میں لاطینی زبان میں کیا جو مغربی زبان میں قرآن مجید کا سب سے پہلا ترجمہ ہے۔ مطبع کی ایجاد کے بعد سب سے پہلا ترجمہ ہے جو ۱۵۴۳ء بمقام باسل طبع ہوا۔ بعد ازاں فرانس، جرمنی میں انگریزی اور دیگر زبانوں میں تراجم قرآن مجید کیے گئے۔ انگریزی زبان میں ۲۵ سے زیادہ تراجم زیادہ معروف ہیں۔ بقول بابائے اُردو عبدالحق اُردو زبان میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدین اور دوسرا شاہ عبدالقادر ہے۔ بعد ازاں چراغ سے چراغ جلتا گیا۔ اور اس میدان میں لوگ آتے گئے قرآن مجید کے تراجم، نثر اور نظم لکھتے گئے۔

دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کو اعزاز حاصل ہے کہ اس میں سیرت چیئر کا شعبہ قائم ہے جس کی سربراہی کا فریضہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر جیسا انتھک محنتی انسان سرانجام دے رہا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ سیرت چیئر کے حوالے سے مسلسل کام کر رہی ہے۔ ۲۰۰۰ء، ۲۰۰۴ء، ۲۰۰۷ء میں سیرت چیئر نے سیرت طیبہ کے حوالے سے تین بین الاقوامی کانفرنسز اور ۲۰۰۹ء میں سیریز آف لیکچرز منعقد کرائے۔

میری خواہش تھی کہ فیکلٹی آف اسلامک لرننگ قرآن کریم کے حوالے سے بھی ایک کانفرنس کرائے۔ میری اس خواہش پر ۲۰، ۲۱، ۲۲ اپریل ۲۰۰۸ء میں نہایت خوش اسلوبی سے ایک تین روزہ قومی کانفرنس رابطہ ادب اسلامی اور ہائر ایجوکیشن اسلام آباد نے کرائی جس میں ملک کے طول وعرض سے آنے والے اہل علم نے تراجم قرآن کے حوالے سے مختلف علمی موضوعات پر اپنے قیمتی مقالات پیش کیے۔ ان مقالات میں علاقائی زبانوں میں ہونے والے قرآنِ مجید کے تراجم اور دیگر قرآنی خدمات کا مفصل جائزہ پیش کیا گیا۔

اس علمی کام پر مجھے مسرت ہے جو ڈاکٹر سلیم طارق خاں، ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ کی سرپرستی میں سرانجام پایا ہے اور جس میں ڈاکٹر عبدالروف ظفر کنوینئر کانفرنس و ڈائریکٹر سیرت چیئر اور ڈاکٹر شمس البصر چیئر مین فلسفہ قانون کی معاونت اس میں حاصل رہی ہے، اور ہم ہائر ایجوکیشن کمیشن اسلام آباد کے بھی مشکور ہیں کہ وہ ہمیشہ ہی ہماری یونیورسٹی کے علمی و مالی معاملات میں تعاون کرتا ہے۔

اس سلسلے میں جن دیگر لوگوں نے کام کیا ہے میں ان سب کا شکر گزار ہوں میری دُعا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس علمی کاوش کو قبول فرمائے اور ہماری اُخروی نجات کا ذریعہ بھی۔

❀❀❀❀

فہم قرآن کے تقاضے اور ترجمہ قرآن حکیم

ڈاکٹر عمر حیات ☆

بعثت محمدی ﷺ کا سب سے بڑا اور زندۂ جاوید معجزہ قرآن ہے جس کی عظمت کا بیان شاید انسان کے بس میں نہیں۔ ہر دور کے مشکوک اور متذبذب ذہن کو یہ صرف قرآن کا چیلنج ہے کہ "وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ"(۱)

سلسلۂ رُشد وہدایت کے مکمل ہونے کے بعد صرف قرآن ہے جو صفتِ لا ریب سے متصف ہے "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" (۲) گویا ہر لحاظ و ہر انداز سے مبنی برحق وصداقت قرآن ہی ہے جو "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" (۳) اور "هُدًى لِّلنَّاسِ" ہے۔(۴) عالم انسانیت کے لیے صراطِ مستقیم کا راز قرآن میں مضمر ہے "اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ" (۵) یہی قوموں کے عروج وزوال کا معیار ہے۔ "يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ"(۶)

قرآنِ حکیم انسان کی اوّل و آخر ضرورت ہے جس کے بغیر نہ مادی زندگی کے تقاضے کماحقہٗ پورے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی رُوحانی زندگی نشوارتقاء سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔ انسان کے حقیقی معنوں میں انسان بن کر رہنے، معاشرے میں صحیح انسانی کردار ادا کرنے اور آخرت میں فلاح یاب ہونے کا انحصار قرآن پر ہے۔ اس لیے اس کا فہم و ادراک انسان پر لازم ہے اور اسلامی زندگی کا تو تصور ہی

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

بے معنی ہو کے رہ جاتا ہے اگر صحیح معنوں میں کلام اللہ کا پیغام نہ سمجھا جائے۔ قرآن فہمی ہی اصل اسلام فہمی ہے۔

اگرچہ فرما دیا گیا "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِر" (۷) تحقیق ہم نے قرآن کو سہل کر دیا تاکہ لوگ اِس سے نصیحت حاصل کریں تو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن کے سہل اور آسان ہونے سے کیا مراد ہے؟ کیا کوئی بغیر کسی معیار پر پورا اُترے اس کو سمجھ سکتا ہے اور نصیحت حاصل کر سکتا ہے؟ یا فہمِ قرآن کے لیے کوئی باقاعدہ معیار ہونا چاہیے تاکہ اِس کے پیغام کی رُوح تک رسائی ممکن ہے۔

بات یہ ہے کہ قرآن 'الکتاب' ہے، یعنی کتاب خاص ہر لحاظ سے، جس کی آگے پیچھے کوئی مثال نہیں ہو سکتی "فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِثْلِه" کے الفاظ میں قرآن کا چیلنج گزشتہ چودہ صدیوں سے من وعن اپنی جگہ قائم ہے۔

> "قرآن پاک دعویٰ کر رہا ہے کہ تم سب خطیب، شاعر، ادیب، نقاد وغیرہ مِل کر بھی اس قرآن کی سورت جیسی سورت لے آؤ۔ یہ بہت بڑا دعویٰ اور چیلنج ہے جو ڈیڑھ ہزار برس سے نہ صرف عرب دُنیا بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہے۔" (۸)

فصاحتِ عرب جس کی تاب نہ لا سکی، اس کے آگے اور کون ٹھہر سکتا ہے! ربِ کائنات نے عالم انسانیت پر کمالِ لطف و کرم فرماتے ہوئے قرآن کو بایں معنی تو نہایت آسان بنا دیا کہ اس میں کوئی دقیق فلسفیانہ و منطقیانہ موشگافیاں نہیں، جن میں انسانی عقل اور فہم و شعور اُلجھ کے رہ جائے اور کچھ نہ سمجھ پائے۔

مولانا افتخار احمد بلخی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا:

> "قرآن فنِ مباحثہ و علم کلام کے قواعد و نظائر سے بھرا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود منطقی اور کلامی طرز و اسلوب سے خالی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ منطقی طرزِ استدلال اور کلامی اسلوب برہان اکثر و بیشتر مخاطب کو لاجواب اور ساکت تو کر دیتا ہے لیکن اس کے دِل سے

تردّد اور شک کے کانٹے نکال کر انشراحِ واطمینان کی ٹھنڈک نہیں پہنچاتا لیکن دعوتِ حق کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔"(۹)

اسی بات کی صراحت میں سیّد قطب شہیدؒ نے لکھا کہ

"متکلمین صدیوں تک عقیدۂ توحید کے بارے میں ذہنی مباحث میں اُلجھے رہے مگر اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا۔ قرآنِ کریم نے چند سالوں میں جو کچھ کر دِکھایا علم الکلام کے علماء اس کا عشرِعشیر بھی انجام نہ دے سکے۔"(۱۰)

نزولِ قرآن کا مقصد انسان کو مشقت اور پریشانی میں ڈالنا نہیں تھا بلکہ مناسب سہولت بہم پہنچانا تھا تاکہ بنی نوع انسان کی راہِ عمل آسان ہو اور وہ فلاح سے ہمکنار ہو سکے۔ اسی لیے افصح لسان عربیٔ مبین میں نازل کیا گیا، جس سے عرب بخوبی واقف تھے۔

اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ کے مقالہ نگار کے بقول:

"بہر حال قرآن مجید کی زبان ہر قبیلے کے لیے قابلِ فہم ہے اور ہر عرب قبیلہ اس کی زبان سے مانوس اور واقف و آشنا ہے۔"(۱۱)

قرآن کا فہم کوئی معمولی بات نہیں۔ بے مثال کلام اور خاص کتاب ہونے کے ناطے اِس کا فہم بھی خاص ہے، جس کے لیے خاص معیار کی ضرورت ہے۔ بڑے زرخیز ذہن کی ضرورت۔ اِس معیار پر سب سے پہلے حضور سیّدِ عالم نبی مکرم رسولِ مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس فائز ہے اور پھر درجہ بدرجہ آپ ﷺ کے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم، انھوں نے جس انداز سے اور جن تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے حاملِ قرآن سے قرآن کا فہم حاصل کیا۔ آج بھی انھی تقاضوں کا لحاظ ناگزیر ہے۔

خلوص ایمان وایقان:

دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور قرآنِ حکیم سے استفادہ کرنے کی شرطِ اوّل ایمان ہے۔ یعنی اللہ اور رسول کے دِین کی ہمہ گیر صداقت کو قلب ونظر کی گہرائیوں سے تسلیم کر لینا اور باطل کو رد کر دینا۔ قرآن کا بنیادی مقصد انسان کو ہدایت فراہم کرنا ہے۔ قرآن ان لوگوں کے لیے باعثِ ہدایت ہے جن

کا اس پر ایمان بھی ہے۔"وَالذین یومنون بما اُنزلَ الیك" (۱۲)

قرآن حکیم میں کم وبیش 16 مقامات پر ایمان لانے کے حوالے سے اَمر کا صیغہ آیا ہے، جس میں بذاتِ خود قرآن پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔(۱۳)

ایمان لائے بغیر قرآن کے ساتھ قلبی لگاؤ پیدا نہیں ہوسکتا جس کے بغیر اس کا فہم وادراک بعید از فہم و قیاس اور خارج از اِمکان ہے۔ اگرچہ بڑے بڑے غیر مسلموں نے بھی فہمِ قرآن کے دعوے کیے ہیں تاہم اُن میں سے اگر تو کسی نے نیک نیتی سے قرآن کا فہم حاصل کیا تو اللہ نے اسے سرشار کیا۔ ایسے بہت سے لوگ اسلام قبول کر کے پختہ اہلِ ایمان ثابت ہوئے اور جس نے منفی نکتۂ نظر سے ایسا کیا تو اِس کا فہم اُس کے لیے مزید سرکشی کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے گمراہ کن پروپیگنڈا ثابت ہوا، گویا حقیقت میں وہ قرآن کو سمجھنے سے قاصر ہی رہا۔ کفار ومشرکین کی قرآنی ہدایت سے محرومی کی وجہ تو بالکل واضح تھی، یعنی اُن کا اعلانیہ اور دانستہ کفر وشرک اور اُس سے باز نہ آنے کا عزم جس کے بارے میں "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ" کے الفاظ نازل ہوئے۔ لیکن منافقین جنھوں نے مسلمانوں کے لبادے میں قرآن اور حاملِ قرآن کے ساتھ استہزاء کیا اور قرآن کے اصل مفہوم کو اپنی مرضی کے معانی پہنانے کی کوشش کی، اس خودفریبی کے ہاتھوں گمراہی کی دلدل میں دھنس گئے۔

قرآن کہتا ہے:

"قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ"(۱۴)

طے ہو چکا کہ ایمان کے بغیر ہدایت نہیں۔ فہم وادراک کی توفیق نہیں۔

معیاری ایمان تمسک بالقرآن کا سبب بنتا ہے، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا جسے قرآن علامت کے طور پر پیش کرتا ہے اور متقاضی ہے کہ لوگ اُن کی طرح ایمان لائیں۔

صاحب "معارف القرآن" رقم طراز ہیں کہ

''ایمانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کوئی شخص کسی عقیدہ کا نیا مفہوم بنائے اور اُس عقیدہ کا پابند ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو مومن مسلمان بتلائے اور مسلمانوں کے نماز، روزہ میں شریک بھی ہو، مگر جب تک وہ قرآن کے اس بتلائے ہوئے معیار کے مطابق ایمان نہیں لائے گا اُس وقت تک وہ قرآن کی اصطلاح میں مومن نہیں کہلائے گا۔'' (۱۵)

فہم قرآن کی ضرورت کا احساس:

کوئی بھی ذی جان بھوک پیاس کے احساس کے بغیر کھانے پینے کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ عصرِ حاضر میں نظریۂ ضرورت اگرچہ کچھ مخصوص حالات و واقعات کی بنا پر متنازعہ حیثیت اختیار کر گیا ہے تاہم بنیادی طور پر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جسمانی بھوک پیاس کی طرح باطنی اور رُوحانی تشنگی کا معاملہ ہے جو سراسر الہامی ہدایت کا متقاضی ہے مگر اِس الہامی صحیفۂ ہدایت یعنی قرآن کا فہم اُسے میسر نہیں آ سکتا جسے اس کی ضرورت کا احساس نہ ہو۔

سیّد مودودی لکھتے ہیں:

''قرآن کی ہدایت کا دروازہ ان سب لوگوں پر بند ہے، جو سرے سے اِس ضرورت ہی کے قائل نہ ہوں کہ انسان کو خدا کی طرف سے ہدایت ملنی چاہیے یا اِس ضرورت کے تو قائل ہوں مگر اس کے لیے وحی و رسالت کی طرف رجوع کرنا غیر ضروری سمجھتے ہوں اور خود کچھ نظریات قائم کر کے انھی کو خدائی ہدایت قرار دے بیٹھیں، یا آسمانی کتابوں کے بھی قائل ہوں مگر صرف اس کتاب یا ان کتابوں پر ایمان لائیں، جنھیں ان کے باپ دادا مانتے چلے آئے ہیں...... ایسے سب لوگوں کو الگ کر کے قرآن اپنا چشمۂ فیض صرف ان لوگوں کے لیے کھولتا ہے جو اپنے آپ کو خدائی ہدایت کا محتاج بھی مانتے ہوں۔'' (۱۶)

تقویٰ و تزکیۂ نفس:

قرآنِ حکیم جو رُشد و ہدایت کا سر چشمہ اور حکمت و دانائی کا مصدر و ماخذ ہے۔ اس کا فہم اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان تقویٰ و تزکیۂ نفس سے بھی آراستہ ہو کیونکہ یہی اصل ہدایت اور حکمت ہے جو اللہ

کی طرف سے ہے اُسی کے اختیار میں ہے اور یہی سب سے بڑی بھلائی یعنی خیرِ کثیر ہے۔فرمایا گیا:

''مَن يُّوتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوتِيَ خَيْراً كَثِيْراً''(۱۷)

لہٰذا جب تک دل میں تقویٰ نہ ہوگا یعنی اللہ کا خوف، اُس کی جلالتِ شان کا احساس، تب تک حکمت و دانائی، یعنی فہم قرآن حاصل نہ ہوگا۔حضور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''رَأسُ الْحِكْمَةَ مَخَافَةَ اللّٰهِ'' یعنی حکمت کی بنیاد اللہ کا خوف ہے۔

حقیقت میں تقویٰ عظیم باطنی کیفیت ہے جس سے کسی انسان میں حصولِ حکمت کی اہلیت پیدا ہوتی ہے۔اس کے دِل پر نصیحت کارگر ثابت ہوتی ہے اور وہ کلام اللہ کے فہم سے ہمکنار ہوتا ہے جس سے وہ حق و باطل اور ہدایت و ضلالت میں تمیز کرتے ہوئے زندگی کا سفر طے کرتا ہے۔

سیّد مودودیؒ لکھتے ہیں:

''جس شخص کے دِل میں خدا کا خوف اور انجام بد کا اندیشہ ہوگا اُسی کو یہ فکر ہوگی کہ میں غلط راستے پر تو نہیں جا رہا ہوں اور وہی اللہ کے اُس بندے کی نصیحت کو توجہ سے سنے گا جو اُسے ہدایت اور گمراہی کا فرق اور فلاح و سعادت کا راستہ بتا رہا ہو۔''(۱۸)

چنانچہ یہ بالکل ایک اصولی بات قرار پاتی ہے کہ اللہ کے کلام کی تفہیم اور اس سے استفادہ کرنے کے لیے اُس کا خوف بھی لازم ہے۔ جب کہ اللہ کی طرف سے یہ بات فیصل ہو چکی ہے کہ قرآن بالخصوص ''هُدىً لِّلْمُتَّقِيْنَ'' ہے۔

فہم قرآن کے لازمی تقاضے کے طور پر اتقاء اثر پذیری اور قبولیتِ حق کی صلاحیت ہے۔مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے لکھا ہے کہ

''اِتقاء سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص روحانی اعتبار سے اس بات کی صلاحیت رکھتا ہو کہ کلامِ الٰہی کو سن کر اس کا اثر قبول کر سکے۔''(۱۹)

سعی فہم:

تقاضائے فہم قرآن یہ بھی ہے کہ اِس کے لیے سعی بلیغ سے کام لیا جائے۔ ورنہ ایمان و اتقاء کے

ہوتے ہوئے بھی قرآن سے استفادہ ممکن نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی اصولِ فطرت ہے کہ "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی" (۲۰) اور کہا جاتا ہے کہ "مَن جَدَّ وَجَدَ"،جس نے کوشش کی اُس نے مراد پائی۔

قرآن کہتا ہے:

"اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا" (۲۱)(کوشش نہیں تو کچھ بھی نہیں)

گویا حصولِ مقصد کے لیے جہدِ مسلسل شرطِ لازم ہے۔

اصحابُ النبی نے قرآن کے فہم و ادراک کے لیے زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ ایمان لانے کے بعد اُن کی ترجیحات کا رُخ ہی بدل گیا اور مقصدِ زندگی صرف اور صرف فہمِ قرآن اور اطاعت رسول ﷺ ہو کے رہ گیا تھا، مکہ مکرمہ میں دارِارقم اور مدینۃ النبی میں صفہ حامل قرآن ﷺ کی قائم کردہ وہ درس گاہیں تھیں جہاں سے سب سے پہلے فہمِ قرآن کے چشمے پھوٹے، جن کی فیض رسانیوں نے تمام عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اصحابِ کرامؓ نے حامل قرآن ﷺ کی ذاتِ اقدس سے براہِ راست قرآن کا فہم حاصل کیا۔ اس مقصد کے لیے دِن رات ایک کر دیے اور فہمِ قرآن کی رُوح کو پانے کے لیے سعی بلیغ کا حق ادا کر دیا، وہی تو ہیں جنھوں نے قرآن کو اس کے صحیح تر تناظر میں سمجھا اور اس کے عملی تقاضوں کو مشیتِ ایزدی کے عین مطابق پورا کیا۔ جبھی تو ان کو رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ (۲۲) کا الہامی سٹرفکیٹ جاری ہوا۔ ایمان و تقویٰ اور قرآن فہمی کے جس معیار پر وہ فائز تھے، اُمت میں سے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ البتہ ان کو مشعلِ راہ بنا کر اپنے لیے فہم و شعور کی راہوں کو روشن کیا جا سکتا ہے۔

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مطالعۂ قرآن میں تین طریقے استعمال کیے۔ حضور ﷺ سے دریافت کرنا، ایک دوسرے سے دریافت کرنا اور خود غور و فکر کرنا۔" (۲۳)

ذوقِ عربیت/محاورہ عرب کا رسوخ:

فہمِ قرآن کے لازمی تقاضوں میں سے ذوقِ عربیت بھی ہے۔ قرآنِ حکیم کی زبان (عربی) اپنے الفاظ و تراکیب، معانی و مفہوم، محاورہ و اسلوب، زبان و بیان غرض ہر لحاظ سے ممتاز و منفرد ہے۔ اس

کے اولین مخاطبین عرب تھے جو اس زبان کے نشیب وفراز اور اسرار و رموز سے آشنا تھے۔ ذوقِ عربیت کیا ہے؟ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے بقول:

"یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عربیت سے مراد عربی زبان کی صرف اتنی اِستعداد نہیں ہے کہ کوئی شخص عربی سے اُردو میں یا کسی اور زبان میں ترجمہ کر سکے صرف اتنی اِستعداد سے ایک شخص قرآن کی اجمالی مراد تو سمجھ سکتا ہے لیکن جب تک اس کا ذوق عربیت پختہ نہیں ہوگا، اور امام شافعیؒ کے بقول جب تک اس میں کسی عربی عبارت کو عربی کے ہی اندازِ فہم وتعبیر کے مطابق سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی وہ قرآن مجید کے بلیغ اسلوبِ بیان اور اس کے مخصوص اندازِ تعبیر سے واقف نہیں ہو سکے گا۔" (۲۴)

یہ تو عربیت کا معاملہ ہے۔ ہر زبان کے حقیقی مفہوم تک رسائی کے لیے یہی قاعدہ ہے۔ مختلف دیگر زبانیں بولنے اور جاننے والے بھی برابر نہیں ہوتے، ایک ہی بات ہوتی ہے مگر ذوق سے عاری شخص پر اُس کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوتا جب کہ اگر صاحبِ ذوق اُسے سنتا ہے تو بے اختیار سر دھنتا ہے۔ مثال کے طور پر حکیم مومن خاں مومن کا ایک سادہ سا شعر ہے:

ع تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

نجانے کتنے لوگوں نے پڑھا اور سنا ہوگا مگر کہتے ہیں کہ جب مرزا غالب نے سنا تو یوں حسرت کا اظہار کیا کہ کاش! مومن یہ ایک شعر مجھے دے دیتے اور اس کے عوض میں میرا پورا دیوان مجھ سے لے لیتے۔

قرآنی سیاق وسباق اور علوم القرآن سے واقفیت:

قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے جملہ امور میں سے اس کے سیاق وسباق سے آگہی بھی اشد ضروری ہے جو فہمِ قرآن کے لازمی تقاضوں میں سے ہے۔ اس کے بغیر مراد اصلی تک رسائی ممکن نہ ہوگی۔

مثال کے طور پر قرآن کہتا ہے "واذکروا اللّٰہ فی ایام معدودات" (۲۵)

اب اگر اس جملۂ قرآن کو الگ تھلگ کر کے دیکھا جائے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس میں اللہ کو یاد

کرنے کا ایک عمومی حکم دیا گیا ہے، لیکن اگر اِس کے سیاق وسباق کو دیکھا جائے تو اصل مطلب سمجھ میں آ جائے گا کہ اس سے مراد ایام تشریق کے دوران رمی جمار ہے۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ہو سکتی ہیں۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی سیاق وسباق کو فہمِ قرآن کی لازمی شرط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''ایک آیت میں ایک لفظ کو دیکھ کر ہی اس کی تفسیر و تاویل کی جرأت نہ کی جائے بلکہ تمام قرآن مجید کا مطالعہ بنظرِ عمیق کر کے قرآن کی زبان اور اس کے طرزِ ادا وطریقۂ بیان کے ساتھ ایک ایسی مناسبت پیدا کر لی جائے کہ تعیین مراد میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔''(۲۶)

سیاق وسباق سے ہٹ کر قرآن کے الفاظ اور آیات کو سمجھنے کی کوشش کرنا گمراہی پر منتج ہو سکتا ہے۔ فہمِ قرآن کے لیے ذاتی رائے کو کافی سمجھ لینا اور اس کے مطابق چل پڑنا شریعت کے منافی ہے، جس سے احتراز لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من تکلّم فی القرآنِ برایة فاصاب فَقَدْ اَخْطَأَ"(۲۷)

(جس نے محض اپنی رائے سے قرآن کے بارے میں کچھ کہا اُس نے غلطی کی اگرچہ اُس کی رائے صحیح بھی ہو۔)

بظاہر یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ حدیث میں صحیح رائے کو بھی مذموم قرار دیا گیا مگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اِس سے وہ رائے مراد ہے جو قرآنِ حکیم کے مسلّمہ اصولوں سے متصادم ہو، اگرچہ اس سے کوئی صحیح نتیجے پر پہنچ بھی جائے تو بھی خطا کاری ہے کیونکہ اس نے غلط راستے کا انتخاب کیا جس پر اور لوگ بھی چل سکتے ہیں اور ضروری نہیں کہ ہر کوئی صحیح نتیجے پر ہی پہنچے۔ جسٹس تقی عثمانی لکھتے ہیں:

''تفسیرِ قرآن میں گمراہی کا سب سے پہلا اور سب سے خطرناک سبب یہ ہے کہ انسان اپنی اہلیت وصلاحیت کو دیکھے بغیر قرآنِ کریم کے معاملے میں رائے زنی شروع کر دے، خاص طور پر ہمارے زمانے میں گمراہی کے اس سبب نے بڑی قیامت ڈھائی ہے، یہ غلط

فہمی عام ہوتی جا رہی ہے کہ صرف عربی زبان پڑھ لینے کے بعد انسان قرآن مجید کا عالم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد جس طرح سمجھ میں آئے قرآنِ کریم کی تفسیر کر سکتا ہے۔ حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ دُنیا کا کوئی بھی علم وفن ایسا نہیں ہے جس میں محض زبان دانی کے بل پر مہارت پیدا ہو سکتی ہو۔ آج تک کسی ذی ہوش نے انگریزی زبان پر مکمل عبور رکھنے کے باوجود یہ دعویٰ نہیں کیا ہو گا کہ وہ ڈاکٹر ہو گیا ہے اور میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ کر دُنیا پر مشقِ ستم کر سکتا ہے۔۔۔ بلکہ اس کے لیے بڑی بڑی درسگاہوں میں کئی کئی امتحانات سے گزرنا ہوتا ہے۔"(۲۸)

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مَقْعَدَہٗ من النار"(۲۹)

(جس نے بغیر علم کے قرآن کے بارے میں گفتگو کی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے)

تقی عثمانی صاحب قرآن فہمی کے سلسلے میں ضروری علوم کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں "تفسیر قرآن کے لیے صرف عربی زبان کی معمولی واقفیت کام نہیں دے سکتی، بلکہ اس کے لیے علم اصولِ تفسیر، علم حدیث، اصولِ حدیث، اصولِ فقہ، علم فقہ، علم نحو، علم صرف، علم لغت، علم ادب اور علمِ بلاغت میں ماہرانہ بصیرت اور اس کے ساتھ ساتھ طہارت وتقویٰ ضروری ہے۔"(۳۰)

فہم حدیث برائے فہم قرآن:

قرآن کا نزول محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ہوا۔ قرآن نے کہا:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىO اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى"(۳۱)

نیز فرمایا گیا "وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ"(۳۲)

مزید فرمایا گیا "وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِیْ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ"(۳۳)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا کام صرف یہ نہیں تھا کہ قرآن کی شکل میں نازل ہونے والے الفاظ ہی کو دوسروں تک پہنچائیں بلکہ مقصدِ بعثت اس سے کہیں آگے تھا، یعنی کتاب وحکمت کی تعلیم و

تفہیم، تشریح و تفسیر اور تزکیۂ نفس، جس کا تذکرہ ایک دوسرے مقام پر یوں ہے:

''یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ''(۳۴)

گویا نزولِ قرآن کی طرح رسول ﷺ پر اللہ کی طرف سے فہم قرآن کا نزول بھی ہوا اور آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی قرآنِ حکیم کی بہترین فکری و عملی تفسیر قرار پائی۔ لہٰذا باقی تمام تر لوازمات فہمِ قرآن پورے ہو بھی جائیں فہمِ قرآن کی دولت میسر نہیں آ سکتی اگر اس کے لیے حضور رسالت مآب ﷺ کی حدیث مبارکہ کا فہم حاصل نہ کیا جائے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ ڈاکٹر سے دوائی تو لے لی جائے مگر اُس کی ہدایت کے مطابق استعمال نہ کی جائے، انجام محتاجِ وضاحت نہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان نے اپنے مضمون ''ہمہ قرآن در شانِ محمد ﷺ'' میں لکھا تھا:

''قرآن اور عملی قرآن یعنی حضورِ انور ﷺ کی حیاتِ طیبہ آپس میں لازم و ملزوم ہیں، جس نے حضورِ انور ﷺ کو نہیں دیکھا وہ قرآن کو دیکھ لے، لیکن جن لوگوں نے پورے قرآن کو نہیں دیکھا تھا اُن کے لیے حضورِ انور ﷺ ہی کافی تھے۔ ان کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک واقعہ قرآن کی ترجمانی کرتا ہے اور اس کے احکام کی صحیح عملی تصویر پیش کرتا ہے، جس نے ان کو دیکھ کر قرآن پڑھا اُسی نے ہدایت پائی اور جس نے ان کو دیکھے بغیر اس کا مطالعہ کیا وہ ہدایت سے محروم رہا۔''(۳۵)

ترجمۂ قرآنِ حکیم برائے فہمِ قرآن:

فہمِ قرآن کا ایک لازمی تقاضا ترجمۂ قرآن ہے۔ یہ ہر زبان کی مجبوری ہے خواہ وہ کتنی ہی زرخیز اور فصیح و بلیغ کیوں نہ ہو، ترجمے کے بغیر وہ زبان صرف انھی لوگوں کے درمیان مقید ہو کے رہ جائے گی جو اُسے جانتے اور سمجھتے ہوں گے۔ باہر کی دُنیا سے اُس کا رابطہ منقطع رہے گا اور دیگر اقوامِ عالم اس زبان سے استفادہ نہیں کر پائیں گی۔ چنانچہ ایک سے دوسری زبان میں ترجمہ ضروری ہوا اور قرآن کے آفاقی پیغام کے پیشِ نظر ترجمۂ قرآن کو بھی ہمہ گیر اہمیت حاصل ہوئی۔ ترجمہ آرامی الاصل لفظ ہے جو

بہت پہلے عربی زبان میں داخل ہوا، جس کے معنی سمجھنے اور سمجھانے کے ہیں۔ اس سے اسم فاعل ترجمان ہے۔

فہمِ قرآن کے پس منظر میں ترجمے کی اہمیت اگرچہ عرب وعجم دونوں کے لیے ہے، تاہم یہ اہلِ عجم کی اوّلین اور خاص ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ان کے لیے قرآن فہمی کا اور کوئی راستہ نہیں تاوقتیکہ وہ عربی زبان وادب سے مناسب واقفیت پیدا کریں۔

غیر عربی زبان میں ترجمۂ قرآن کا بنیادی سبب تو یقیناً ضرورتِ عجم ہی ہے۔ تاہم اس کے کچھ اور بھی اسباب ہیں۔ ڈاکٹر صالح عبدالحکیم شرف الدین نے اس سلسلے میں بیان کیا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ الفاظ اور اصطلاحوں کے متروک ہونے کے باعث نئی نئی اصطلاحیں ایجاد ہوتی ہیں ''لہٰذا کئی ترجمے اس لیے بھی لکھے گئے کہ وہ اس لسانی ارتقاء کا ساتھ دے سکیں۔'' ہر دور کا انسانی معاشرہ مخصوص قدروں اور رجحانات کا حامل ہوتا ہے۔ ''لہٰذا ہر عصر میں علماء نے اس چیز کو ضروری سمجھا کہ اپنے زمانے کے تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ترجمہ کریں۔'' کچھ ترجموں کی وجہ لوگوں کے ذاتی خیالات کی ترویج بنی تاکہ وہ محض ذاتی طور پر کسی دوسرے کی تائید یا تردید کریں، حصولِ ثواب کی نیت بھی مسلمانوں کے اندر قرآنی تراجم کا باعث بنی۔ بعض تراجم تجارتی مقاصد کے تحت منظرِ عام پر آئے۔'' بعض دُشمنانِ اسلام نے قرآن کو دانستہ مسخ کرنے کی خاطر اس کے غلط ترجمے کر کے چھاپا ہے۔''(۳۶)

بالخصوص ترجمۂ قرآن مشکل فنون میں سے ہے:

> ''بسا اوقات تو ایک زبان کا لفظ ٹھیٹ اُسی معنی میں دوسری زبان میں ہوتا ہی نہیں...... محاوروں اور کہاوتوں کے ساتھ بھی یہی مشکلات ہوتی ہیں۔ یہ تو سب انسانی تحریر کے بارے میں ہے۔ چہ جائیکہ کلام اللہ! لہٰذا قرآن کا ٹھیٹ ترجمہ تو کوئی انسان کر ہی نہیں سکتا۔ امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم کا نزول تمام اسالیب قرآن کے مطابق ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ترجمہ کرنے والا قرآن کا ترجمہ کسی زبان میں کماحقہٗ نہیں کر سکتا۔''(۳۷)

قرآنِ حکیم کے تراجم دُنیا کی تقریباً ہر معروف زبان میں ہو چکے ہیں۔ اس حوالے سے دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ ’’اب تک قرآن کے تقریباً جتنے بھی ترجمے ہوئے وہ تمام غیرعربی علماء کی محنت اور عقیدت کا نتیجہ ہیں۔ اب تک کسی عربی عالم نے سنجیدگی سے قرآن کا ترجمہ کسی بھی زبان میں کرنے کی کوشش نہیں کی۔ غالباً ان کو یہ احساس ہی نہ ہوتا ہو کہ غیرعربی دان کے لیے قرآن سمجھنا کتنا مشکل ہے، یا پھر اس احساس کے ہونے کے باوجود اس لیے نہ کیا ہو کہ خود ان کو اس کی ضرورت نہیں۔ اس کے برعکس غیرمسلم عربوں نے بائبل سمجھنے کی ضرورت محسوس کی، لہٰذا غیرمسلم عالموں نے بائبل کے تراجم عربی میں خوب کیے ہیں۔‘‘ (۳۸)

دعوتِ فکر ہے عرب اہلِ ایمان صاحبانِ علم و دانش کے لیے کہ وہ اپنے مخصوص ذوقِ عربیت کی رُو سے غیرعربی زبانوں میں قرآنِ حکیم کے تراجم کریں اور قرآن کا فہم اپنے عرب پس منظر میں اُجاگر ہو۔

تفسیری تقاضوں کا لحاظ:

قرآن فہمی میں تفسیر و توضیح کا بنیادی کردار ہے۔ لہٰذا مترجم کے لیے ان اوصاف کا حامل ہونا بھی ضروری ہے جن سے قرآن کا مفسر متصف ہوتا ہے۔ اصل میں ترجمہ تفسیر ہی کی ایک شکل ہے۔ دونوں کا مقصد قرآن فہمی ہے۔ دونوں کے تقاضے کم وبیش یکساں ہیں۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ علمِ تفسیر کے جملہ اصولوں سے بخوبی واقف ہو ورنہ قرآنی پیغام کی درست ترجمانی ممکن نہ ہو گی۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن فہمی کے تقاضوں کے تحت مضمون ہٰذا میں جن نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے وہی نکات تفسیری تقاضوں کے تحت بھی زیر بحث آتے ہیں۔

عصری معاشرتی حالات کی رعایت:

ترجمۃ القرآن کے عنوان کی ضرورت واہمیت محتاجِ بیان نہیں یہ فہمِ قرآن کا ایک ناگزیر تقاضا ہے کہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے پیشِ نظر غیرعربی زبانوں میں قرآنِ حکیم کے تراجم ہوتے رہیں اور اِس حوالے سے ترجمے کا فن فہمِ قرآن کے حقیقی مقصد سے ہمکنار ہوتا رہے۔

مقصدِ فہمِ قرآن یہ ہے کہ انسانی زندگی میں انقلاب آئے۔ فکری و عملی، انفرادی و اجتماعی انقلاب

کہ انسان عقائدِ باطلہ سے نجات پا جائے، اُس کے کردار کی اِصلاح ہو جائے اور وہ فی الدُّنیَا حَسَنَةً وَ فِيْ الآخِرةِ حَسَنَةً کا حق دار قرار پا جائے۔لہٰذا ترجمے کا معاملہ بہت نازک ہے۔اس کے لیے نہ صرف یہ کہ عربی زبان و ادب اور جس زبان میں ترجمہ کرنا مقصود ہو اُس پر مکمل عبور اور دسترس حاصل ہو بلکہ حدِ درجہ احتیاط، تقویٰ اور علوم الحدیث سے بخوبی آ گاہی کی بھی ضرورت ہے۔من مانے مفاہیم و مطالب پیدا کرنے اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے سے گریز لازم ہے۔مبالغہ آمیزی پر مبنی تراجم عوام الناس میں گمراہی کا باعث بنتے ہیں اور فہمِ قرآن کا حقیقی مقصد فوت ہو کے رہ جاتا ہے۔آج کا معاشرہ جس موڑ پہ آ پہنچا ہے اور عالمِ اسلام جس مقام پر کھڑا ہے وہاں وقت کے بہت سے نئے تقاضے جنم لے رہے ہیں۔ دہشت گردی اور انتہا پسندی کے الزام کی لپیٹ میں صرف عالمِ اسلام ہی کیوں؟ کیا دہشت گردی کا کوئی جامع معنی و مفہوم متعین ہونا چاہیے یا نہیں؟ آزادیٔ صحافت کی آڑ میں پیغمبرِ اسلام حضور محسنِ انسانیت ﷺ کے حوالے سے توہینِ رسالت کا بار بار اِرتکاب، ایسے سلگتے ہوئے مسائل ہیں جن کے مؤثر، قطعی اور دوٹوک حل کے لیے غیرت ایمانی، تزکیۂ نفس اور بلند علمی و تحقیقی معیار پر مبنی قرآنی تراجم اور مکالمۂ فطرت کی پکار اور وقت کی آواز بن چکا ہے۔

(وماعلینا الا البلاغ)

❀❀❀❀

حواشی وحوالہ جات

۱: البقرہ: (۲)۲۳
۲: ایضاً // ۰۲
۳: ایضاً // ۰۲
۴: ایضاً // ۱۸۵
۵: الاسراء(۱۷)۹
۶: البقرہ: (۲)۲۶
۷: القمر(۵۴)۱۷
۸: ملک غلام مرتضیٰ، ڈاکٹر، انوار القرآن (ملک سنز لاہور ۱۹۸۶ء)۱/۳۷
۹: افتخار احمد بلخی، مولانا، مضمون بعنوان: قرآن مجید کا طرزِ استدلال، قرآن نمبر، سیارہ ڈائجسٹ (ادارۂ معارف اسلامیہ کراچی، مدیراعلیٰ: پروفیسر خورشید احمد، نومبر ۱۹۶۹ء)۱/۳۳۱
۱۰: سیّد قطب شہید، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ترجمہ: پروفیسر غلام احمد حریری (طارق اکیڈمی فیصل آباد، جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۳۶۱)
۱۱: اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہِ پنجاب لاہور)۱۶/۱/۳۴۳
۱۲: البقرہ: (۲)۴
۱۳: عبدالباقی، محمد فواد، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم (دارالحدیث القاہرہ)
۱۴: حٰم سجدہ (۴۱)۴۴
۱۵: مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۱/۱۲۸
۱۶: مودودی، تفہیم القرآن ۱/۵۱
۱۷: البقرہ: (۲)۲۸۹
۱۸: ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ۶/۳۱۵
۱۹: مولانا سعید احمد اکبر آبادی، فہم قرآن (ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی جنوری ۱۹۸۲ء) ص:۴۱
۲۰: النجم (۵۳)۳۹
۲۱: العنکبوت (۲۹)۶۹
۲۲: المائدہ(۵)۱۱۶، التوبہ(۹)۱۰۰، المجادلہ(۵۸)۲۲، البینۃ(۹۸)۸

۲۳: سیّد معروف شاہ شیرازی، مضمون بعنوان: قرآن سے صحابہؓ کا طریق استفادہ، قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ۔
۲۴: سیّد احمد اکبرآبادی، فہم قرآن، ص: ۲۷
۲۵: البقرہ: (۲) ۲۰۳
۲۶: سعید احمد اکبرآبادی، فہم قرآن، ص: ۴۶
۲۷: حافظ ابنِ کثیر، مقدمہ تفسیر ابنِ کثیر
۲۸: محمد تقی عثمانی، علوم القرآن (مکتبہ دارالعلوم کراچی، س ن) ص.۳۵۹
۲۹: حافظ ابنِ کثیر، مقدمہ تفسیر ابنِ کثیر۔
۳۰: محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، ص: ۳۶۱
۳۱: النجم (۵۳) ۳ ۳۲: النحل (۱۶) ۴۴ ۳۳: النحل (۱۶) ۶۴
۳۴: آلِ عمران (۳) ۱۶۴، الجمعہ (۶۲) ۲
۳۵: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، مضمون بعنوان: ہمہ قرآن در شانِ محمد ﷺ، رسول نمبر ﷺ، نقوش، ۸۹/۱
۳۶: ڈاکٹر صحالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اُردو تراجم (قدیمی کتب خانہ کراچی، س۔ن) ص: ۶۷۔۶۹
۳۷: ایضاً // // // ص: ۷۰
۳۸: ایضاً // // // ص: ۷۰۔۷۱

❀❀❀❀

نزول قرآن کے مقاصد کی روشنی میں
ترجمہ قرآن کی مختصر اہمیت

ڈاکٹر زاہدہ شبنم ☆

قرآن کریم کا مرکزی موضوع انسان ہے اور نزول قرآن کریم کے بنیادی مقاصد انسان کی اصلاح، فلاح اور ارتقائے خیر کے ساتھ ساتھ کامیاب ترین انسان محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت بیان کر کے اس کے حق قیادت کی دلیل و برہان بنتا ہے۔ ان چاروں مقاصد میں سے اولین مقصد انسانیت کی اصلاح ہے۔ یہ اصلاح انسان کی ذات کے لیے بھی ہے اور انسانوں کے میل جول سے وجود میں آنے والی معاشرتی، معاشی، سیاسی وغیرہ یعنی اجتماعی زندگی کے لیے بھی ہے۔ اصلاح سے مراد روح، عقل اور جسد انسانی تینوں کی درستگی ہے۔

(الف) روح یعنی نفس اور قلب کی اصلاح:

انسانی خواہشات، مرضیات اور خیالات کی اصلاح روحانی اصلاح کہلاتی ہے، انسان مختلف اشیاء، امور، حوادث سے متاثر ہوتا ہے۔ اور ان کے اثرات اس کے نفس اور قلب پر کندہ ہو جاتے ہیں تو اس وقت قرآن مجید یہ حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیتا ہے کہ اپنے معجز نما پیرایۂ بیان اور دلنشین اسلوب کی مدد سے انسان کے قلب اور نفس کو ان اثرات بد سے نکال کر اس کے احساسات لطیفہ کو بیدار کرتا ہے۔ اسے خیالات پاکیزہ عطا کرتا ہے، مرضیات ممدوحہ سے نوازتا اور نیک خواہشات کی آماجگاہ بناتا ہے۔ اور اسی سے انسان محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ ایک نئی زندگی میں ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنَّ

☆ لیکچرار خواتین کالج یونیورسٹی لاہور

الْقُلُوْبِ ﴾(سورة الرعد آیت نمبر ۲۸).

(ب) عقل یعنی شعور اور فکر کی اصلاح:

غور فکر اور شعور وتصورات کی اصلاح سے عقل درست ہوتی ہے اور روحانی تربیت سے غذا پا کر خود الہامی رہنمائی حاصل کرتی اور دیگر انسانی قوتوں کے لیے رہنما کا کام کرتی ہے۔قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اپنی آیات و ہدایات کے ذریعے عقول کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی ہے۔عقائد وتصورات میں پختگی اور قوت استدلال کے اعجاز سے عقل انسانی کی تعمیر واصلاح کے الہامی راستے کھلتے اور سر بستہ راز ہائے کائنات منکشف ہوتے جاتے ہیں۔قرآن کریم روح کی اصلاح اس انداز میں کرتا ہے کہ یہ عظیم قوت روح عقل کے راستوں کو منور کر سکے اور تاریک راہوں میں اس کی رہنمائی کر سکے۔روح و عقل کی ذاتی واجتماعی اصلاح کے لیے قرآن کریم ہی کامل اور اساسی نصیحت نامہ ہے جو کہ اصلاح کے لیے صرف دلائل ہی پیش نہیں کرتا، بلکہ اس کے ناصحانہ کردار کو جاندار بنانے کے لیے متاثر کن قوت استدلال کے ساتھ مرعوب کر دینے والا اسلوب بھی رکھتا ہے۔

(ج) اخلاقی وعملی اصلاح

اصلاح کی یہ قسم انسانی جسم کی ظاہری صورت میں ڈھل کر اسے انسانیت کی معراج عطا کرتی ہے اور قرآن کریم نے جسد انسانی کو روحانی اور عقلی قوتوں کے زیر اثر رہنے اور بغاوت سے محفوظ رکھنے کے لیے اسے عبادت ومعاملات اور اخلاق و عادات کا باقاعدہ نظام دیا ہے جسے اختیار کرنے اور اسے عملی زندگی کا حصہ بنانے سے بہترین انسان کی اعلیٰ صورت گری ممکن ہو جاتی ہے۔

(2-3) انسان کو اللہ نے فطری خواہشات واحتیاجات میں فلاح وتعمیر اور ارتقائے خیر کا تصور دیا ہے جس کے حصول کے لیے ہر انسان کسی نہ کسی حد تک جہد مسلسل میں لگا رہتا ہے تا آنکہ وہ اس دنیائے فانی سے کوچ کر جائے ۔دنیاوی فنا کے باوجود انسان کی بقا، عدل وانصاف اور اتباع حق وبطلان باطل کے جذبات وخواب (تصورات) عطا کیے، جن کی عملی تعبیر کے لیے انسان مختلف حیلے کرتا ہے،قرآن کریم نے انسان کی ان فطری خواہشات و احتیاجات کو مدنظر رکھا اور اس کو فلاح انسانی

کا ایک جامع، مربوط اور منظّم نقشہ عطا کیا۔ پھر اس نقشہ میں رنگ بھرنے کے لیے انسانی اصلاح کا نظام دے کر اسے مضبوط، پائیدار اور زندہ بنیاد مہیا کی۔

(4) قرآن کریم جس طرح انسانی ذات و اجتماع کی اصلاح کے لیے مؤثر اسلوب بیان اور معجزانہ پیرائیہ اظہار سے لبریز ہے۔ اسی طرح انسانی فلاح و ارتقائے خیر کے لیے فکر آخرت، جنت وجہنم، جزا وسزا، عدل وانصاف اور معاش ومعاد کی بہترین صورتوں سے آگاہی اور ان کے اختیار کی ترغیب اور دنیا کے کامیاب ترین قائد محمد رسول اللہ ﷺ کے حق قیادت وسیادت وبعثت کی صداقت اور دلیل وبرھان کے طور پر سیرت طیبہ ﷺ کی ضرورت، اہمیت اور اتباع پر اثر آفرین اعجاز کے ساتھ مضبوط قوت استدلال بھی رکھتا ہے۔

نزول قرآن، علوم قرآن، ابلاغ قرآن اور تعلیم قرآن پر کام کرنیوالے ماہرین نے جتنے بھی مقاصد نزول قرآن بیان کیے ہیں وہ ان چاروں کے گرد گھومتے ہیں۔ مولانا مالک کاندھلوی نے بہت سے مقاصد کا تذکرہ کر کے انہیں ۴ اساسی مقاصد کے ذیل کے طور پر بیان کیا ہے، ان کے نزدیک یہ چار اساسی مقاصد یہ ہیں:

(ا) انسان کو مبداء ومعاد کی حقیقت سے آگاہ کرنا۔

(ب) آخرت کا تصور اجاگر کرنا اور دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کرنا۔

(ج) انسان کو حق تعالی کا احسن تقویم بنا کر اسے مسخر کائنات بنانا، پھر خالقیت کی پہچان اور اس کی اطاعت وبندگی پر آمادہ کرنا۔

(د) معاش ومعاد کی اصلاح اور امن عالم کا صرف کتاب ہدایت اور پیغمبر ﷺ کی پیروی میں مضمر ہونے کا بیان۔

ان چاروں اساسات سے ۴ چیزیں ہی سامنے آتی ہیں۔

ا۔ فکر آخرت اور حقیقت مبدا ومعاد سے آگاہی کے ذریعے اصلاح نفس کے ساتھ اجتماعی اصلاح کرنا۔

۲۔ تسخیر کائنات سے فلاح انسانی کا کام لینا۔

۳۔ معاش ومعاد کی اصلاح وارتقائے خیر کے لیے۔

۴۔ محمد رسول ﷺ کی صداقت وامانت کی دلیل وبرھان بننا۔

پھر جب ہم گہرائی میں اتر کران امور کا جائزہ لیتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کو دو قوتیں دی گئیں:

۱۔قوت نظریہ

۲۔قوت عملیہ

انہیں دونوں قوتوں کی اصلاح و درستگی اورخرابی پر انسان کی سعادت و شقاوت موقوف ہے، اور انسان ان دونوں قوتوں کی اصلاح اور کمال تربیت کے بغیر مقام سعادت حاصل نہیں کرسکتا۔

ترجمہ قرآن کی اہمیت:

نزول قرآن کے مقاصد کی روشنی میں اگر ہم ترجمہ قرآن کی اہمیت وضرورت کا اندازہ لگانا چاہیں تو مشکل نہیں، کیونکہ عربی زبان کو سمجھنے اور اس پر عبور رکھنے، بلکہ عربی زبان جن تعلیم یافتہ افراد کی مادری زبان ہے، وہ بھی متن قرآن کی تفہیم وتوضیح کے لیے تفسیر کا سہارا پکڑتے ہیں، نہ صرف تفسیر وتوضیحات کا، بلکہ ادق اور مشکل ومشترک الفاظ واحکام کے معانی معلوم کرنا اہل اللغۃ کے لیے ضروری ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید الہٰی کلام ہے جو اپنے اسلوب، ترکیب، تنظیم، احکام اور معانی میں فقید المثال اعجاز کا حامل ہے۔ اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ترجمہ قرآن کی بنیاد عہد رسالت میں ہی پڑگئی تھی۔رسول ﷺ قرآن کے معانی بیان فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں "وقب"کا معنی بیان کیا گیا ہے، اس طرح بہت سارے دیگر الفاظ کے معانی اور کلمات وتراکیب کے مفاہیم سمجھانے کے بارے میں روایات موجود ہیں۔جیسے "نخرۃ"(النازعات)" عبس" (عبس) "مسفرۃ" (عبس)، "وسق" (الانشقاق)، "سجرت اور "عسعس" (التکویر)" بمصیطر"(الغاشیۃ)" عاملۃ ناصبۃ"(الغاشیۃ)" المطمئنہ" (الفجر)، وغیرہ۔

پھر عہد صحابہؓ میں بھی معانی قرآن کی تفہیم صحابہؓ ایک دوسرے سے کرتے رہے، معانی کے

ذریعے قرآن کی تفہیم ہی ترجمہ قرآن کی بنیاد ہے۔ پھر قرآن مجید کے معانی ومفاہیم اور دیگر زبانوں میں تراجم کی پسندیدگی اگر چہ مقاصد نزول قرآن کے حصول میں نہایت ضروری ہے لیکن باری تعالیٰ کے ارشادات نے اس اہم ذمہ داری کو ضرورت سے بڑھا کر فرض کفایہ کا درجہ دیا ہے۔

[فلولا نفر من کل فرقة.....](سورة التوبه: ۱۲۲)

بعثت رسول ﷺ کا مقصد، تلاوت آیات کے ساتھ تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب وحکمت بھی ہے تعلیم کتاب میں معانی وترجمہ بھی شامل ہے اسی طرح اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

☆ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَه فَاِذَا قَرَاْنٰـهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه]

(سورة القامية:۱۹،۱۸،۱۷)

☆ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ (سورة الجمعه : ۲)

☆ [وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاس الخ](سورة العنکبوت:۴۳)

علما ومفسرین اور مترجمین کے ہاں قرآن کریم کے معانی ومفاہیم معلوم کرنا ہمیشہ محبوب رہا، حتی کہ بعض نے حفظ قرآن پر معانی قرآن کے فہم کو ترجیح دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول امام السیوطیؒ نے ابن الانباری کے حوالے سے ''الاتقان'' میں نقل کیا ہے:

''بے شک یہ بات مجھے بہت زیادہ پسند ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کریمہ کی معرفت حاصل کروں بہ نسبت اس کے کہ میں ایک آیت کریمہ حفظ کروں۔''

علامہ سیوطیؒ نے علما کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ معانی قرآن کا علم فرض کفایہ ہے، اگر چہ تفسیر قرآن ترجمہ نہیں، لیکن ترجمہ قرآن، قرآن کی بعینہ Translation کی بجائے ترجمانی ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کے فضائل میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، وہ سب ترجمانی قرآن کی فضیلت بھی ہے۔ معانی قرآن کا فہم بزرگ ترین علم اور بہترین پیشہ کہلایا۔

ترجمہ قرآن کی اہمیت کا اندازہ مسلم علما کو تو تھا ہی لیکن راسخ العقیدہ مسلم حکمرانوں نے بھی اس کی ضرورت کا احساس کیا، یہی وجہ ہے کہ اس وقت تراجم قرآن مجید کم وبیش ۱۰۳ زبانوں میں شائع ہو چکے

ہیں، ترجمہ قرآن مجید کے باقاعدہ مراکز بھی قائم کئے گئے۔ یا پھر بعض مراکز قرآن میں ترجمہ قرآن کے شعبہ جات قائم کیے گئے، اس سلسلے میں مجمع الملک فہد نے ۴۰ زبانوں سے زائد زبانوں میں تراجم قرآن شائع کیے ہیں، ایران کے ''مرکز ترجمہ قرآن بزبان ہائی خارجی'' نے تراجم قرآن میں اغلاط کی نشاندھی کے لیے ۴۰۰۰ مطبوعہ نسخہ ہائے تراجم جمع کیے، جو ۹۵۰ تراجم پر مشتمل ہیں۔

ترجمہ قرآن کے مقاصد:

ترجمہ قرآن کی شرائط پر بحث کرنے سے پہلے قرآن کریم کے مقاصد نزول کا تذکرہ مناسب ہوگا، کیونکہ جب تک مقاصد نزول قرآن کریم سے کما حقہ آگاہی نہ ہو قرآن مجید کے ترجمہ کے مقاصد طے نہیں ہوسکتے، اور کسی بھی چیز کے مقاصد ہی سے اس کی اہمیت وضرورت کا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ مترجم قرآن کے لیے قرآن اور ترجمہ قرآن کے مقاصد کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا اور ان مقاصد کے مطابق ترجمہ قرآن کے تقاضوں اور شرائط کو سمجھنا اور پھر ان شرائط پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔

ترجمہ قرآن مجید کے بڑے مقاصد یہ ہیں:

(i) احکام الہیہ پر مشتمل کتاب ہدایت کی بلاواسطہ تفسیر وتاویل کرنا اور غیر عربی ''اطاعت شعاروں'' کو اللہ کی مرضی ومنشا سے آگاہی دینا۔

(ii) قرآن کریم کو، جو کہ سیرت رسول اللہ a کی عملی اور کتابی شکل ہے غیر عربی زبان دانوں تک بغیر کسی واسطے کے پہنچانا.

(iii) شریعت اسلامیہ کو فقہی اور ذاتی اختلافات میں قرین رضائے تعالیٰ حکم کا فہم حاصل کرنا۔

(iv) قرآن کریم کے کلمات و معانی کے پر اثر اعجاز سے غیر عربی افراد کے لیے جس حد تک ممکن ہو استفادہ کی سہولت مہیا کرنا۔

آج بے شمار مسلم وغیر مسلم ایسے ہیں جنہیں اسلام پر عمل کرنے یا اسلام کی حقانیت کو قبول کرنے کی ترغیب صرف قرآن مجید یا اس کے ترجمہ سے حاصل ہوئی، ترجمہ قرآن مجید کے یہ چاروں مقاصد اگرچہ باکمال تو حاصل نہیں ہوسکتے کہ انسانی کاوش نقص سے پاک نہیں اور نہ ہی اثر خیز اعجاز سے مزین

ہوسکتی ہے، لیکن عام مشاہدہ یہ ہے کہ ترجمہ قرآن حکیم سے ان چاروں مقاصد کے حصول میں بہ نسبت تفسیر وفقہ کے زیادہ سہولت پیدا ہوئی۔ اس وقت مسلمانوں میں بدعات وخرافات کا بازار گرم ہے، عالم کفران بدعات وخرافات کو اسلامیانے کے عمل میں میڈیا کی بھرپور سرپرستی کر رہا ہے، کیونکہ جہاں سے سنت اٹھتی ہے وہاں بدعت آتی ہے، جہاں سے حیا جاتی ہے، وہاں بے حیائی آتی ہے جہاں اللہ کی فرمانبرداری کا جذبہ مفقود ہوتا ہے وہاں شیطان کی دوستی کا راستہ ہموار ہوتا ہے کہ انسانی فطرت میں بمصلحت جذبہ اطاعت، اللہ نے پیدا کر رکھا ہے، اگر یہ جذبہ اطاعت نہ ہوتا تو انسان کسی کی حکمرانی، کسی کی سیادت وقیادت اور کسی بزرگ یا والدین کی فرمانبرداری کرنے سے عاجز ہوتا۔ اگرچہ اس کی ایک حد ہے بہر حال ان بدعات وخرافات کے خاتمے اور سنت کے احیاء سے ہی مسلم معاشرہ دوبارہ سفر ارتقائی پر گامزن ہوسکتا ہے اور اس کے لیے ترجمہ قرآن ایک بہترین ذریعہ ہے، اس دور میں جہاں علماکرام وعظ ونصیحت اور تفسیر وفقہ کی دعوت واشاعت پر انتھک کوشش کرنے کے باوجود عوام میں وہ بیداری اور جذبہ اطاعت الٰہی پیدا نہ کر سکے، وہ فہم قرآن اور ترجمہ قرآن نے بہت جلد اور بخوبی پیدا کر دیا، اسی لیے نومسلم افراد کی اسلام قبول کرنے کی سرگزشتیں مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے، کہ ان پر سب سے زیادہ اثر ترجمہ قرآن نے ڈالا، بے شمار افراد نے محض اس لیے عربی سیکھی کہ وہ ترجمہ قرآن سے جس کلام معجز اثر سے محظوظ ہوے، اس کے ذوق کی تسکین کے لیے بلاواسطہ ترجمہ عربی متن کے ساتھ قرآن کا مطالعہ کر سکیں۔

مترجمین قرآن بطور حاملین قرآن:

ترجمہ قرآن دراصل ایک بھاری دقیق اور عظیم بار ہے، جو مترجم اپنے کاندھوں پر اٹھاتا ہے، ترجمہ قرآن کے نور ایمان، لسانی اعجاز، فقید المثال رفعت علمی اور عملی ترغیبات کے اچھوتے، منفرد اور متاثر کن اسلوب کو 100% غیر عربی اطاعت شعاروں میں متعارف کروانے کا سفر عظیم ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن حکیم کا ترجمہ، محض ایک زبان سے دوسری زبان میں Translation کا کام نہیں، بلکہ (ذاتی آراء اور افرادی جھکاؤ کے بغیر) یہ کتاب مجید فرقان حمید کی ترجمانی کی عظیم ذمہ داری ہے۔

دراصل صاحب ترجمہ۔ اللہ کے بارے میں شہادت دے رہا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ترکیب یا کلمہ سے یہی معنی مراد لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں شہادت دینے والوں کو عالم قرار دیا ہے۔

• ﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّه لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ﴾

(سورۃ آل عمران:١٨)

ترجمہ قرآن کی بنیاد:

لہٰذا مترجم کے علم کی بنیاد تفسیر صحیح پر ہے، نہ کہ تفسیر رائے پر، تفسیر رائے بالاتفاق مذموم ہے، جبکہ تفسیر صحیح کی اساس پانچ چیزوں پر رکھی جاتی ہے:

(1) قرآن کریم (سیاق کلام اور دوسرے مقامات کی روشنی میں)

(2) احادیث مبارکہ

(3) اقوال صحابہ

(4) لغت عربیہ

(5) کلام کے معنی کے مقتضی اور شریعت سے ماخوذ رائے سے۔

پانچویں اساس پہلی چار اساسات کے بعد رکھی گئی ہے کیوں کہ مفسر پانچویں اساس پر اپنی تفسیر کی بنیاد رکھنے میں تبھی کامیاب ہوسکتا ہے جب پہلی 4 بنیادوں کو مدنظر رکھے گا، علامہ سیوطیؒ نے پہلی بنیاد کا تذکرہ نہیں کیا، دیگر چار اساسات گنوائی ہیں، لہٰذا علمی شرائط کا تقاضا ہے کہ مترجم اپنے ترجمہ کی بنیاد ان تفاسیر صحیحہ سے حاصل کرے جس کی اساس ان پانچ چیزوں پر ہو۔

ترجمہ قرآن کے تقاضے:

ماہرین علوم قرآن نے تفسیر اور ترجمہ قرآن کے لیے بہت سی شروط کا تذکرہ کیا ہے انہیں قرآن کے وسیع تر معجزات کے پس منظر میں 4 اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1۔ ایمانی شرائط

2۔ علمی شرائط

3۔ عملی شرائط

4۔ لسانی شرائط

موضوع میں تقاضے اگر چہ شرائط سے مؤخر ہیں، لیکن میری عاجزانہ رائے میں کسی بھی کام کے تقاضوں سے آگاہی ہی اس کی شرائط کا تعین کرتی ہے، لہٰذا پہلے تقاضوں کا تذکرہ کیا جائے گا پھر شرائط کا۔

1۔ ترجمہ قرآن اصلاح عقائد کے وسیع تر مفاد کے حصول کو یقینی بناتا ہے، لہٰذا اس کا تقاضا ہے کہ قرآن کے بیان کردہ عقائد وایمانیات کا ترجمہ ایسے کلمات وانداز کے ساتھ کیا جائے کہ قاری خطا نہ کھائے۔

2۔ اس کی زبان سادہ، سلیس، رواں اور بے تکلف ہو۔

3۔ ترجمہ قرآن میں معجز اثر کلام کے حقیقی اثرات پیدا کرنے کے لیے عربی الفاظ کو بقدر استطاعت علی حالہ برقرار رکھا جائے۔

4۔ ترجمہ قرآن میں قرآن کریم کے مفہوم ومطلب کو مجروح کرنیوالے ہر پہلو کو نظر انداز کرنا ضروری ہے۔

5۔ وہ دل نشینی، اثر خیزی اور اعجاز آفرینی جو قرآن مجید کے تلاوت کرتے ہوئے محسوس ہوتی اور دلوں کو بیدار کرتی ہے اسے انسانی استطاعت کی کمال مطابقت کے ساتھ برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

6۔ زبان وبیان ترجمہ میں احکام کی ضرورت اظہار کو ترجیح دی جائے، نہ کہ محاورہ زبان کو۔

7۔ ترجمہ محض لطائف وغرائب کا مجموعہ نہ ہو، بلکہ کتاب ہدایت کے ام العلوم ہونے کی شایان شان ہو۔

8۔ ترجمہ قرآن کا تقاضا ہے کہ مختلف سورتوں اور آیات کے خاص نزول یا پس منظر اور آیات کے زمانی ومکانی تعلق کی سب صورتوں کو پیش نظر رکھا جائے۔

9۔ قرآن مجید اپنے مترجم سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ عہد بعہد لسانی تغیرات وارتقاء سے باخبر ہو

بخصوصی طور پر اردو زبان کے مترجم کو، کیونکہ ترجمہ قرآن کا تقاضا ہے کہ عہد بعہد لسانی تغیرات وارتقاء کے مطابق اس میں خوبی وکمال اور آسانی پیدا کی جائے۔

10۔ ترجمہ قرآن کا تقاضا ہے کہ اسے ان نکات کے مطابق ڈھالا جائے، جو قرآن مجید کے مفسّر اول محمد رسول اللہ ﷺ کے تفسیر کے ضمن میں فرمودہ انکشافات، صحابہ کرامؓ کے اقوال تفسیر اور ہدایت یافتہ مفسرین کے علمی اور تفسیری دفاتر میں موجود ہیں۔

11۔ ترجمہ قرآن مجید کا عظیم مقصد نفس اور انسانی فلاح اور ارتقاء خیر ہے، لہٰذا اس کا تقاضا ہے کہ صاحب ترجمہ پہلے اپنی اصلاح کا بھر پور جذبہ رکھتا ہو اور اس پر عمل پیرا ہو، نیز انسانی فلاح اور ارتقائے انسانیت کے افکار اس کے ہاں گنجلک نہ ہوں۔

12۔ ترجمہ قرآن، کلام الٰہی کا ترجمہ ہے نہ کہ کسی گروہ امام یا فقیہ کی کتاب کا، لہٰذا اسے گروہی، فقہی اور ذاتی میلانات کے تعصّبات سے پاک ہونا چاہیے۔

13۔ ترجمہ قرآن کی اساس منقول و ماثور معانی پر ہونی چاہیے، اگرچہ منقولات و ماثورات پر مکمل انحصار قرآن میں غور وخوض اور قرآن کریم کے معنی اخذ کرنے کو بالکل ترک کرنے کا باعث ہوگا، منقول و ماثور معانی پر ترجمہ کی اساس کی دلیل ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ﴾ (سورۃ النساء:۵۹)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آیت سے مکمل طور پر یہ مراد لینا درست نہیں، بلکہ آیت کے الفاظ ﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ..... ﴾ سے واضح طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ حکم ان امور یا معانی کے تعین میں ہوگا، جن میں مترجمین کے ہاں اختلاف ہو۔ دوسرا یہ کہ اگر اختلاف نہ بھی ہو اور اس میں قرآن کریم ہی کے کسی دوسرے مقام پر حکم کا اعتبار کیا گیا ہو یا حدیث شریف میں اسکا مطلب بیان کیا گیا ہو تو بھی وہاں انہی معانی پر مشتمل ترجمہ لانا ہوگا، مگر یاد رہے کہ یہ زیادہ تر کلمات مفردہ یا تراکیب میں ہوگا، نہ کہ جملے کی ہیئت میں، کیونکہ کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے اس زبان کا محاورہ جو کہ آیت کریمہ کی بلاواسطہ تفہیم کا حقیقی عکاس ہو، پیش کیا جاتا ہے اور اس میں حروف کی کمی بیشی

مترجمین کے ہاں پائی جاتی ہے۔

ترجمہ قرآن کی شرائط:

ترجمہ قرآن کریم کی اہمیت ، ضرورت اور تقاضوں کے پیش نظر ترجمہ قرآن کی اہلیت کا تعین کرنے کے لیے ماہرین علوم قرآن نے بہت سی شرائط کا تذکرہ علوم القرآن کی کتب میں کیا ہے، جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا ہے کہ ان شرائط کو 4 تقسیمات کی صورت میں زیر بحث لایا جاسکتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

1۔ ایمانی شرائط

2۔ علمی شرائط

3۔ عملی شرائط

4۔ لسانی شرائط

ایمانی شرائط:

ترجمہ قرآن کے لیے سب سے پہلی شرط مترجم کے اعتقادات کا صحیح ہونا ہے، تمام علما کا اس بات پر اجماع ہے اور آداب المفسر میں اس کی وضاحت موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ گمراہ اور کافر و مستشرق مترجمین یا مفسرین کے ترجمہ و تفسیر کو مسلمانوں کے ہاں درخور اعتنا نہ سمجھا گیا۔ التفسیر والمفسر ون میں ترجمۂ قرآن کی شرائط میں لکھا گیا ہے کہ مترجم قرآن گمراہ کن عقائد وافکار کا حامل نہ ہو۔ عبدالجبار شاکر صاحب نے قرآن کریم کے اردو تراجم کی فہرست سے ایسے ترجموں کو نکال دیا ہے، وہ سرسید احمد خان اور مسٹر غلام احمد پرویز جیسے مترجمین کے ترجموں کو اردو ترجمے کی روایت میں ایک واضح انحراف کی مثال قرار دیتے ہیں۔ علما ومفسرین نے گمراہ کن عقائد اور مضبوط ایمان نہ رکھنے والوں کو تفسیری اہلیت سے عاری قرار دیا ہے، کیونکہ ہر مترجم پر اس کے نظریات وافکار کی گہری چھاپ ہوتی ہے اور اگر مترجم قرآن، ایمانیات و اعتقادات میں کمزور ہوگا تو تقوی کا حصول ناممکن ہوگا۔ تقوی ہی تو دیانتداری کی بنیاد اور جڑ ہے، یہ نہ رہا تو یقیناً مترجم اللہ کے کلام کو جن معانی و ترجمہ پر دلیل بنا رہا ہے اس میں غلط بیانی کرسکتا ہے، تاکہ اپنے گمراہ عقائد کی اشاعت کے لیے لاعلم عوام اور غیر عربی زباندانوں کو دھوکہ دیا

جا سکے۔

1۔ ایمانی شرائط میں سب سے پہلی شرط ارادہ ونیت کی پاکیزگی و درستگی ہے کہ اعمال کا دارومدار، نیت پر ہے۔

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَاتْ......الخ ." (بخاری)

پاکیزگی نیت کو ایمانی شرائط میں اس لیے، سرفہرست لایا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید جو کہ کتاب ایمان ہے میں ایمان بالغیب سے پہلے متقین کا تذکرہ کیا ہے، یہاں متقین سے مراد ظاہر ہے باعمل مومن متقی تو ہو نہیں سکتے، کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی شخص متقی اور کتاب ہدایت کا عامل نہیں کہلائے گا۔ لہذا یہاں متقین سے مراد وہی افراد معلوم ہوتے ہیں، جو حق کی قبولیت کی راہ میں اپنی نیت میں کھوٹ پیدا نہیں کرتے اور حق کے راستے پر چلنے کے لیے حیلوں بہانوں کو رکاوٹ نہیں بنانا چاہتے۔ اس شرط کا تقاضا ہے کہ مترجم قرآن ترجمہ قرآن سے پہلے اپنی نیت درست کرے، اسکی نیت اپنے ذاتی افکار وخیالات کی اشاعت نہ ہو، بلکہ محض اللہ کے کلام کا مفہوم غیر عربی عوام تک پہنچانا ہو۔

2۔ مترجم قرآن کے توحید ورسالت کے ساتھ ساتھ کتب سماویہ اور ملائکہ کے بارے میں بھی اعتقادات درست اور اسلام کی تعلیمات کے عین مطابق ہوں اور وہ ان اعتقادات کے تقاضوں سے آشنا ہو، مثلاً توحید پرست مترجم قرآن کا ترجمہ، کسی دینوی غرض کے لیے نہ کرے گا۔ بلکہ محض اللہ کی توحید کو عام کرنے کے لیے کرے گا۔ رسالت محمدیہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام کے احقاق اور مقاصد بعثت کے ساتھ ساتھ رسالت مآب ﷺ کی تشریعی حیثیت کے اثبات، نیز قرآن مجید میں کتب سماویہ اور ملائکہ کے بارے میں جو معلومات دی گئی ہیں ان کی صحیح اور حقیقی ترجمانی کرے گا۔

3۔ تقدیر کے خیر وشر اور آخرت پر ایمان بھی ترجمہ قرآن کے لیے شرط ہے، کیونکہ قرآن حکیم تقدیر اور آخرت پر بحث کرتا ہے۔

4۔ جادو، معجزات اور کرامات کے بارے میں اعتقاد کا درست ہونا بھی ترجمہ قرآن کی شرط ہے، کسی

ایسے شخص کو ترجمہ قرآن کی اہلیت حاصل نہیں ہوسکتی جس کو قرآن کے معجزات وکرامات اور جادو کے متعلق قرآن کے پیش کردہ تصورات کا فہم و ادراک حاصل نہ ہو، کیونکہ قرآن مجید نے ان تصورات پر کھل کر بحث کی ہے، ترجمہ قرآن کی یہ شرط ہے کہ مترجم قرآن کریم کے اس مفہوم پر بقدر استطاعت پورا اترتا ہو جو قرآن کریم نے پیش کیا جس سے مختلف تفسیر بالماثور کرنیوالے علما ومفسرین نے اخذ کیا۔

5۔ ترجمہ قرآن کی خدمت باسعادت سرانجام دینے والے کو ذہنی، نظریاتی اور ذاتی میلانات کے اثر سے پاک ہونا چاہیے۔ ترجمہ قرآن کی ایمانی شرائط کا خلاصہ یہ ہے کہ ترجمہ کی بنیاد پاکیزہ اور ایمانیات صحیحہ پر ہو اور پورے قرآن کریم میں کسی ایک مقام پر بھی پیش کردہ ترجمہ اسلام کے دیے ہوئے اعتقادات کی روح کے خلاف نہ ہو، ان ایمانی شرائط کا تقاضا یہ ہے کہ مترجم قرآن اپنا حقیقی جائزہ لے اور اگر وہ جمہور امت کے اجماعی عقائد کے خلاف تصورات ونظریات کا حامل ہے، تو وہ ترجمہ قرآن کرنے کی زحمت نہ کرے۔ یہ شرائط علما سے بھی متقاضی ہیں کہ وہ ان شرائط کے خلاف کیے گئے تراجم سے عوام کو آگاہ کریں۔

علمی شرائط:

قرآن مجید ام الکتاب ہے۔ اسے قاضی ابن العربی نے 70,000 علوم وفنون کا مجموعہ قرار دیا ہے، لیکن یہ قاضی صاحب کی اپنی وسعت ذہانت ہے، دیگر ذہانتوں نے اس سے کس قدر فیض پایا، یہ ایک الگ تحقیقی کام ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم ام العلوم کے ساتھ ساتھ اس کا ہر لفظ اپنے مقام پر ایک مخصوص معنوی اہمیت کا حامل ہے، بعض الفاظ کے ایک سے زائد معنی ہیں، یہ سلسلہ محض ذومعنی الفاظ وکلمات کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ بعض کلمات قرآنیہ کے تو بیک وقت بیسیوں مفاہیم اور معانی ہیں، ان میں سے کسی مقام پر کوئی خاص لفظ کا ترجمہ کیا ہوسکتا ہے۔ اس کا انحصار مترجم کی علمی حیثیت قواعد وضوابط سے گہری واقفیت اور عربی محاوروں سے بھرپور ذہنی مناسبت پر ہے، قرآن مجید کے عربی متن کا ترجمہ ایک مخصوص اور بہترین فنی مہارت کا متقاضی ہے، مترجم کی ذراسی غفلت ترجمہ

قرآن کی غرض ومقصد کو کچھ سے کچھ کر سکتی ہے اور مفہوم ومعانی کو بدل کر رکھ سکتی ہے۔ اس کی مثالیں بھی گمراہ قسم کے مترجمین کے ہاں پائی جاتی ہیں، بہت سے گمراہ قسم کے افراد آج قرآن کریم کے بہت سے ابدی احکام کو اس نبوی دور مسعود سے خاص کر کے احکام اسلام سے جان چھڑانا چاہتے ہیں، مثلا پاکستان کے دورہ پر آئے ہوئے گمراہ ایجنڈا کے حامل ایک عراقی شخص نے کہا کہ عہد رسالت میں عربی لمبے لمبے لباس (چغہ) پہنتے تھے، لہٰذا برقع کا حکم مسلمان عورت کے لیے نہیں بلکہ وہ تو برقع کی طرح کا لباس اس وقت عربوں میں معروف طریقہ تھا، اس شخص کے مطابق اسی وجہ سے برقع کو عربوں نے مسلمان عورت میں رواج دے دیا۔

جبکہ حدیث شریف میں تو آتا ہے کہ پردے کے حکم کے نزول پر صحابیات نے رات رات ہی میں اپنے پردے کی چادروں کا اہتمام کیا۔ کہاں پردے کے لیے چادروں کا اہتمام کرنا اور کہاں اپنے علاقائی رواج کو ''اسلوب پردہ'' باور کرانا ......! یہ صحابہ کرام پر یقیناً ایک بڑا اتہام ہے جو کہ عہد نزول قرآن کریم میں مسلمان کی شخصی، اجتماعی، ایمانی اور عملی ارتقائی مراحل سے عدم شناسی یا عمداً چشم پوشی کی مثال ہے۔

یہ سب چیزیں اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ مترجم قرآن کی علمی حیثیت ممتاز ترین ہوا، اور اسے علوم قرآنیہ پر عبور حاصل ہو۔ ماہرین نے قرآن مجید کے ترجمہ مجید وتفسیر، مطالعہ اور فہم حاصل کرنے کے لیے بہت سے علوم گنوائے ہیں، مثلا

1۔علم بدء الخلق	2۔علم التوحید	3۔علم فلسفہ الہیات
4۔ علم المجردات والملائکہ والا رواح	5۔علم الزہد والرقاق	6۔علم احکام الحلال والحرام
7۔علم الفرائض والمیراث	8۔علم المناسک	9علم القصص
10۔علم الامثال	11۔علم المجاز	12۔علم المحکمات والمتشابہات
13۔علم التفسیر والاصول	14۔علم القرات	15۔علم الرجال

16۔علم التصوف　17۔علم الفقہ والاصول　18۔علم الکلام
19۔علم اللغۃ　20۔علم الصرف والنحو　21۔علم البلاغۃ
22۔علم الحدیث والاصول　23۔علم الجدل والخلاف　24۔علم جغرافیہ
25۔علم تاریخ　26۔علم فلسفہ تاریخ　27۔علم فلسفہ طبیعات
28۔علم ریاضی　29۔علم النجوم والافلاک

ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم نے علوم قرآن میں 11 علوم کو شمار کیا ہے، جن کی مہارت مترجم قرآن کے لیے ازبس ضروری ہے۔

1۔اسباب نزول آیات　2۔تجمیع قرآن　3۔ترتیب قرآن
4۔علم ترجمہ　5۔علم تفسیر　6۔علم الخط والرسم
7۔علم النحو والصرف　8۔تلاوت وتجوید　9۔محکم ومتشابہ
10۔ناسخ ومنسوخ　11۔معرفت سور مکی ومدنی

شاہ صاحبؒ نے فہم قرآن کے لیے علوم پنجگانہ کا تذکرہ کیا ہے۔

1۔علم الاحکام　2۔علم التذکیر اباالآء اللہ　3۔علم التذکیر باایام اللہ
4۔علم التذکیر　5۔علم المخاصمہ

جس طرح مفسر قرآن کریم کے لیے علوم پنجگانہ کا علم ضروری ہے یقیناً مترجم قرآن کو بھی ان پنجگانہ علوم پر مہارت حاصل ہونی چاہیے، کہ ترجمہ قرآن کریم ایک بڑی ذمہ داری ہے کیونکہ بہت سے مقامات پر زیر ترجمہ آیت کریمہ کی تفسیر جانے بغیر کلمات کا ترجمہ ممکن نہیں، مثلاً علامہ سیوطی نے تفسیر کے لیے 15 علوم گنوائے ہیں، جس میں انہوں نے پندرھواں علم علم الموھبۃ بتایا ہے یعنی وہ صحیح ذوق اور فہم نیز باطنی نور بصیرت جو انسان کو علم صحیح اور کلام اللہ کی مراد اس کے حقائق اور اغراض ومقاصد کے فہم کی طرح رہنمائی کرے، اسے خالصتاً خدداداد کہا جائے تو زیادہ بہتر تعریف ہوگی، علم الموھبۃ اگر چہ اختیاری علوم میں شمار ہوتا ہے، کیونکہ اس علم میں پختگی اور بہتری لانے کے لیے انسانی کاوشوں کو دخل

ہے، زہد وتقوی، علمی مشاغل میں فزوں تر دلچسپی، اعمال صالحہ، علمی مذاکروں میں شرکت اورغور وفکر سے اس علم کو جلاملتی ہے پس یہ اسی حد تک اختیاری ہے نہ کہ اس درخت کی بنیاد یعنی بیج انسان کے اختیار میں ہے۔

غرض یہ کہ مترجم قرآن کوایسا مجمع البحور ہونا چاہیے، جس کی علمی وسعتیں ان تمام علوم کوکافی حد تک اپنے اندرسموئے ہوئے ہوں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے، آج تک قرآن کریم کا کسی بھی زبان میں کیا گیا ترجمہ، قرآن کریم کا مکمل ترجمان نہیں کہلواسکا، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مترجم کسی خاص ذوق کا مالک ہوتا ہے اور کسی خاص علمی دائرہ میں محدود، جبکہ قرآن کریم کسی ایک ذوق کی تسکین کے لیے نہیں، بلکہ ہر ذوق کی تسکین اس میں ہے۔ یہ کتاب مجید، ام العلوم ہے یہی وجہ ہے کہ اس ادب، سلاست، نحوی تراکیب کے اعتبار سے، تفہیم احکام میں لفظی یا بامحاورہ ہونے میں، معانی بالماثور کے اعتبار سے، لغوی اعتبار سے، آزاد زبان کے اعتبار سے اور لسانی ارتقاء کے اعتبار سے، سینکڑوں تراجم قرآن کریم صرف بزبان اردو ملتے ہیں۔

عملی شرائط:

تمام ماہرین علوم قرآن کا اس پر اتفاق ہے کہ اعمال صالحہ کا حامل عالم ہی قرآن مجید کا مترجم یا مفسر بن سکتا ہے، ایسا شخص جو اگر چہ کتنا ہی بڑا عالم، مفکر اور ماہر لسانیات وادیب ہو، لیکن وحی الٰہی پر عمل پیرا نہ ہو تو کلام الٰہی کے اسرار و معارف اس پر منکشف نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اسے فہم قرآن کا کوئی حصہ حاصل ہو سکتا ہے، جس کا دل بدعات وخرافات کی گندگی سے بھرا ہوا، کبر ونخوت اور خواہشات نفسانیہ، حب دنیا اور حرص وطمع اور دیگر اخلاق رذیلہ سے وہ اٹا پڑا ہو، اور وہ گناہوں پر اصرار کرتا ہو تو یہ اعمال سوء، فہم قرآن کے حصول میں رکاوٹ ہوں گے۔ وحی الٰہی کے اسرار ورموز ایسے شخص پر ہرگز نہیں کھل سکتے۔ سورۃ الاعراف کی ایک آیت کریمہ میں تکبر کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾

ترجمہ: ’’قرآن کے لیے ایک مترجم کو درج ذیل عملی شرائط پر پورا اترنا ہوگا۔‘‘

1۔ ترجمہ قرآن کے لیے پہلی عملی شرط قرآن وسنت پر عمل کی نیت اور جذبہ ہے۔

2۔ سنن رسول اللہ ﷺ کے مطابق زندگی ڈھالنا ہے، اس سے بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے لہذا اس شرط پر عمل کرنے سے ترجمہ میں قرآن کا مفہوم حقیقت کے قریب تر کرنے میں مدد ملتی ہے۔

3۔ ترجمہ قرآن بھی تب عمدہ اور معیار مطلوب کے قریب تر ہوگا جب مترجم قرآن کی شخصیت، تقوی اور زہد وخشیت الٰہی کا آئینہ دار ہوگی۔ ایک مترجم کہتا ہے۔

''ایک پرہیز گار مسلمان جو زبان عربی پر قادر ہو قرآن کا ترجمہ کما حقہ کرسکتا ہے'' (فکر ونظر ۴۴/۱)

4۔ ترجمہ قرآن کے حسن وخوبی کے لیے ضروری ہے کہ اس کو مسلکی تعصّبات سے بالاتر ہونا چاہیے، اور کلمات واوامر ونواھی میں سنت رسول اللہ ﷺ سے ہی معنوی بصیرت حاصل ہونی چاہیے۔

5۔ رزق حلال، قناعت کا التزام اور حرام امور سے حد درجہ اجتناب، کلام الٰہی کے حکیمانہ اسرار ونکات کے فہم میں حائل رکاوٹ دور کر دیتا ہے۔

6۔ عبادت گزاری اور عبادات واذکار کے مسنون سے آگاہی اور ان پر عمل بھی مترجم کے فہم کو قرآن کریم سے قریب تر کرتا ہے۔

ان عملی شرائط کا تقاضا ہے کہ فہم قرآن کی تحاریک ایسے مترجمین کی حوصلہ افزائی کریں، جو متقی، پرہیز گار اور عبادات واذکار کے مسنون آداب کا خیال رکھیں اور ایسے ترجموں کی حوصلہ شکنی کریں جو بے عمل مترجمین کی طرف سے کیے گئے ہوں.

لسانی شرائط:

قرآن مجید کے ترجمہ کی اصل دقت یہ ہے کہ زبان قرآن کے الہامی اثر کو کسی دوسری زبان میں کیسے منتقل کیا جائے اور اسے کیسے قائم رکھا جائے، اور یہ دقت اس لیے ہے کہ قرآن کریم، کلام الٰہی ہونے کی وجہ سے معجز اثر لغوی سرمایے سے مزین ہے اور غیر اللہ کی زبان میں نہ تو وہ فصاحت وبلاغت ہوتی ہے جو قرآن کا طرہ ہے اور نہ ہی انسان کے پاس قرآن مجید کے کلمات وتراکیب کا الہامی اثر کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کا ملکہ، اور قرآن کریم کا یہ چیلنج ﴿ فاتوا بسورة من مثله ﴾ (البقرہ)

آج تک برقرار ہے، نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کے مقابلے میں کوئی دوسری کاوش نہیں بلکہ قرآن کریم کی ہی ترجمانی میں کوئی مسلم کاوش بھی اس اس چیلنج کا مقابلہ نہیں کرسکی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا یہ مقولہ کسی حد تک اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے

Of the great works the Holy Quran is perhapes the least Tranlatable

(دنیا کے تمام عظیم (علمی) کارناموں میں شاید قرآن کریم سب سے کم ترجمے کی گنجائش رکھتا ہے)

میری اس عاجزانہ اور طالب علمانہ رائے کی تائید بلاواسطہ قرآن کریم کا شغف پالنے والے اور ترجمہ قرآن کریم کے ذریعے دعوت وتبلیغ کا منصب سنبھالنے والے افراد علم کی آراء سے بھی ہوتی۔ اسی بنا پر ماہرین نے ترجمہ کی دو اقسام کیں ہیں، (۱) ترجمہ بالمثل، جسے ناممکن قرار دیا گیا ہے۔ (۲) ترجمہ بغیر المثل جو ممکن تو ہے لیکن وہ صرف قرآن کریم کی ترجمانی کرسکتا ہے translation نہیں؟ قرآن مجید کے لسانی تاثر کو اگر چہ کما حقہ کسی دوسری زبان میں نہ تو تخلیق کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی جمالیاتی رعنائیوں کا ترجمہ کرنا کسی انسان کے بس میں ہے۔ لسانیات میں مہارت کے بغیر یقیناً ترجمہ قرآن کرنا ناممکن ہے۔ تمام ماہرین علما، مفکرین اور اصولیین نے ترجمہ کے لیے لسانیاتی مہارتیں یعنی بلاغت واعجاز وبدیع، استعارات وتشبیہات اور تمثیلات قرآن کریم کے معجز بیاں کو لسانی حیثیت میں بھی کلام معجز ثابت کرتے ہیں۔ اگر ان معجزات کو قرآن کریم سے نکال دیا جائے تو وہ مقدس، معتبر اور عظیم شاہکار تو ہوگا لیکن قرآن نہیں ہوگا۔ یہ بات اس وقت مزید نکھر کر سامنے آتی ہے جب قرآن کریم کے شاہکار تراجم بھی قرآن یا اس کے معیار مطلوب نہ بن سکے اگر چہ ترجمہ قرآن کریم، انسانی کاوش ہونے کی بناء پر لسان معجز سے تہی دست ہی ہوسکتا ہے لیکن مترجم قرآن اپنی لسانیاتی مہارتوں میں بدرجہ اعلی اضافہ کرنے، اپنے ادبی ذوق کی آبیاری کرنے اور جمالیاتی لطافتوں کا فہم حاصل کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے میں جس قدر کامیاب ہوگا ترجمہ قرآن حکیم اپنے مقاصد کے حصول میں اسی قدر بہتر اور مفید ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم بدیع وبیان (الرحمٰن:۴،۳) اور ترتیب وتالیف کے اس درجہ کمال پر فائز ہے کہ جہاں انسان کا عجز واضح ہوجاتا ہے اور اس میں ہر معنی کو بغیر مبالغہ آرائی کے ٹھیک اس

انداز میں بیان کیا گیا ہے جو اس کے لیے موزوں ترین ہے۔

عبد القادر کے الفاظ میں ''اس (قرآن) میں تو کوئی لفظ اور کوئی کلمہ ایسا نہیں جو اپنی جگہ نگینہ کی طرح نہ جڑا ہو اور جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ اگر یہ لفظ یا کلمہ یوں ہوتا تو زیادہ موزوں اور فصیح وبلیغ ہوتا'' قرآن حکیم میں کوئی چیز ادنی درجہ کی نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا مقام ہے، جہاں علم وعمل اور ایمان ولسان کے حوالے سے اس پر انگلی رکھی جا سکے۔ اور کوئی انسان ان صلاحیتوں میں اتنا با کمال نہیں کہ اس پر انگلی نہ رکھی جا سکے۔

اگر چہ لسانی شرائط کا نفاذ سب دیگر شرائط کے حامل ہو جانے کے بعد عمل میں آتا ہے، لیکن درستگی عقائد کے بعد قرآن کریم کے ترجمہ میں سب سے زیادہ اہمیت اسی کو حاصل ہے۔ لسانی اعتبار سے بہترین ترجمہ کا درج ذیل شرائط پر پورا اترنا لازمی ہے۔

1۔ قرآن مجید کے اردو ترجمے میں امکانی حد تک عربی الفاظ کو اسی حالت میں برقرار رکھا جائے۔ اردو زبان میں یہ کام اتنا مشکل نہیں کیونکہ ایک تحقیق کے مطابق 75 فیصد قرآنی الفاظ اردو میں مستعمل ہیں۔

2۔ اردو ترجمہ، عربی متن کے جس قدر قریب ہوگا اپنی ترجمانی کے لحاظ سے اسی قدر کامیاب ہوگا۔

3۔ ترجمہ میں زبان کے تقاضوں کی بجائے مفہوم کی وضاحت کو ترجیح دی جائے۔

4۔ مترجم قرآن، زبان ترجمہ کی سادگی، سلاست، روانی اور سہولت سے آگاہ ہو۔

5۔ اگر کسی ایک عربی لفظ کا ایک سے زیادہ اردو الفاظ میں ترجمہ ہو سکتا ہو تو (۱) عربی متن کے سیاق وسباق (۲) حدیث رسول اللہ ﷺ یا (۳) اقوال صحابہؓ کو مدنظر رکھ کر ترجمہ کیا جائے۔

6۔ قواعد عربی اور انشاء کا لحاظ رکھنا بھی ترجمہ قرآن میں لازم ہے، صرف ونحو کے قواعد پر عبور، ترجمہ کو بہتر بنا سکتا ہے۔

7۔ لغوی مطالب ومفاہیم بھی ترجمہ قرآن میں خاص اہمیت کے حامل ہیں، خصوصاً مختلف مقامات پر ایک جیسے الفاظ وکلمات کا پس منظر سمجھنے کے لیے علم اللغۃ پر مترجم کی مہارت ضروری ہے، لیکن

لغوی مباحث کو آیات کے سیاق وسباق اور احادیث مبارکہ پر ترجیح نہ دی جائے۔

8۔ ترجمہ قرآن کی اہلیت صرف اس شخص کو حاصل ہوسکتی ہے جو بیک وقت دو زبانوں میں مہارت رکھتا ہو۔ ان کے روز مرہ محاوروں، استعمال اور دونوں زبانوں کے اسالیب وثقافت کا مکمل ادراک رکھتا ہو۔

9۔ اردو ترجمہ کے لیے عربی اور اردو کے ساتھ ساتھ فارسی کے ذخیرہ الفاظ وتراکیب پر مہارت بھی ترجمہ میں حسن وخوبی پیدا کر دے گی۔ کیونکہ اردو زبان میں فارسی الفاظ کا بڑا ذخیرہ مستعمل ہے۔

قرآن مجید کے ترجمہ کی جن شرائط کا ذکر کیا گیا ہے یہ ترجمہ قرآن کو معیار مطلوب کے قریب تر کرنے میں بڑی حد تک مدد دیں گی۔ ترجمہ قرآن کی شرائط اتنی کڑی اور اٹل قسم کی ہیں کہ ان سے انحراف کر کے یا تو (۱) مترجم گمراہی پھیلانے کا سبب بنے گا۔(۲) مترجم صرف دوسرے مترجمین کی نقل کر سکے گا۔

دونوں صورتوں میں ترجمے کے تقاضے پورے نہ ہوسکیں گے اور جس ترجمہ میں اس کے تقاضے پورے نہ ہوں گے تو وہ ترجمہ قرآن اپنی افادیت کھو دے گا۔

❀❀❀❀

محذوفات کے ساتھ ترجمہ اور اس کی خصوصیات

ڈاکٹر حافظ عبدالستار ☆

ہر کلام میں تاثیر ہے جس کی مقدار کلام کے اچھا یا برا ہونے سے کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ شاعر کا شعر ہو یا کسی ادیب کی نثر، اثر سے خالی نہیں۔ اثر انگیزی کی یہی مقدار شاعر کو اشعر اور ادیب کو ابلغ بناتی ہے دنیا جہان کے تمام کلاموں میں اثر انگیزی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا کلام سب سے بہتر ہے۔ ''آلا إِنَّ أَحْسَنَ الْكَلَامَ كَلَامُ اللّٰهِ''

اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب قرآن مجید اتنی جامع و مانع ہے کہ اس میں رہتی دنیا تک کے تمام علوم سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہیں۔ علم بلاغت کے ماہرین نے قرآن پاک کی اس صفت اعجازی کو مختلف طریقوں سے واضح کرنے کی کوشش کی تو اس میں ''معانی'' ''بیان'' اور ''بدیع'' جیسے فن ایجاد ہوئے جن سے علماء ادب وتفسیر اور مترجمین نے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔

علم المعانی میں ''ایجاز'' ''بلاغت'' کی جان ہے اور ''حذف'' ''ایجاز'' کی ریڑھ کی ہڈی۔ اسی سے ''خیر الکلام ماقل و دل'' جیسی صداقتوں کی بھرپور توضیح ہوتی ہے۔ اسی سے علم الاعراب کو چار چاند لگتے ہیں۔ اسی سے فقہی موشگافیاں ہوتی ہیں اور اسی سے علــم اللــغة کو تحفظ ملتا ہے اور اسی سے ''تفسیر بالآراء'' کا دروازہ کھلتا ہے۔

علم التاریخ شاہد ہے کہ مرور زمانہ اور سیاسی ہنگاموں سے زبانیں بگڑتی ہیں، بدلتی ہیں، ناپید ہوتی ہیں یا پھر زندہ بھی ہیں تو ایسے جمود کا شکار رہیں کہ ان سے کوئی نیا فن ایجاد نہیں ہوسکتا۔ الحمدللہ عربی

☆ ڈیپارٹمنٹ آف سوشل سائنسز، یونیورسٹی آف ویٹرنری اینڈ اینمل سائنسز لاہور

زبان ان تمام بیماریوں سے بچی ہوئی ہے اور قیامت تک اس کے بچے رہنے کا یقین ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید جو اس کا سہارا ہے۔ وہ ابد الآ آباد تک ہر قسم کے ضعف سے پاک ہے۔ پھر صرف عربی زبان وادب ہی نہیں بلکہ جس زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوا اس زبان کی بقا اور اہمیت کے لئے یہ اعلی ترین ڈکشنری بھی ہے۔

"**لکل شئی ظهر وبطن**" کے مصداق قرآن پاک کی ظاہری اور لفظی تاثیر کے علاوہ اس کی روحانی تاثیر بھی بے حد وحساب ہے، جس طرح روشنی سے اندھیرے چھٹتے ہیں اسی طرح قرآن پاک کے نور سے تمام قسم کی غیر مرئی الائیں بلائیں کافور ہو جاتی ہیں اور ہر قسم کی جسمانی اور روحانی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ "**انما القرآن لما قرأله**" کے مصداق یہ تریاق اعظم بھی ہے اور مضبوط ترین ساتھی معاون اور اعلیٰ ترین حصار بھی ہے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے موقع پر سورۂ یٰسین کی یہ آیت تلاوت فرمائی "**وجعلنا من بين ايديهم سدا ومن خلفهم سدا فاغشينا هم فهم لا يبصرون**" تو اعداء الدین ایسے اندھے اور بہرے ہو گئے کہ آپ ﷺ کے گھر سے نکل جانے کی انھیں کانوں کان بھی خبر نہ ہو سکی۔

اس طرح بنو حنیفہ کے نواب کو جب سانپ نے ڈس لیا اور وہ ہر قسم کے علاج ومعالجے کے بعد مایوس العلاج ہو چکا تھا تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ام القرآن پڑھ کر دم کیا تو اس کی جان بچ گئی۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب کے موقع پر جب سورۃ القمر کی یہ آیت "**سيهزم الجمع و يولون الدبر**" پڑھی تو تیز طوفانی آندھی سے کافروں کے خیمے الٹ پلٹ ہو گئے اور وہ بہت جلد تتر بتر ہو گئے۔ قرآن پاک کی اس معجزانہ تاثیر کو بھانپ کر شعرائے سبعہ معلقات کے آخری شاعر لبید بن ربیعہ جو تمام عرب شعراء کا مسجود وقت کا ملک الشعراء اور عرب کی فصاحت وبلاغت کا مظہر کامل ہوا، اس نے اسلام لانے کے بعد جب شعر کہنا ترک کر دیا تو لوگوں کو ترک شعر پر بڑا تعجب ہوا کسی نے ان سے پوچھا کہ اب آپ شعر نہیں کہتے؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ أبعد القرآن؟ کیا قرآن نازل ہو جانے کے بعد بھی اس کے لئے کوئی گنجائش باقی رہ گئی ہے۔

اس پر صاحب تدبر قرآن لکھتے ہیں کہ قرآن کے اعجاز بلاغت کے آگے سرفگندگی وسپر اندازی کا یہ اظہار و اعتراف اس عظیم شاعر کی طرف سے ہے جو اپنے زمانے میں عرب کی تمام فصاحت و بلاغت کا نشان وعلم تھا۔ جب وہ اس طرح قرآن کے آگے سربسجود ہو گیا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ عرب کی تمام فصاحت و بلاغت نے قرآن کی فصاحت و بلاغت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔ اس کے بعد کسی اور کے لئے قرآن کے آگے نگاہیں اونچی کرنے کا کیا امکان باقی رہا؟

اس درجے ومرتبے کے کلام کے زور واثر اور اس کی خوبیوں اور لطافتوں کا اگر کوئی شخص اندازہ کرنا چاہے تو یہ کام ظاہر ہے کہ وہ اس کے ترجموں اس کی تفسیر اور اس کی لغتوں کے ذریعے سے نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لیے اس کو اس زبان کا ذوق پیدا کرنا پڑے گا۔ جس میں وہ کلام ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کے تراجم بھی وہی زبان موثر عام فہم اور زود دار ہیں جن کے مترجمین کو بیک وقت اپنی زبان اور قرآن کی زبان پر پورا پورا عبور حاصل ہو، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ قرآن مجید کی جامعیت اور کاملیت میں محذوفات کا بہت بڑا کردار ہے۔ لہٰذا جن مترجمین نے عقل و دانش، حدیث رسول ﷺ اور اقوال صحابہ کے علاوہ آئمہ متقدمین کی آراء اور سائنس کے مشاہداتی اور تجرباتی نتائج کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا اور حواشی پیش کیے وہی قدیم و جدید کے امتزاج کے ساتھ بہترین اور موثر ترین ترجمے ہیں جن میں محذوفات کا خیال نہیں رکھا گیا یا پھر لفظی ترجمہ ہی کیا گیا یا پھر محذوفات کو عقل وفکر اور حدیث رسول ﷺ نیز اقوال صحابہ کو چھوڑ کر ترجمہ کیا گیا وہ نہ صرف غیر موثر ہیں۔ بلکہ شرمندگی اور ندامت کا سبب بھی ہیں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں اور وہ بھی سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں سورۃ ص آیت نمبر 31 اور 32 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وو هبنـا لداؤ دسليمن نعم العبد انه اواب اذعرض عليه بالعشى الصافنات الجياد فقال انى احببت حب الخير عن ذكر ربى حتى توارت بالحجاب ردو ها علّى فطفق مسحا بالسوق والا عنا ق ﴾

''اور داؤد علیہ السلام کو ہم نے سلیمان علیہ السلام جیسا بیٹا عطا کیا بہترین بندہ کثرت سے ...

کی طرف رجوع کرنے والا قابل ذکر ہے۔ وہ موقع جب شام کے وقت اس کے سامنے سدھے ہوئے تیز رو گھوڑے پیش کیے گئے تو اس نے کہا کہ میں اس مال کی محبت اپنے رب کی یاد کی وجہ سے اختیار کی ہے یہاں تک کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو اس نے حکم دیا کہ انھیں میرے پاس واپس لاؤ پھر لگا ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے۔''

اس ترجمے کے علاوہ جن اکابرین نے گھوڑوں کی گردنیں اور ٹانگیں کاٹنے کا ذکر کیا ہے۔ وہ عقلی اور نقلی لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ اس طرح جن احباب نے **حتی توارت باالحجاب** میں سورج کو محذوف اور مضمر مانتے ہوئے ترجمہ کیا ہے۔ وہ بھی قرآن، حدیث، اقوال صحابہ اور عقل و دانش کے لحاظ سے غیر صحیح ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جب اعلیٰ درجے کے اصیل گھوڑوں کا ایک دستہ پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ مال مجھے کچھ اپنی بڑائی کی غرض سے یا اپنے نفس کی خاطر محبوب نہیں ہے بلکہ ان چیزوں سے دلچسپی کو میں اپنے رب کا کلمہ بلند کرنے کے لئے پسند کرتا ہوں پھر انہوں ان گھوڑوں کی دوڑ کرائی یہاں تک کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اس کے بعد انہوں نے ان کو واپس طلب فرمایا اور جب وہ آئے تو بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما **''جعل یمسح اعراف الخیل و عراقیبھا حبالھا''** یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی گردنوں پر اور ان کی پنڈلیوں پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ یہی تفسیر ہر لحاظ سے صحیح ہے کیونکہ یہ قرآن مجید کے الفاظ سے مطابقت رکھتی ہے اور مطلب کی تکمیل کے لیے اس میں ایسی کوئی بات بڑھانی نہیں پڑتی جو نہ قرآن میں ہو نہ کسی صحیح حدیث میں اور نہ بنی اسرائیل کی تاریخ میں، اس مشہور واقعہ میں تین طرح کے تراجم صرف محذوفات اور مضمرات کو مانتے ہوئے اپنے اپنے مسلمات کے تحت کیے گئے ہیں، جس کی تصحیح کے لیے درج ذیل شرطیں ملحوظ رکھی جائیں تو اختلاف ختم ہوسکتا ہے۔

1۔ تفسیر اور ترجمہ قرآن کی روشنی میں ہوں ان **القرآن یفسر بعضه بعضا** اس سلسلے میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر **''تفسیر القرآن بکلام الرحمن''** بہت مفید ہے۔

2۔ تفسیر اور ترجمہ حدیث کی روشنی میں ہو کیونکہ قرآن کے اصل معلم، مفسر اور مترجم صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

3۔ آثار صحابہ کو سامنے رکھا جائے جس کے لئے تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بڑی جامع ہے۔

4۔ نظریاتی نہیں بلکہ مشاہداتی اور تجرباتی سائنس کو بھی مدنظر رکھا جائے۔

مزید امثلہ برائے استفادہ اساتذہ وعلماء ادب عربی و اسلامیات، پیش خدمت ہیں یہ تمام مثالیں میں اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے بعنوان "ظاهرة الأيجاز بالحذف فى القران الكريم و دراسة سورة البقرة المفصلة" سے لے رہا ہوں جو کہ پورے قران مجید میں سے چیدہ چیدہ مقامات سے ''الأسماء'' اور ''الأفعال'' اور ''الحروف'' کی شکل میں جمع کی ہیں۔

امثلة الأسلوب الإيجازى فى قرآن الكريم:

المحذوفات في الأسماء: حذف المضاف نحو: "و لكن البر من اتقى" (١٩) أى "ذاالبر" أو "بر من اتقى" (١٩) و (الحج أشهر معلومات) (٢٠) أي "اشهر الحج" أو "حج أشهر۔" وله اكثر من ألف مثل في القرآن۔

و حذف المضاف إليه و يكثر فيه "ياء المتكلم" نحو: (رب اغفرلي)۔ (٢١) و في الغايات نحو: (لله الأمر من قبل و من بعد) (٢٢) و مع كل و بعض مثل: (و كلا آيتنا حكما و علما) (٢٣) و (فضلنا بعضهم على بعض) (٢٤)

و حذف المبتدأ في جواب الاستفهام نحو: (و ما أدراك ما هية ، نار حاميه) (٢٥)

و بعد فاء الجواب نحو: (من عمل صالحا فلنفسه و من أساء فعليها) (٢٦) و بعدالقول نحو: (و قالوا أساطير الاولين) (٢٧) و غير ذلك نحو: (لم يلبثوا إلاساعة من نهار بلاغ) (٢٨)

(**و حذف الخبر نحو**: أكلها دائم و ظلها) (٢٩) و حذف الموصوف

مثـل: (و عندهم قاصرات الطرف عين) (٣٠) و حذف الصفة نحو: (يأخذ كل سفـينة غـصباً) (٣١) أى صحيحة بدليل (أعيبها) و المعطوف عليه مثل: (أن اضـرب بـعـصـاك البـحـر فـانفلق) (٣٢) أى فضرب فانفلق و المعطوف مع الـعاطف مثل: (لا يستوى منكم من أنفق من قبل الفتح و قاتل. (٣٣) أي و من أنفق بعده.

و البدل مثل: و لا تـقولوا لما تصف ألسنتكم الكذب) (٣٤) أى تصفه و الـحـال الـقـولية مثـل: (يـدخلون عليهم من كل باب سلام) (٣٥) أى قائلين "سـلام" و الـمـنـادي نحو: (ياليت قومى يعلمون) (٣٦). و العائد نحو: (أهذ الـذي بـعـث الـلـه رسولا) (٣٧) و (إتقوا يوما لا تجزى نفس عن نفس شيئا) (٣٨) و منصوص "نعم" مثل: (إنا و جدناه صابراً نعم العبد (٣٩) و الموصول نحو: (بالذي أنزل ألينا و أنزل إليكم) (٤٠) أي و الذي انزل إليكم لأنه غيره و لـذلك أعيـد فـي قـولـه: (قولوا آمنا بالله و ما أنزل ألينا و ما أنزل إلى إبراهيم) (٤١). ثـم الـمـفـعول به و هو كثير جدا، إن يكون للبيان بعد الإبهام في فعل الـمشيـئة الشـرطي نحو: (و لو شاء لهداكم) و للتعميم نحو: (و الله يدعوا إلى دارالسـلام) (٤٢) أي ذاتك والـغير ذلك نحو: (كلوا واشربوا) (٤٣) و للهيئة نـحو: (أرني أنظر اليك) (٤٤) أي ذاتك والغير ذلك نحو: (كلا سوف تعلمون ثم كلا سوف تعلمون) (٤٥) أي عاقبة أمركم.

الـمحذوفات في الأفعال: مـا جـاء في الفعل المفسر بنفسه نحو: (و إن أحـد مـن الـمشركين إستجارك) (٤٦) و الواقع في جواب الاستفهام نحو: (و قيـل للذين اتقوا ماذا أنزل ربكم قالوا خيرا) (٤٧)، و حين التحذير و الإغراء نـحـو: (ناقة الله و سقياها) (٤٨) أي إحذروها و الذموا سقياها و إذا كان قولا

حو: (و إذ يرفع إبراهيم القواعد من البيت و إسماعيل ربنا تقبل منا) (٤٩) أي يقولان و غير ذلك مثل: (إنتهوا خيرلكم) (٥٠) أي و اتقوا (يكون) خيرلكم۔

المحذوفات في الحروف: ما يكون بحذف الجار و يطرد مع "أن" و 'إن" نحو: (يمنون عليك أن أسلموا) (٥١) و يقل مع غيرهما نحو: (و لا تعزموا عقدة النكاح) (٥٢) أي عليها كما يقل فى الوصول الحرفي نحو: (و من آياته يريكم البرق) (٥٣) أي أن يريكم و في العاطف نحو: (وجوه يومئذ ناعمة) (٥٤) أي و وجوه بالعطف على "وجوه يومئذ خاشعة" قبلها، و في فاء الجواب نحو: (إن ترك خير "ن" الوصية) (٥٥) أي فالوصية و هو كثير في ياء النداء نحو: (يوسف أعرض عن هذا) (٥٦) و في "لا" النافية مع المضارع الواقع جواباً لقسم نحو: (تالله تفتأ تذكر يوسف) (٥٧) و في "قد" مع الماضي الواقع حلاً نحو: (أنؤمن واتبعك الأرذلون) (٥٨)

و منها فى أكثر من كلمة مما ليس جملة حذف المتضايفين: نحو: (فقبضت قبضة من أثر الرسول) (٥٩) أي من أثر حافر فرس الرسول، و معفولي باب "ظن" نحو: (أين شركائى الذين كنتم تزعمون) (٦٠) و أداة الشرط و فعلها نحو: (فاتبعوني يحببكم الله) (٦١) أي "إن تتبعوني" و مما هو جملة حذف الجواب نحو: (و إذا قيل لهم اتقوا) (٦٢) إلى آخر الآية أي أعرضوا و يكثر هذا حين قصد الإبهام لتذهب النفس في تصور الجواب كل مذهب۔ كقوله تعالى في أهل الجنة: (حتى إذا جاؤها و فتحت أبوابها) و في أهل النار : (و لو ترى إذ و قفوا على النار) (٦٤) و قد تكون في جمل لا جملة كقوله تعالى: (فأرسلون، يوسف أيها الصديق) (٦٥) إذ "تقدير فارسلون" إلى يوسف لأستعبره الرؤيا فأرسله فأتاه فقال له يوسف۔

و كـل هذا الأنواع من الحذف تسمى إختزالا و يسمى الحذف إقتطاعا إذا و قـع فـي بـعض حروف الكلمة تخفيفا۔ اعتمادا على الشهرة و كثرة الدور أن كحذف نون تكن "في قوله تعالى: (و لم تك شيئا) (٦٦) و همزة "أنا" في قوله: (أنا أدعوكم إلى العزيز الغفار)۔ (٦٧)

و هنـالك نـوعـان آخران من الحذف البديع جاء ا في القران الكريم هما "الإكتـفـاء و الإحتبـاك" ، فـالأول أن يكتفي بذكر أحد المتلازمين عن الأخر مثـل (سـرابيـل تـقيكم الحر) (٦٨) أي "والبرد" و آثر الحر بالذكر لأنه أنسب لبلاد العرب فضل على تقدم ما يتعلق بالبرد و دونه في قوله: "والأنعام" خلقها لـكـم فيهـا د فء) (٦٩) و مـنـه: (بيـدك الـخيـر) أي "والشر" (الذين يؤمنون بـالغيب) (٧٠) أي و "الشهادة" و "رب المشارق أي" و المغارب" و "أن إمرؤا هـلك ليس لـه و لد "أي و لا "والد" بدليل أفي للأخت النصف و لا يكون لها إلا مع فقد الأب و كل مذكور له فضل على المتروك۔ و الثاني وهو "الإحتباك" انْ يـكـون فـي أصـل الـكلام متقابلان فيحذف من كليهما مقابل اعتمادا على نظيره كقوله تعالى: (و أدخل يدك في جبيك تخرج بيضاء من غير سوء) (٧١) إذا لـمـعنى و إدخل يدك في جيبك غير بيضاء و أخرجها تخرج بيضاء من غير سـوء، و مثـلـه: (قـل إن افتريته فعلى إجرامى و أنا برىء مما تجرمون) (٧٢) فـالـمـحـذوف و انتـم بـراء و عـليـكـم إجرامكم و أنا برىء، و كذا "و يعذب المنافقين أن شاء أو يتوب عليهم" أي إن شاء فلا يتوب عليهم أو يتوب عليهم فـلا يـعـذبهـم، و (فـلا تـقربو هن حتى يطهرن فإذا تطهرن فأتوهن) أي حتى يطهرن من الدم فإذا تطهرن بالماء فأتوهن۔ إلىٰ كذا۔

محذوفات کے ترجمہ کی واضح خصوصیات کو جاننے کے لیے بامحاورہ جتنے تراجم ہیں، ان سے

استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً: مولانا فتح محمد جالندھریؒ کا ترجمہ ''فتح المجید'' حضرۃ العلام امین احسن اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' سے ترجمہ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' سے ترجمہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فارسی ترجمہ اور علامہ وحید الزمان رحمۃ اللہ علیہ کا ''اشرف الحواشی'' میں ترجمۃ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ثنائی سے ترجمہ، نیز ڈاکٹر طاہر القادری کی تفسیر ''عرفان القرآن'' سے ترجمہ سے مکمل فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ آخر میں التماس ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے حبیب علیہ اسلام کے الفاظ میں دعا بھی کرتے رہنا چاہیے تاکہ قرآن کریم سے پورا پورا مستفید ہوا جائے۔

"اللهم انی عبدك وابن عبدك وابن امتك فی قبضتك ناصيتی بيدك ماض فی حكمك ، عدل فی قضاء ك اسئلك بكل اسم هولك سميت به نفسك اوانزلته فی كتابك او علمته احدا من خلقك او استاثرت به فی مكنون الغيب عندك ، ان تجعل القرآن ربيع قلوبنا و جلاء همومنا و غمومنا ."

پہلے اپنی کمزوری کا اظہار پھر اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات کا اقرار اور پھر یہ درخواست کہ اے اللہ! قرآن کو ہمارے دلوں کی بہار بنا دے اور ہمارے غم اور پریشانیوں کا مداوا بنا دے۔

((آمین یا رب العالمین .))

❀❀❀❀

حوالہ جات من القرآن

۱۹۔القرآن ۲/۱۸۹۔
۲۰۔القرآن ۲/۱۹۷۔
۲۱۔القرآن ۷۲/۲۸۔
۲۲۔القرآن ۳۰/۴۔
۲۳۔القرآن ۲۱/۷۹۔
۲۴۔القرآن ۲/۲۵۳۔
۲۵۔القرآن ۱۰۱/۱۰،۱۱۔
۲۶۔القرآن ۱۴/۴۶۔
۲۷۔القرآن ۱۶/۲۴۔
۲۸۔القرآن ۱۰/۲۸۔
۲۹۔القرآن ۱۳/۲۵۔
۳۰۔القرآن ۲۷/۴۸۔
۳۱۔القرآن ۱۸/۷۹۔
۳۲۔القرآن ۲۶/۶۳۔
۳۳۔القرآن ۵۷/۱۰۔
۳۴۔القرآن ۱۶/۱۱۶۔
۳۵۔القرآن ۱۳/۲۳،۲۴۔
۳۶۔القرآن ۳۶/۲۶۔
۳۷۔القرآن ۲۵/۴۱۔
۳۸۔القرآن ۲/۴۸۔
۳۹۔القرآن ۳۸/۴۴۔
۴۰۔القرآن ۲۹/۴۶۔
۴۱۔القرآن ۲/۱۳۶۔
۴۲۔القرآن ۱۰/۲۵۔
۴۳۔القرآن ۲/۶۰۔
۴۴۔القرآن ۷/۱۴۳۔
۴۵۔القرآن ۱۰۲/۳،۴۔
۴۶۔القرآن ۹/۶۔
۴۷۔القرآن ۱۶/۳۰۔
۴۸۔القرآن ۹۱/۱۳۔
۴۹۔القرآن ۲/۱۲۷۔
۵۰۔القرآن ۴/۱۷۱۔
۵۱۔القرآن ۴۹/۱۷۔
۵۲۔القرآن ۲/۲۳۵۔
۵۳۔القرآن ۳۰/۲۴۔
۵۴۔القرآن ۸۸/۸۔
۵۵۔القرآن ۲/۱۸۱۔
۵۶۔القرآن ۱۲/۲۹۔
۵۷۔القرآن ۲۱/۸۵۔
۵۸۔القرآن ۲۶/۱۱۱۔
۵۹۔القرآن ۲۰/۹۶۔
۶۰۔القرآن ۶/۲۲۔
۶۱۔القرآن ۳/۳۱۔
۶۲۔القرآن ۱۶/۳۰۔
۶۳۔القرآن ۴/۷۳۔
۶۴۔القرآن ۶/۲۷۔
۶۵۔القرآن ۱۲/۴۵،۴۶
۶۶۔القرآن ۱۹/۹۔
۶۷۔القرآن ۴/۴۲۔
۶۸۔القرآن ۱۶/۸۱۔
۶۹۔القرآن ۱۶/۵۔
۷۰۔القرآن ۲/۳۔
۷۱۔القرآن ۲۷/۱۲۔
۷۲۔القرآن ۱۱/۳۵۔

ناسخ ومنسوخ کے اطلاقی پہلو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

تراجم قرآن پر ناسخ ومنسوخ کا اثر

پروفیسر ڈاکٹر شمس البصر ☆

ناسخ ومنسوخ ایک اہم بحث ہے نہ صرف قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ کے حوالے سے بلکہ انبیائے سابقہ علیہم السلام کی تعلیمات کے حوالے سے بھی زیر نظر مقالہ میں اگرچہ اس کے تمام پہلوؤں سے بحث ممکن نہیں، لیکن کوشش کی جائے گی کہ اس سے متعلق ان چیدہ چیدہ پہلوؤں کو سامنے لایا جائے جو اسلامی تعلیمات کا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اکرم ﷺ تک طریقہ چلا آرہا ہے۔

یہ تو ہم سب کو معلوم ہے کہ اسلامی تعلیمات سے روشناسی کا آغاز پہلے انسان اور پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔ وقت کی تبدیلی کے ساتھ مختلف اوقات میں پیغمبر آتے رہے اور وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق الٰہی احکامات (اوامر ونواہی) لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ تعلیمات کا یہ سلسلہ آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اختتام پذیر ہوا۔ رسول اکرم ﷺ دوسرے رسولوں کی طرح الٰہی احکامات دو طریقوں سے حاصل کرتے رہے، یعنی وحی جلی اور وحی خفی کے ذریعہ سے۔ ایک کو قرآن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور دوسرے کو سنت رسول ﷺ کے نام سے۔ خالق حقیقی کا لوگوں تک تعلیمات پہنچانے کا مقصد یہ تھا کہ ان کو دنیاوی امور سے نمٹنے کے لیے صحیح راہنمائی فراہم کی جائے یا وہ معلومات فراہم کر دی جائیں جو ان کی کامیابی کی ضامن ہوں۔

ہمارے ہاں اکثر لوگ جب اسلام کے آغاز کی بات کرتے ہیں تو قبل از اسلام اور بعد از اسلام

☆ چیئرمین شعبہ قانون، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔

کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ جس سے عام آدمی کو یہ تاثر ملتا ہے کہ گویا رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل کا زمانہ قبل از اسلام کا زمانہ تھا اور اسلام کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہوا۔ حقیقت میں بات اس طرح نہیں، فی نفسہٖ ایسا سمجھنا غلط دکھائی دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کو صرف رسول اکرم ﷺ نے لوگوں تک نہیں پہنچایا بلکہ ان سے قبل تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے ان تعلیمات کا پرچار کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں تک الٰہی تعلیمات پہنچاتے رہے۔ جو کچھ لوگوں تک ان سب نے پہنچایا۔ وہی دراصل اسلام ہے اس حوالے سے اسلام کو رسول اللہ ﷺ تک محدود کرنا غیر مناسب دکھائی دیتا ہے۔ اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ قبل از اسلام کی اصطلاح فی نفسہٖ نہ صرف غلط ہے بلکہ لوگوں کو اس قسم کا تأثر دینا بھی غلط ہے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا مآخذ ایک ہی ہے انبیائے کرام علیہم السلام زمانے کے بعد کے باوجود ایک دوسرے کی تائید کرتے رہے ہیں۔ وہ اپنے ماننے والوں کے اوپر لازم کرتے رہے کہ وہ اپنے سے اگلی اور پچھلی تعلیمات اور پیغمبروں کو دل کی گہرائی کے ساتھ تسلیم کریں اور انہیں اور ان کی تعلیمات کو اپنے ایمان کا جزو سمجھیں رسول اکرم ﷺ نے بھی اپنے ماننے والوں کو یہی تعلیم دی۔ ایمانیات میں پہلی کتابوں ور پیغمبروں کو اسی طرح لازم کیا جس طرح اپنے آپ پر اور اپنی لائی ہوئی کتاب پر ایمان کو لازم کیا۔ قرآن کریم کا پیغمبروں سے متعلق ارشاد ہے:

﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ﴾ (۱)

(ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے)

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ تمام ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں، ان کی تعلیمات بھی ایک ہیں۔ اس کا واضح مقصد یہ ہے کہ چونکہ ان تعلیمات کا صدور اللہ کی ذات سے ہوتا ہے اس وجہ سے عمومی طور پر اس میں تبدیلی کی ضرورت بہت کم آتی ہے۔ قانون کا ایک اہم قاعدہ ہے اور وہ یہ کہ قانون لوگوں کے لیے ہوتا ہے لوگ قانون کے لیے نہیں ہوتے، الٰہی قانون میں اس بات کی گنجائش ہوتی ہے کہ جب انسان کی

حالت بدل جائے یا وقتی حالات بدل جائیں تو قانون میں اسی حد تک تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ اسلامی قانون نے اس تبدیلی کی گنجائش ہمیشہ سے رکھی۔ چاہے وہ کسی بھی پیغمبر کے دور میں ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کی راہنمائی کے لیے جو قوانین وقتاً فوقتاً بھیجے ان میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی کہ جب بھی وقت اور حالات تبدیل ہوں گے قانون اس کے ساتھ تبدیل ہوتا رہے گا۔ ضرورت سے پہلے یا بلا ضرورت تبدیلی نہ تو ممکن تھی اور نہ کبھی ہوئی۔ البتہ ہر قسم کی تبدیلی ضرورت اور حالات کے تابع رہی ہے۔ یہ شریعتوں کے اندر بھی تھی اور باہر بھی، اس قسم کی تبدیلی قانون کے اطلاق کے لیے ضروری بھی ہوتی ہے۔ سنت اللہ کے مطابق پیغمبر کو مبعوث اس وقت کیا جاتا ہے جب معاشرہ کو نئے ضابطوں کی ضرورت ہوتی ہے یا تو لوگ تعلیمات بھلا چکے ہوتے ہیں تو ضرورت ہوتی ہے کہ انہیں تعلیمات از سر نو دیئے جائیں۔ یا وقت اور حالات کی وجہ سے قانون لوگوں پر گراں گزرتا ہے تو اس میں تخفیف اور ترمیم کردی جاتی ہے اسی تخفیف اور ترمیم کو لوگوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ اسی مقصد کے لیے پیغمبر بھیجا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے حوالے سے فرمایا ارشاد ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (۲)

(درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر اُٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾(۴)

(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر نبی امّی ﷺ کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے بدی سے روکتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔اور ان پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں)

پیغمبر کے بنیادی فرائض میں معروف کا حکم دینا، منکر سے روکنا، پاک اشیاء کو حلال اور ناپاک کو حرام قرار دینا، کتاب وحکمت کی تعلیم دینا، اپنے ماننے والوں سے بے جا بوجھ ہٹانا، یا اگر غیر ضروری امور میں گھرے ہوئے ہوں تو ان سے ان کو نکالنا شامل ہے۔

مجموعی طور پر ان تمام تعلیمات کا مقصد انسان کو اس کی ضرورت کے مطابق راہنمائی فراہم کرنا ہے ان میں نہ تو ہر وقت تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی ہر پیغمبر کلی طور پر دوسرے پیغمبر کی تعلیمات کی تنسیخ کے لیے مبعوث ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے یہ نظریہ بالکل غلط ٹھہرتا ہے کہ ہر پیغمبر جو شریعت لائے اسی شریعت نے پچھلی شریعتوں کو کلی طور پر منسوخ کیا، بلکہ بات اس کے برعکس ہے۔ ہر پیغمبر اپنے سابقہ پیغمبروں کی تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے اور ان پر ایمان کو اپنے ماننے والوں کے لیے لازم قرار دیتا ہے۔ اگر کلی تنسیخ کا طریقہ مان لیا جائے تو سمجھا یہ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون تجرباتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ حکیم، علیم اور دانا ہے اس کے دیے ہوئے قانون میں یہ صورت ممکن نہیں۔ انبیاء کی تعلیمات بنی نوع کے مسائل کا حل ہوتی ہیں وہ انسانی زندگی کے جملہ امور میں راہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ اور یہ تعلیمات عقائد، معاملات، اخلاقیات، عبادات، عقوبات اور دوسرے متعلقہ امور کا مجموعہ

ہوتی ہیں۔

اگر یہ فرض کیا جائے کہ ہر پیغمبر کی شریعت نے دوسرے پیغمبر کی شریعت/تعلیمات/احکامات کو منسوخ کیا تو لامحالہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے عقائد/معاملات، اخلاقیات، عقوبات اور عبادات سب کچھ کو منسوخ کیا جبکہ ایسا ہرگز ممکن نہیں۔ ہمیں رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ خود بھی پچھلی شریعتوں کے احکامات کے اس وقت تک پابند تھے۔ جب تک کسی حکم سے متعلق واضح تنسیخ حکم نہ آجاتا۔ وحی کا طریقہ بھی یہی ہوتا تھا کہ یا تو پچھلے احکامات کی توثیق ہوتی تھی جیسے "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ"[(۴)] (تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پچھلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے)۔ یا پھر نئے احکامات متعارف کرائے جاتے تھے۔ اس قسم کے قوانین کا تعلق وقت اور حالات کے ساتھ ہوتا تھا۔ رسول پچھلی شریعتوں کے پابند ہوتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کی اس قسم کی پابندی کا کئی جگہوں سے معلوم ہوتا ہے۔ تحویل قبلہ سے متعلق حکم کو لیجئے، قرآن کریم میں بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا کہیں بھی تذکرہ نہیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوائل میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کریں۔ حالانکہ ان کی اپنی خواہش تھی کہ ان کا قبلہ بیت اللہ ٹھہر جائے۔ قبلہ کی تبدیلی کے لیے ان کی بے تابی کا تذکرہ قرآن کریم نے تبدیلی قبلہ کے حکم میں کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ پچھلی شریعت میں مقرر کردہ قبلہ از خود تبدیل کریں۔ اپنے آپ کو پچھلی شریعت کا پابند سمجھتے رہے اور بیت المقدس کی طرف رُخ کرتے ہوئے نماز ادا کرتے رہے۔ یہ پابندی اس وقت تک برقرار رہی جب تک تبدیلی قبلہ کا باقاعدہ حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبلہ تبدیل کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی اس خواہش کا تذکرہ بھی فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ﴾[۴]

(ہم آپ کا بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھانا دیکھ رہے ہیں۔ سو ہم آپ کا قبلہ وہی بدل دیں گے جو آپ کو پسند ہے۔ پس آپ (نماز میں) اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف موڑ دیں جہاں کہیں بھی تم ہوں اپنے رُخ اسی (مسجد حرام کی) طرف کریں۔

نبی اکرم ﷺ تحویل قبلہ کے لیے مصروف دعا رہتے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں آپ ﷺ کی نگاہیں آسمان کی طرف بار بار اُٹھتی رہتیں۔ ایک روز سرورِ عالم ﷺ بشر بن البراء بن معرور کی والدہ کی ملاقات کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے ان کا گھر بنی سلمہ کے محلّہ میں تھا۔ بشر کی والدہ نے دوپہر کے کھانے کا اہتمام بھی کیا۔ اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حسب معمول بیت المقدس کی طرف رُخ انور کر کے نماز ظہر پڑھنی شروع کی۔ جب دو رکعتیں پڑھ چکے تو جبرئیل امین حاضر ہوئے اور اشارہ کیا کہ آپ کعبہ شریف کی طرف روئے انور پھیر کر بقیہ نماز مکمل کریں۔ حکم الٰہی ملتے ہی نبی اکرم ﷺ نے نماز کی حالت میں ہی اپنا رخ کعبہ مشرفہ کی طرف پھیر لیا اور آپ کی اقتدا میں میں تمام نمازیوں نے بھی بلا تامل اپنے منہ بیت المقدس سے پھیر کر کعبۃ اللہ کی طرف کر لیے۔ کیونکہ مدینہ طیبہ سے بیت المقدس جانب شمال ہے اور کعبہ شریف اس کے بالمقابل جانب جنوب ہے۔ اس لیے اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیچھے جہاں مستورات نماز ادا کر رہی تھیں، وہاں مرد آ کر کھڑے ہو گئے اور ان کی جگہ مستورات آ کر کھڑی ہو گئیں، اسی لیے یہ مسجد، مسجد قبلتین کے نام سے مشہور ہوئی۔[۶]

جنگ بدر کا واقعہ بھی اس حوالے سے خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ تاریخ میں یہ بات مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی بے سروسامانی کے باوجود جنگ میں حصّہ لیا۔ جنگ میں شریک صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ جنگی سامان نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس کے باوجود اپنے سے کئی گنا زیادہ دشمن کا مقابلہ کر کے جب کامیابی سے ہم کنار ہوئے تو قیدی بھی ہاتھ آئے اور مالِ غنیمت بھی۔ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قیدیوں اور مالِ غنیمت کے سلسلے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکر

صدیقؓ نے مشورہ دیا کہ وہ رشتہ دار افراد ہیں، ان سے فدیہ لیں۔ اسی طرح ہم کافروں کے مقابلے میں طاقتور ہو جائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کی رائے پر فیصلہ دیا۔ پچھلی شریعتوں میں مالِ غنیمت اور قیدیوں کے بارے میں احکامات رسول اللہ ﷺ کے اس فیصلے سے بالکل مختلف تھے۔ پچھلی شریعتوں میں مالِ غنیمت کو جلایا جاتا تھا اور قیدیوں کو قتل کرنا ہوتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کو چاہیے تھا کہ پچھلی شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے۔ مالِ غنیمت کو جلاتے اور قیدیوں کو قتل کرتے۔ لیکن فیصلہ اس سے مختلف ہوا یعنی مالِ غنیمت کو صحابہ کرام میں تقسیم فرمایا اور قیدیوں سے فدیہ لے کر رخصت کیا جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے تنبیہ آئی۔ نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیقِ اکبرؓ عتابِ ربانی سن کر رو پڑے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

((ابکی للذی عرض علی اصحابك من اخذ هم الفداء لقد عرض علی عذاب هم ادنی من هذه الشجرة .)) [7]

(تیرے ساتھیوں پر فدیہ لینے کی وجہ سے منجانب اللہ جو عذاب پیش کیا گیا اس کی وجہ سے روتا ہوں، میرے سامنے ان کا عذاب اس درخت کے قریب پیش کیا گیا)

اس سے مقصود فقط تنبیہ تھی بعد میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر اس وقت عذاب آتا تو سوائے عمر کے کوئی نہ بچتا اور ایک روایت میں ہے کہ اور سوائے سعد بن معاذ کے۔ [8]

رسول اللہ ﷺ کو جو تنبیہ کی گئی اس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح سے ہے:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ [9]

(نبی کے لیے یہ شایانِ شان نہیں کہ اس کے قیدی رہیں جب تک وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کر لے، تم لوگ دنیا کے اسباب چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے اگر اللہ

کا حکم پہلے سے نہ ہو چکا ہوتا تو جو حکم تم نے اختیار کیا ہے اس کے سلسلے میں تم پر کوئی سخت سزا نازل ہوتی)

اس پورے واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں کو پچھلی شریعتوں کے احکامات کی نوعیت کو سمجھانے کے سلسلے میں ان کی تربیت مقصود تھی، ان کو بتانا یہ تھا کہ پچھلی شریعتوں کو اس وقت تک نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ جب تک ان سے متعلق باقاعدہ تنسیخ کا حکم نازل نہ ہو۔ حکم پر عمل درآمد اسی شریعت میں اسی طرح ہوگی جس طرح پچھلی شریعت میں ہوتی رہی۔ رسول اکرم ﷺ پچھلی شریعتوں کے احکام کے پابند تھے اور یہی وہ ربط ہے جو موجودہ شریعت کا دوسری شرائع کے ساتھ ہے۔ اسلامی قوانین کے درمیان نہ ٹوٹنے والا واضح رشتہ ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے۔

ایک اور اہم مسئلہ شادی شدہ زانی یا زانیہ کی سزا کا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سزائے رجم دی۔ چوں کہ یہ سزا رسول اکرم ﷺ نے دی اس وجہ سے لوگ کبھی حدیث کی قرآن پر سبقت کی بات کرتے ہیں اور کبھی نادانی میں یہ کہا جاتا ہے کہ رجم کی سزا سے متعلق قرآنی حکم نازل ہوا تھا۔ مٹھی بھر کچھ لوگ اس سزا سے انکار بھی کرتے ہیں یا پھر اسے حد کی سزا نہیں مانتے، حالانکہ قرآن کریم میں نہ ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ حکم خداوند تعالیٰ کی جانب سے نہیں۔ اس سے پہلے میں نے حوالہ دیا کہ بیت المقدس کے قبلۂ اوّل ہونے کا تذکرہ قرآن کریم میں نہیں۔ اس کے باوجود ہم اسے قبلہ اوّل مانتے ہیں۔ اسلامی احکامات ہم صرف قرآن کریم سے حاصل نہیں کرتے بلکہ دیگر انبیائے کرام سے بھی۔ تمام پیغمبروں کی تعلیمات اسلام کا حصّہ ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان تعلیمات کی توثیق یا تو خود قرآن کریم کرتا ہے یا پھر رسول اکرم ﷺ کی ذات سے اس کو توثیق ہوتی ہے۔ قرآن کریم ان ہدایات کی پیروی کا باقاعدہ حکم دیتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: "**فبهداهم اقتده**"[10] (اے پیغمبر) ان کی ہدایت کی پیروی کر۔ رجم کے معاملہ کو اگر دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو قرآنِ کریم میں زانی اور زانیہ کی سزا کا تذکرہ ہے جس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی کوئی تخصیص نہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِأَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾(۱۱)

(زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور اُن کو سزا دیتے وقت اہلِ ایمان کا ایک گروہ موجود رہے)

اگر یہ مان لیا جائے کہ رجم کی سزا اسلامی نہیں اور اسلامی ہونے کے لیے یہ سزا بھی قرآن میں ہونی چاہیے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے سزائے رجم کے اجراء کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ گویا رسول اکرم ﷺ نے الٰہی حکم کی خلاف ورزی کی۔ حالانکہ رسول ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے۔ جبکہ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ﴾(۱۲)

(کہ ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کیجئے حق آ جانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول ﷺ اپنے فرائض منصبی کے حوالے سے قانون کے اصل منبع اور مرجع کی نشاندہی کرتے ہیں قانون کے اطلاق کا سارا procedure قرآن کریم خود واضح کرتا ہے۔ یہاں "فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" (۱۳) سے صرف قرآن کریم مراد نہیں بلکہ موجودہ شریعت اور پچھلی شریعتوں کے وہ تمام احکامات مراد ہیں جن کی تنسیخ نہیں ہوئی۔ سزائے رجم کی تنسیخ کی اگر ضرورت ہوتی تو اس شریعت میں ہو جاتی جو کہ نہیں ہوئی۔ حکم برقرار رہ گیا اور رسول اکرم ﷺ نے اس حکم کو زندہ فرمایا۔

شادی شدہ زانیوں سے متعلق قانون پچھلی شریعت میں موجود تھا۔ رسول اکرم ﷺ اس قانون کے پابند تھے اور وہ پہلے سے رائج قانون کی خلاف ورزی کر نہیں سکتے تھے۔ پہلے سے مقررہ سزا کو رسول اکرم ﷺ نے نافذ فرمایا، اس کا تذکرہ توریت میں آج بھی موجود ہے۔

''اگر تیرے درمیان تیسری بستیوں میں......کہیں کوئی مرد یا عورت ملے جس نے ...... یہ بدکاری کی ہو......اگر یہ ٹھیک ہو اور قطعی طور پر ثابت ہو جائے ......تو اس مرد یا عورت کو جس نے یہ برا کام کیا ہو باہر پھاٹکوں پر نکال لے جانا اور ان کو ایسا سنگسار کرنا کہ وہ مر جائیں۔'' (۱۴)

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ شریعت میں زنا سے متعلق حکم سورۃ النور کی آیت ''الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِاْئَةَ جَلْدَةٍ'' (۱۵) کہ زانیہ اور زانی ہر ایک کو سو سو کوڑوں کی سزا دو۔ اس سزا کو رسول اکرم ﷺ نے غیر شادی شدہ تک محدود کر دیا۔

ناسخ و منسوخ سے متعلق یہ غلط فہمی نہ صرف شریعت محمدیہ اور دوسری شرائع کے اس گہرے ربط اور تعلق سے متعلق پائی جاتی ہے بلکہ قرآن کریم کے اندر بھی بعض لوگ اس فلسفے کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ناسخ و منسوخ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ اس کے اطلاق کی جگہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالی جائے۔

مثلاً: سورۃ نساء کی درج ذیل آیت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سورۃ النور کی ایک ''الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي'' سے منسوخ ہوئی ہے۔ سورۃ نساء میں ہے: ''وَ الّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا'' (۱۶) (تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ ان کو موت آئے یا اللہ ان کا کوئی راستہ نکال لے) اور دوسری آیت ''وَ الَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا'' (۱۷) (اور تم میں سے جو دو اس فعل کا ارتکاب کریں ان کو اذیت ناک سزا دو پس اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو انہیں چھوڑ دو کہ اللہ بہت توبہ کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے) حقیقت یہ ہے النور کی آیت ''الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي'' زنا سے

متعلق ہے اور اس کا ان دونوں آیات کے ساتھ وہ تعلق نہیں جو بتایا جا رہا ہے۔

سورۂ نساء کی یہ درج بالا آیات فحش کاموں سے متعلق ہیں۔ "وَ الّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ" میں کہیں بھی زنا کا تذکرہ نہیں اور نہ اس میں مرد کا تذکرہ ہے بلکہ یہ عورتوں تک محدود ہے "اللّتی" جمع ہے "التی" کا اور یہ صیغہ مونث کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مفسرین کی اکثریت نے کہا ہے کہ یہ زنا سے متعلق ابتدائی احکامات ہیں اور ان کو سورۃ النور کی مذکورہ آیت نے منسوخ کر دیا ہے جبکہ بعض مفسرین ان آیات کی سورۃ النور کی آیت سے تنسیخ کے قائل نہیں، یہ رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اور حقیقت سے قریب تر بھی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ شارع حقیقی ایک فحاشی کا تذکرہ کر لے۔ اس کے لیے سزا تجویز کرے اور دوسرے قریب تر امور کو نظر انداز کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں آیات کا زنا سے کوئی تعلق نہیں پہلی آیت "وَ الّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ "(۱۸) کا تعلق مساحقت Lesbianism سے ہے جس کے لیے قرآن کریم نے عمر قید کی سزا تجویز کی ہے۔ جبکہ دوسری آیت "وَ الَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ" کا تعلق غیر فطری کاموں (sodomy) سے ہے۔ غیر فطری کام کے ارتکاب والوں کے لیے قرآن اذیت ناک سزا تجویز کرتا ہے۔ اس میں "یَاْتِیٰنِهَا" میں "ھا" کی ضمیر "فاحشہ" کی طرف راجح ہے۔ جس سے غیر فطری عمل مراد ہے۔

اس کی طرف سورۃ النمل کی آیت میں اشارہ بھی موجود ہے: ارشاد خداوندی ہے "وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ" (۱۹) اور جب لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو۔"

یہاں بے حیائی سے غیر فطری (sodomy) کام مراد ہے، جو دو افراد کے فعل بد کو کہتے ہیں۔

جہاں تک "اللّتی" اور "واللذان" کا تعلق ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زنا سے متعلق یہ ابتدائی احکام ہیں تو "واللذان" سے مقصد پورا ہو جاتا ہے اور "واللتی" کا یہاں لانا بے کار معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلی آیت میں بلاشرکت غیرے عورتیں مراد ہیں اور دوسری آیت "واللذان" میں عورتوں کا احتمال ہو سکتا ہے لیکن مجاہدؒ کے اس قول سے کہ "نزلت فی الرجلین اذا فعلا" کہ یہ دو

افراد کے فعل بد سے متعلق نازل ہوئی۔'' دونوں کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اگر ناسخ و منسوخ کے بے جا استعمال سے صرف نظر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تینوں آیات فحاشی کے امور سے متعلق ہیں۔ ایک کا تعلق زنا fornication کے ساتھ ہے، دوسری کا تعلق مساحقت Lesbionism کے ساتھ ہے اور جبکہ تیسری کا تعلق غیر فطری عمل یا sodomy سے ہے۔

وراثت سے متعلق مندرجہ ذیل آیت کو لیجئے۔ اس کے بارے میں اکثریت کی یہ رائے ہے کہ درج ذیل آیت کی تنسیخ سورۃ نساء کی آیت ''یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ'' [۲۰] سے ہوئی۔ ارشاد ربانی ہے: ''کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَ نِ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ'' [۲۱] (تم پر فرض ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت واقع ہو اگر اس نے ترکہ چھوڑا ہو تو وہ وصیت کرے والدین اور اقربین کے لیے معروف طریقے سے یہ متقین کے اوپر حق ہے)

یہ ایک اور غلط فہمی ہے جو ناسخ اور منسوخ کی بنیاد پر پیدا ہوئی ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آیت میراث کا تعلق ان رشتہ داروں سے ہے جو وراثت کے حق دار یا اہل قرار پاتے ہیں جبکہ مذکورہ آیت کا تعلق ان رشتہ داروں سے ہے جو وراثت پانے کی کسی بھی وجہ سے اہل قرار نہیں پاتے۔

لازمی بات ہے کہ غیر مسلم والدین اور اقربا یا محروم ولاوارث افراد سورۃ نساء کی آیات کے تحت وراثت نہیں پا سکتے لیکن سورۃ بقرہ کی آیت ۱۸۰ کے تحت متوفی اور متوفیہ کو اسلام پابند کرتا ہے کہ وہ اپنی حیات میں اپنے محروم قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کریں اور یہ وہ پہلو ہے جس سے کسی بھی صورت میں انکار ممکن نہیں، مثلاً: والدین اگر غیر مسلم ہوں تو کیا اس مذکورہ آیت کا اطلاق ان کے حوالے سے نہیں ہوگا جبکہ قرآن کی دوسری آیات ''وبالوالدین احسانا'' (والدین کے ساتھ احسان کرو) کا حکم دیتی ہیں۔ والدین اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ یہی آیت ان کو اپنا حق بھی دلاتی ہے اور اولاد کو پابند بھی کرتی ہے کہ ان کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے تحت اچھا برتاؤ کریں۔ مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں کہ اگر ایک مسلم صاحب جائیداد کی ماں بدستور اپنے

مذہب پر قائم ہے تو وہ بطور وصیت اسے اپنی جائیداد کا حصّہ دے سکتا ہے۔ (۲۲)

درج بالا موضوع تحقیق طلب ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ اسی حوالے سے قرآن کریم اور سنت رسول کے ان پہلوؤں کو تلاش کیا جائے جہاں قرآنی احکامات سے ناسخ ومنسوخ کے غیر ضروری اطلاق کی وجہ سے استفادہ نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم اور سنت رسول کیا ایسے احکام بھی ہیں جن کا اطلاق ایک فرد پر ہوتا ہے اور دوسرے پر نہیں، یعنی ان میں عمومیت نہیں ہوتی۔ انفرادی احکام سے استفادہ کی صورت میں فرائض اور حقوق اور معاشرتی مسائل کے حل میں آسانی پیدا ہوگی۔ یہی قرآن کا مقصود ہے۔ اگر کسی مسئلے کا حل قرآن میں پہلے سے موجود ہو تو ہم اس مسئلے کے حل کے لیے کسی اور کی رائے کی طرف کیوں رجوع کریں گے؟۔

مولانا عبیداللہ سندھی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **قیل ھذہ الآیة منسوخة بایة المیراث وھو غلط"** (۲۳) کہ اس آیت کے بارے میں کہا جاتا کہ آیت میراث نے اسے منسوخ کیا ہے جبکہ یہ غلط ہے۔ پوتے اور نواسے یقینی طور پر اقرباء میں سے ہوتے ہیں اگر وہ کسی حالت میں قریب تر کی وجہ سے محروم ہوتے ہیں تو ان کا حق بنتا ہے کہ ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اور ان کو محرومی سے بچایا جائے۔ یہی آیت ان کو حق دلوانے میں معاون ہوسکتی ہے۔ اگر آج ہم اس آیت پر عمل درآمد کریں تو پوتوں اور نواسوں کو وراثت میں شریک کرنے کا مسئلہ ہمیشہ اور احسن طریقے سے حل ہوسکتا ہے۔

اس طرح بیوہ اور طلاق شدہ عورتوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (۲۴)

(اور جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ وصیت کریں اپنی بیویوں کے واسطے ایک سال خرچ کے واسطے گھر سے نہ نکالتے ہوئے پھر اگر وہ بیویاں اپنے آپ نکل جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں جو وہ اپنے حوالے سے معروف طریقے سے کریں۔ اور اللہ زبردست

حکمت والا ہے۔ پرہیزگاروں کے اوپر لازم ہے کہ وہ طلاق شدہ عورتوں کو معروف طریقے سے خرچ دیں)

اس آیت کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ اسے ''وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ''(۲۵) نے منسوخ کر دیا ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں کہ یہ احکام احسان کے درجے کے ہیں۔ اس آیت سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ پرہیزگار حضرات کے لیے یہ اختیار کرنا بہتر ہے۔ یہ حکم استحباب کے دائرے میں آتا ہے کہ مرنے والا بیواؤں کو ایک سال تک گھر میں رہنے دے اور ان کا خرچ بھی دیں لیکن اگر وہ اچھے طریقے سے خود نکلیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔(۲۶)

علمائے متقدمین نے نسخ کے مفہوم کو وسیع جان کر قرآن کریم میں زیادہ منسوخ آیات کی نشاندہی کی۔ جبکہ ان کے مقابلے میں متاخرین نے اسے محدود کر دیا۔ متاخرین علماء میں سے علامہ جلال الدین سیوطی نے قرآن کریم میں اُنیس آیات کو منسوخ بتایا ہے جبکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان میں سے صرف پانچ کو منسوخ قرار دیا ہے۔ ناسخ و منسوخ کے تصور سے مفر نہیں وقت اور حالات کا ساتھ دینے والے قانون کے لیے یہ ناگزیر اور مبنی بر حکمت بھی ہے۔

قرآن کریم کا نزول تدریجی طور پر ہوا۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی قرآن کریم کی روشنی میں جہاں جہاں راہنمائی فرمائی اس میں بھی اسی حکمت کو پیش نظر رکھا۔ زمانے اور لوگوں کے حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ قانون میں بھی لچک رکھی گئی یا پھر بالکل مختلف قوانین بھی دیے گئے۔ بعض اصول ایسے دیے گئے جو قانون کے ظاہر پر عمل کے بجائے باطن پر عمل کے نشان دہی کرتے رہے۔ مثلاً: ضرورت کے وقت حرام چیز کا مباح ہونا یا مثال کے طور پر کسی چیز کو حرام قرار دیا گیا اور ساتھ یہ بھی کہا گیا۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ (۲۷) یعنی جو اضطرار میں ہوا اور باغی نہ ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ قانون کا عمومی مقصد یہ تھا کہ جب قانون سے مقصد حاصل نہیں ہوتا ہو اور ضرورت ہو تو تبدیلی ناگزیر ہوگی۔ بعض جگہ یہ تبدیلی

نمایاں ہوتی ہے اور بعض جگہ وضاحت طلب، منسوخ شدہ آیات کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان پر عمل روک دیا گیا ہے۔ حالات اگر تقاضا کرتے ہیں تو ان سے استفادہ آج بھی ممکن ہے اور مستحسن بھی۔

وما علینا الاّ البلاغ

❀❀❀❀

حواشی وحوالہ جات

۱۔ القرآن ۲:۲۸۵۔
۲۔ القرآن ۳:۱۶۴۔
۳۔ القرآن ۷:۱۵۷۔
۴۔ القرآن ۲:۱۸۳۔
۵۔ القرآن ۲:۱۴۴۔
۶۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی (ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ لاہور) ص ۴۱۳۔
۷۔ مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد کتب خانہ، کراچی) ۲/۹۳۔
۸۔ زرقانی، شرح مواہب (دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان) ۱/۴۴۲۔
۹۔ القرآن ۸:۶۷-۶۸۔
۱۰۔ القرآن ۶:۹۰۔
۱۱۔ القرآن ۲:۲۴۔
۱۲۔ القرآن ۵:۴۸۱۔
۱۳۔ ایضاً۔
۱۴۔ کتاب مقدس استثنا، باب ۱۲۔
۱۵۔ القرآن ۲:۲۴
۱۶۔ القرآن ۴:۱۵۔
۱۷۔ القرآن ۴:۱۶۔
۱۸۔ القرآن ۴:۱۵۔
۱۹۔ القرآن ۲۷:۵۴۔
۲۰۔ القرآن ۴:۱۱۔
۲۱۔ القرآن ۲:۱۸۰۔
۲۲۔ سندھی، عبید اللہ، امام، المقام المحمود، (ناشر غلام مصطفیٰ قاسمی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، صدر حیدر آباد) ۱/۱۲۲۔
۲۳۔ ایضاً۔
۲۴۔ القرآن ۲:۲۴۰۔
۲۵۔ القرآن ۲:۲۳۴۔
۲۶۔ المقام المحمود، ۱/ ۱۲۸۔
۲۷۔ القرآن ۲/۱۷۳۔

❀❀❀❀

ترجمہ قرآن حکیم
آغاز وارتقا اور مشکلات ومسائل

ڈاکٹر محمود الحسن عارف ☆

ترجمہ کے لفظی معنی ...... کسی مصنف کے خیالات کو اپنی زبان کا جامہ پہنانے اور اُسے اپنے الفاظ وکلمات کے سانچے میں اس طرح ڈھالنے کے ہیں کہ ترجمہ اور تالیف میں کچھ فرق معلوم نہ ہو(۱)۔

دنیا میں ترجمے کی روایت کا آغاز کب اور کیسے ہوا...... یہ ایک سربستہ راز ہے...... اور اب تک اُسے منکشف نہیں کیا جاسکا...... اور غالبًا ... مستقبل قریب میں بھی ایسا ممکن نظر نہیں آتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اساس انسانی ضرورت پر ہے اور انسانی ضرورت اس وقت پیدا ہوگئی تھی، جب حضرت انسان نے...... اپنے قدموں کے ساتھ اس ''دھرتی'' کو آباد کیا تھا اور انسانوں کو ایک دوسرے کی بات سمجھنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

قرآن کریم میں انسانی رنگتوں اور زبانوں یا بولیوں کے اختلاف کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے[۱]۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کی...... دنیا میں آبادکاری کے کچھ ہی عرصے کے بعد ...... جب انسانوں کی بولیوں میں یہ اختلاف اور تنوّع پیدا ہوا، تو انہیں...... ایک دوسرے کے قریب آنے اور ایک دوسرے کی بات کو سمجھنے کے لیے...... ترجمے کی ضرورت پیش آئی ہوگی، اور یوں قدیم زمانے سے ہی ترجمے کی ابتدا ہوگئی تھی،... پھر ... رفتہ رفتہ دو باتوں نے اس تحریک کو مزید طاقت اور قوت عطا کی: ان میں سے پہلی بات دنیا میں بڑی بڑی بادشاہتوں کا قیام اور دوسری بڑے آسمانی

☆ صدر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

مذاہب کا نزول تھا، ان دونوں ضرورتوں کے تحت...... ترجمے کی روایت میں پختگی اور باقاعدگی پیدا ہوئی اور یوں ترجمے نے...دنیا میں...ایک اہم ادبی صنف کے طور پر اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے۔

پھر جب تہذیبوں اور مذاہب نے...ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرنا شروع کیا، تو ترجمے کی اس روایت کو مزید شہ ملی، جس کا سبب یہ تھا کہ تہذیبوں کو اپنی وضاحت اور مذہبی کتابوں کو تبلیغ اور دعوت کے لیے تراجم کی ضرورت تھی، اسی لیے...... یہ روایت دن بدن پختہ سے پختہ تر ہوتی چلی گئی، حتیٰ کہ دنیا میں بہت سی کتابوں کے تراجم رہ گئے اور ان کی ''اصل'' دنیا کے اندھیروں میں کہیں گم ہو گئی... اس سلسلے میں سب سے نمایاں مثال تورات اور انجیل کی ہے،...ان دونوں کتب کی اصل...صدیوں پہلے...ناپید ہو گئی تھی اور دنیا صدیوں سے...ان کے ترجمے پر اکتفا کر رہی ہے۔ (۳)

۲- اسلامی دور میں ترجمے کی روایت کا آغاز

پھر جب آنحضور ﷺ دنیا میں...پیغمبر امن و سلامتی...بن کر تشریف لائے اور دنیا میں علم و ادب کے ایک نئے اور وسیع جہان نے جنم لیا...تو اس وقت عرب دنیا تحریر و کتابت کے ساتھ ساتھ، ترجمے کی اس پختہ روایت سے بھی آگاہ تھی، پھر اسلام کو...تہذیبی اور علمی طور پر، ایسی سرزمین ملی تھی..جو اسلامی تہذیب و تمدن اور دعوت و اصلاح کو قبول کرنے اور اُسے نشوونما دینے کے لیے موزوں ترین بھی تھی اور پوری طرح تیار اور مستعد بھی تھی۔ اسی لیے...مسلمانوں کے ہاں..ترجمے کی روایت کی ابتدا بالکل ابتدائی دور سے ہو گئی تھی...اور مسلمان شروع سے ہی اس فن کی اہمیت اور نزاکت سے واقف و آگاہ ہو گئے تھے۔

ترجمہ کی روایت کو آگے بڑھانے کے لیے دوسری زبانوں کے الفاظ و کلمات سے آگاہی ضروری ہے...اور اس بات پر بہت سے مفسرین کا اتفاق ہے کہ قرآن حکیم میں ... دوسری یا اجنبی زبانوں کے...دو چار نہیں، بلکہ بیسیوں الفاظ و کلمات استعمال ہوئے ہیں...جن میں سابق انبیاء علیہم السلام سے لے کر... پرانی قوموں...تہذیبوں اور قدیم مقامات تک کے نام شامل ہیں،...جس سے

اسلام میں ''ترجمے'' کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے(۴)۔

جہاں تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کا تعلق ہے، تو اس بات پر تمام سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی مختلف بولیوں سے واقف اور آگاہ تھے اور آپ اپنے پاس آنے والے وفود سے خود انہی کی زبان میں گفتگو فرمایا کرتے تھے(۵)۔

اسی طرح آپ دوسری زبانوں کے الفاظ وکلمات کا بھی علم رکھتے تھے، چنانچہ...ایک لڑکی... سے، جو اپنے والدین کے ہمراہ حبشہ میں رہکر آئی تھی...آپ فرماتے...سنہ(۶)... جو حبشی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی حسنۃ کے ہیں... یہ دوسری زبانوں میں جزوی ترجمے کی مثال ہے۔

آنحضور ﷺ نے ۶ ھ میں، صلح حدیبیہ کے بعد، عرب اور بیرون عرب کے مختلف حکمرانوں کو خطوط تحریر کیے، جن میں آپ قرآن حکیم خصوصاً سورۂ آل عمران کی آیت ۶۴: کا حوالہ دیا کرتے تھے...ان تمام خطوط کا...حکمران اپنی زبانوں میں ترجمہ کروا کر سنتے تھے، ایک ایسے ہی خط اور اس کے ترجمہ کا ذکر... صحیح البخاری میں بھی ملتا ہے(۷)۔ جس میں یہ بھی ذکر ہے کہ بوزنطی حکمران ہرقل نے جناب ابوسفیان اور اس کے ہمراہیوں کو بھی اپنے دربار میں طلب کیا...اور اپنے ترجمان یا مترجم کے ذریعے...ان سے گفتگو کی...اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ ہرقل کا مترجم ...اس کی باتوں کو عربی میں ترجمہ کرکے، ابوسفیان اور اس کے ہمراہیوں کو بھی بتاتا تھا، یہ عہد نبوی میں... غیر عربی میں قرآن حکیم اور سیرت طیبہ کے جزوی ترجمہ یا ابتدائی ترجمہ کی ایک مثال ہے(۸)۔

علاوہ ازیں دوسری زبانوں کو علوم اسلامیہ سے مالا مال کرنے اور اسلام کی ترجمانی کے لیے مکہ مکرمہ میں، ابتداء سے ہی ... دوسرے ممالک اور دوسری زبانوں سے تعلق رکھنے والے صحابہ کرامؓ موجود تھے...جن میں سے بطور مثال...حضرت بلال حبشی، حضرت صہیب رومی، اور حضرت سلمان فارسیؓ کا ذکر کیا جاسکتا ہے... یہ صحابہ کرامؓ مختلف قوموں کی نمائندگی کرتے تھے...اور یقیناً...اسلام کی اشاعت کے زمانے میں، ان قوموں کے افراد کے لیے...ترجمہ اور ان کی تعلیم وتدریس کا ذریعہ بنے رہے۔

ان میں فارسی زبان میں...ترجمہ کرنے کے حوالے سے، شہرت رکھنے والی شخصیت حضرت سلمان فارسی کی ہے، جو فارس کے رہنے والے تھے اور جن کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے اہل فارس کے مطالبے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سورۂ فاتحہ کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا تھا(۸)، جبکہ یہودیوں کی زبان (سریانی) سیکھنے اور اس میں ترجمہ کرنے کے لیے حضرت زید بن ثابت کا نام کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے، جن کے متعلق روایت یہ ہے کہ انہوں نے...آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر...یہودیوں کی زبان سیکھی تھی اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، یہودیوں کے خطوط کا جواب تحریر کرتے تھے، اس طرح سریانی زبان میں...سرکاری طور پر ترجمہ کرنے کی پہلی مثال ہے(۹)... اور ''ترجمہ'' کی اس روایت کو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی حاصل رہی۔ اس طرح عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں، مسلمانوں کا دوسری زبانوں سے شغف اور ان زبانوں میں...ترجمہ کرنے کی روایت کا آغاز ہوا، جو ''ترجمہ'' کی اہمیت اور اس کی بہتر مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے۔

۲- دورِ تابعین:

تابعین کے دور میں...جب اسلام کی تعلیمات کا غلغلہ...اکناف عالم تک جا پہنچا، تو ''ترجمہ'' کے حوالے سے...عہد صحابہ سے چلی آنے والی یہ روایت مزید مستحکم ہوگئی...امام محمد بن اسماعیل البخاری (م:۲۵۶ھ) اور امام مسلم بن الحجاج القشیری نے اپنی اپنی کتب میں کتاب التفسیر کے نام سے جو عنوان پیش کیے ہیں، ان میں متعدد صحابہ کرامؓ اور تابعین کے حوالے سے، مختلف قرآنی آیات کا مفہوم آسان عربی الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، جو ترجمہ قرآن ہی کی ایک صورت ہے، اس کے علاوہ قرآن حکیم کی ابتدائی دور کی تمام عربی تفاسیر میں یہی انداز اور یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے، جو قرآن مجید کے ترجمہ کرنے کے جواز کی مستند ترین دلیل ہے۔

اموی دور میں...خالد بن یزید بن معاویہ نے سرکاری سرپرستی میں...''یونانی اور دوسری زبانوں کی کتب کا ترجمہ...عربی میں، شروع کروایا.....تصویر کا دوسرا رخ بھی یقیناً اتنا ہی شاندار اور تابناک ہوگا، یعنی عربی کتب کا دوسری زبانوں میں ترجمہ...اگرچہ...اس کی..کوئی دستاویزی شہادت دستیاب

نہیں ہے، غالبًا قرآن کریم اور دوسری اسلامی تعلیمات کے...عجمی زبانوں میں ترجمہ...کی ابتدا بھی اسی دور میں ہوئی ہوگی، جس کا اندازہ ہمیں ...نامور محقق، اپنے اور بعد کے ادوار کے لیے...یکساں مقتدر شخصیت امام ابوحنیفہ (۸۰-۱۵۰ء)...کے فارسی زبان میں ترجمہ کے متعلق، ان کے موقف سے ہوتا ہے کہ انہوں نے اذان، خطبہ جمعہ...حتیٰ کہ سورۂ فاتحہ سمیت نماز میں قرآن حکیم کی فارسی زبان تلاوت کی بھی اجازت دے دی تھی۔ انہوں نے یہ اجازت دونوں صورتوں میں دی، خواہ اُسے عربی زبان اچھی طرح آتی ہو، یا نہ آتی ہو....جبکہ ان کے شاگردوں نے صرف اُس صورت میں اجازت دی، جب اُسے عربی اچھی طرح نہ آتی ہو،...امام ابوبکر الکاسانی فرماتے ہیں:

ثم الجواز کمایثبت بالقراءة بالعربية يثبت بالقراء ة بالفارسيه عندابی حنيفه سواء کان يحسن العربيه اولايحسن(۱۰).

یہ الگ بات ہے کہ جمہور فقہا، ان کے اس موقف سے متفق نہ ہوسکے، تاہم...ان کے اس بارے میں...موقف سے اس بات کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں قرآن حکیم کے ترجمہ کی ...روایت خصوصاً فارسی زبان میں کس قدر مستحکم اور متداول ہوچکی تھی۔

دوسری صدی ہجری اور تیسری صدی ہجری میں...''ترجمہ'' باقاعدہ ایک اہم ترین شعبہ بن چکا تھا اور المامون العباسی (۹۹ھ/۸۱۳/ ۳۱۹ھ/۸۳۳ء) کے قائم کردہ دارالحکمت...کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل رہی اور ان تراجم کی بدولت مسلمانوں میں یونانی علوم و افکار کی اشاعت ہوئی اور مختلف قسم کی فکری اور عقلی بحثیں شروع ہوئیں، جہاں تک قرآن حکیم کا تعلق ہے، تو اس دور میں یقیناً دوسری زبانیں بھی اس کے مکمل تراجم سے مستفید ہوئیں۔

۳- برصغیر پاک و ہند میں ترجمے کی روایت کا ارتقاء

جہاں تک برعظیم پاک و ہند میں ....قرآن حکیم کے تراجم کی روایت کا تعلق ہے، تو ....اس کی ابتدا... بہت پہلے ہوچکی تھی جس کی ضرورت یہاں دعوت و تبلیغ اسلام کے سلسلے میں پیش آئی تھی، معروف روایت کی رُو سے قرآن کریم کا اولین ترجمہ...سندھی زبان میں ہوا، یہ ترجمہ تیسری صدی

ہجری میں ایک عراقی عالم نے کیا... جو سندھ میں رہ کر سندھی زبان سیکھ چکا تھا اور یہ ترجمہ راجہ مہروک بن رائق کی ترغیب سے، مسلمانوں کے مقامی دارالحکومت منصورہ کے حاکم عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز... کے ایما پر... ہوا۔ یہ بھی مروی ہے کہ اس راجہ... نے جب سورۂ یٰسین کی آیت "قال من يحيي العظام وهي رميم"... کا ترجمہ سنا تو وہ اپنے تخت سے اترا اور زار و قطار رونے لگا، لیکن یہ ترجمہ مرور ایام سے.... ضائع ہو گیا اور محفوظ نہ رہ سکا(۱۲)۔

تاہم پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے... مسلمانوں کی سب سے زیادہ مقبول زبان اردو میں اس سے پہلے نامکمل ترجموں کی مثالیں ضرور موجود تھیں.... اور ایک ترجمہ ایسا بھی ہوا، جو مکمل قرآن کا ترجمہ تھا، مگر اُسے شائع کرنے کی نوبت نہ آسکی، مگر پورے قرآن کے ترجمہ کا باقاعدہ آغاز شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے.... صاحبزادوں شاہ رفیع الدین دھلوی اور شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے تراجم ہائے قرآن سے ہوا۔

ہندوستان میں، اس نیک اور اہم ترین کام کی ابتدا میں تاخیر کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں یہ خیال تقویت پا چکا تھا کہ عوام الناس کی اسلام کی بنیادی اور اساسی کتب تک رسائی نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ ان میں ان کتابوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں ہے، ان کتابوں کو سمجھنا... علما اور ماہرین کا کام ہے اور یہ بھی خیال تھا کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنا... درست بھی نہیں ہے۔

تاہم اللہ تعالیٰ نے .... شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ کو اس زمانے کے لیے مجدد بنا کر بھیجا، تو انہوں نے اپنے مجددانہ کارناموں کے ذریعے "قرآن و سنۃ" کو مرکزی اہمیت دی.... قرآن مجید... کے تراجم کو عام کرنے اور اس کے فہم کو آسان بنانے کے لیے... انہوں نے... آسان فارسی میں، قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے... ان کے صاحبزادے... شاہ رفیع الدین نے ۱۷۷۶ء میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا، اس ترجمے کو اہل علم نے لفظی بامحاورہ اور دشوار قرار دیا ہے، تاہم شاہ عبدالقادر کا ترجمہ جو ۱۷۹۰ء میں ہوا، اپنے پیش رو ترجمے کے مقابلے میں فہم، صفائی اور اختصار کے لحاظ سے کافی بہتر ہے(۱۳)۔

ان دونوں بزرگوں میں سے شاہ رفیع الدین کے ترجمۂ قرآن کے بجائے شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمہ قرآن کو زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی، اور سچ یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر دھلوی کا ترجمۂ قرآن، ہر پہلو اور ہر لحاظ سے بہتر ہے، اس ترجمۂ قرآن نے ..قرآن فہمی کے علاوہ خود اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں جو کردار ادا کیا...وہ محتاج تعارف نہیں، اردو کے ایک فاضل نقاد نے بجا طور پر لکھا ہے:

''اردو زبان جو آج ہر لحاظ سے ہمارے کلچر اور علوم کی زبان ہے، ایسی عظمت اور وسعت حاصل نہ کرسکتی، اگر اُسے فورٹ ولیم کالج، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی اور شاہ عبدالقادر کے ترجمے کی حمایت حاصل نہ ہوتی۔'' اگر ہم اردو شاعری کی زبان کا مقابلہ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی نثر سے کریں، تو ہمیں ترجمے کی خوب صورتی اور تاثیر واضح طور پر نظر آئے گی (۱۴)

خود شاہ عبدالقادر دھلوی کو اپنے اس کارنامے پر فخر تھا، چنانچہ انہوں نے...اپنے ترجمہ کے اختتام پر، درج ذیل شعر تحریر کیا ہے:

روز قیامت ہر کسی باخویش دارد نامۃ
من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآن دربغل (۱۵)

شاہ صاحب کے بعد ...قرآن کریم کے ترجمہ کی تحریک نے... پوری طاقت اور قوت حاصل کرلی اور اردو میں ترجمہ کی روایت...دنیا کی بہت سی قدیم زبانوں میں ترجموں کی تحریک سے آگے نکل گئی،...اس وقت تک بلا مبالغہ قرآن کریم کے نظم و نثر میں سیکڑوں تراجم ہو چکے ہیں، مگر یہ سلسلہ کسی طرح رکتا نظر نہیں آتا اور ... ہر سال کئی کئی نئے تراجم منظر عام پر آرہے ہیں۔

(ب) **مشکلات و مسائل:**

قرآن حکیم کے ترجمہ کے ارتقاء پر مختصر تمہید کے بعد، اب ہم اپنے موضوع کے دوسرے حصے کی طرف آتے ہیں...جو ''ترجمہ کی مشکلات اور اس کے مسائل'' سے متعلق ہے۔

''ترجمہ'' قرآن بظاہر تو بڑا آسان اور سادہ سا کام ہے، اور بہت سے لوگوں نے اُسے ...حد سے

زیادہ سھل، بلکہ......تماشا بنا رکھا ہے، حالانکہ یہ کانٹوں کا سیج ہے اور پل صراط کے اوپر سے گزرنا ہے، جو بلاشبہ ...بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے......ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ...خوب سمجھ کر منتخب کرنا پڑتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ترجمہ...مصنف کے خیالات کی اپنی زبان میں عکاسی کا نام ہے(۱۶)۔

ماہرین کے نزدیک ترجمہ کرتے وقت مصنف کے خیالات کی پابندی تو فرض ہے، مگر اس کے الفاظ ومحاورات اور اس کے اسلوب بیان کی تقلید ضروری نہیں۔

• جب اس اصول کا اطلاق قرآن حکیم پر کیا جاتا ہے تو یہاں صورت حال اور بھی نازک نظر آتی ہے، یہاں مترجم...کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ اُسے دونوں زبانوں یعنی عربی اس زبان پر جس میں وہ ترجمہ کر رہا ہے، عبور کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کے معانی پر بھی عبور ہونا چاہیے۔

قرآن حکیم...کوئی عام سی کتاب نہیں ہے، یہ تو ربّ العالمین کا اتارا ہوا سب سے زیادہ مقدس اور سب سے زیادہ متبرک کلام ہے، جو اپنے الفاظ وکلمات اور اپنے مضامین و معانی کے لحاظ سے دنیا میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال معجزہ ہے...

پھر...اپنے مضامین اور اپنے موضوعات کے پہلو سے اس میں بے حد تنوع اور وسعت پائی جاتی ہے، چنانچہ اس میں تذکیر بایام اللہ کے سلسلے میں سابق انبیاء علیھم السلام، ان کی امتوں کے قصے اور واقعات مذکور ہیں، جو علم التاریخ اور اثریات کا ایک حصہ ہے... اس میں انسانی زندگی میں بنیادی تبدیلیاں لانے اور تذکیر باحکام اللہ کے سلسلے میں، بہت سے احکام بیان ہوئے ہیں...جو علم القانون، علم الفقہ اور علم المیراث...کا موضوع ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، فرشتوں، اور آسمانی کتب پر ایمان لانے کا تذکرہ ہے، جو علم العقائد اور ماوراء الطبیعات کے مباحث سے متعلق ہیں،... پھر اس میں تذکیر بآلاء اللہ کے ضمن میں ...جنت، دوزخ، جزاء وسزا، آخرت، قیامت اور حشر ونشر کے بے شمار واقعات مذکور ہیں، جن کا تعلق علم القیامت یا اگلی زندگی سے ہے۔

مزید براں...اس کے اسالیب بیان میں بڑی وسعت اور بڑی گہرائی پائی جاتی ہے، اس میں قدیم

کہاوتیں ضرب الامثال اور روز مرہ محاورے اور عمدہ اور بے مثل ترکیبیں ہیں، جن کا تعلق لغت، اشتقاق، علم البدیع، علم البیان، سے ہے...تو اس طرح...قرآن حکیم کے مترجم کا...ان تمام علوم وفنون اور ان موضوعات سے واقف سے ہونا ضروری ہے، تا کہ وہ قرآن حکیم کو پہلے خود سمجھ سکے اور پھر دوسروں کو سمجھا سکے۔

پھر مترجم کو اس زبان میں مہارت ہونی چاہیے، جس میں وہ ترجمہ کر رہا ہے اور بہت بیش بہا افادہ اور متنوع اسالیب سے واقف ہونا ضروری ہے تا کہ ہر قسم کے اسلوب کے لیے کوئی متبادل اسلوب اختیار کر سکے (۱۷)۔اس لیے ...کوئی عام ادیب، یا عام شخص اس کا ترجمہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا...

• پھر جہاں تک ترجمہ کی ''حقیقت'' اور اس کی ماہیت کا تعلق ہے، تو اوپر شاہ عبدالقادر دھلویؒ کے متعلق یہ گزر چکا ہے کہ انہوں نے اُسے تفسیر قرآن، قرار دیا ہے اور یہ بات درست ہے اس لیے کہ ترجمہ قرآن دراصل ''قرآن حکیم'' کی...چھوٹے پیمانے پر تفسیر کا دوسرا نام ہے، وجہ یہ ہے کہ ...''مترجم'' قرآن کریم کو اپنے الفاظ میں سمجھاتا ہے، اور اس طرح گویا، اس کی توضیح وتشریح کرنے کا بیڑہ اٹھاتا ہے، اس طرح دیکھا جائے، تو مترجم مختصر، مگر جامع ترین اسلوب میں، الفاظ وکلمات کی توضیح کرتا ہے، اس لیے یہ ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ہے...دوسری طرف قرآن حکیم کی تفسیر کو مختصر ترین الفاظ میں ادا کرنے اور بیان کرنے کے لیے، زبان و بیان پر جو قدرت اور عبور ہونا چاہیے، وہ محتاج تعارف نہیں،....چنانچہ حاجی احمد فخری...لکھتے ہیں:

> ''روزانہ بول چال میں اپنا ماضی الضمیر ادا کر دینا اور معمولی چھپی چھپائی لکھ لینا اور بات ہے اور ادیبانہ انداز سے اپنا مطلب بیان کرنا اور اس میں کشش اور گہرائی پیدا کر کے ناظرین کے دلوں پر اثر کرنا اور بات ہے، اس باب میں اہل زبان اور بیگانہ زبان ولسان، نیم تعلیم یافتہ اور فارغ التحصیل سب برابر ہیں، جب تک کوئی شخص متواتر اور پے در پے زبان کی نزاکتوں پر غور نہیں کرتا اور جب تک اپنے خیالات مختلف اور گونا گوں انداز سے

پبلک کے سامنے پیش کرنے کی مشق و مزاولت بہم نہیں پہنچا تا، اس وقت تک وہ ترجمہ اور تصنیف و تالیف کی ذمہ داریوں سے سبک دوش نہیں ہوسکتا۔ (۱۸)

ترجمہ کی اسی علمی اور فنی مشکل کی بنا پر امت کا اس اصولی طور پر اس بات کا اتفاق ہے کہ ..."قرآن حکیم کا کسی اور زبان میں ترجمہ ممکن نہیں ہے"...

غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ چونکہ قرآن حکیم کے تمام الفاظ منصوص اور وحی الٰہی سے نازل شدہ ہیں...اور ان الفاظ اور ان کے معانی کو...دنیا کی کسی اور زبان میں ٹھیک ٹھیک اور مکمل طور پر ادا کرنا ممکن نہیں ہے، "اصل اور ترجمہ" میں... عام طور پر جو فرق ہوتا ہے...یہاں اس میں... وحی کے الفاظ کی نزاکت...اور حساسیت کو بھی شامل کرلیا جائے، تو بات آسانی سے سمجھ آ سکتی ہے۔

۲- ترجمہ تصنیف ہے یا محض نقل:

یہاں اس امر کا جائزہ لینا بھی مناسب ہوگا...کہ ماہرین کے نزدیک ترجمہ محض نقل یا کاپی نہیں ہے، بلکہ ترجمہ...مترجم کی ایک مستقل تصنیف ہے، اس لیے ایک کامیاب اور ایک قابل تقلید مترجم وہی ہوتا ہے، جس میں مصنف بننے اور تصنیف کرنے کی صلاحیت مضمر ہوتی ہے اور ترجمہ کی گوناگوں ذمہ داریوں سے وہی شخص عہدہ برا ہوسکتا ہے، جس نے انداز بیان پر اس درجے قدرت حاصل کرلی ہو کہ جس مطلب کو جس پہلو سے چاہے ادا کر سکے"، اس لیے...ایسے لوگ اور ان کے تراجم ہی قبولیت اور شہرت حاصل نہیں کر سکتے، جو لوگ بذاتِ خود اس میدان میں پیچھے ہوں۔

ایک مثالی اور معیاری ترجمے کی خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ وہ دیکھنے میں کسی طرح بھی ترجمہ نظر نہ آئے، بلکہ وہ ایک اور جنل تصنیف دکھائی دے،...اسی لیے مترجم کے متعلق کہا گیا ہے:

> "ترجمہ کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، یہ ایک تحقیقی کام ہے، اچھے مترجم کی خصوصیات میں بہت سے امور شامل ہیں، مثلاً فن پاروں اور ادبی تخلیقوں، صاحب طرز ادیبوں اور مصنفوں کی کتب کا مطالعہ، زبان کی گرامر، الفاظ، روزمرہ استعارات و کنایات، تشبیہات، ضرب الامثال اور ان زبانوں سے واقفیت جن سے اردو کی تشکیل عمل میں آئی

ہے، اس میں زبان کا مزاج، رنگ ڈھنگ اور اسلوب پیرایۂ بیان بھی شامل ہے''(۱۹)۔

اختصار کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مترجم کے لیے تین باتیں ضروری ہیں:

۱- وہ اس زبان پر، جس سے ترجمہ کر دیا ہے اور اس زبان پر، جس میں وہ ترجمہ کر رہا ہے، کامل عبور اور قدرت رکھتا ہو۔

۲- اُسے زیر ترجمہ کے کتاب کے موضوع یا مضمون سے اگر پوری نہیں، تو کم از کم اس کے مبادیات سے واقفیت ضرور ہو۔

۳- اس کا طرز تحریر اور پیرایۂ بیان ایسا ہو کہ بات اصل مضمون میں بیان کی گئی ہے اُسے اچھی طرح سمجھ کر اس کے مفہوم کو صحیح طور پر اس طرح اپنی زبان میں منتقل کر سکے کہ قاری ترجمہ شدہ مواد کا مطالعہ کرتے وقت کسی ابہام کا شکار نہ ہونے پائے اور جو بات اصل مضمون میں بیان کی گئی ہے، اس تک قاری کے ذہن کی رسائی ہو جائے، یعنی خود صاحب اسلوب ادیب ہو(۲۰)۔

۳-موزوں الفاظ کا استعمال

اچھے ترجموں کے لیے موزوں الفاظ کا استعمال ضروری بھی ہے مترادفات سے کام تو لیا جاسکتا ہے، لیکن ان میں سے صرف ایک لفظ ہی موزوں ترین ہوسکتا ہے، لہٰذا اچھا مترجم وہی ہے جو موقع کی مناسبت سے موزوں ترین لفظ کا انتخاب کرے، ایسا صرف اسی وقت ممکن ہے، جب مختلف لغات مترجم کے زیر مطالعہ رہیں، تاکہ وہ حسب ضرورت اپنے مطلب کا لفظ چن سکے۔ اور علمی اصطلاح کا ترجمہ اسی طرح کی اصطلاح میں کرے(۲۱)۔

مترادفات کے استعمال کے ضمن میں اصولاً یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے، کہ ہر زبان کے الفاظ میں ایک اضافی وزن ہوتا ہے، بظاہر اکثر الفاظ ہم معنی نظر آتے ہیں اور ایک ہی لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں، لیکن گہری نظر ڈالنے سے، ان الفاظ یا معانی میں نازک امتیازات قائم کیے جاسکتے ہیں، بلکہ اکثر یہ امتیازات پہلے سے موجود ہوتے ہیں، مثلاً ذیل کے الفاظ اردو میں بظاہر ہم معنی ہیں:

عریاں، برہنہ، ننگا۔

لیکن ان کے محل استعمال پر غور کرنے سے واضح ہوگا کہ ان میں باہم کافی فرق موجود ہے، لفظ برہنہ... میں حقیقت اتنی بے نقاب نہیں ہے، جتنی کہ لفظ ننگا میں ہے اور لفظ عریاں میں اس سے بھی کم ہے... چنانچہ اگر کسی بچے کے لیے...لفظ ننگا استعمال کیا جائے..تو بالکل بجا ہوگا...اور اگر...اس کے لیے برہنہ یا عریاں لفظ استعمال کیا جائے..تو اس میں ..معنوی لحاظ سے کسی قدر عدم مطابقت پائی جاتی ہے اسی طرح اگر کسی مرد یا خاتون کا ذکر ہو تو اس کے لیے برہنہ یا عریاں کا لفظ..زیادہ موزوں اور برمحل ہوگا(۲۲)۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بظاہر مترادف نظر آنے والے الفاظ...مترادف نہیں ہوتے اور ان کے مابین کسی حد تک فرق پایا جاتا ہے، اس لیے مترجم کو مترادف الفاظ کے استعمال میں محتاط ہونا چاہیے۔

۴- اردو اور دوسری زبانوں کی کم مائگی:

پھر جیسا کہ یہ بات معلوم و مسلم ہے کہ عربی زبان ''ام الاسنہ'' ہے، اور شاید دنیا کی یہ واحد زبان ہے، جو نازک سے نازک اور مشکل سے مشکل معانی کو انتہائی جامعیت کے ساتھ ادا کرسکتی ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں دوسری زبانیں، کافی فاصلے پر کھڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اسی بنا پر، دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے والے حضرات کے لیے....قرآن حکیم کے بعض الفاظ اور بعض کلمات کے ضمن میں بے حد دقت پیش آتی ہے اور ایسے مقامات پر، اچھے اور کمزور ترجموں....اور دوسروں کی نقل اور روایت پر مبنی ترجموں میں فرق و امتیاز محسوس کیا جاسکتا ہے۔

اس کی وضاحت کے لیے درج ذیل مثالوں کا ذکر کیا جاسکتا ہے:

ا: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سے خشیت اور اس سے ڈرنے اور خوف کھانے کے لیے...کئی الفاظ و کلمات کا استعمال کیا گیا ہے، جن میں خوف، تقویٰ، خشیت اور خضوع وغیرہ کے الفاظ شامل ہیں، مگر اردو زبان میں، ان مختلف الفاظ کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے...صرف ڈرنے یا خوف کھانے کے الفاظ موجود ہیں، اسی لیے...مختلف لوگوں نے...ان الفاظ کے جو معانی کیے ہیں، ان

کی تفصیل درج ذیل ہے:

هُدیً لِّلْمُتَّقِیْنَ راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو/ خدا سے ڈرنے والوں کے لیے رہنما ہے/ راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو/ ہدایت ہے پرہیز گار لوگوں کے لیے (۲۳)۔

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ/ تاکہ تم اس کے عذاب سے بچو/ تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ/تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت میں ہوسکتی ہے (۲۴)۔

وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ اور مجھ ہی سے بچتے رہو/ اور مجھی سے خوف رکھو/ اور مجھ ہی سے بچتے رہو/ اور میرے غضب سے بچو (۲۵)۔

یہاں...تینوں جگہ ایک ہی لفظ کا ترجمہ تین مختلف الفاظ سے کیا گیا ہے، مگر حق یہ ہے کہ ان الفاظ سے لفظ تقویٰ کا صحیح مفہوم ادا نہیں ہوتا، اس لیے کہ تقوٰی یا اتقاء...اللہ تعالیٰ سے ڈر کر...کسی غلط کام، غلط عقیدے، یا گناہ کو چھوڑ دینا ہے،...مگر اردو میں...اس کا ٹھیک ٹھیک کوئی متبادل لفظ موجود نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت کا مفہوم ملاحظہ ہو:

اللہ یستھزیٔ بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون ....

اللہ ہنسی کرتا ہے، ان سے اور ترقی دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں اور حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں/ ان منافقوں سے خدا ہنسی کرتا ہے، اور انہیں مہلت دیے جاتا ہے، کہ شرارت وسرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں۔

/ اللہ ہنسی کرتا ہے، ان سے اور ترقی دیتا ہے ان کو سرکشی میں اور حالت یہ ہے کہ یہ عقل کے اندھے ہیں۔

/ اللہ ان سے مذاق کر رہا ہے وہ ان کی رسی دراز کیے جاتا ہے اور یہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹکتے جاتے ہیں۔

/ جبکہ اللہ مذاق کر رہا ہے ان سے کہ مہلت دیئے جا رہا ہے انہیں اور وہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹک رہے ہیں (۲۶)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ استہزاء اور ''عـمـہ'' کی تشریح کے لیے .... مترجمین قرآن کے الفاظ مختلف ہیں۔

اسی طرح رب ، رحمان، خشیت، خضوع، عبادت، تشابہ، خِداع، استہزاء، استدراک، نفاق، کفر، شرک، ایمان، یقین، عین الیقین، حق الیقین ، ہدایت، ضلالت اور فتنہ وغیرہ کے الفاظ ایسے ہیں، جس کی بنا پر یا تو ان الفاظ کو من وعن ادا کرنے کی ضرورت ہے یا پھر حواشی میں ان کی توضیح وتشریح لازمی ہے۔

۵- ترجمہ قرآن کی نزاکت وحساسیت:

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، قرآن حکیم کا ترجمہ کرنا، دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی عنوان سے اترنے وحی الٰہی کو اپنی زبان میں منتقل کرنا اور الفاظ وحی کی مراد کو اپنے الفاظ میں بیان کرنا ہے، اس لیے... یہ کام مشکل ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی نازک اور حساس بھی ہے، اور چونکہ مقاصد کے لحاظ سے قرآن کریم کا ترجمہ... ''تفسیر قرآن'' ہی کا ایک حصہ ہے... گویا... مترجم قرآن، کلام مجید کو سمجھ کر، اس کا مفہوم مختصر ترین الفاظ میں یا اس کا مضمون اپنی زبان میں ادا کرتا ہے، اسی لیے ...اس پر... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ بھی صادق آتی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

من قال فی القرآن برایه فلیتبوا مقعده من النار(۲۷)

''جس نے قرآن مجید کے متعلق کوئی بات اپنی طرف سے کی، تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔''

لہٰذا باقی کتب کے معاملے میں...قرآن حکیم کا ترجمہ ایک مذہبی اور دینی پہلو بھی رکھتا ہے ...اسی لیے... دنیا کی دوسری کتب کے مقابلے میں...قرآن حکیم کا ترجمہ زیادہ نزاکت اور حساسیت رکھتا ہے، اور اگر قرآن کریم کے الفاظ کی ترجمانی کرتے وقت یا اس کا معنی ومفہوم بیان کرتے وقت، اس کی تعبیر وتوضیح میں ذرا سی بھی غلطی ہو جائے تو اسے اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا، بشرطیکہ اس غلطی میں اس کی دانستہ سوچ کا عمل دخل ہو، اگر اُس نے دانستہ طور پر ایسی غلطی نہ کی ہو، پھر بھی اس کام کرنے پر جس کی

اس میں اہلیت موجود نہ تھی، اس کا مواخذہ ہونا لازمی ہے، پھر دوسری کتب اور قرآن حکیم کے ترجمہ میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم کا ترجمہ ایک مذہبی اور دینی پہلو بھی رکھتا ہے، اس لیے ترجمہ کرتے وقت ترجمہ کے الفاظ وکلمات پر بار بار اور گہرے غور وفکر اور خوب صورت اور موزوں ترین الفاظ کے انتخاب کی ضرورت ہوتی ہے، مبادا محض کسی ایک لفظ یا محض کسی ایک جملے کی بنا پر، اس کی ساری محنت اور ساری ریاضت پر پانی پھر جائے۔

اسی لیے ...اس میدان میں ...بڑے بڑے ادیب بھی بعض اوقات مات کھا جاتے ہیں، مثال کے طور پر...اردو کے ایک اعلیٰ درجہ کے ادیب نے قرآن مجید کی آیت ''اسریٰ بعبدہ''، کا ترجمہ ...''سٹک گئے'' سے کیا ہے جس پر ہمیشہ علمائے کرام نے ...ہمیشہ ناپسندیدگی کا اظہار کیا...کہ یہ لفظ..نہ تو اللہ کی شان کے مطابق ہے اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بزرگی کے ساتھ زیب دیتا ہے۔

پھر دوسری کتب اور قرآن حکیم کے ترجمہ میں ایک اور بنیادی فرق یہ ہے کہ دوسری کتب کا ترجمہ مصنف اور مترجم کا ذاتی اور انفرادی معاملہ تصور ہوتا ہے...مگر قرآن حکیم کا ترجمہ ''مترجم'' کا ذاتی معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ پوری امت مسلمہ کا معاملہ ہے اس لیے کہ ''قرآن حکیم'' امت مسلمہ کی مذہبی اور دینی کتاب ہے اور اس کے نامناسب اور غلط سلط ترجمہ کا مطلب ...معانی قرآن میں تحریف والحاد کی کوشش ہے۔ جس کی امت مسلمہ کسی طرح بھی اجازت نہیں دے سکتی، اسی لیے قرآن حکیم کا ترجمہ...مسلمانوں کا اجتماعی معاملہ بھی ہے اور اس پر بحیثیت مجموعی ''امت مسلمہ'' کو نظر اور چیک رکھنے کی ضرورت بھی ہے اور اس سلسلے میں ...تمام مکاتب فکر کے علما اور عربی اور علوم اسلامیہ کے ماہرین پر مشتمل کسی بورڈ کی ضرورت ہے...یہ کام ''قرآن بورڈ'' سے بھی لیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور خطرناک رجحان کی طرف بھی اشارہ کرنا مناسب ہوگا...بعض فرقہ وارانہ... اور گروہی مسالک کو تحفظ دینے کے لیے...قرآن کریم کے ترجموں میں حسب ضرورت اور حسب منشا ..تبدیلی شروع کردی گئی ہے، جو ایک خطرناک رجحان ہے اور کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کے کلام کے

ساتھ ایسا رویہ زیب نہیں دیتا۔ مسلکی اختلاف اپنی جگہ، لیکن قرآن حکیم ...کی عظمت و تقدیس ایسی شے ہے کہ اس سے اپنے مطلب کا مفہوم پیدا کرنے کے لیے لفظوں میں ردّوبدل کرنا ''خطرناک ترین'' اور حساس ترین معاملہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ اب قرآن مجید کے تراجم میں بھی...اپنے اپنے مسلک کے تراجم پر انحصار اور اعتماد کیا جا رہا ہے۔ اس خطرناک رجحان کو ختم کرنے کے لیے ملک کے اعلیٰ ترین مذہبی قیادت کو بڑے تحمل کے ساتھ غور وفکر کرنے اور کوئی متفقہ لائحہ عمل اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح اس سے بھی زیادہ ایک ''خطرناک مسئلہ'' ہماری توجہ کا محتاج ہے...کچھ عرصے سے قرآن حکیم اور اس کے ترجمہ کو ایک ''مذاق'' اور ایک کھیل بنا دیا گیا ہے...بہت سے ریٹائرڈ خواتین وحضرات ریٹائرمنٹ کے بعد...ترجمہ قرآن کے نام سے، قرآن حکیم کو تختہ، مشق بنا لیتے ہیں، حالانکہ انہیں نہ تو عربی زبان پر عبور حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی اردو زبان وادب اور اس کے اسالیب بیان پر قدرت حاصل ہوتی ہے...یہ لوگ قرآن کریم کے دو چار ترجمہ سامنے رکھتے ہیں...اور ان کو ملا کر...ایک نیا ترجمہ تشکیل دینے کی کوشش کرتے ہیں اور چونکہ ہر مترجم...کا اپنا اسلوب اور اپنا اپنا انداز ہے، اسی لیے اس طریقے سے جو ترجمہ تشکیل پذیر ہوتا ہے۔ وہ بے حد عجیب وغریب شکل اختیار کر لیتا ہے اور اکثر ایک معمولی ترجمہ قرآن کے معیار پر بھی پورا نہیں اترتا۔ رجحان کو ختم کرنے کے لیے بھی ملک میں، کسی ایسے ادارے کی ضرورت ہے، جس کی تصدیق کے بغیر کوئی ترجمۂ قرآن اشاعت پذیر نہ ہو سکے۔

❀❀❀❀

حوالہ جات وحواشی

(۱) ڈاکٹر نثار احمد قریشی، ترجمہ، روایت اور فن، مقتدرہ قومی زبان، ص ۳۔

(۲) القرآن، ۳۰/۲۲: اور اس کی نشانیوں میں سے ہے، آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا جدا جدا ہونا۔

(۳) دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۶/۳۰۷ تا ۳۱۳۔

(۴) دیکھیے السیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱/۱۲۵: فیما وقع بغیر لغۃ العرب،

(۵ الادب العربی وتاریخہ، ۱/۳۴ و بعد۔

(۶) البخاری، ۳/۱۲۵، باب ۲۱۔

(۷) البخاری، کتاب بدءالوحی، حدیث، ۵۔

(۸) السرخسی، المبسوط، مطبوعہ بیروت، دارالمعرفۃ، ۲/۱:۳۷۔

(۹) روایت کے الفاظ یہ ہیں: فقال تعلم کتاب یهود فانی لم ماآمنهم علیٰ کتابی ففعلت مامضی لی نصف شهر حتی حذقته (الاصابہ، مطبوعہ احیاء التراث العربی، بیروت، ۱/۵۶۱، عدد، ۲۸۸)۔

(۱۰) دیکھیے البخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر۔

(۱۱) ابوبکر الکاسانی، بدائع الصنائع، مؤسسہ التاریخ العربی، بیروت، ۱۹۹۷ء، ص ۲۹۷۔

(۱۲ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ قاسمی، نور القرآن، (مقدمہ)، مطبوعہ ۱۴۰۱ھ، ص ۳۔

(۱۳ ڈاکٹر نثار احمد قریشی، ترجمہ روایت اور فن، مطبوعہ مقتدرہ قومی زبان، ص ۳۔

(۱۴ جیلانی کامران، تنقید کا نیا پس منظر، مکتبہ ادب جدید، پٹیالہ گراؤنڈ لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۶۳۔

(۱۵) شاہ عبدالقادر دہلوی، ترجمۂ قرآن۔

(۱۶ حاجی فخری، دور تراجم، "سہ ماہی رسالہ اردو، انجمن ترقی اردو (دکن)، اکتوبر ۱۹۲۹ء، ص ۵۹۳ و بعد۔

(۱۷ ماہنامہ کتاب لاہور، جون ۱۹۸۳ء، ص ۲۱، ۲۲۔

(۱۸ ایضاً، ص ۴۲، ۴۳۔

(۱۹ ایضاً، ص ۴۳-۴۴۔

نیز اردو نامہ لاہور مارچ ۱۹۸۳ (سالنامہ) ص ۳۱، -۴۲، مشمولہ در ترجمہ روایت فن، ص ۸۸۔

(۲۰ ترجمہ کے اصول و معیار، اردو نامہ لاہو مارچ ۱۹۸۳، سالنامہ، ص ۳۱-۴۲۔

(۲۱ ایضا، ص ۹۰-۹۱

(۲۲) ماہ نو، کراچی، ستمبر ۱۹۵۰ء، ص ۱۹-۲۲۔

(۲۳ دیکھیے علی الترتیب، ترجمہ مولانا محمود حسن شائع کردہ جامعہ اشرفیہ لاہور/ فتح الحمید، مولانا فتح محمد جالندھری/ معارف القرآن، مفتی محمد شفیع/تفہیم القرآن، مولانا مودودی۔

(۲۴) ایضاً۔

(۲۵) ایضاً۔

(۲۶) ترجمہ مولانا محمود حسن/ فتح الحمید/ معارف القرآن/تفہیم القرآن/ اردو ترجمہ سید شبیر احمد۔

(۲۷) الترمذی، الجامع السنن۔

❁❁❁❁

اردو ترجمۂ قرآن اور لسانی ارتقاء

ڈاکٹر محمد عبداللہ ☆

اردو زبان- آغاز وارتقاء:

اردو زبان برصغیر پاک و ہند بلکہ جنوبی ایشیاء میں نہ صرف اظہار و بیان کا ایک اہم ذریعہ ہے بلکہ اسلامی تہذیب اور ادبِ اسلامی کا بہترین سرمایہ ہے۔ جس تیزی کے ساتھ اس کے ادب میں اشاعت و توسیع ہورہی ہے اس امر کا قوی امکان ہے کہ اس کا شمار بھی بین الاقوامی زبانوں میں ہونے لگے۔

ساخت کے اعتبار سے اردو ایک مخلوط قسم کی زبان ہے۔ اس کا ذخیرۂ الفاظ نحوی، صرفی قواعد، آوازیں مختلف زبانوں سے مستعار لی گئی ہیں۔ چنانچہ افعال کا طریقہ انسلاک تو مقامی ہے لیکن بہت سے اسماء باہر سے آئے ہیں۔ اصوات میں مقامی اور غیر مقامی زبانوں سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن ان سب کا مایہ خمیر اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ یہ زبان اب اپنی ایک آزاد اور خود مختار حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بولنے والے دنیا کے بہت سے حصوں میں موجود ہیں۔ اس کی داخلی خوبی یہ ہے کہ یہ زبان شگفتہ اور لچک دار ہے اور فصاحت و بلاغت میں بھی اس کا انداز مختلف ہے۔ عربوں کا ہندوستان کے ساتھ اولین رابطہ تجارت کی شکل میں ہوا جو زمانہ قدیم سے قائم ہے۔ تاہم ۷۱۲ء میں سندھ کی فتح سے عربوں کا باقاعدہ اختلاط ہوا۔ مسلمانوں کی آبادیاں اولین طور پر سندھ میں قائم ہوئیں اور پھر یہ اثرات ملتان تک آئے۔ دسویں صدی عیسوی میں سلطان محمود غزنویؒ کی آمد سے فتوحات کا دائرہ وسطِ ہند تک پہنچ گیا۔ یہ واضح رہے کہ باہر سے آنے والے جتنے بھی فاتحین ہیں ان کی فوجیں بہت سی اقوام اور

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

زبانوں کی حامل ہوتی تھیں۔ عربی، فارسی، ترکی، افغانی اور وسط ایشیا تک باشندے اپنی زبانوں کے ساتھ لشکر میں شامل ہوتے تھے۔ سلطان مسعود غزنوی کے دور میں لاہور اسلامی ثقافت کا مرکز قرار پایا جبکہ سید علی ہجویری بھی غزنی سے لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ سلطان قطب الدین ایبک نے دہلی کو جب اپنا پایۂ تخت بنایا تو نہ صرف اسلامی سلطنت کی وسعتوں میں اضافہ ہوا بلکہ اردو زبان کا ارتقاء بھی ہونے لگا۔ خلجیوں اور تغلق کے دور میں اردو زبان نے شمال و جنوب کا سفر اختیار کیا۔ اردو زبان کے ارتقاء میں جہاں بیرون ہند سے آنے والے لشکروں نے نمایاں حصہ لیاں وہاں علمائے کرام، جنہوں نے بیرون ہند سے آ کر اس خطہ کو اسلام کی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور عوام الناس سے رابطہ کے لیے مقامی زبانوں کو سیکھا، ناقابل فراموش حصہ ہے۔(۱)

زبان کوئی بھی ہو وہ فوری طور پر وجود میں نہیں آجاتی بلکہ اس کی تشکیل میں صدیاں لگتی ہیں۔ یہی معاملہ اردو زبان کے ساتھ بھی ہے۔ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی لشکر یا لشکری زبان کے ہیں۔ چنانچہ محمد حسین آزاد نے ''آب حیات'' میں لکھا ہے۔

''اردوئے شاہی اور دربار میں ملے جلے الفاظ زیادہ بولتے تھے وہاں کی بولی کا نام اردو ہوگیا۔''(۲)

سر سید احمد خان نے لکھا ہے، ''جو زبان شاہی بازاروں میں مروج تھی اسی کو اردو کہتے ہیں۔''

مولانا محمد حسین آزاد نے 'آب حیات' میں اردو کا آغاز و ارتقاء مغل بادشاہ شاہ جہان کے دور کو قرار دیا ہے جبکہ میر امن دہلوی نے 'باغ و بہار' کے دیباچہ میں بادشاہ اکبر کے دور کو اردو کا آغاز قرار دیا ہے۔ جب اطراف و اکناف سے اہل علم اس کے دربار میں جمع ہوئے۔ جبکہ سر سید کے خیال میں اردو کا ہیولیٰ خلجی سلاطین کے عہد میں تیار ہوگیا تھا لیکن اس ہیولے نے زبان کی شکل شاہ جہانی عہد میں اختیار کی۔(۳)

یہ سب آراء اپنی جگہ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو زبان کی بتد، ترویج و تشکیل میں مسلمانوں کا عمل دخل سب سے زیادہ ہے۔ یہ مقامی لوگوں اور مختلف زبانوں کے اختلاط سے پیدا ہوئی۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''اردو کا ہیولیٰ سندھ کے علاقے میں تیار ہوا ہوگا کیونکہ مسلمان سب سے پہلے سندھ میں آئے۔ یہیں ان کی زبانوں عربی اور فارسی کا ہندی زبانوں سے ارتباط و اختلاط شروع ہوا، لہٰذا یہ ایک واضح اور یقینی امر ہے کہ اردو کا اصل مولد سندھ ہے۔''(۴)

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کے ساتھ یہ زبان جہاں پہنچی وہاں علاقائی اثرات کو جذب کر کے اپنی شکل بناتی رہی۔ اس کا ہیولیٰ سندھ اور ملتان میں تیار ہوا، پھر یہ لسانی عمل سرحد اور پنجاب میں ہوا، جہاں سے تقریباً دوصدی بعد دہلی پہنچا اور وہاں کی زبانوں کو جذب کر کے اور ان میں جذب ہو کر سارے برعظیم میں پھیل گیا۔''(۵)

اردو نام کب پڑا؟

دنیا کی بیشتر زبانیں علاقائی نسبت سے موسوم ہوتی ہیں، جیسے ترکی، چینی، افغانی وغیرہ۔ ابتدائی طور پر ہندوستان میں بولی جانے والی زبان کو' ہندی یا ہندوی، ہی کہا گیا۔ امیر خسرو نے مسعود کو ہندوی شاعر شمار کیا ہے اور اپنی شاعری میں عربی، فارسی اور ہندی کو الگ زبانیں لکھا ہے۔ اکبر کے دور تک اردوئے معلیٰ کا لفظ رواج پا چکا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں مرکب طور پر ''اردو بیگی، قاضی اردو اور اردو بازار وغیرہ کی تراکیب مستعمل تھیں۔

زبان کے معنوں میں اردوئے معلیٰ کی ترکیب خان آرزو نے استعمال کی۔ میر محمد عطاء حسین خان نے بھی یہ لفظ اردو زبان کے معنیٰ میں استعمال کیا ہے۔ پنجاب کے شاعر مراد شاہ لاہوری کا یہ اعزاز ہے کہ اس نے نامۂ مراد میں ۱۷۸۸ء میں مندرجہ ذیل شعر لکھا جس میں لفظ اردو، زبان کے معنی میں آتا ہے۔ ع

وہ اردو کیا ہے، یہ ہندی زباں ہے
کہ جس کا قائل اب سارا جہاں ہے (۶)

اردو زبان میں لچک اور وسعت:

جیسا کہ سطور بالا میں واضح کیا گیا ہے کہ اردو زبان مختلف اقوام اور زبانوں کے اختلاط سے وجود

میں آئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میں بے انتہا لچک اور وسعت پائی جاتی ہے۔ یہی اس کا لسانی ارتقاء ہے جو اب بھی جاری ہے۔

اردو زبان میں آوازوں کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے۔ اس زبان کے نظامِ تہجیّ نے آریائی اور سامی دونوں خاندانوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس زبان کے حروف زیادہ سے زیادہ آوازوں کو ادا کرنے پر قادر ہیں۔ اس میں ایسی آوازیں بھی موجود ہیں جو دنیا کی متعدد دوسری زبانوں میں موجود نہیں۔ اس کا اجمال حسب ذیل ہے۔

سنسکرت اور ہندی کے الفاظ: ڈ، ٹ، ڑ، بھ، تھ، ٹھ، کھ، جھ، دھ

فارسی کے خاص الفاظ: پ، گ، ژ

عربی کے خاص الفاظ: ث، خ، د، ر، ص، ض، ط، ظ، غ

چنانچہ اردو کا رسم الخط صوری اعتبار سے ربط ملت کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس میں ایک حرف تجریدی صورت میں دوسرے حروف سے مل جاتا ہے اور پورا جملہ چھوٹے بڑے الفاظ، 'ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز' کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ (۷)

خاندانِ ولی اللہ کا برعظیم پر احسان:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، جن کی دینی خدمات کے کئی پہلو ہیں۔ تاہم بندہ کے خیال میں شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کا باشندگان برعظیم پر یہ احسان عظیم ہے کہ انہوں نے رجوع الی القرآن کی خاموش تحریک برپا کی۔ جس کے نتیجے میں عوام الناس کی توجہ قرآن حکیم کے مفہوم و معنی کی طرف منتقل ہوئی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ کا فارسی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ کرنا جو ان کے خیال میں اس وقت کی سرکاری اور عوامی زبان تھی ایک اہم کارنامہ ہے۔ یہ کس قدر مشکل اور کٹھن کام تھا، اس کا اندازہ اس دور کے حالات سے ہوسکتا ہے کہ علماء نے یہ فتویٰ دے رکھا تھا کہ قرآن حکیم کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنا کتاب عظیم کی سخت بے حرمتی ہے۔ (۸) حقیقت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کے مذکورہ اقدام سے برعظیم میں قرآن فہمی، کا باب کھلا۔ مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں۔

"ترجمہ کی راہ ہندوستان میں اگر شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خاندان والوں نے نہ کھول دی ہوتی تو آج خدا معلوم کتنی دشواریوں کا سامنا ہوتا۔"(۹)

پھر لسانی اعتبار سے یہ وہ دور ہے جب فارسی کی جگہ اردو لے رہی تھی۔ اور جب اٹھارہویں صدی عیسوی میں اردو زبان کی تشکیل کے ابتدائی مراحل طے ہوگئے تو یہ ایک عوامی زبان کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ ایسے میں شاہ ولی اللہ کے دو بیٹوں کا ترجمہ قرآن کی طرف متوجہ ہونا کسی تائید غیبی سے کم نہ تھا۔ شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادر کا اردو زبان میں تحت اللفظ اور با محاورہ ترجمہ کرنا صرف اس خطہ کے مسلمانوں پر احسان عظیم نہیں تھا بلکہ اردو زبان و ادب کی بھی بہت بڑی خدمت تھی۔ حقیقتاً برعظیم پاک و ہند میں اردو زبان میں یہ دونوں ترجمے سنگ میل اور نقشِ اول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آنے والے ترجمہ نگاروں نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور زبان ومحاورہ کی نوک پلک کو سنوارا ہے۔

لسانی ارتقاء سے مراد:

زبان کوئی بھی ہو ارتقاء اور تغیر پذیری کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔ زبانوں کی تشکیل میں تحرک و تکلم، بنیادی عامل ہے۔ اگر زبان میں تحرک و تکلم رک جائے تو جمود طاری ہوجاتا ہے اور زبان بالآخر اپنا وجود کھو دیتی ہے۔

لسانی ارتقاء سے مراد الفاظ اور جملوں کی ساخت میں تبدیلی، مترادف الفاظ، تراکیب اور محاورات کا استعمال، وقت کے ساتھ کچھ الفاظ کا متروک ہونا، نئے الفاظ کا شامل ہونا، پھر معنی ومفہوم میں لسانی تبدیلی بھی اس میں شامل ہے۔ لسانی ارتقاء کے متعدد محرکات واسباب ہوسکتے ہیں۔ محاورۂ زبان، رسم و رواج، نقل مکانی، دوسری اقوام اور زبانوں سے اختلاط، معاشرتی رویے، معاشی ترقی، ذرائع رسل و رسائل، علمی ترقی اور سب سے بڑھ کر تغیر پذیر حالات بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

مقالہ کا منہج:

ہمارا موضوع چونکہ ترجمہ قرآن میں لسانی ارتقاء کا جائزہ لینا ہے، اس لیے ہم نے کسی ایک یا خاص تفسیر کو بنیاد نہیں بنایا، بلکہ ارتقاء کے ان پہلوؤں کو مدنظر رکھا ہے جو ہمیں اردو تراجم قرآن کے سوا

دوسو سال کے ادب میں نظر آتے ہیں۔ ان تراجم سے نمونے لے کر لسانی ارتقاء کے متعدد پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

ا۔ زبان پر ماحول و علاقائی اثرات:

ہر زبان ارتقاء کے نتیجے میں کچھ خصوصیات کی حامل بن جاتی ہے ۔ اس پر علاقائی اثرات بھی ہوتے ہیں اور تہذیبی اور معاشرتی بھی۔ ہر زمانے اور ہر علاقے کا ادیب اپنے ماحول اور روایات سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ لسانی ارتقاء کے نتیجے میں محاورات کی تبدیلی بھی ترجمہ پر اثر انداز ہوتی ہے ۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

﴿ سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِیْ بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ البَصِيرُ٥ ﴾

(بنی اسرائیل۷ : ۱)

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

''پاک ذات ہے، جو لے گیا اپنے بندے کو راتی رات، ادب والی مسجد سے پرلی مسجد تک ،جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں۔ کہ دکھادیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے۔ وہی ہے سنتا دیکھتا'' (۱۰)

راتی رات، ادب والی مسجد، پرلی مسجد، اس دور کا محاورہ ہے جو جدید اردو ادب میں مفقود نظر آتا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

وہ پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ (محمد) کو شب کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے اردگرد اگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ لے گیا تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلاویں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں۔ (۱۱)

مولوی ڈپٹی نذیر احمد نے یعمھون کا ترجمہ ٹامک ٹوئیاں مارنے سے کیا ہے۔ یہ ایک محاورہ ہے

جو اندھا آدمی نکلنے کے لیے اٹکل سے کبھی ادھر جاتا ہے اور کبھی ادھر۔ دلی کی زبان میں مستعمل ہے۔ اگرچہ مولانا اشرف علی تھانوی نے ڈپٹی نذیر کے ترجمہ پر بعض پہلوؤں سے گرفت کی ہے تاہم دلی کی خاص ٹکسالی زبان کو انھوں نے اپنے ترجمے میں استعمال کیا ہے۔

﴿ وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ ﴾ (۱۲)

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ دیکھیے۔

''قسم اترتے دن کی، مقرر انسان پر ٹوٹا ہے۔ مگر جو یقین لائے اور کیے بھلے کام، اور آپس میں تقید کیا سچے دین کا اور آپس میں تقید کیا سہار کا۔'' (۱۳)

جبکہ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''قسم ہے عصر کی، تحقیق آدمی البتہ بیچ زیاں کے ہے، مگر جو لوگ کہ ایمان لائے اور کام کیے اچھے اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں، ساتھ حق کے اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں، ساتھ صبر کے۔'' (ص:٦٨٥)

ان تراجم میں اترتے دن، ٹوٹا، زیاں، تقید، اور سہار اس دور کے خاص الفاظ ہیں جو اب اردو محاورہ میں مستعمل نہیں ہیں۔ اسی طرح اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۝ ﴾

(حم السجدة: ٢٦)

ترجمہ شاہ عبدالقادر:

''اور کہنے لگے منکر، نہ کان دھرو اس قرآن کے سننے کو، اور بک بک کرو، اس کے پڑھنے میں شاید تم غالب ہو۔'' (۱۴)

اس ترجمہ میں دو محاورے، کان دھرنا اور بک بک کرنا شاہ رفیع الدین نے بھی یہ محاورۃً استعمال کیا ہے۔ اگرچہ یاوہ گوئی کے لیے بک بک کرنا اب بھی استعمال ہوتا ہے لیکن مہذب گفتگو کے لیے

اب متروک ہے۔

آیت کا ترجمہ دیکھیے:

﴿ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴾ (الشعراء : ۸۰)

ترجمہ شاہ عبدالقادر: ''جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی چنگا کرتا ہے۔''(۱۵)

چنگا اب اردو زبان میں کم استعمال ہوتا ہے، تاہم یہ مقامی ادب کی اصطلاح ہے۔ بعد کے اردو تراجم میں یہ لفظ نہیں ہے۔

۲۔ ادبی چاشنی:

ادب کسی بھی زبان کا ہو، جب تک اس میں فصاحت و بلاغت نہ ہو، اہل زبان اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے، اہل عرب کو قرآن پاک نے یونہی تو نہیں چیلنج کیا۔

﴿ وَإِنْ كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ٥ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ٥ ﴾ (البقرة ۲ : ۲۳۔۲٤)

ادب کے اس تقاضے کے پیش نظر ہمیں اردو ترجمہ میں پورے تسلسل کے ساتھ یہ روح کارفرما نظر آتی ہے۔ اگر ادبی چاشنی نہ ہو، ادب بے کیف اور بے مزہ ہو جاتا ہے۔ لسانی ارتقاء کے اس پہلو پر چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

قرآن حکیم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کا تذکرہ کیا وہاں ان کے لیے اچھے ٹھکانوں کی خوشخبری دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً ٥ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلاً ٥ ﴾ (الكهف ۱۸ : ۱۰۷۔۱۰۸)

شاہ عبدالقادر اس کا ترجمہ لکھتے ہیں: جو لوگ یقین لائے ہیں، اور کیے ہیں بھلے کام، ان کو ہیں ٹھنڈی چھاؤں کے باغ، مہمانی، رہا کریں، ان میں، نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی۔''(۱۶)

دیکھیے سوا دوسو سال پہلے کے ادب میں اب بھی تازگی ہے۔ مولانا مودودی کا ترجمہ ملاحظہ ہو: ''البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے، اور جنھوں نے نیک عمل کیے، ان کی میزبانی کے لیے فردوس کے باغ ہوں گے، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور کبھی اس جگہ سے نکل کر کہیں جانے کو ان کا جی نہ چاہے گا۔''(۱۷)

﴿ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ٥ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ٥ ﴾ (الاحزاب ۳۳: ۵۶-۵۷)

مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے۔ ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''(۱۹)

پیر کرم شاہ الازہری کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں، اس نبی مکرم پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کیا کرو۔ بے شک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس نے تیار کر رکھا ہے اُن کے لیے رسوا کن عذاب۔''(۲۰)

شاہ عبدالقادر نے یا ایھالمزمل کا ترجمہ کیا ہے: اے جھرمٹ مارنے والے!

اسی طرح فاذا فرغت فانصب والیٰ ربک فارغب کا (الانشرح: ۷-۸) ترجمہ کرتے ہیں:

''پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر، اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔

دیکھیے اردو ترجمہ میں ادبی چاشنی اول سے آخر تک برقرار ہے۔

۳۔ الفاظ کی معنویت:

ترجمہ ایک فن ہے۔ اس فن کے لیے ہر دو زبانوں میں مہارت ضروری ہے۔ کامیاب مترجم وہ ہے جو قاری کو ان الفاظ کے قریب تر لے جائے جس زبان سے ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ اردو میں یہ کاوشیں ہمیں ہر زمانہ میں ملتی ہیں۔ لسانی ارتقاء کے نتیجے میں اس میں بھی تبدیلی نظر آتی ہے۔

آیت ''أجیب دعوة الداع (البقرة:۱۸٦) کا ترجمہ شاہ عبدالقادر نے یوں کیا ہے۔ ''پہنچتا ہوں پکارنے والے کی پکار کو'' (۲۱)

مولانا فتح محمد جالندھریؒ نے ترجمہ کیا ہے۔ ''جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔'' (۲۲)

مولانا مودودیؒ ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ ''پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اس کی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔'' (۲۳)

اسی طرح آیت؛

﴿ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ إِصۡرَهُمۡ وَٱلۡأَغۡلَٰلَ ٱلَّتِي كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ ﴾

(الاعراف: ۱۵۷)

شاہ عبدالقادر نے ترجمہ کیا ہے: ''اور اتارتا ہے، ان سے بوجھ، ان کے اور پھانسیاں جو ان پر تھیں۔'' (۲۴)

شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا ترجمہ یہ ہے: ''اور اتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں۔'' (۲۵)

۴۔ الفاظ میں تبدیلی:

لسانی ارتقاء کے نتیجے میں جہاں الفاظ کی کلی تبدیلی ہوتی ہے وہاں جزوی تبدیلی بھی ہوتی ہے۔ اردو ترجمہ میں اس کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں۔

شاہ رفیع الدین دہلوی نے آیات

﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ o لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ o ﴾ (البقرۃ: ۵۲-۵۳)

کا ترجمہ کیا ہے، ''تو کہ تم شکر کرو اور تو کہ تم راہ پاؤ۔'' (۲۶) اب یہ لفظ اردو ادب میں تا کہ سے بدل گیا ہے چنانچہ مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا مودودیؒ نے تا کہ سے ترجمہ کیا ہے۔ اسی طرح شاہ رفیع الدین نے جہاں بھی فی کا ترجمہ کیا بیچ کے لفظ سے کیا ہے۔ لفظی ترجمہ کا تقاضا بھی یہی ہے، جبکہ دیگر مترجمین نے فی کا ترجمہ ''میں'' سے کیا ہے۔ اسی طرح شاہ عبدالقادر نے:

﴿ وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَى ﴾ (طٰہ: ۱۸)

کا ترجمہ کیا ہے۔ ''اور میرے اس میں کِتّے کام ہیں اور۔'' (۲۷) بہت سے مقامات پر کِتّی، کِتّا اور کِتّے کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ مگر اب تراجم میں کتنے، کتنی اور کتنا وغیرہ کے الفاظ استعمال ہو رہے ہیں۔

شاہ عبدالقادر نے آیت

﴿ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ ﴾ (البقرۃ: ۶)

کا ترجمہ ''تو اُن کو ڈراوے یا نہ ڈراوے'' سے کیا ہے جبکہ شیخ الہند محمود الحسن نے ترجمہ، ''ان کو ڈرائے یا نہ ڈرائے'' سے کیا ہے۔ (۲۸) ایسے تمام الفاظ مثلاً آوے، جاوے، ہووے، جاویں، فرماویں، ان الفاظ سے بدل گئے ہیں، آئے، جائے، ہوئے، جائیں، فرمائیں وغیرہ۔

اس سے الفاظ کی ان تبدیلی سے لسانی ارتقاء کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ متروک الفاظ:

چونکہ زبان کا ارتقاء ہر لمحے جاری رہتا ہے تو بہت سے الفاظ بدلتے رہتے ہیں، ان کی جگہ نئے الفاظ آجاتے ہیں، چنانچہ ہم ترجمہ قرآن میں ایسے متعدد الفاظ دیکھتے ہیں جو فارسی یا مقامی زبان کے تھے مگر آج وہ الفاظ متروک ہو گئے ہیں مثلاً شاہ عبدالقادر دہلوی نے آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

﴿ اَتٰى أَمْرُ اللهِ فَلا تستعجلوهُ ﴾ (النحل، ۱۶: ۱)

''پہنچا حکم اللہ کا، سو اس کی شتابی مت کرو۔''(۲۹)

جبکہ محمود الحسن کہ ترجمہ یوں کیا ہے: ''آ پہنچا حکم اللہ کا، سو اس کی جلدی مت کرو۔''(۳۰)

اسی طرح سَيَغْلِبُونَ (الروم: ۳) کا ترجمہ شاہ رفیع الدین نے کیا ہے۔ ''شتاب غالب آویں گے۔''(۳۱)

جبکہ محمود الحسن نے ترجمہ کیا ہے: ''عنقریب غالب ہوں گے۔''(۳۲)

مذکورہ تراجم میں، شتابی، شتاب فارسی کا لفظ ہے۔ جس کے معنی جلدی، یا عن قریب کے ہیں مگر اب مستعمل نہیں ہے۔

اسی طرح بِيَدِهِ الْمُلْكُ (الملک:۱) کا ترجمہ شاہ عبدالقادر نے کیا ہے۔ ''جس کے ہاتھ ہے راج''(۳۳)

جبکہ مولانا اشرف علی تھانوی نے ترجمہ کیا ہے: ''جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے۔''(۳۴)

اب راج، ہندی زبان کا لفظ ہے جو تقریباً متروک ہو گیا ہے۔ اسی طرح اللہ الصمد کا ترجمہ کیا اللہ نرادھار (بے نیاز) ہے۔(۳۵) اب یہ لفظ متروک ہے۔ یہ ہندی لفظ ہے اور اب ترجمہ بے نیاز سے کیا گیا ہے۔

شاہ عبدالقادر نے زوج کا ترجمہ جورو اور ازواج کا ترجمہ جوروں سے کیا ہے۔ اب ان الفاظ کا ترجمہ گزشتہ صدی سے عورتوں اور بیویوں سے کیا جارہا ہے۔ اس طرح کے الفاظ کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

۶۔ ترجمہ سے ترجمانی:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے زمانہ تک صرف عوام الناس کا ہی نہیں بلکہ علماء کا بھی یہی خیال تھا کہ قرآن حکیم کا ترجمہ کسی بھی زبان میں کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ اس نظریہ کے پیچھے جو تصور کارفرما تھا، وہ یہ کہ قرآن حکیم چونکہ عربی مبین میں نازل ہوا ہے، لہٰذا عربی الفاظ کا تو متبادل ہی نہیں ہے، لہٰذا ایسا سوچنا بھی کفر ہے۔ شاہ ولی اللہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے الہامی بصیرت سے نوازا تھا اس نظریہ کو غلط ثابت

کرنے کے لیے اور لوگوں کو قرآن پاک کے قریب لانے کے لیے فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس پر علماء کا جو ردعمل ہوا، اس پر شیخ محمد اکرام نے یہاں تک لکھا کہ آپ کو کچھ عرصہ کے لیے روپوش ہونا پڑا۔ (۳۶) تاہم آپ حکیم الامت تھے، اس ترجمہ سے بہت سی حکمتیں سامنے آئیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے بیٹوں نے اردو زبان میں لفظی و بامحاورہ ترجمہ کیا۔ یہ دونوں تراجم برصغیر میں بلا مبالغہ اب تک ہونے والے سب ترجموں کی بنیاد اور اصل ہیں۔

تقریباً سو، سوا سو سال تک اردو مترجمین کی کوشش رہی کہ ترجمہ میں قرآنی الفاظ کے قریب تر رہیں۔ بالخصوص شاہ رفیع الدین کے تحت اللفظ ترجمہ کے پیچھے یہی فکر کارفرما تھی۔ اگرچہ بعض لوگوں نے ترجمہ کے اس انداز پر عجیب وغریب تبصرے کیے ہیں لیکن حقیقتاً اردو زبان میں قرآن کے عربی الفاظ کو اردو کا جامہ پہنایا گیا۔ شاہ عبدالقادر نے یہ کام بامحاورہ ترجمہ کی صورت میں کیا۔ حقیقتاً ان دونوں تراجم کی اپنی اپنی جگہ اہمیت مسلمہ ہے۔ بعض پہلوؤں کے اعتبار سے شاہ عبدالقادر کا اور بعض پہلوؤں کے اعتبار سے شاہ رفیع الدین کا ترجمہ بہت مقبول ہوا۔ اردو دینی ادب کے یہ دونوں برادران محسن ہیں۔

شاہ عبدالقادر سے مولانا عبدالحق حقانی تک، مولانا فتح محمد جالندھری سے شیخ الہند مولانا محمود الحسن تک تمام مترجمین کی کوشش یہ رہی کہ ترجمہ میں قرآنی الفاظ کے قریب تر رہا جائے۔ چنانچہ زبان میں ایجاز واختصار سے کام لیا گیا۔ مگر حالات وزمانہ کی رعایت، قرآن پاک کی تفہیم وتسہیل کے لیے بعض ایسے مترجمین آئے جنہوں نے یہ خیال کیا کہ عربی مبین کا ہو بہو جامہ اردو الفاظ کو نہیں پہنچایا جاسکتا کیوں نہ قرآنی مفہوم کو وضاحت کے ساتھ اردوئے مبین میں آزادانہ الفاظ کے ساتھ منتقل کردیا جائے۔ برصغیر پاک وہند میں ترجمہ سے ترجمانی کی طرح ڈالنے والے مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ پھر اسی نہج پر سید ابوالاعلیٰ مودودی اور امین احسن اصلاحی اور دیگر مترجمین نے کام کیا۔ گو کہ عوام الناس کے لیے ایک گونہ سہولت میسر ہوگئی تاہم اس راہ سے ترجمہ میں اور اردو ادب میں ایک نئے رجحان کا بھی اضافہ ہوا اور بعض انحرافات بھی ہوئے۔ اگر دیکھا جائے تو اس کا بنیادی محرک لسانی ارتقاء ہی ہے۔ (۳۷)

۷۔لسانی ارتقاء اور فنی تدوین:

اردو تراجم میں فنی اعتبار سے ان پہلوؤں کا اضافہ نظر آتا ہے۔

(الف)۔ترجمہ میں قوسین کا استعمال:

اردو تراجم کی سوا دو سو سال کی تاریخ کا لسانی جائزہ لیا جائے تو بڑی دلچسپ چیز سامنے آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اردو زبان کے اولین تراجم میں قوسین () کا استعمال نہیں ہے۔ مترجمین نے اپنی استطاعت کی حد تک عربی الفاظ کا ایک ہی ترجمہ کیا ہے۔لیکن انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں بہت کم اور ماضی قریب تک بہت زیادہ قوسین کا استعمال ہونے لگا۔ مذکورہ اضافہ اور اس لسانی ارتقاء کے دو اسباب ہیں۔مترجم نے ایک لفظ کے دو ترجمے کیے، ایک علمی اور دوسرا تسہیلی اور تفہیمی۔یعنی عوام الناس کو معنی کی تہہ تک پہنچانے کے لیے۔دوسرا سبب اس کا زبان کی وسعت ہے اور مترادف الفاظ کا وافر میسر آنا ہے۔ملاحظہ ہو آیات:

﴿ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ o ارْجِعِيْ إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً o فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ o وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴾ (الفجر: ۲۷۔۳۰)

ترجمہ اشرف علی تھانوی:

"(اور جو اللہ کے فرماں بردار تھے ان کو ارشاد ہوگا کہ) اے اطمینان والی روح، تو اپنے پروردگار (کے جوار رحمت) کی طرف چل، اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، پھر (اُدھر چل کر) تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا (کہ یہ بھی نعمت روحانی ہے) اور میری جنت میں داخل ہو جا۔"(۳۸)

(ب)۔عبارت سے الگ ترجمہ:

دوسرا تدوینی ارتقاء یہ دیکھنے میں آیا کہ ابتداً زیادہ تر تراجم تحت اللفظ ہوئے ہیں تاہم بعد میں اس انداز سے بھی تراجم ہوئے کہ ایک صفحہ پر متن، دوسرے پر ترجمہ یا اوپر متن کی عبارت، نیچے ترجمہ یا متن عبارت کے بغیر ترجمہ۔ترجمہ کے اس اسلوب سے ایک قاری عربی عبارت سے دور چلا جاتا ہے،

یہ رجحان بیسویں صدی میں زیادہ دیکھنے میں آیا۔ مثلاً: ترجمہ قرآن از فتح محمد جالندھری بغیر متن کے چھپا ہوا ہے۔(۳۹)

(ج)۔رنگوں کے ساتھ ترجمہ کی طباعت:

فنی تدوین کا ایک پہلو جس کا رجحان گذشتہ پندرہ بیس سالوں سے مشاہدہ میں آیا، وہ یہ کہ عربی متن میں مختلف رنگ استعمال کیے جائیں اور ترجمہ رنگوں کی مناسبت سے کیا جائے مثلاً قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ) لاہور نے سرخ اور نیلے رنگوں کے ساتھ ترجمہ طبع کیا ہے۔ جس رنگ کا عربی لفظ، اسی رنگ میں اس کا اردو ترجمہ۔ اس میں قارئین خصوصاً طالب علموں کے لیے سہولت رکھی گئی ہے تاکہ وہ جان سکیں کہ کس لفظ کا کیا ترجمہ ہے۔ دورِ حاضر کی ایک ٹیکنالوجی ہے جس کا استعمال ترجمہ نگاری میں نظر آتا ہے۔

۸۔نکتہ سنجی اور اردو ادب میں اضافہ:

اردو ترجمہ نگاری میں لسانی ارتقاء کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مختلف ترجمہ نگاروں نے اپنی طبعی اور ذہنی افتاد کے مطابق جولانیاں دکھائی ہیں۔ الفاظ کے مناسب استعمال، محاورہ کا لحاظ، ایجاز واختصار، علاقائی ادب کی آمیزش، یہ مترجمین کے وہ پہلو ہیں، جس سے زبان کا ارتقاء عمل میں آتا ہے۔

شاہ مراد اللہ سنبھلی نے سورۃ فاتحہ میں ولا الضالین کا ترجمہ نہ بہکنے والے، کیا ہے۔ شاہ عبدالقادر نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ شاہ رفیع الدین نے، نہ گمراہوں کی، اشرف علی تھانوی نے اور نہ ان لوگوں کا جو رستہ سے گم ہوئے، مولانا مودودی نے جو بھٹکے ہوئے ہیں۔ دیکھیے ایک ہی لفظ میں مترجمین کی ذہنی جولانیاں کس طرح کام دکھا رہی ہیں۔ یہ صرف ایک لفظ کا معاملہ نہیں پورے قرآن حکیم کا مطالعہ دلچسپ ہے۔ ایک اور آیت ملاحظہ کیجئے۔

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾

(البقرة ٢ : ٦)

ترجمہ شاہ عبدالقادر: ''اور وہ جو منکر ہوئے برابر ہے تو ان کو ڈراوے یا نہ ڈراوے، وہ نہ مانیں

گے۔‘‘

شاہ رفیع الدین: ’’تحقیق جو لوگ کہ کافر ہوئے، برابر ہے، اوپر ان کے کیا ڈرایا تو نے ان کو یا نہ ڈرایا تو نے ان کو، نہیں ایمان لاویں گے۔‘‘

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا ترجمہ: ’’بے شک جو لوگ منکر ہوئے ان پر یکساں ہے خواہ تو ان کو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ تو ایمان لائیں گے نہیں۔‘‘

مولانا فتح محمد جالندھری کا ترجمہ دیکھیے: ’’جو لوگ کافر ہیں، انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو، ان کے لیے برابر ہے، وہ ایمان نہیں لانے کے۔‘‘

مولانا مودودی کے الفاظ: ’’جن لوگوں نے ان باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، ان کے لیے یکساں ہے، خواہ تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو، وہ ماننے والے نہیں ہیں۔‘‘

دیکھیے پانچ مترجمین کا رنگ منفرد ہی نظر آتا ہے۔

مترجمین کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ انہوں نے قرآنی ادب کو ہر دور میں زندہ رکھا ہے۔ یہ قرآنی معجزہ بھی ہے کہ اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے، تاہم یہ ترجمہ نگاروں کی زبان و ادب کی بھی بہت بڑی خدمت ہے۔

آج اردو ادب کی معلوم تاریخ میں اولیں ترجمہ نگار شاہ مراد اللہ سنبھلی سے غلام رسول سعیدی تک کی تقریباً سوا دوسو سال کی ایک طویل تاریخ ہے۔ ہر پانچ، دس سال کے بعد ایک جزوی یا کلی ترجمہ قرآن اردو میں نظر آئے گا، جس سے تراجم کی تعداد سینکڑوں میں نظر آتی ہے۔ ہر ایک انداز و اسلوب منفرد ہے کسی نے سلاست پر زور دیا، کسی نے محاورہ کو دیکھا، کسی نے زور بیان پر توجہ دی اور کسی نے ادبیت کا کھوج لگایا۔

پھر ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ اکثر و بیشتر ترجمہ نگار ادیب بھی ہیں، بلکہ آپ ان کو اسلامی ادیب کہہ سکتے ہیں۔ ادیب زبان و بیان پر قدرت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی نفسیات اور ان کے رویوں کا مزاج شناس ہوتا ہے۔ ادیب کا ہاتھ قوم کی نبض پر ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون سا ادب، کس

اسلوب میں تخلیق کرنا ہے۔

مولوی ڈپٹی نذیر احمد سے لے کر مولانا اشرف علی تھانوی تک، احمد رضا خان بریلوی سے لے کر مولانا ثناء اللہ امرتسری تک، مولوی عبدالحق حقانی سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد تک، مولانا عبدالماجد دریا بادی سے لے کر مولانا مودودی تک اور امین احسن اصلاحی سے لے کر پیر محمد کرم شاہ الازہری تک رحمھم اللہ یہ سب اردو زبان کے بہت بڑے محسن ہیں۔ اردو ترجمہ کی شکل میں جو ادب ان حضرات نے تخلیق کیا وہ اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔

ترجمۂ قرآن کے حوالے سے ایک اور پہلو بھی لسانی ارتقاء میں سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ اردو نثر ابتداءً بڑی مسجع اور مقفع تھی۔ میرامن دہلوی کی باغ و بہار دیکھ لیجئے یا سجاد حیدر یلدرم کا ادب، لیکن اسی دور میں تراجم قرآن بھی ہوئے۔ اردو ترجمہ نگاروں نے ترجمہ نگاری کے فن کو مشکل پسندی اور ثقالت الفاظ سے ہر ممکن طریقے سے بچایا ہے بلکہ الفاظ و جملوں کے چناؤ میں سہل پسندی اور ایجاز سے کام لیا ہے۔

پھر بیرونی تہذیب و زبان سے ادب کا متاثر ہونا قدرتی امر ہے۔ خاص طور پر اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی جب فرنگی تہذیب کا ہندوستان پر اقتدار مستحکم ہوا۔ انگریزی زبان سے بڑے بڑے ادیب متاثر ہوئے جس کا اثر استعماری دور کے ادب میں نمایاں جھلکتا ہے۔ سرسید احمد خاں ہو یا خواجہ الطاف حسین حالی، سید امیر علی ہوں یا عبدالماجد دریا بادی لیکن قرآن کریم کے اردو تراجم کو فرنگی زبانوں کے اثرات سے کلیتاً محفوظ رکھا گیا۔

بلا شبہ لسانی ارتقاء کے وہ دلچسپ اور شان دار پہلو ہیں جن پر آج کے طالب علموں کو غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

حرف آخر:

اگرچہ متقدمین میں سے ڈاکٹر مولوی عبدالحق، سرسید احمد خان، ابوالکلام آزاد، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا اشرف علی تھانوی، عبدالماجد دریا بادی اور ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے ماقبل اردو ترجمہ نگاروں

کے احسانات کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ تاہم آج کے حالات اور تناظر میں اردو ادب کی اس خدمت (Contribution) پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ صرف اسلامی ادیبوں کو نہیں بلکہ اردو ادب کے حقیقی ادیبوں کو جو اپنے آپ کو نقاد کہتے ہیں۔ اردو ادب کی تاریخ پر جتنی کتب دیکھیں بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قرآنی ترجمہ نگاری کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

❀❀❀❀

حواشی وحوالہ جات

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، حصہ اول، دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۷۵ء، سلیم اختر ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۵ء؛ انور سدید، ڈاکٹر اردو ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء۔

۲۔ آزاد، محمد حسین، آب حیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۰ء، ص:۱۳

۳۔ شیرانی، محافظ محمود، پنجاب میں اردو، معین الادب، لاہور، طبع دوم۔ ص:۶۷

۴۔ راشدی، حسام الدین، رسالہ 'اردو۔ کراچی، اپریل ۱۹۵۱ء، ص:۱۶

۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب، اردو، جلد اول، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۶ء، ص:۳

۶۔ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول، ص:۳۵

۷۔ محمد سلیم، سید، اردو رسم الخط، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۱ء، انور سدید؛، اردو ادب کی مختصر تاریخ، حوالہ مذکور، ص:۵۴

۸۔ دریابادی، عبدالماجد، درمقدمہ ترجمہ قرآن، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، لاہور، ۱۹۵۲ء

۹۔ دھلوی، شاہ عبدالقادر، تفسیر موضع القرآن، تاج کمپنی لمیٹڈ، قرآن منزل لاہور، ترجمہ سورۃ بنی اسرائیل، ۱:۱۷

۱۰۔ القرآن الحکیم مع ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب دھلوی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور وکراچی، ترجمہ تحت آیت بنی اسرائیل، ۱:۱۷۔

۱۱۔ القرآن الحکیم مع ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب دھلوی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور وکراچی، ترجمہ تحت آیت بنی اسرائیل؛ ۱:۱۷

۱۲۔ دہلوی، شاہ عبدالقادر، حوالہ مذکورہ، ترجمہ سورۃ العصر، ۱۰۳:

۱۳۔ ترجمہ شاہ رفیع الدین دھلوی، ترجمہ سورۃ العصر۔

۱۴۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی، ترجمۃ زیر آیت، حم السجدۃ۔ ۲۶:۴۱

۱۵۔ ایضاً، ترجہ زیر آیت الشعراء، ۸۰:۲۶

۱۶۔ ایضاً، ترجمہ زیر آیت الکہف، ۱۸:۱۰۷۔۱۰۸

۱۷۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۰ء، ۳/۵۰

۱۸۔ القرآن الحکیم سے ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی، مولانا اشرف علی تھانوی، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت الاحزاب، ۵۶:۳۳۔۵۷

۱۹۔ الازھری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۴/۱۹۳

۲۰۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت الانشراح، ۴:۸۰۷

۲۱۔ ایضاً، ترجمہ زیر آیت، البقرہ،۲:۱۸۶
۲۲۔ جالندھری، فتح محمد، نور ہدایت، قرآن پاک کا سلیس با محاورہ ترجمہ، ترجمہ زیر آیت البقرۃ،۲:۱۸۶
۲۳۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، حوالہ مذکورہ، ۱/۱۴۴
۲۴۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت، الاعراف، ۷:۱۵۷
۲۵۔ محمود الحسن شیخ الہند، القرآن الکریم، یونائٹڈ آرٹ پرنٹرز، ۱۴۰، ایبٹ روڈ، لاہور۔ ترجمہ زیر آیت، الاعراف ۷:۱۰۷
۲۶۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت البقرہ،۲:۵۲
۲۷۔ ایضاً ترجمہ زیر آیت طٰہٰ:۱۸
۲۸۔ محمود الحسن، شیخ الہند، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت، البقرۃ ۲:۶
۲۹۔ ترجمہ شاہ رفیع الدین، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت، النحل:۱۶:۱
۳۰۔ محمود الحسن، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت النمل، ۱۶:۱
۳۱۔ ترجمہ شاہ رفیع الدین، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت النحل، :۱۶:۱
۳۲۔ محمود دالحسن، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت، الروم، ۳۰۷:۳
۳۳۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت الملک، ۶۷۰:۱
۳۴۔ ترجمہ اشرف علی تھانوی، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت الملک، ۶۷۰:۱
۳۵۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت اخلاص، ۱۱۲:۲
۳۶۔ محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص:۵۵۲
۳۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے، آزاد ابوالکلام، مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، حوالہ مذکور، مقدمہ، جلد اول۔
۳۸۔ ترجمہ اشرف علی تھانوی، حوالہ مذکور، ترجمہ زیر آیت، الفجر، ۸۹:۲۷۔۳۰
۳۹۔ دیکھیے: فتح محمد جالندھری، نور ہدایت، قرآن پاک کا سلیس با محاورہ ترجمہ، مطبع ندارد، سن ندارد

منظوم اردو تراجم وتفاسیر
تعارفی جائزہ

محمد سعید شیخ☆

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ﴿ وَكَذٰلِكَ اَنزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ﴾ (۱)، یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، آپ ﷺ کی زبان بھی عربی تھی، نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلکہ پورے جزیرۃ العرب کی زبان عربی تھی، اس میں مکہ اور قبیلۂ قریش کی زبان سب سے زیادہ مستند اور معیاری سمجھی جاتی تھی۔ ویسے بھی کوئی بھی الہامی کتاب جب کسی پیغمبر پر نازل ہوتی تو وہ اس وقت کی مروجہ زبان میں نازل ہوتی، چونکہ الہامی کتاب کا مقصود افہام وتفہیم اور لوگوں کی ہدایت ہوتا ہے، اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی کتاب ایسی زبان میں نازل ہو جو مخاطبین کے لیے اجنبی ہو۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ﴾(۲)

اہل دنیا پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ان کی ہدایت کے لیے کتابیں نازل کیں اور رسول بھیجے، پھر اس احسان کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہر کتاب اس وقت کے لوگوں کی قومی زبان میں نازل فرمائی تا کہ کسی کو ہدایت کا پیغام سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

قرآن مجید کے اولین مخاطب چونکہ عرب ہی تھے اس لیے قرآن مجید کے دیگر زبانون میں تراجم کی ضرورت پیش نہ آئی، مگر جونہی اسلامی فتوحات ہوئیں اور اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر دور دراز

☆ ریسرچ اسسٹنٹ علماء اکیڈیمی، بادشاہی مسجد لاہور۔

علاقوں تک پھیل گیا تو پھر قرآنی تفہیم کے لیے تراجم کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ کلام اللہ کا کسی زبان میں ترجمہ یا ترجمانی کی جرأت کرتا، قرآن مجید کا ترجمہ کرنا انتہائی مشکل کام ہے، قرآنی آیات کا اگر خفیف سے خفیف جزو بھی نظر انداز ہو جائے یا بالکل معمولی قسم کا اضافہ ہو جائے تو وہ ترجمہ بجائے اجر و ثواب کے موجبِ عذاب و عتاب بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ابتدائی دور کے علماء و مفسرین قرآن مجید کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنے سے اپنے دامن کو بچاتے تھے۔

قرآن مجید کے نزول کا مقصد چونکہ ہدایت ہے اور جن لوگوں کی زبان عربی نہ تھی ان کے لیے قرآن مجید کی تلاوت تو ممکن تھی مگر بلاواسطہ تفہیم ممکن نہ تھی، ان کے لیے قرآن مجید کی تلاوت اگرچہ باعثِ ثواب ہے مگر قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لیے قرآن کا فہم انتہائی ضروری ہے جو عوام الناس کے لیے ان کی زبان میں بغیر ترجمے کے ناممکن ہے۔ اس لیے قرآنی تراجم انتہائی ناگزیر ہو گئے۔

برصغیر میں قرآن پاک کے نمایاں تراجم میں، جو بعد کے لوگوں کے لیے بنیاد بنا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ترجمہ ہے، شاہ صاحب نے غالباً اٹھارہویں صدی عیسوی میں قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمے کا آغاز کیا، اس لیے کہ اس وقت برصغیر کی علمی زبان فارسی تھی۔ اُس وقت کے بعض علماء نے اس عمل کو بدعت گردانا اور حرمتِ قرآن کے خلاف جانا۔ مگر حضرت شاہ صاحب نے ملامت گروں کی ملامت اور نکتہ چینی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے ترجمے کا کام جاری رکھا اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ بقول اقبال:

آئینِ نو سے ڈرنا ، طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

بقول حالی:

زمانے کی خُو ہے نکتہ چینی
کچھ اس کی پرواہ نہ کیجیے گا

برصغیر میں اردو تراجم کا آغاز اٹھارہویں صدی عیسوی کی آخری دہائی میں ہوتا ہے، جن میں قابل ذکر شاہ رفیع الدین دھلوی اور شاہ عبد القادر دھلوی کے تراجم ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں تو کئی اردو تراجم یکے بعد دیگرے منظر عام پر آگئے اور اب ایک لا متناہی سلسلہ چل نکلا ہے۔

قرآن مجید کا کسی غیر عربی زبان میں نثری ترجمہ کرنا ناممکن حد تک مشکل ہے، اس لیے احتیاطاً ان تراجم کو ترجمانی کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ قرآنی زبان و بیان کی لطافتوں اور کلام کی الوہی جلالی شان کا ابلاغ ترجمہ کی صورت میں مفقود ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج سینکڑوں تراجم ہو چکے ہیں مگر کوئی بھی ترجمہ ایسا نہیں ہے کہ جس کے مترجم نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ اس نے قرآن مجید کی حقیقی روح کا ترجمہ کر دیا ہے۔

ہر زبان کا ایک مخصوص تاریخی وثقافتی پس منظر ہوتا ہے، ہر لفظ اور اصطلاح کے پس منظر میں معاشرتی وتاریخی روایات کا تسلسل ہوتا ہے جو محض ترجمہ کے ذریعہ کسی دوسری زبان میں منتقل نہیں ہوسکتا۔ عربی زبان کا معاملہ تو دیگر تمام زبانوں سے یکسر مختلف ہے۔ اس میں جتنی وسعت ہے دنیا کی کسی دوسری زبان میں نہیں۔ عربی میں ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف بیسیوں معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک چیز کے لیے بھی کئی کئی الفاظ ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کی تفسیر کے لیے امام جلال الدین سیوطی کے نزدیک پندرہ علوم کا جاننا ضروری ہے۔ جب یہ تفسیر کا معاملہ ہے تو ترجمہ کا معاملہ اس سے بھی مشکل ہے، چونکہ تفسیر میں الفاظ و بیان کی کوئی قید نہیں ہوتی مگر ترجمہ میں بایں معنیٰ قید ہوتی ہے کہ نہ تو اس میں کسی معمولی سے معمولی حرف کا اضافہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کمی۔ اسی وجہ سے علماءِ کرام ایک طویل عرصے تک قرآن مجید کا ترجمہ کرنے سے اپنے آپ کو بچاتے رہے۔

نظم میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنا بہت جان جوکھوں کا کام ہے، بلکہ منظوم ترجمہ بالکل ناممکن ہے۔ نثری ترجمہ میں تو بہر حال کچھ آسانی موجود ہوتی ہے۔ مترجم قافیہ، ردیف، اور وزن کی پابندیوں سے آزاد ہو کر چھوٹے بڑے فقروں میں مطلب اپنے لفظوں میں بیان کر سکتا ہے، نظم میں مترجم سے یہ آزادی سلب ہو جاتی ہے، ایک وزن، قافیے اور ردیف میں رہتے ہوئے اس کو قرآنی آیات کا ترجمہ

کرنا ہوتا ہے۔ منظوم ترجمہ یہ ایسی پُر خار وادی ہے کہ جس نے بھی اس میں قدم رکھا اس کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، بہت کم مترجمین اپنے دامن کو کانٹوں سے بچا سکے ہیں۔

بعض اوقات ضرورتِ شعری کی وجہ سے کسی لفظ یا فقرہ کا اضافہ کرنا پڑتا ہے، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وضاحتی جملہ کی ضرورت پیش آجاتی ہے، ایسی صورت میں بعض مترجمین نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ اضافے کو قوسین یا واوین میں درج کر دیا ہے تا کہ اس کو ترجمہ سے ممتاز کیا جا سکے۔ مگر ایسا کم مترجمین نے کیا ہے اور جنہوں نے کیا بھی ہے تو سو فیصد اس کا اہتمام نہیں رکھ سکے ہیں۔

''منظوم تراجم'' سے ایک خرابی یہ بھی پیدا ہوئی کہ بعض مترجمین نے قرآنی آیات کو اشعار کی وجہ سے شعری انداز میں لکھا اور عملاً آیات بینات کو اشعار کے تابع کر دیا، بالخصوص ان تراجم میں جو تحت اللفظ ہیں۔ اس طریق سے کسی نااندیش کو قرآن پاک کے بھی شعر ہونے کا دھوکہ ہوسکتا ہے، حالانکہ قرآن مجید کوئی شعری مجموعہ نہیں بلکہ یہ تو واضح کتابِ ہدایت ہے، مزید برآں اس طریق سے قرآن مجید وفرقانِ حمید کی بے ادبی لازم آتی ہے۔

''منظوم تراجم'' کے حوالے سے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں ترجمہ کی بجائے منظوم قرآنی مفہوم کہا جائے یا قرآنی مطالب کی منظوم ترجمانی گردانی جائے۔ ''منظوم قرآنی ترجمہ'' قطعاً ناممکن ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کسی بڑے عالم دین نے منظوم ترجمہ کرنے کی سعی نہیں کی۔ اکثر ان شعراء نے اس مشکل کام کی جسارت کی جن کی قرآنی علوم پر مکمل دسترس تو کجا عربی زبان پر بھی عبور نہ تھا، انہوں نے کسی اردو منثور ترجمے کو مد نظر رکھ کر اس کو شعری قالب میں ڈھال دیا۔

جن شعراء کرام نے بھی منظوم تراجم کیے ہیں ان کی نیت میں شک نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے خلوص کے ساتھ اس کو قرآن مجید کی خدمت سمجھ کر کیا اور جواز کے لیے یہ دلیل پیش کی کہ اگر نثر میں ترجمہ ہوسکتا ہے تو پھر نظم میں کیوں نہیں؟ ''منظوم تراجم'' کے پیچھے سوچ یہ کارفرما ہوتی ہے کہ شعر وشاعری انسان کو زیادہ متاثر کرتی ہے اور نثر کی بجائے نظم کو یاد کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر میں منظوم تراجم کا آغاز ہوا۔

برصغیر میں اردو میں منظوم تراجم کا آغاز کب ہوا؟ سب سے پہلے منظوم ترجمہ کس نے کیا؟ شاید ان سوالوں کا جواب دینا بہت مشکل ہے، راقم نے بساط بھر کوشش کے بعد چالیس سے زائد منظوم تراجم وتفاسیر کا سراغ لگایا ہے، ان میں کچھ تراجم مطبوعہ، کچھ غیر مطبوعہ، بعض مکمل اور بیشتر نامکمل ہیں۔ ذیل میں ان مترجمین ومفسرین کرام کے نام دیئے جارہے ہیں جنہوں نے قرآن مجید کی منظوم خدمت ترجمہ اور تفسیر کی شکل میں کی ہے:

۱۔ مولوی عبدالسلام سلام بدایونی، ۲۔ شاہ غلام مرتضیٰ جنون، ۳۔ سیماب اکبرآبادی، ۴۔ آغا شاعر قزلباش، ۵۔ اثر زبیری، ۶۔ شمیم رجز، ۷۔ محمد ادریس کیف بھوپالی، ۸۔ مولانا سید محمد محسن کلکتہ نے مکمل منظوم ترجمہ کیا اور منظر عام پر بھی آیا لیکن کہیں کہیں وہ فن شاعری کے اصولوں پر پورا نہیں اترتا (۳)، ۹۔ عطا قاضی، ۱۰۔ عبدالعزیز خالد، ۱۱۔ نیساں اکبرآبادی، ۱۲۔ قاری محی الدین، ۱۳۔ جعفر علی، ۱۴۔ مرزا قسیم بیگ، ۱۵۔ راجہ حسن اختر جوہر آبادی (۴)، ۱۶۔ مولوی مرزا ابرہیم بیگ چغتائی نے پہلے پارے کا منظوم ترجمہ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں شائع کیا (۵)، ۱۷۔ مطیع الرحمٰن خادم علی گڑھی کا ترجمہ ''نظم المعانی ترجمہ کلام ربانی'' کے نام سے ۱۹۴۶ء میں آگرہ سے شائع ہوا (۶)، ۱۸۔ عبدالرحمٰن عرشی نے پندرہ پاروں کا منظوم ترجمہ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء میں کیا جس کا مسودہ گوالیار میں محفوظ ہے (۷)، ۱۹۔ سید غضنفر علی سونی پتی کا پہلا منظوم پارہ، ۲۰۔ صوفی محمد حسین سرہندی کا بھی پہلا منظوم پارہ (۸)، ۲۱۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری نے بھی منظوم ترجمہ بعنوان'' مفاہیم القرآن'' لکھا جو کہ مثنوی کے انداز میں ہے (۹)، ۲۲۔ حکیم محمد اشرف کاندھلوی، ۲۳۔ عبدالحی قادری نے ''جواہر التفسیر فی السیر والتذکیر'' کے نام سے اپنی منظوم تفسیر بنگلور سے ۱۳۰۰ھ کے اواخر میں شائع کی (۱۰)، ۲۴۔ مولانا عبداللہ نے اپنی منظوم تفسیر ''خلاصۂ تفسیر القرآن'' کے نام سے ۱۳۱۶ھ میں آگرہ سے شائع کی (۱۱)، ۲۵۔ غلام رسول نے اپنی منظوم تفسیر سورۂ یوسف لکھی جو ۱۲ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۷ سائز کے ۲۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا قلمی نسخہ مؤلف کے پوتے اور مشہور شاعر ن۔ م راشد کے برادر خورد راجہ ایف۔ ایم ماجد کے پاس محفوظ ہے (۱۲)، ۲۶۔ محبوب

کَکے زئی کی تفسیر القرآن (پارۂ اول منظوم) ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء میں لاہور سے شائع ہوئی (۱۳)، ۲۷۔ دانش فرازی کی آیاتِ فطرت (فاتحہ منظوم) ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء میں مدراس سے شائع ہوئی (۱۴)، ۲۸۔ علامہ کوثر وڑائچ (مکمل غیر مطبوعہ)، ۲۹۔ محمد ظہور الحسن ظہور کا منظوم ترجمہ سورۂ فاتحہ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء شائع ہوا، ۳۰۔ ابوالحسن حسن محمد کی منظوم تفسیر سورۃ الشفاء (فاتحہ) ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں دہلی سے شائع ہوئی، یہ کل ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، ۳۱۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پوتے مولانا محمد طاہر نے "تفسیر منظوم آیۂ کعبہ" لکھی جو ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں دہلی سے شائع ہوئی، یہ ۵x۷ کے ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے، ۳۲۔ ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں غلام مرتضٰی رھتکی کی قلب القرآن (سورۂ یٰسین منظوم) لاہور سے شائع ہوئی (۱۵)، ۳۳۔ خواجہ دل محمد، ۳۴۔ دلاور فگار، ۳۵۔ حاجی عمر الدین، ۳۶۔ چوہدری رشید احمد، ۳۷۔ میرزا خادم ہوشیار پوری، ۳۸۔ عقیل روبی، ۳۹۔ تنویر پھول، ۴۰۔ ساجد مرادآدی، ۴۱۔ قاضی محمد ایوب نادم (لاہور) غیر مطبوعہ۔ ان کے علاوہ کچھ جزوی تراجم ایسے بھی ہیں جن کے مترجمین کے نام کا پتہ نہیں چل سکا ہے، جیسے ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ھ میں ایک جزوی منظوم ترجمہ بھوپال سے شائع ہوا (۱۶)، ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء میں امام غزالی کی تفسیر سورۂ یوسف کا منظوم اردو ترجمہ کانپور سے شائع ہوا (۱۷)۔

یہ تو ایک اجمالی فہرست ہے، ان میں سے تقریباً بیس تراجم وتفاسیر راقم کو دستیاب ہو سکے ہیں جن کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ اس مقالے کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے حصہ اول میں مکمل مطبوعہ تراجم، حصہ دوم میں غیر مطبوعہ مکمل تراجم اور حصہ سوم میں مطبوعہ جزوی تراجم کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض تراجم ایسے بھی ہیں جو ہیں تو مکمل مگر ان کا کچھ حصہ طبع ہوسکا ہے ایسے تراجم کا شمار مطبوعہ جزوی تراجم میں کیا ہے۔

یہ کوئی حتمی فہرست نہیں ہے بلکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ کچھ تراجم کا ذکر اب بھی رہ گیا ہو۔ البتہ یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اب تک کی جو مطبوعہ فہارس ہیں، ان میں سب سے زیادہ یہ فہرست کفایت کرنیوالی ہے۔ اب ذیل میں دستیاب تراجم کا قدرے تفصیل سے تعارف دیا جارہا ہے، اس

میں اس بات کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے کہ مترجم کے مختصر حالات زندگی، ترجمہ کا اسلوب اور نمونہ کلام آ جائے، نمونہ کلام مطبوعہ نسخہ کے مطابق تحریر کیا گیا ہے تاکہ مقالہ ہذا کو پڑھ کر قاری کے سامنے اس کی پوری تصویر آ جائے، مشہور تراجم پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، وہ تراجم ہیں یا ترجمانی اس کا فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

مطبوعہ مکمل تراجم قرآن:

اس ذیلی عنوان کے تحت قرآن مجید کی ان منظوم تفاسیر کو بھی شامل کر لیا ہے جن میں منظوم تفسیر کے ساتھ ساتھ منظوم ترجمہ بھی شامل ہے۔ ویسے بھی کوئی منظوم تفسیر ایسی نہیں ہے جس میں کسی قدر منظوم ترجمہ نہ ہو۔

ا۔ ''زاد الآخرۃ'' از مولوی عبد السلام سلامؔ:

آپ مولوی عبد السلام بدایونی سلامؔ کے تخلص سے پہچانے جاتے تھے۔ آپ نے ''زاد الآخرۃ'' کے عنوان سے مولوی محمد بخش (جج درجہ اوّل کانپور) کی تحریک اور مالی معاونت سے قرآن مجید کے منظوم ترجمے اور تفسیر کا آغاز ۱۲۴۴ھ میں کیا۔ آپ نے مسلسل پندرہ سال کی محنت سے ۱۲۵۹ھ میں قرآن مجید کا یہ منظوم ترجمہ اور تفسیر مکمل کی۔ اسے ترجمہ کم اور تفسیر زیادہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، ہر جلد دو حصوں پر مشتمل ہے۔ جلد اوّل حصّہ اوّل ابتداء سے سورۂ انعام تک ہے، جلد اوّل حصہ ثانی سورۃ الاعراف سے سورۂ کہف تک ہے۔ جلد دوم حصہ اوّل سورۂ مریم سے سورۃ الصافات تک اور جلد دوم حصہ ثانی سورۂ ص سے والناس تک ہے۔ یہ تقسیم اس انداز سے کی گئی ہے کہ ایک حصہ ساڑھے سات پاروں پر مشتمل ہے۔

فاضل مصنف نے اس منظوم تفسیر پر ایک منظوم دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں اللہ جل مجدہٗ کی حمد، نبی پاک ﷺ کی نعت اور اولیاء کرام کی منقبت بیان کی گئی ہے۔

برصغیر کے منظوم تفسیری ادب میں اس ''زاد الآخرۃ'' کو مکمل تفسیروں میں سب سے قدیم ترین تفسیر قرار دیا جا سکتا ہے۔ آج اسے تالیف ہوئے تقریباً ۱۶۶ سال کا عرصہ بیت گیا ہے۔

یہ تفسیر اپنی تکمیل کے تقریباً ۲۶ سال بعد پہلی مرتبہ ربیع الاوّل ۱۲۸۵ھ/ جون ۱۸۶۸ء میں مطبع نِوَ الْکِشُور لکھنؤ سے طبع ہو کر منصۂ شہود پر آئی۔

''زاد الآخرۃ'' کو تالیف ہوئے ڈیڑھ صدی سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ اس وقت کے مروّجہ محاوروں کے مطابق مروجہ اندازِ کتابت میں لکھی گئی۔ مگر مرورِ ایام سے زبان و بیان میں تبدیلی ایک لازمی امر ہے۔ اس لیے اس میں اب بہت سے الفاظ اور محاورے ایسے ہیں جن کا استعمال یا تو بالکلیہ متروک ہو کر رہ گیا ہے یا بہت ہی قلیل استعمال ہوتے ہیں۔

یہ منظوم تفسیر قرآن مجید کی مکمل تفسیر ہے اور کہیں کہیں اس کے حواشی بھی ہیں جو فارسی میں ہیں۔ اس میں کوئی ایک لاکھ اشعار ہیں جو ۱۷۶۱ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس میں متن قرآن مجید بھی لکھ دیا گیا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

آپ نے ﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ٥ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذَالِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ٥﴾ (۱۸) کی منظوم ترجمانی اس انداز سے کی ہے:

بے گماں میری صلوٰۃ و نماز — کہہ تو یوں اے محمد ممتاز
اور حج میرا یا کہ قربانی — یا میری بندگی یزدانی
اور میرا امر زیست اور حیات — اور ایمان کے ساتھ میری ممات
حق تعالیٰ کے واسطے ہیں سب — کہ وہ ہے جملہ عالموں کا رب
نہیں کوئی شریک اُس کا ہے — عیب سے شرک کے مبرا ہے
اور اسی امر سے ہوں میں مامور — اور میں ہوں پہلے مسلموں سے ضرور (۱۹)

۲۔ نظم البیان المعروف ''منظوم اردو ترجمہ'' از شمس الدین شائق ایزدی:

آپ کا نام شمس الدین شائق ایزدی اور لقب شمس الھند صوفی معنوی ہے۔ آپ باب اکبری کوچۂ بازار مفتی باقری لاہور میں رہتے تھے۔ آپ غالباً ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے (۲۰)۔

آپ لاہور کے ایک خوش گو شاعر تھے، مگر فضول نظموں کے کہنے اور بے کار غزلوں کے لکھنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا، بلکہ اپنی شعری قابلیت کو اسلام کی خدمت میں لگایا۔ ۱۹۳۶ء میں لاہور میں انتقال ہوا (۲۱)۔

آپ نے مولانا روم کی مثنوی کی طرز پر ''منظوم اردو ترجمہ'' کے عنوان سے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کیا ہے، جو نہایت سلیس اور عام فہم ہے۔

سب سے پہلے آپ نے ''پہلے پارے'' کا منظوم ترجمہ ''نظم البیان فی مطالب القرآن'' کے نام سے کیا جو عوام میں بہت مقبول ہوا۔ پھر کچھ عرصۂ تک انقطاع آ گیا اور ترجمہ کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔ اربابِ علم کے مسلسل اصرار پر آپ نے دوبارہ ترجمہ کرنے کا کام شروع کیا۔ پہلے پارے پر جو نظر ثانی شروع کی تو بالکل ایک نیا ترجمہ وجود میں آ گیا جو مثنوی کی طرز پر ہے (۲۲)۔

مولانا شائق ایزدی نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبد القادر اور حضرت شاہ رفیع الدین کے تراجم کو پیش نظر رکھ کر قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کیا (۲۳) اور ہر ممکن کوشش کی کہ منظوم ترجمہ ان تینوں تراجم سے باہر نہ ہو اور کسی قسم کا اضافہ نہ کرنا پڑے۔ فاضل مصنف خود رقمطراز ہیں:

> ''حتی الامکان وحتی الوسع اصل ترجمہ سے زائد الفاظ کا کوئی استعمال نہیں کیا گیا۔ بظاہر جو کچھ الفاظ کسی جگہ کسی ضرورت سے لیے گئے ہیں وہ خاص اسی مطلب کو ادا کرنے کے لیے ہیں۔ وہ بھی خاص الفاظ قرآنی کے الف لام اور تنوینات وغیرہ کے ہی معنی ہیں'' (۲۴)۔

ان تراجم کے علاوہ کچھ اور تراجم بھی آپ کے پیش نظر تھے جن میں خاص طور پر مولانا عبد الحق حقانی کا ''ترجمۂ حقانی'' اور ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ۔ شائق ایزدی نے یہ ترجمہ آٹھ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۲۸ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ بمطابق ۱۱ ستمبر ۱۹۲۳ء بروز سہ شنبہ بوقت ظہر مکمل کیا۔ (۲۵)

یہ ترجمہ تین جلدوں میں کریمی پریس لاہور سے طبع ہوا۔ ہر جلد دس پاروں پر مشتمل ہے۔ اور کل صفحات ۲۹۶۶ ہیں۔

اس ترجمہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کا دیباچہ اور حواشی وغیرہ بھی منظوم ہیں سوائے

''ضروری التماس مؤلف'' کے کہ وہ منثور ہے۔فاضل مترجم نے جو منظوم وضاحتی حواشی دیئے ہیں ان کا نام ''فرقان حمید'' رکھا ہے۔

اگر ضرورتِ شعری کی وجہ سے کوئی لفظ بڑھانا پڑا ہے تو فاضل مترجم نے اس کو قوسین میں لکھا ہے تا کہ قاری کو یہ معلوم ہو جائے کہ قوسین میں دیئے گئے الفاظ وضاحتی اور ضرورت شعری کی وجہ سے دیئے گئے ہیں۔اس منظوم ترجمہ پر حواشی بالکل مختصر اور خال خال ہیں، اگر ایک جگہ کسی لفظ کی تشریح گزر چکی ہو اور دوسری جگہ دوبارہ وہ لفظ آ جائے تو تشریح کرنے کی بجائے سابق تشریح کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ وہاں سے ملاحظہ کر لی جائے۔مثلاً: ﴿ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴾ (۲۶) پر حاشیہ نمبر لگا کر فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:

لفظِ جنّ کی شرح اور تفصیل کو ذیل کی آیات میں بھی دیکھ لو

۱: ﴿ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ ﴾ (۲۷) الآیہ پ۲۲ ۸ ع

۲: ﴿ وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ ﴾ (۲۸) پ۲۶ ۴ ع (۲۹)

یہ ترجمہ تحت اللفظ ہے۔اس میں قرآنی آیات کو اس انداز سے لکھا گیا ہے جس سے یوں گماں ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی منظوم کتاب ہے۔راقم کے نزدیک اس انداز سے قرآن مجید کو لکھنا جہاں بے ادبی کے زمرہ میں آتا ہے وہاں اس سے تلاوت کرنا بھی آسان نہیں رہتا۔نمونہ کلام ملاحظہ کیجئے:

يَـــا أَيُّهَـــا الـــلَّـــذِيْـــنَ	آمَـــــنُـــــوْا
اے وہ لوگو! جو کہ ایماں لائے ہو	مانتے ہو جو کتاب اللہ کو
لَاتُـــقَـــدِّمُـــوْا بَيْـــنَ يَـــدَيِ	الـــلّٰـــهِ وَرَسُـــوْلِـــهٖ
مت بڑھو تم آگے(حدّ دین سے)	حق کے اور اس کے رسولِ پاک کے
وَاتَّـــقُـــوْا	الـــلّٰـــهَ
اور رہو عصیاں سے تم بچتے ہوئے	ڈر کر اللہ (کے عذاب اور قہر) سے
إِنَّ الـــلّٰـــهَ	سَـــمِيْـــعٌ عَـــلِيْـــمٌ (۳۰)

واقعی ہے حق تعالیٰ ہی سدا سب کی سننے والا سب کچھ جانتا(۳۱)

۳۔ ''وحی منظوم'' از سیماب اکبر آبادی (۱۸۸۰-۳۱ر جنوری ۱۹۵۱ء):

سیماب اکبر آبادی کا اصل نام عاشق حسین تھا، قلمی نام سیماب اکبر آبادی اور تخلص سیماب کرتے تھے۔ آپ اپنے قلمی نام سے ایسے مشہور ہوئے کہ اصل نام بالکل متروک ہو کر رہ گیا، آپ ۱۸۸۰ء اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ سیماب عربی فارسی کی کتابیں پڑھنے کے بعد انگریزی سکول میں داخل ہوئے (۳۲)، ابھی انٹر کے امتحان سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ والد گرامی کا سایۂ رحمت سر سے اٹھ گیا۔ سب بہن بھائیوں میں بڑے ہونے کی وجہ سے گھر کی تمام تر ذمہ داریاں آپ کے ناتواں کندھوں پر آ پڑیں۔ نتیجتاً تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور اکبر آباد (آگرہ) کے قلعہ معلیٰ میں ملٹری ورکس آفس میں کلرک تعینات ہوئے، کچھ عرصے کے بعد ریلوے کے ڈی۔ ٹی۔ ایس آفس سے وابستہ ہو گئے۔ حصولِ علم آپ کی زندگی کا سب سے اہم مقصد تھا، آپ نے اپنے والد گرامی سے ایک چھوٹا سا کتب خانہ ورثہ میں پایا جو علم کی تشنگی کو سیراب کرنے میں معاون ثابت ہوا۔ جب علم کی پیاس شدید ہوئی تو حضرت جمال الدین سرحدی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جیسے نابغہ روزگار شخصیات کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور علمی پیاس بجھائی۔ اِن کے علاوہ اُس وقت کے نامور جید علماء کرام سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی، یوں آپ کو دینی وعصری ہر دو علوم پر دسترس حاصل ہو گئی۔ اساتذہ کی خصوصی توجہ کے باعث آپ نے انگریزی، سنسکرت اور کئی دیگر زبانوں پر حد درجہ عبور حاصل کر لیا۔

شاعری کا ذوق بھی آپ کو ورثہ میں ملا تھا، آپ کے والد محترم مولانا محمد حسین صدیقی اپنے وقت کے معروف عالم اور نعتیہ شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔

۱۸۹۸ء میں فاضل مترجم نے فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی سے تلمذ کا شرف حاصل کیا اور بیسویں صدی کے ابتدائی عشرہ میں ہی علمی و ادبی دنیا میں اپنا ایک مقام بنا لیا، آپ کا شعر وادب میں ذوق اس حد تک بڑھا کہ ۱۹۲۱ء میں ریلوے کی ملازمت سے مستعفی ہو کر آگرہ میں مستقلاً سکونت اختیار کر لی۔ یہاں آپ نے ''قصر الادب'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور تصنیف وتالیف کا باقاعدہ

سلسلہ شروع ہوگیا۔ ماہنامہ ''مرصع''، ماہنامہ ''پردہ نشین'' اور ''آگرہ اخبار'' کی ادارت کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔

آپ کا سب سے پہلا شعری مجموعہ '' نے ستاں'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ دراصل آپ کی وہ نظمیں اور نعتیں تھیں جو اس وقت کے کثیر الاشاعت اخبار و جرائد میں چھپ چکی تھیں۔ قصر الادب سے ماہنامہ ''پیمانہ''، ماہنامہ ''ثریا''، ماہنامہ ''شاعر''، ہفت روزہ ''تاج''، ماہنامہ ''کنول'' اور سہ روزہ ایشیا کے اجراء کا سہرا بھی آپ کے سر جاتا ہے۔ آپ سن شعور سے آخری سانس تک شعر و ادب کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف رہے۔ آپ نے اپنی ادبی زندگی کے آغاز میں مولوی فیروز الدین (بانی فیروز سنز لمیٹیڈ لاہور) کی فرمائش پر مثنوی مولانا روم کے مکمل چھ دفتروں کا منظوم اردو ترجمہ '' الہام منظوم'' کے نام سے بہت ہی قلیل مدت میں مکمل کر دیا۔

سیماب اکبر آبادی نے اپنی پچاس سالہ ادبی زندگی میں نثر و نظم کی چھوٹی بڑی تین سو کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ جن میں غزل کے تین ضخیم دواوین کلیم عجم، سدرۃ المنتہی اور لوح محفوظ، نظموں کے تین مجموعے کار امروز، ساز و آہنگ اور شعرِ انقلاب، رباعیات کا مجموعہ عالمِ آشوب، عزائی کلام کے دو مجموعے سرودِ غم اور نفیرِ غم، فن شاعری اور اصلاحِ سخن پر دو معیاری کتابیں رازِ عروض اور دستور الاصلاح وغیرہ، قائد اعظم سے متعلق نظموں کا مختصر مجموعہ '' قائد کی خوشبو'' اور آپ کی آخری تالیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر '' خاتم النبیین'' ہے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ''وحی منظوم'' ہے جو قرآن پاک کا واقعی منظوم ترجمہ ہے جس نے آپ کی شہرت کو لازوال کر دیا ہے۔

آپ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں مستقل رہائش پذیر ہوگئے اور یہاں بھی علمی و ادبی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا۔ ۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء کو دنیائے ادب کے اس درخشاں ستارے، صحافت اور شاعری کے اس امام نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی (۳۳)۔

سیماب کس نے عرش سے آواز دی مجھے
کہہ دو کہ انتظار کرے، آ رہا ہوں میں

وحی منظوم:

۱۹۴۳ء/۱۳۶۴ھ میں آپ نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرنے کی ٹھانی، دوست احباب اور علماء ومشائخ سے مشاورت کے بعد آپ نے بسم اللہ کر کے اس عظیم کام کا آغاز کیا۔ آپ کے پیش نظر حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے تراجم تھے، آپ نے حتی الوسع ان دونوں تراجم کا پورا تتبع کیا بلکہ یوں کہیں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر کے ترجمہ کو نظم کی شکل دی ۔ اس عظیم تخلیقی کام کے دوران فرہنگِ آصفیہ، لغات کشوری اور نوراللغات آپ کے ساتھ رہتی تھیں۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ اگر کسی کام کی ٹھان لی تو پھر اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہی چھوڑا۔ آپ کبھی کام کو نامکمل اور ادھورا نہیں چھوڑتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ''وحی منظوم'' کی تالیف کے دوران کوئی ایسی مصروفیت آڑے نہیں آنے دی جو اس کام میں مخل ہوتی۔ آخر کار سات ماہ اور نو دن کی قلیل مدت میں یہ عظیم منظوم ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

مولانا سیماب اکبرآبادی کی احتیاط اور خوفِ خدا کا یہ عالم تھا کہ ترجمہ کی تکمیل کے بعد اس پر نظر ثانی کا فیصلہ کیا اور بعض اشاعتی اداروں کی کثیر رقم کو تا نظر ثانی ٹھکرا دیا۔

مولانا موصوف کو اس بات کا بھی بخوبی اندازہ تھا کہ ترجمہ میں تھوڑی سی لغزش اور کمی بیشی موجبِ عذاب ہوسکتی ہے۔ اس لیے آپ نظر ثانی کے بعد ''وحی منظوم'' کا مسودہ لے کر مختلف مکتبہ فکر کے علمائے عظام اور ناقدین ادب کی خدمت میں جاتے رہے، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، خواجہ حسن نظامی اور مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی وغیرہ نے ترجمے میں عربی متن سے جہاں ذرا سی بھی عدم مطابقت یا قرآنی مفہوم کے واضح نہ ہونے کا معمولی سا احتمال ظاہر کیا تو فاضل مترجم نے ان کے مشورے کے مطابق اس سہو یا سقم کی اصلاح کر لی۔ (۴۴)

منظوم ترجمہ میں قرآن حکیم کے مطالب کی ساتھ شعری وزن اور قافیہ و ردیف کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ وزن و بحر کی صحت کے ساتھ ردیف وقافیہ کی موزونیت کا اہتمام بجائے خود جگر کاوی کا متقاضی ہے، اس لیے جہاں کہیں بھی فاضل مترجم کو ضرورت شعری کی وجہ سے کچھ اضافے کرنے

پڑے تو آپ نے وہ قوسین میں کر دیئے تا کہ اس سے اندازہ ہو کہ یہ قرآن مجید کا ترجمہ نہیں ہے۔ بلکہ قوسین میں جو فقرے اور عبارتیں ہیں وہ سب توضیحی اور تشریحی ہیں جن سے ترجمے کے سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ قرآنی مفہوم میں کسی قسم کا ردوبدل واقع ہوا ہے۔

یہ ترجمہ جہاں معنوی اعتبار سے خوبصورت ہے وہاں صوری اعتبار سے بھی خوبصورت ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ۱۹۴۵ء/۱۳۶۵ء میں شائع ہوا۔ راقم کے پیش نظر اس کا جدید ایڈیشن ہے جو فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۴۲۲ مٹیا محل، اردو مارکیٹ، جامع مسجد دہلی (ہندوستان) نے شائع کیا ہے، یہ اس نسخہ کی کاپی ہے جو سیماب اکاڈمی (پاکستان) کراچی سے شائع ہوا، اس پر کوئی ایسی تفصیل نہیں ہے جس سے اندازہ ہو سکے کہ یہ اس کا کونسا ایڈیشن ہے اور کس سن میں شائع ہوا ہے، البتہ خوبصورت انداز میں شائع ہوا ہے۔ دائیں صفحہ پر قرآن مجید کا متن اور اس کے مقابل آیات کا منظوم ترجمہ ہے۔ اسی بائیں صفحے پر مختصر مگر مفید حاشیہ ہے جو کہ فاضل مترجم کی وسعتِ اطلاع پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ترجمہ ۹۷۱ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور آخر میں ۳۳ صفحات پر مشتمل ارباب علم وفن کی آراء اس کے علاوہ ہیں۔

''وحی منظوم'' کو اس وقت کے علماء ومشائخ اور ارباب علم ودانش نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس پر آراء تحریر کی ہیں جن میں مولانا محمد حفظ الرحمٰن، خواجہ حسن نظامی دہلوی، مولانا عبدالنعیم صدیقی، مولانا محمد صادق، حضرت مولانا محمد میاں، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، محمد نعیم لدھیانوی، مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا محمد ادریس، مولانا جمال میاں فرنگی محلی، جسٹس آفتاب حسین، راجہ محمد ظفر الحق (سابق وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات حکومت پاکستان)، محمد علی خان آف ہوتی اور پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان جیسے جید علماء شامل ہیں۔

مولانا سید حسین احمد مدنی اس ترجمے پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

> ''ماشاء اللہ نہایت مفید اور کارآمد معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ناظم صاحب (سیماب اکبر آبادی) موصوف نے اکابر اسلاف رحمہم اللہ تعالی کے تراجم کی مطابقت کا التزام کیا ہے اس بناء پر یہ ہرطرح قابل اعتماد ہے۔'' (۳۵)

''وحی منظوم'' سیماب اکبر آبادی کی بلند پایہ شاعری کا ایک بین ثبوت اور ان کی قادر الکلامی، عروجِ فن اور قرآن کریم پر حد درجہ عبور کی بے نظیر مثال ہے۔

ذیل میں نمونے کے طور پر سورۂ کوثر کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے:

(اے پیمبر) ہم نے بے شک تم کو کوثر دے دیا پس پڑھو رب کی نماز، اور پھر کرو شکر خدا
اور قربانی کرو (نام پر اس کے ادا) جو تمہارا ہے عدو بے نسل وہ رہ جائے گا (۳۶)

فاضل مترجم کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے ستاون سال کا عرصہ بیت چکا ہے مگر وہ اپنے اس عظیم المرتبت ترجمے کی وجہ سے زندہ جاوید ہو گئے ہیں۔

۴۔ ''سِحْرُ الْبَیَان'' از اثر زبیری لکھنوی:

آپ کا اصل نام مجید الدین احمد ہے اور اثر زبیری لکھنوی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا، میلانِ طبع چونکہ مذہب کی جانب زیادہ تھا اس لیے آپ نظم کی جانب متوجہ ہوئے اور حمد، نعت اور مناقبِ سلف صالحین جیسی شعری اصناف میں اپنا لوہا منوایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے متعلق ''شہید ستم'' کے نام سے ایک طویل نظم لکھی (۳۷)

قرآن مجید کے منظوم ترجمہ کا خیال آپ کو جنوری ۱۹۴۳ء میں آیا جس وقت آپ محلّہ چمن گنج کانپور میں قیام کے دوران' نمازِ مغرب کی ادائیگی کر رہے تھے، فروری ۱۹۴۸ء تک گردش حالات کی وجہ سے اس جانب کوئی عملی پیش رفت نہ ہو سکی۔ مارچ ۱۹۴۸ء کو کراچی میں قیام کے دوران اس عظیم منصوبے کا آغاز کیا۔ آپ چونکہ سرکاری ملازم تھے اس لیے کوئی زیادہ وقت نہ دے پاتے، بس رات کے چند پہر ہی اس پر صرف کر پاتے (۳۸)، چودہ سال کی مسلسل محنت کے بعد شب جمعہ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ بمطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو یہ عظیم منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچا (۳۹)۔

مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا محمد طیب علیہ الرحمۃ کے مشورہ پر اس منظوم ترجمۂ قرآن کا نام ''سحر البیان'' رکھا۔ اور مولانا مفتی محمد شفیع کی رائے پر ضرورت شعری کی وجہ سے جو زائد الفاظ ہیں ان کو واوین میں ذکر کیا۔

آپ نے ترجمہ کرتے وقت حزم واحتیاط کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔آپ اپنا مسودہ مختلف علماء کی خدمت میں لے کر جاتے رہے تا کہ کسی قسم کا سقم ہو تو اس کو دور کیا جا سکے۔مولانا عبدالماجد دریابادی سے مسلسل اصلاح کرواتے رہے۔اتنی احتیاط کے باوجود آپ اس کو منظوم ترجمہ کی بجائے ''نظم اُردو میں قرآن کریم کا سلیس اور بامحاورہ حاصلِ ترجمہ'' کہتے ہیں۔آپ کا منظوم ترجمے سے مقصود یہ تھا کہ نظم وشعر کے لوگ قرآنی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں اور حلاوتِ ایمان کو حاصل کرسکیں، اسی طرح عامۃ الناس قرآنی مطالب کو ازبر کرسکیں (۴۰)

مولانا شبیر احمد عثمانی،مولانا عبدالماجد دریابادی، قاری محمد طیب، مفتی محمد شفیع، مولانا ابو الاعلی مودودی، مولانا اعزاز علی دیوبندی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا شمس الحسن تھانوی، مولانا محمد حسین پالوا، مولانا سلیم اللہ خان اور مولانا اکرام الحق جیسی عبقری شخصیات نے نہ صرف اس منظوم ترجمہ کو سراہا بلکہ اس پر تقاریظ بھی لکھ دیں۔

یہ ترجمہ الحجاز پبلشرز فیروز والا بلڈنگ کیمبل سٹریٹ کراچی نے دو جلدوں میں شائع کیا۔ہر جلد پندرہ پندرہ پاروں کی ہے۔طباعت خوبصورت انداز میں کی گئی ہے۔سنہری اور گہری فیروزی رنگ کا حاشیہ ہر صفحہ کو مزین کیے ہوئے ہے۔ہلکے فیروزی رنگ پر قرآنی آیات اور اس کے تحت اللفظ منظوم ترجمہ ہے۔ترجمہ پر کوئی بیک گراؤنڈ نہیں دی گئی۔

اثر زبیری صاحب نے بھی اپنے پیش روشائق ایزدی کی تقلید میں آیات بینات کو شعروں کے انداز میں لکھا ہے جو کہ راقم کے نزدیک مستحسن عمل نہیں ہے۔

آپ نے آیات بینات کے ترجمہ کو شعری قالب میں ڈھالتے ہوئے جن امور کا خاص طور پر خیال رکھا ان کو مختصراً ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

☆ آپ نے اس امر کا بطور خاص خیال رکھا کہ عبارتِ نظم کو آسان لفظوں میں پیش کیا جائے اور ترتیب مطالب کے لحاظ سے اصل عبارت کا تسلسل بھی قائم رکھا جائے۔

☆ ترجمہ کو مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی سعی کی گئی ہے اور اس امر کی حتی الوسع رعایت رکھی گئی ہے کہ

جس ترتیب کے ساتھ قرآنی الفاظ سطر بالا میں مرقوم ہوں اسی ترتیب کے ساتھ اس کے تحت عبارتِ نظم میں بھی لائیں جائیں۔اس طریقہ سے یہ فائدہ ہوا کہ عبارتِ قرآنی کی تفہیم سہل ہوگئی۔

☆ بعض مقامات اس قسم کے بھی آئے ہیں جہاں بضرورت توضیحِ مطلب تشریحی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے اور بعض مواقع ایسے بھی آئے ہیں جہاں بضرورت شعری زائد الفاظ استعمال کرنا پڑے، فاضل مترجم نے ان سب کو واوین میں " " اس انداز پر لکھ دیا ہے کہ شرح و ترجمہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوسکیں۔اس احتیاط کے نتیجے میں نہ تو معنیٰ میں کوئی فرق آیا اور نہ ہی عبارت کے تسلسل میں گرہ پڑسکی۔مثال ملاحظہ ہو:

فَلَمَّا اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ (۴۱)

تو ان کو آلیا "یکبارگی" اک زلزلے نے گزارش کی "پریشان ہو کے" موسیٰ نے کہ میرے رب

☆ اُن مقدرات و مکنوناتِ قرآنی کو بھی ترجمہ میں شامل کرلیا گیا ہے جو اصل عبارت میں مذکور تو نہیں ہیں بلکہ درحقیقت مرادِ عبارت ہیں۔نظمِ ترجمہ میں ان کو شامل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ فہمِ معنیٰ میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی۔اسی طرح جہاں کہیں واوِ عطف کا تعلق پورے ماسبق جملے سے تھا اسے ترجمہ میں اس طریقے سے بیان کیا گیا ہے کہ واوِ مذکورہ کا ترجمہ اپنے پورے معطوفہ جملے کے معنیٰ کے ساتھ ساتھ نظر آتا ہے۔غرضیکہ ہر لفظ کے محلِ استعمال اور مقصدِ منطوق کو پورے طور پر مد نظر رکھا گیا ہے(۴۲)۔

☆ حفظِ مراتب اور ادب کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے، اگر عبارت میں عام شخص سے خطاب ہے تو کہہ دے یا بتادے کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے اور جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے وہاں کہہ دیجئے یا بتا دیجئے جیسے الفاظ لائے گئے ہیں۔

☆ جہاں جہاں آیت قرآنی پوری ہوگئی یا مضمون اس طور پر ختم ہوگیا کہ نظم میں طاق مصرعے رہ جاتے ہیں تو ان کو اسی صورت میں رہنے دیا گیا۔یہ طریقہ اگرچہ قواعدِ نظم کے اعتبار سے ناجائز ہے پھر

بھی ایک خاص معنوی لطف اور ایک خاص ادب واحتیاط کا حامل ہے۔ مثلاً

قٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ

قسم قرآن کی ان کو تعجب بلکہ اس پر تھا کہ ان کے پاس آیا اک ڈرانے والے ان جیسا

فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ (۴۳)

تو اہل کفر کہہ اٹھے انوکھی بات ہے یہ تو

☆ جن جن مقامات پر مترجمین میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے وہاں فاضل مترجم خاص طور پر تفحص وتحقیق سے کام لے کر اور سیاق وسباق کو مدنظر رکھ کر تفاسیر کی مدد سے منطوق آیت کو قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً:

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (۴۴)

پھر اُس کے واسطے آنے کا رستہ کر دیا آساں پھر اس کو موت دی اور پھر بنایا قبر کا مہماں

☆ ''سحر البیان'' میں عمومی طور پر لفظی ترجمہ کیا گیا ہے۔ لیکن بعض جگہ شگفتگیٔ زبان کو ملحوظ رکھتے ہوئے بامحاورہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے اور مروجہ محاوروں کو بھی استعمال کیا گیا ہے۔ بامحاورہ ترجمہ کی مثال ملاحظہ ہو:

يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ. (۴۵)

یہی ہر فرد کی خواہش ہے عمرِ نوح مل جاتی

☆ اثر زبیری مرحوم نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ ترجمہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی شان کے منافی کوئی لفظ استعمال نہ کیا جائے، اسی طرح عصمتِ انبیاء کو بھی ملحوظ رکھا ہے تاکہ منصبِ رسالت پر حرف نہ آئے۔ آپ ترجمے کرتے ہوئے اُن مشکل مقامات سے بغیر وعافیت گزر گئے ہیں جہاں بڑے بڑے مترجمین بھی صحیح معنوں میں عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ مثال ملاحظہ ہو:

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ

وہ یوں کہنے لگیں ہے ہے بھلا کیا میں ماں بنوں گی درآنحالیکہ ہوں ''از کار رفتہ یعنی'' بوڑھی میں

وَھٰـــذَا بَــعْــلِــیْ شَیْــخًــا   اِنَّ ھٰـــذَا لَشَـــیْءٌ عَــجِیْــبٌ (۴۶)

یہ شوہر ہیں جو خود بھی سن رسیدہ ہیں بہت کافی   یہ مژدہ واقعی اک بات ہے از حد تعجب کی

ضـالاً کالفظی ترجمہ بڑی احتیاط کا طالب ہے، خصوصاً جبکہ اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ سے متعلق ہو۔

وَ وَجَـــدَكَ ضَـــآلًّا   فَھَـــــــــــــــدٰی (۴۷)

اور اس نے آپ کو نامحرم "اسرار" پایا تھا   تو اس نے آپ کو رستہ دکھایا "دینِ برحق کا" (۴۸)

☆ عام طور پر تراجم کا مزاج یہ رہتا ہے کہ جملہ اسمیہ کا ترجمہ جملہ اسمیہ سے، جملہ فعلیہ کا ترجمہ جملہ فعلیہ سے کیا جاتا ہے، اسی طرح اسماء کا ترجمہ اسماء سے اور ضمائر کا ترجمہ ضمائر سے ہوتا ہے۔ اثر زبیری نے اس میں تھوڑا سا تصرف کیا ہے، آپ نے بعض مقامات پر اسماء کا ترجمہ ضمائر کے ساتھ اور ضمائر کے ضمن میں اسماء کو ظاہر کر دیا ہے۔ اس امر کا محرک معنوی ضرورت اور ترسیع کلام کا خیال تھا۔

☆ ہر سورۃ کو نئے صفحے سے شروع کرنے کا خاص طور پر التزام کیا ہے اگرچہ گذشتہ سورۃ جہاں ختم ہوئی ہے وہاں خالی جگہ ہی کیوں نہ ہو۔

اثر زبیری کا مزید نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

قُـــــلْ اَعُـــــــوْذُ   بِـرَبِّ الـنَّـاسِ مَلِكِ الـنَّـاسِ اِلٰهِ النَّاسِ

یہ کہیے مانگتا ہوں میں اماں اس "ذاتِ یزداں" کی   جو رب ہے جو مَلِک ہے جو کہ ہے معبود انساں کی

مِـنْ شَـرِّ الْـوَسْـوَاسِ الْـخَـنَّـاسِ   اَلَّـذِیْ یُـوَسْـوِسُ فِیْ صُـدُوْرِ الـنَّـاسِ

بدی سکھلا کے پیچھے ہٹنے والے کی شرارت سے   کیا کرتا ہے پیدا وسوسے جو دل میں انسان کے

مِـنَ الْـجِـنَّـةِ وَالـنَّـاسِ (۴۹)   وہ شیطاں خواہ "قوم" جن سے ہو یا نوع انساں سے

۵۔ مثنوی آب رواں از شمیم رَجز:

سید شمیم رَجز اردو کے قادر الکلام بزرگ شاعر ہیں، آپ قیام پاکستان سے قبل ضلع کانپور کے

قریب ''محمد پور'' (۵۰) نامی ایک گاؤں میں ۱۱مئی ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے، بچپن میں آپ کو آپ کی والدہ محترمہ نے قرآن مجید پڑھایا، ابتدائی تعلیم قصبہ کے پرائمری سکول میں حاصل کی، انگریزی کا آغاز بی۔این ہائی سکول اکبر پور ضلع فیض آباد سے ہوا، ایس۔آئی کالج لکھنؤ سے میٹرک امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔اسی کالج میں انٹر سائنس تک تعلیم پانے کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی میں بی۔ایس۔سی (سالِ اول) تک تعلیم حاصل کی۔

لکھنؤ کے آٹھ سالہ قیام دوران سید موصوف نے اردو کے محافظ اور اردو ادب کے مجتہد حضرت مہذب لکھنوی سے فن شاعری کی تعلیم حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد سٹی آرٹس کالج حیدر آباد سندھ میں داخلہ لے لیا اور یہاں بی۔اے آنرز تک تعلیم حاصل کی۔سندھ یونیورسٹی میں ایم۔اے اردو سال اول کے ہی طالب علم تھے کہ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کی کشش انہیں لاہور لے آئی اور یہاں سے آپ نے ایم۔اے اردو کی سند حاصل کی۔

رجز صاحب کو ابتدائی عمر میں ہی شعر وشاعری سے حد درجہ مناسبت تھی، آپ ابھی آٹھویں جماعت میں تھے کہ آپ کا ابتدائی کلام ''دریائے غم'' کے نام سے شائع ہوا۔اس کے دو سال بعد ابھی دسویں جماعت میں زیر تعلیم تھے کہ دوسرا مجموعہ ''محافظ اسلام'' کے نام سے شائع ہوا۔شعر وشاعری سے اس حد تک لگاؤ کے باوجود بھی آپ اپنی جماعت کے ہر امتحان میں اول پوزیشن حاصل کرتے۔تعلیم کی تکمیل کے بعد ریلوے سے وابستہ ہوگئے۔(۵۱) قیامِ لاہور کے دوران لاہور کے مشاعروں اور محافل مسالمہ میں شریک ہوتے اور اپنا منظوم کلام سناتے۔اب ایک طویل مدت سے امریکہ میں مقیم ہیں، مختلف موضوعات پر کوئی ایک درجن کتب لکھیں ہیں۔آپ چونکہ انجینئر نگ کے شعبہ سے وابستہ تھے اس لیے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور دو کتابیں ''فولاد پر عملِ حرارت'' اور ''فن آہن گری'' تحریر کیں جو پاکستان رائٹرز گلڈ کی وساطت سے بالترتیب اول اور دوم انعام کی مستحق قرار پائیں۔

رجز صاحب شعر وادب کی دنیا کے ایک قادر الکلام شاعر مانے جاتے ہیں اور شاعری کی ہر صنف پر طبع آزمائی کر چکے ہیں جس کا منہ بولتا ثبوت حمد، نعت، منقبت، نوحے، مرثیے، سلام اور رباعیات پر

مشتمل ایک عظیم وضخیم کتاب ''خلوص بے کراں'' ہے۔ ''میر کارواں'' کے نام سے متفق علیہ احادیث کا منظوم ترجمہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصنیف لطیف ''نہج البلاغۃ'' کا منظوم ترجمہ دو جلدوں میں بعنوان ''نقش جاوداں'' کیا، ''گلستانِ فاطمہ'' کے نام سے مرثیہ لکھا، ''نجاتِ انس وجاں'' کے عنوان سے سو منظوم دعائیں لکھیں جن میں حضرت امام زین العابدین کی ۵۶ منظوم دعائیں بھی شامل ہیں۔ ایسا پس فیلبسز (انگریزی) کا منظوم ترجمہ ''خزانہ حکمت'' کے نام سے کیا، نثر میں ''حروف کی آوازیں اور اثرات'' آپ کا ایک تحقیقی کارنامہ ہے اور ''صدائے احتجاج'' کے نام سے آپ کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ بھی موجود ہے، شرک کے خلاف بھی آپ نے ''یا اللہ مدد'' کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی۔ آج کے اس موجودہ تناظر میں امت محمدیہ میں باہمی اتفاق واتحاد سے متعلق ایک کتاب بعنوان ''شیر وشکر'' تصنیف کر رہے ہیں۔

رجز صاحب کا سب سے قابل قدر، لائق تحسین اور ناقابل فراموش کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ''آبِ رواں'' کے نام سے قرآنی مطالب ومفاہیم کو نظم کی شکل میں ڈھالا۔

رجز صاحب نے اس عظیم منصوبے کا آغاز فروری ۱۹۵۲ء میں کیا اور پہلا پارہ اگست ۱۹۵۳ء میں مکمل ہوا (۵۲)۔ ۱۹۶۰ء میں اس کا پہلا حصہ ''آبِ رواں'' کے نام سے شائع ہوا جو کہ پہلے پارہ پر مشتمل تھا۔ پھر ۱۹۶۴ء میں رائٹرز اکیڈیمی لاہور سے سیقول پارہ پر مشتمل دوسرا حصہ شائع ہوا، اس کا تیسرا حصہ جو کہ تلک الرسل پر مشتمل تھا غالباً ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔ چودہ برس کی مسلسل محنت سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۰۵ء میں یہ مکمل تیس پاروں کی تفسیر اظہار القرآن ۱۹- اردو بازار لاہور نے شائع کی، اس سے قبل جو ساٹھ کی دہائی میں تین حصوں میں تین پاروں کی تفسیر شائع ہوئی تھی اس میں ایک صفحہ پر قرآن مجید کا عربی متن، اس کے نیچے مولانا شاہ رفیع الدین کا ترجمہ اور اس کے مقابل صفحہ میں آیات بینات کا منظوم مفہوم دیا گیا تھا اور یہ زبان حال سے بتا رہا تھا کہ قرآن مجید کا منظوم ترجمہ انتہائی مشکل اور حزم واحتیاط کا متقاضی ہے اور چھوٹی سے لغزش بھی بجائے

اجر وثواب کے سزا کا موجب بن سکتی ہے۔ اس بات کا ادراک رجز صاحب کو بخوبی تھا، اس لیے انہوں نے ''منظوم ترجمہ'' کا لفظ لکھنے کی بجائے ''منظوم مطالب ومفاہیم'' لکھا اور اس بات کا کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ یہ منظوم ترجمہ ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

''اشعار میں قرآن کے مطالب ومفاہیم نظم کیے ہیں، البتہ کوشش یہ رہتی ہے کہ آیات کا ترجمہ نظم کروں'' (۵۳)

اس موجودہ اشاعت میں غالباً طوالت کے خوف سے شاہ رفیع الدین کا ترجمہ شامل نہیں ہے۔

رجز صاحب کے مخاطب خواص کی بجائے چونکہ عوام ہیں، اس لیے آپ نے شاعری کی صنف ''مثنوی'' کا انتخاب کیا اور جب یہ مکمل ترجمہ شائع ہوا تو اس کا نام ''مثنوی آب رواں'' رکھ دیا گیا۔ ''مثنوی آبِ رواں'' کی طباعت تین رنگوں میں کی گئی ہے۔ گہرے سبز رنگ کا حاشیہ صفحے کو مزین کرتا ہے اور ہلکے سبز رنگ کے کالم میں قرآنی آیت اور اس کے مقابل سفید کالم میں متعلقہ آیت کی منظوم ترجمانی درج ہے۔ آخر میں فہرست ہے اور یہ کل ۶۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ آخر میں بغیر نمبروں کے چار صفحات پر اہل علم حضرات کے تبصرے ہیں اور یہ تبصرے اس کی اس تازہ اشاعت پر نہیں ہیں جو مکمل صورت میں شائع ہوئی ہے بلکہ یہ ساٹھ کی دہائی میں شائع ہونے والے تین حصوں پر ہیں، اسی وجہ سے ان کو ایک الگ سے تعارفی بروشر چھاپنا پڑا جس میں سابقہ تبصروں کے ساتھ نئی اشاعت پر تبصرے بھی شامل ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سید ابوالحسنات، مولانا احتشام الحق تھانوی، جناب اختر عباس مجتہد، ڈاکٹر سید ناظر حسن زیدی، حافظ نذر احمد (پرنسپل شبلی کالج لاہور) پنجابی شاعر صدیق باغبانپوری، ڈاکٹر محمد حسین جعفری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر محمد حسن رضوی، پروفیسر ڈاکٹر عبد الرشید (ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ کراچی)، ڈاکٹر ہلال نقوی، ڈاکٹر عظیم امروہی، مولانا حافظ مشتاق احمد، ڈاکٹر انور سدید، ناصر زیدی، اسرار زیدی، ڈاکٹر سید معراج نیر، ڈاکٹر سلیم اختر، پروفیسر صدیق کلیم، مفتی عزیز الرحمٰن دانش، رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی اور دیگر اہل علم وفن نے منظوم ترجمے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے اور اس پر دل نشین تبصرے لکھ کر اس کو سراہا ہے۔

''آبِ رواں'' میں قرآن مجید کے مطالب ومفاہیم کو انتہائی سلیس، شیریں اور دلنشیں انداز میں شعری جامہ پہنایا گیا ہے کہ یہ معانی ومفاہیم قاری کے دل میں اترتے جاتے ہیں اور قاری یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ کنول کے پھول کی طرح ''آبِ رواں'' پر تیرتا رہا ہے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔ جناب شیم رجز صاحب سورۃ الاخلاص کے معنیٰ ومفہوم کو کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں:

کہو تم خدا ایک ہے بالیقیں کسی کا وہ محتاج ہرگز نہیں
نہ اس نے کسی کو تولّد کیا نہ وہ خود کسی شے سے پیدا ہوا
دو عالم پر رکھتا ہے وہ برتری کسی کو نہیں جرأت ہمسری

آخر میں راقم کی یہ رائے کہ قرآنی آیات کے ساتھ اگر نثر میں کوئی سلیس اور عام فہم ترجمہ شامل کردیا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔

۶۔ ''فرقانِ جاوید'' از عبدالعزیز خالد:

عبدالعزیز خالد کا شمار لاہور کے بزرگ شعراء میں ہوتا ہے، آپ کی عربی پر گرفت بھی کافی مضبوط ہے۔ آپ کے کوئی ایک درجن سے زائد مطبوعہ شعری مجموعے ہیں، جن میں نعتوں کا مجموعہ ''ماذ ماذ''، حمطایا'' اور عبدہ اور ان کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منظوم تذکرہ ''ثانی لا ثانی''، ''سراب ساحل'' (شاعری)، ''سلومی'' (منظوم ڈرامے)، غزل الغزلات''، ''شعلہ چنار''، ''پرواز عقاب''، ''خروش خم''، ''زرداغِ دل'' اور ''طاب طاب'' قابل ذکر ہیں۔

آپ نے قرآن پاک کا منظوم اردو ترجمہ ''فرقانِ جاوید'' کے نام سے کیا۔ یہ ترجمہ آزاد نظم کی ہیئت میں کیا گیا ہے جس میں ردیف اور قافیہ کی کوئی پابندی نہیں ہوتی، ہر مصرع مترنم ہے۔ جناب عزیز خالد صاحب نظم میں آسان سے آسان الفاظ لائے ہیں جنہیں سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آتی۔

''فرقانِ جاوید'' پہلی مرتبہ مقبول اکیڈیمی لاہور سے اگست ۱۹۸۸ء میں چھپا اور سال بعد ہی اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔ یہ بڑے سائز کے ۱۰۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

''فرقان جاوید'' میں ہر صفحے کے دو کالم بنائے گئے ہیں۔ ایک کالم میں قرآن کی آیات اور دوسرے کالم میں منظوم ترجمہ۔ ''عرض مترجم'' کے عنوان سے مقدمہ بھی منظوم ہے۔

اس مذکورہ ترجمہ میں اس بات کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر سورت نئے صفحے سے شروع ہو اگرچہ گذشتہ سورت جہاں ختم ہوئی ہے وہاں خالی صفحہ ہی کیوں نہ بچا ہوا ہو۔ آیات کے نمبر عربی متن کی بجائے منظوم ترجمہ میں ہیں، اگر عربی متن میں بھی ہوتے تو زیادہ مناسب تھا۔

فٹ نوٹ میں میں مختصر تشریح وتفسیر بھی دی گئی ہے۔ بالخصوص جب کسی سورت کا آغاز ہوتا ہے تو جناب عزیز خالد اس سورت کے دیگر نام کیا ہیں ان کا تذکرہ کرتے ہیں، مثلاً آپ نے سورۂ فاتحہ کے ۲۵ نام گنوائے ہیں۔ سورۃ الطلاق جب شروع ہوتی ہے تو فٹ نوٹ میں بتلایا کہ اس سورت کا ایک اور نام سورۃ النساء القصریٰ بھی ہے (۵۴)۔

جناب عزیز خالد نے منظوم ترجمہ میں اس بات کا بھی اہتمام کیا ہے کہ اگر کسی لفظ یا فقرے کی جگہ کوئی دوسرا لفظ یا فقرہ بھی استعمال ہوسکتا ہے تو اس کو بھی فٹ نوٹ میں ذکر کر دیا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَلَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. ﴾(۵۵)

کہا اُس نے پروردگارا! کِیا میں نے تحقیق ظلم

اپنی جاں پر سو تُو بخش مجھ کو۔

سو اللہ نے اُس کو بخشا

وہ تحقیق بخشندہ ومہرباں ہے

۷۔ ''وجدانِ سلیم'' از میرزا خادم ہوشیار پوری:

میرزا خادم ہوشیار پوری قیام پاکستان سے قبل بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے اوائل میں ضلع انبالہ کے کسی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ضلع انبالہ سے ہجرت کر کے خان پور ضلع جہلم میں مستقل رہائش پذیر ہو گئے۔ آپ کو زرعی اراضی ''بھوماں باٹھ'' میں الاٹ ہوئی۔ اس لیے ضلع

گوجرانوالہ بھی آپ کا ایک لحاظ سے وطن بن گیا۔

پیشۂ زراعت سے منسلک تھے، تعلیم بی۔اے تھی، انگریزی، فارسی، عربی، اردو، پنجابی، ہندی اور سنسکرت پر عبور تھا۔ عاجزی وانکساری آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی ۔ ہمیشہ سادہ لباس پہنتے ہر چند کہ دیہاتی معلوم ہوتے تھے۔ آپ کو علم عروض میں کامل دستگاہ تھی۔ آپ شاعر بھی تھے اور نقاد بھی۔ ''ماہنامہ پندرہویں صدی گوجرانوالہ'' کے مدیر مسئول تھے۔

۵۲-۱۹۵۱ء میں بس آپ سے سورۂ فاتحہ کا منظوم ترجمہ لکھا گیا۔ اس وقت آپ کا ارادہ مکمل قرآن مجید کے ترجمہ کرنے کا بالکل نہ تھا۔ اساتذۂ پنجاب کے ترجمان ''بانگ درا'' لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں چھپا تو اس کو اتنی پذیرائی ملی کہ پنجاب کے اکثر و بیشتر اداروں میں بطور دعا پڑھا جانے لگا۔ یہ ترجمہ آپ نے بحر ہزج کی مترنم بحر میں لکھا۔ پھر سورۂ بقرہ کی ابتدائی چند آیات کا ترجمہ ہوا۔ اس کے بعد درمیان میں کوئی تیس بتیس سال کا طویل انقطاع آ گیا۔ ۱۹۸۴ء میں آپ نے اس کا دوبارہ آغاز کیا اور ابتداء کے لیے ۲۷ رمضان المبارک کی شب کا انتخاب کیا اور شب قدر کی مناسبت سے سورۃ القدر کی ترجمانی نظم میں کی۔

اگلے سال رمضان المبارک تک اوّل پارہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ اوّل پارہ کی اشاعت جس وقت ۱۹۸۸ء میں ہوئی اُس وقت تک چھ پاروں کی منظوم ترجمانی ہو چکی تھی۔ ۱۴ ربیع الاوّل ۱۴۱۲ھ کو قرآن مجید کی یہ منظوم ترجمانی اپنی تکمیل کو پہنچی۔ (۵۶)

ماہنامہ پندرہویں صدی گوجرانوالہ کے شورائی نمبر میں آپ کی سورۂ یٰسین کی منظوم ترجمانی شائع ہوئی۔ اس کی مکمل اور باقاعدہ اشاعت تین جلدوں میں ۱۳-۱۴۱۲ھ میں ہوئی۔ ہر جلد دس پاروں پر مشتمل ہے اور کل صفحات ۱۲۸۷ ہیں۔ اس کی اشاعت کا اہتمام دارالاشاعت ادارۂ تنظیم مساجد گوجرانوالہ نے کیا۔

آپ نے مثنوی کے مخصوص اوزان استعمال کرنے کی بجائے بحر ہزج سالم کو ترجمانی قرآن کے لیے منتخب کیا۔

قرآن فہمی میں آسانی کے لیے یہ ترتیب رکھی گئی کہ دائیں صفحے پر پہلے ہر آیت کے ہر لفظ کے نیچے لفظی ترجمہ اور اس کے نیچے بامحاورہ ترجمہ دیا گیا ہے جو کہ حافظ نذر احمد (مسلم اکادمی، محمد نگر لاہور) کے مطبوعہ ''آسان ترجمۂ قرآنِ کریم'' سے لیا گیا ہے۔ متن کے مقابل بائیں صفحے پر منظوم ترجمانی ہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو: آپ نے سورۃ الکافرون کی منظوم ترجمانی اس انداز سے کی ہے:

کہو اے کافرو سُن لو! عبادت جن کی کرتے ہو
وہ جن کے سامنے جھکتے، جبینِ عجز دھرتے ہو
تمہارے ایسے معبودوں کی پوجا میں نہیں کرتا
یہ ہیں معبود باطل، ان کی پرواؔ میں نہیں کرتا
نہ تم معبود کی میرے، عبادت کرنے والے ہو
محبت کا نہ دم اُس کی، کبھی تم بھرنے والے ہو
عبادت جن کی کرتے ہو، عبادت کر نہیں سکتا
ربوبیت کا میں ان کی کبھی دم بھر نہیں سکتا
جو ہے معبود میرا، تم عبادت کر نہیں سکتے
کبھی چوکھٹ پر اُس کی، تم سر اپنا دھر نہیں سکتے
تمہاری راہ سے بے شک جدا ہے راستہ میرا
تمہارے سینکڑوں، ربّ دو عالم خدا ہے میرا

۸۔ ''مفہوم القرآن'' از عطاء قاضی:

قاضی عطاء اللہ عطاء پسروری ۱۹۳۴ء میں پسرور کے ایک مشہور تاجر قاضی ظہور اللہ المعروف میاں ظہوری کے ہاں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں گورنمنٹ ہائی سکول پسرور سے میٹرک کیا۔ اس دوران آپ کا ادب سے لگاؤ پیدا ہوگیا، چونکہ اُس وقت سکول کے اساتذہ میں مسلم الثبوت شعراء تھے، طلبہ کی اکثریت میں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۹۴۶ء میں منشی فاضل کیا۔ منشی فاضل کے بعد آرٹس میں ڈپلومہ

کیا۔عملی زندگی کا آغاز ۱۹۵۶ء میں چیف آرٹسٹ کی حیثیت سے لالہ موسیٰ میں ملازمت سے کیا۔ سرکاری ملازمت کے دوران ادبی سرگرمیاں بالکل ختم ہو کر رہ گئیں۔۱۹۸۲ء میں ویلیج اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ گجرات سے بطور چیف آرٹسٹ ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آغا وفا ابدالی سے آپ کی جان پہچان ہوئی، جب آغا صاحب سے آپ کا تعلق بڑھا تو آپ کے اندر سویا ہوا شاعر پھر سے بیدار ہو گیا اور شعر لکھے اور کہے جانے لگے۔

پسرور میں ''ادبی سبھا'' کی بنیاد رکھی، جس کے تحت مشاعروں اور ادبی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے، اب یہ اشاعتی ادارہ بھی بن چکا ہے۔

بنیادی طور پر آپ کی شناخت ،نعت گو شاعر اور آرٹسٹ کے حوالے سے ہے۔فن کتابت میں بھی مہارت رکھتے ہیں اور اپنی کتب کی کتابت خود کرتے ہیں۔

آپ کی کوئی درجن کے قریب مطبوعہ کتب دستیاب ہیں ۔جن میں حمد ونعت پر مبنی مجموعۂ کلام ''ناز سخن''،غزلیات پر ''نیاز سخن''، پھر غزلیات میں قطعات و رباعیات کی شمولیت سے ''ساز سخن''،قرآن مجید کی توحیدی آیات کے منظوم مفہوم پر ''اعجاز سخن''،سورۂ بقرہ کا منظوم ترجمہ ''فراز سخن''، عمّ پارے کا ترجمہ ''رازِ سخن''، گیارہویں پارے کا ترجمہ ''امتیازِ سخن''، اور سورۂ آل عمران کا ترجمہ ''اعزازِ سخن'' کے نام سے کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے قرآنی دعاؤں کا مفہوم بھی نظم کیا اور پسرور کے شعراء کے تعارف پر مبنی ''شعرائے پسرور'' تصنیف کی۔آغا وفا ابدالی مرحوم کے مجموعہ ہائے کلام کو ''غبارِ دل''، ''شرارِ دل'' اور ''بہارِ دل'' کے نام سے مرتب کیا۔

آپ نے شاعری میں باقاعدہ کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی۔ ایک دن قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرنے کا خیال پیدا ہوا مگر ڈر تھا کہ کہیں غلطی نہ کر بیٹھیں۔مولانا رشید احمد پسروری کی حوصلہ افزائی سے اللہ کا نام لے کر منظوم ترجمے کا سلسلہ شروع کر دیا۔سب سے پہلے قرآنی دعاؤں کا ترجمہ، پھر توحیدی آیات کا منظوم ترجمہ، پھر سورۂ بقرہ، پھر تیسواں پارہ، اس کے بعد گیارہواں پارہ، اس کے بعد سورۂ آل عمران ، پھر نساء اور مائدہ کا منظوم ترجمہ کیا جو الگ الگ بھی مطبوع ہیں۔ دو سال اور چند ماہ کے

قلیل عرصہ میں پورے قرآن مجید کے مفہوم کی منظوم ترجمانی ''مفہوم القرآن'' کے نام سے مکمل کی۔

بیک وقت آپ نے خلقِ خدا کی تین خدمات انجام دی ہیں۔ قرآن مجید کے متن کی طباعت، اس کا سلیس اردو نثری ترجمہ اور اس کا منظوم مفہوم۔ منثور ترجمہ میں آپ کے پیش نظر تفہیم القرآن، بیان القرآن، معارف القرآن، کنز الایمان اور مولانا فتح محمد جالندھری کا ترجمہ تھا۔ آپ نے ان تراجم سے مدد لی اور ان میں سے جو بھلا لگا لے لیا۔

آپ نے شکوہ جواب شکوہ کی زمین میں مسدّس، قطعہ اور رباعی کے لباس میں سلیس منظوم مفہوم سے ایک انفرادیت قائم کی ہے، اکثر بند مسدس کی طرح چھ مصرعوں پر مشتمل ہیں۔

آپ کی اس تصنیف لطیف کو علماء و اسکالرز نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور تقاریظ و تبصرے لکھ کر دادِ تحسین دی ہے۔ جن حضرات نے تقاریظ لکھی ہیں وہ یہ ہیں: پروفیسر ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری، ڈاکٹر قاضی مقبول الہی، پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر، ڈاکٹر خورشید رضوی، ڈاکٹر ممتاز احمد سالک، مولانا ابو عمار زاہد الراشدی، ڈاکٹر بابر بیگ مطالی، ضیاء الہاشمی پسروری، نذیر حق، ڈاکٹر انور سدید، اختر چشتی پسروری، رانا محمد شفیق خاں پسروری، ڈاکٹر عادل صدیق، بشیر احمد وسیر، گوہر ملسیانی اور شمس الدین عاکف وسیر وغیرہم (۵۷)۔

''ادبی سبھا'' نے ''مفہوم القرآن'' کو تین جلدوں میں شائع کیا۔ جلد اوّل سورۂ فاتحہ سے توبہ تک، دوم یونس سے فاطر تک اور سوم یٰسین سے الناس تک ہے۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

﴿ وَ وَجَدَ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ فَوَفّٰهُ حِسَابَهٗ وَ اللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴾ (۵۸)

سو وہ اللہ کے سوا پاتا نہیں پاس کوئی
سو خدا دیتا ہے اس شخص کو پورا پورا
جو بھی کچھ اس کے تھا اعمال میں تحریر ہوا
وہ حسابات کو تیزی سے ہے کرنے والا (۵۹)

۹۔ منظوم القرآن از انجم عرفانی:

مصنفِ منظوم القرآن کا نام بدرالدین احمد خاں اور تخلص انجم عرفانی ہے، آپ حافظ علاء الدین احمد خاں کے ہاں ۹/دسمبر ۱۹۳۷ء کو گورکھپور (اترپردیش، ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی خاصے مذہبی تھے، اس لیے آپ کو بچپن ہی سے مذہب سے لگاؤ پیدا ہو گیا۔ آپ ایم۔ ایل۔ کے کالج بلرام پور (یو پی) میں شعبۂ اردو میں بطور ریڈر فرائض سرانجام دیتے رہے اور ۳۰/جون ۱۹۹۹ء کو ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔

آپ کے والدِ گرامی مرحوم کی شدید خواہش تھی کہ آپ قرآن مجید کی کوئی خدمت سرانجام دیں، چنانچہ اس خواہش کی تکمیل میں نومبر ۱۹۹۹ء میں قرآن مجید کا منظوم ترجمہ آزاد نظم میں کرنے کا ارادہ کیا اور تیسویں پارے کا ترجمہ کر ڈالا، دوستوں نے اسے پسندیدگی سے نوازا اور مکمل ترجمۂ قرآن کرنے پر اصرار کیا۔ آخر کار ۵/جولائی ۲۰۰۲ء کو دو سال اور آٹھ ماہ کی مسلسل محنتِ شاقہ سے یہ منظوم لفظی ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ترجمہ کرتے وقت سید ابو الاعلیٰ مودودی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تراجمِ قرآنی مصنف کے پیش نظر تھے، سب سے زیادہ استفادہ آپ نے ''قرآن مجید کی عربی اردو لغت'' مرتبہ ڈاکٹر محمد میاں صدیقی سے کیا۔ آپ کا طریقۂ تالیف یہ تھا کہ سب سے پہلے قرآن مجید کے مشکل الفاظ کو ایک ڈائری میں لکھ لیتے، پھر اس لغت کی مدد سے آیاتِ قرآنی کو شعری جامہ پہناتے (۶۰)۔

مصنفِ گرامی نے خود ہی اس کی طباعت کا اہتمام کیا، ۳۰واں، ۲۹واں، ۲۸واں، ۲۷واں اور ۲۶واں پارہ الگ الگ ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۱ء میں بلرام پور سے طبع کرائے۔ ان میں ہر صفحے میں دو کالم بنائے گئے ہیں، ایک کالم میں قرآنی متن اور دوسرے کالم میں اس کا منظوم لفظی ترجمہ ہے۔ جناب انجم عرفانی نے مقدور بھر کوشش کی یہ ترجمہ لفظی ہو اور اس میں کسی قسم کی کمی ہو نہ بیشی۔

بڑھتی ہوئی مہنگائی کے سبب مصنف نے قرآنی متن کے بغیر مکمل ترجمۂ قرآن پانچ جلدوں میں کتابت کی بجائے کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ شائع کیا، پارہ الم تا تلک الرسل پر مشتمل جلد اول ۲۰۰۴ء

میں بلرام پور سے، جلد دوم پارہ لن تنالوا تا ولو اننا مارچ ۲۰۰۵ء میں، جلد سوم پارہ قال الملأ تا سبحان الذی جولائی ۲۰۰۵ء میں، جلد چہارم پارہ ۱۶ تا ۲۵ فروری ۲۰۰۶ء میں اور آخری جلد پارہ نمبر ۲۶ تا ۳۰، اکتوبر ۲۰۰۶ء میں لکھنؤ سے طبع ہوئی۔ آخری پانچ پاروں کا ترجمہ جو اوّلاً الگ الگ قرآنی متن کے ساتھ شائع ہوا تھا اس میں بھی اور جو پانچ جلدوں میں قرآنی متن کے بغیر طبع ہوا ہے اس میں بھی ترجمہ میں آیات کے نمبر لگائے گئے ہیں تاکہ قاری کو مطلوبہ آیات کے ترجمہ کی تلاش میں سہولت ہو۔ نمونہ کے طور پر سورۂ قدر کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

۱: حق یہ ہے کہ نازل کیا قرآن شبِ قدر میں ہم نے۔

۲: کیا جانتے ہیں آپ شب قدر کی وقعت۔

۳: اس قدر کی اک شب کی عبادت، ہزار مہینوں کی عبادت سے ہے بڑھ کر۔

۴: اس رات اترتے ہیں زمیں پر، جبرئیل فرشتوں کے جلوں میں، اجازت سے وہ رَب کے، اور ساتھ لیے آتے ہیں احکام بھی رب کے، یہ شب تو سراپا ہے خود ہی رحمت و برکت۔

۵: اور صبح تلک رہتی ہے اس کی یہی حالت۔(۶۱)

۱۰۔ ''مفاہیم القرآن'' از ڈاکٹر احمد حسین احمد قریشی قلعہ داری:

پروفیسر ڈاکٹر احمد حسین احمد قریشی قلعہ داری گجرات کے مشہور عالمِ دین علامۂ زمان مولانا مولوی محمد عبدالکریم قریشی قلعہ داری مرحوم کے فرزند ہیں، یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر احمد حسن کو ابتدائی عمر سے ہی دین کے ساتھ شغف پیدا ہوگیا۔ آپ نے ۱۹۷۲ء میں فارسی نظم میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک ''حیاتِ جاوداں'' کے نام سے لکھی۔ قرآن مجید کے مطالب مفاہیم کو نظم میں پرونے کا آغاز ۱۹۵۴ء میں کیا، ابھی صرف چار یا پانچ پاروں کے مفاہیم کو نظم کی شکل یہ دے پائے تھے کہ ''فترۃ'' کا زمانہ آگیا، پھر ایک طویل انقطاع کے بعد ۱۹۸۵ء میں اس سلسلہ کو دوبارہ شروع کیا اور صرف چار پانچ ماہ کی مساعیٔ جمیلہ سے یہ عظیم المرتبت کام ۲۷ر رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/ ۱۶ر جون ۱۹۸۵ء کو بوقت عشاء اپنی تکمیل کو پہنچا(۶۲)۔

ڈاکٹر احمد حسن قریشی کو اس بات کا بخوبی ادراک ہے کہ کلام الٰہی کا ترجمہ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرنے کی بجائے اس کے مطالب ومفاہیم کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ ''ضروری انتباہ'' کے عنوان کے تحت آپ خود رقم طراز ہیں:

''مثنوی ہذا مفاہیم القرآن کی ظاہری صورت قرآن مجید کے منظوم ترجمہ کی سی ہے، لیکن حقیقت میں یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں ہے، اس پر ہرگز ترجمہ کا التزام نہ کیا جائے۔ میں نے صرف قرآن مجید کے مفاہیم اور مطالب اپنی بساط کے مطابق نہایت سادہ انداز میں بیان کیے ہیں کہ قارئین اس سے استفادہ کرسکیں اور اس پر عمل پیرا ہوکر سعادتِ دارین کی دولت حاصل کرسکیں۔ یہ میری طرف سے پھر گزارش ہے یہ مثنوی قرآن مجید کا ترجمہ نہیں صرف مفاہیم ومطالب کا مجموعہ ہے''(٦٣)۔

مصنف ہی کے زیرِ اہتمام رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء میں ادارۂ اشاعۃ ''القرشیہ'' قلعہ دار ضلع گجرات سے بطع ہوکر یہ منظوم مطالب ومفاہیم منظر عام پر آئے۔ ابتداء میں حمد ونعت کے بعد ''عرض حال'' کے عنوان سے ایک طویل نظم ہے جس میں قلعہ داری صاحب کے خاندان کے اکابر اور ان کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ ہے۔ یہ منظوم مفایم ومطالب دو جلدوں میں ہیں اور ہر جلد پندرہ پاروں پر مشتمل ہے۔

اس کی طباعت میں ایک سقم یہ درآیا کہ متعدد مقامات پر شعری مفہوم پہلے درج ہوگیا اور قرآنی متن اس اگلے صفحے پر۔ ڈاکٹر صاحب اس کی وضاحت کچھ اس طرح سے کرتے ہیں:

''میں نے مثنوی ہذا مفاہیم القرآن کے ساتھ متنِ قرآن مجید بحکم سرکار والا وبغرض حوالہ ومطالب شامل کردیا ہے۔ آیاتِ قرآن مجید اور اشعار مفاہیم القرآن پر نمبر درج کردیے ہیں تاکہ حوالہ کی تلاش میں آسانی رہے۔ افسوس صرف اس قدر ہے قرآن مجید کی آیات اور مفاہیم ومطالب کے اشعار باوجود صفحات کے آمنے سامنے ہونے کے آمنے سامنے نہیں آسکے۔ یہ کوتاہی اس لیے سرزد ہوئی کہ قرآن مجید کی فصیح وبلیغ زبان کے الفاظ تھوڑے ہیں

اور مفاہیم ومطالب سمندروں کی موجوں سے زیادہ ہوتے ہیں جن کو دنیا کی کوئی زبان کما حقہٗ بیان نہیں کرسکتی۔ اردو زبان اور منظوم بیان میں مفاہیم کے الفاظ زیادہ ہیں اور قرآن مجید کے الفاظ کوزے میں دریا نہیں سمندر بند ہیں۔ اس کوتاہی کا واقع ہونا ضروری اور مجبوری ہے، دوسرے یہ کہ کمپیوٹر کی کمپوزنگ بھی معذورنظر آئی'' (۶۴)۔

نمونہ کے لیے سورۃ الضحیٰ کے مفاہیم ومطالب ملاحظہ ہوں:

قسم ہے روز روشن کی سنائی ۱ قسم شب کی سکوں بن کر جو آئی ۲
تجھے اللہ نے ہرگز ہے نہ چھوڑا نہ ہو ناراض منہ تجھ سے ہے موڑا ۳
تمہارے واسطے ہاں بعد کا دور یقیناً پہلے سے بہتر ہے ہر طور ۴
تو خوش ہوجائے گا جلدی جب اللہ تجھے ہر طرح کی نعمت وہ دے گا ۵
یتیم اُس نے تجھے پایا یہ جانا مہیا کردیا تجھ کو ٹھکانا ۶
تجھے جب شوق میں اللہ نے پایا تجھے اس نے عیاں رستہ دکھایا ۷
تجھے اللہ نے تھا نادار پایا تجھے اس نے غنی ہاں کردیا تھا ۸
لٰہذا تم یتیموں کو نہ جھڑکو ۹ نہ سائل سے کبھی سختی سے بولو ۱۰
خدا کی نعمتوں کا ذکر ہر دم کرو ہر وقت میں ہر طور میں تم ۱۱ (۶۵)

۱۱۔ ''نظم القرآن'' از محمد امین میاں:

محمد امین میاں کا تعلق جڑانوالہ فیصل آباد سے ہے، آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی (کیمسٹری) کی ڈگری حاصل کی۔ قرآن مجید وفرقانِ حمید کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوکر ''نظم القرآن'' کے نام سے قرآن مجید کا مکمل آزاد نظم میں اردو ترجمہ ہے اور حال ہی میں رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ میں طبع ہوکر منصۂ شہود پر آیا ہے۔ ہر صفحہ پر دو کالم بنائے گئے ہیں، ایک کالم میں قرآنی متن اور اس کے مقابل کالم میں منظوم ترجمہ، آیات اور ترجمہ ہر دو جانب میں نمبر لگائے گئے ہیں۔ مصنف نے خود ہی اس کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ کمپوزنگ سے لے کر طباعت کے تمام مراحل تک ہر کام کو

انتہائی سلیقہ مندی سے سرانجام دیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اس کی طباعت کا اہتمام کسی ماہر اور تجربہ کار پبلشر نے کیا ہو مگر بقول مصنف یہ ان کا پہلا تجربہ ہے۔ نفیس کاغذ سے اس کا صوری حسن دوگنا ہوگیا ہے۔ معنوی لحاظ سے کس قدر مزین ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے سورۂ نصر کی منظوم ترجمانی ملاحظہ ہو:

اللہ کے نام سے جو ہے رحیم ومہرباں سراسر
جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے ادھرا
اور آپ دیکھیں اللہ کے دین میں آتے بشر
جوق در جوق، لشکروں کے لشکر۲
تو حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کر
اور اس سے بخشش کی التجا کر
تحقیق وہ کرنے والا ہے درگزر۳ (۶۶)

غیر مطبوعہ مکمل تراجم:

۱۲۔ ''منظوم قرآنی مفہوم'' از قاری محمد ابراہیم:

حافظ قاری محمد ابراہیم خلف الرشید حاجی مہتاب الدین امرتسری (۱۰ اگست ۱۸۹۶-۲۷ فروری ۱۹۹۲ء) کا تعلق بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ سے تھا، آپ کوئٹہ کی علمی وادبی محفلوں میں ایک خاص مقام رکھتے تھے، کم وبیش سبھی اصناف میں شعر کہتے تھے اور خوب کہتے تھے، شاعری میں آپ سید ظفر ہاشمی (۶۷) سے اصلاح لیتے تھے، قاری ابراہیم کو تاریخ گوئی میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا، آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے معانی ومفاہیم کو اشعار کے قالب میں ڈھالا، قرآن مجید کا ترجمہ چونکہ انتہائی حزم واحتیاط کا متقاضی ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہوتی، اس لیے فاضل مؤلف نے منظوم ترجمہ کی بجائے قرآنی مفہوم کو نظم کیا ہے اور اس کا نام ''منظوم قرآنی مفہوم'' رکھا ہے، یہ تقریباً بیس ہزار اشعار پر مشتمل مکمل قرآن مجید کی تفسیر ہے جس کو حافظ صاحب نے دس برس کی محنت شاقہ کے بعد ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۷ء میں مکمل کیا (۶۸)، فاضل مؤلف کو اس دنیا سے

رخصت ہوئے تقریباً سولہ سال کا عرصہ بیت گیا ہے مگر تا حال یہ تفسیر طبع نہیں ہو سکی۔ نمونے کے طور پر سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ و مفہوم ملاحظہ ہو:

یہی ہے نکتہ آغاز اس کا کھلے سب پر کہ جو ہے راز اس کا
یہ جب تکمیل تک پہنچے تو ہر راہ کہیں بے ساختہ الحمد للہ
ستائش ہے اس کی اس کے لائق کہ موجودات کا ہے جو کہ خالق
وہ ہر دل نے جسے اپنا لیا ہے اسی کے واسطے حمد و ثنا ہے
وہ جو روزی رساں دل کے قریں ہے بہر عنوان وہ رب العالمین ہے
اسی رحمان کا ہے لطف ہر آن رحیمی جس کی ہے نمایاں ہر آن
اطاعت کے لیے ہے ایک آقا سوائے اس کے ہے جو بت سراپا
مٹایا جور و استبداد جس نے یہ بندے کر دیئے آزاد جس نے
اب اپنے سامنے آئین بھی ہے نگہ میں جس سے یوم الدین بھی ہے
اسی دستور کا اعلان ہے یہ کہ جس سے وحدت و ایقان ہے یہ
یہی ہے نعبد کا اصل حاصل بنیں ہم عبد اس کے اور کامل
خدایا جب چلیں بہر سفر ہم نہ ہو کوئی مؤخر اور نہ اقدم
قدم راہِ ہدایت پر اٹھائیں بہر آں استقامت اس سے پائیں
اعانت ہے تیری مطلوب ہم کو کہ تیری راہ ہے محبوب ہم کو
تیری امداد پر ہم کو یقین ہے کہ جب تو ہی ہمارا نستعین ہے
جو انعمت علیھم کا ہے مقصود نگاہوں کو وہی منزل ہے محمود
رہے اب سامنے حق کی گواہی ہمیں توفیق دے تو یا الٰہی
بھٹک جائیں نہ ہم اس راستے سے چلیں ہر گام تیرے واسطے سے
نہیں مغضوب اسے بننا گوارا ہمیشہ جس کو ہو تیرا سہارا

بنے ہیں حامل آئین جب ہم — تو پھر کیوں ہوں ولا الضالین اب ہم
رہیں گے اس امانت کے امین ہم — یہ وعدہ کر رہے ہیں بالیقین ہم
کہیں آمین مل کر اہل ایمان — کہ سر آنکھوں پر رکھیں گے قرآن(٦٩)

۱۳۔ ''ترجمانِ قرآن'' از قاضی محمد ایوب نادم:

آپ کا نام قاضی محمد ایوب اور تخلص نادم رکھتے ہیں۔ آپ ۵/جولائی ۱۹۳۶ء کو امرتسر (ہندوستان) میں پیدا ہوئے، آپ نے میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول چونیاں، جے۔وی نارمل سکول قصور، ایس۔وی ٹیچر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ گکھڑ (گوجرانوالہ) سے کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ملازمت کا آغاز میونسپل کمیٹی چونیاں سے کیا، پھر پرائمری سکول نمبرا چونیاں، گورنمنٹ ہائی سکول بھوپے وال چک نمبر ۲۳ پتوکی، گورنمنٹ ہائی سکول رائے ونڈ اور گورنمنٹ ہائی سکول باغبانپورہ لاہور (۱۹۷۹-۱۹۹۶ء) میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جنوری ۱۹۹۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔

شاعری کا شوق آپ کو تب سے شروع ہوا جب آپ نویں جماعت کے طالب علم تھے، اس زمانہ میں سکولوں میں باقاعدہ بزمِ ادب کا اہتمام ہوتا تھا اور اساتذہ طلبہ کے اندر مخفی صلاحیتوں کو بھانپتے ہوئے ان صلاحیتوں کے اظہار اور پھر نکھار میں طلبہ کی ہر ممکن مدد کرتے تھے، کچھ اس طرح جناب قاضی محمد ایوب نادم کے ساتھ بھی ہوا۔ آپ نے ۵۴-۱۹۵۳ء میں بزم ادب میں اپنی لکھی ہوئی نعت سنائی۔ آپ نے حسن و جمال اور زلف ورخسار کو موضوعِ سخن بنانے کی بجائے فکر قرآن اور ذکر صاحبِ قرآن کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا، جس سے مخلوقِ خدا کے قلوب واذہان کو روشنی اور جلا ملتی ہے۔

نادم صاحب کی ایک کتاب ''آبشار خیال'' (نثر) شائع ہو چکی ہے، پانچ مسودے زیر تحریر ہیں: دستِ رضوان، جامِ عرفان، صورِ اسرافیل، ذوقِ جمالیات، اشکِ ندامت۔ ایک دینی موضوعات پر مبنی مسودہ بعنوان ''صدف وسمندر'' تحریر کر چکے ہیں جو تاحال غیر مطبوع ہے۔ آپ کو قرآن مجید کے مطالب ومفاہیم کو نظم کرنے کا خیال ریٹائرمنٹ کے بعد پیدا ہوا اور سات سال کی انتھک اور مسلسل جد وجہد سے یہ عظیم کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ آپ نے قرآن مجید کی ترجمانی کے لیے بحر ہزج مُثمّن سالم کو

اختیار کیا اور یہ وہی بحر ہے جو جناب حفیظ جالندھری نے ''شاہنامہ اسلام'' میں اختیار کی ہے۔ جناب نادم صاحب نے اپنے منظوم ترجمے کا نام ''ترجمانِ قرآن'' تجویز کیا ہے اور قرآن مجید کی سات منزلوں کی مناسبت سے سات جلدوں میں طبع کرنے کا عزم مصمم رکھتے ہیں۔ دائیں صفحہ پر قرآنی متن اور اس کے تحت مولانا فتح محمد جالندھری کا نثری ترجمہ ہوگا اور اس کے مقابل بائیں صفحے پر منظوم ترجمہ ہوگا۔ نمونے کے طور پر آیۃ الکرسی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

خدا وہ ہے نہیں ثانی کوئی جس کا جہانوں میں
وہی ہے قائم و دائم زمین و آسمانوں میں
نہ اُس کو اُونگھ آتی ہے نہ اُس کو نیند آتی ہے
ثبات اُس کو ہمیشہ ہے، ہمیں تو بے ثباتی ہے
ہے اُس کے واسطے جو ہے زمین و آسمانوں میں
وہی ہے حامی و ناصر ہمارا دو جہانوں میں
ہے ایسی کون سی ہستی شفاعت جو کہ کر پائے
ہے کون اس کی اجازت کے سوا جو بات منوائے
وہی تو جانتا ہے جو کہ آگے اور پیچھے ہے
ہمارا ظاہر و باطن خدا ہر وقت دیکھے ہے
نہ کوئی چیز اس کے علم کو محدود کر پائے
وہی ہو جائے ہے بیشک جسے وہ آپ ہی چاہے
زمین و آسماں اس کی ہی کرسی میں سمائے ہیں
سبھی ہے کائنات اس کی سبھی اس کے بنائے ہیں
تھکا سکتی نہیں اس کو حفاظت ساری دنیا کی
عیاں ہے سامنے اس کے حقیقت ساری دنیا کی
وہی بالا و اعلیٰ ہے، بڑی عظمت کا مالک ہے
جلال و رعب والا ہے وہی سطوت کا مالک ہے
(۷۰)

۱۴۔ علامہ اصغر علی کوثر وڑائچ کا منظوم ترجمہ:

علامہ چودھری اصغر علی کوثر وڑائچ روزنامہ نوائے وقت لاہور سے وابستہ ہیں۔ ''لاہوریات'' کے عنوان سے مستقل کالم لکھتے ہیں۔ علامہ صاحب نے بھی منظوم تراجم کی ''وادیٔ پُر خار'' میں قدم رکھا اور قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کیا ہے اور یہ منظوم ترجمہ ''بحر متقارب'' میں ہے۔ تاحال یہ ترجمہ غیر مطبوع ہے(۷۱)۔

۱۵۔ ''انوار الایمان'' از ملک محمد علی شجاع:

ملک محمد شجاع نعتیہ شاعری میں احمد تخلص رکھتے ہیں، آپ ۲۴ رفروری ۱۹۵۵ء کو کیپٹن (ر) ملک

امیر محمد خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی، تکمیلِ تعلیم کے بعد حبیب بینک لمٹیڈ سے وابستہ ہوگئے، ۱۹۹۷ء میں بطور آفیسر ومنیجر ملازمت سے رضا کارانہ بنیاد پر ریٹائر منٹ لے لی، آج کل ڈُھلی (تحصیل تلہ گنگ، ضلع چکوال) میں مقیم ہیں۔آپ نے شاعری میں صنفِ نعت کو منتخب کیا۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ کے دل میں قرآن مجید کے منظوم ترجمہ کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اس پر دوستوں کی مشاورت کے بعد کام شروع کر دیا۔آپ نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان میں بھی کیا، ہر دو زبانوں میں منظوم ترجمے کا کام مکمل ہو چکا ہے، اردو ترجمے پر نظر ثانی بھی ہو چکی ہے اور انگریزی ترجمے پر نظر ثانی کا کام جاری ہے۔شجاع صاحب نے اس منظوم ترجمے کا نام ''انوار الایمان'' تجویز کر رکھا ہے۔

نمونے کے طور پر آیۃ الکرسی کا منظوم اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

ہے اللہ تعالیٰ جس کے سوا نہ کوئی اور خدا ہے
آپ وہ زندہ ہے اور اوروں کو قائم رکھنے والا ہے
اس کو اونگھ نہ نیند آئے، ستاتا اور نہ وہ سوتا ہے
سبھی سماوات اور زمیں میں جو کچھ بھی ہے سب اس کا ہے
اس کے حکم کے بِنا اس کے ہاں کون سفارش کر سکتا ہے
علم اسے ان کے آگے پیچھے کی ساری چیزوں کا ہے
اور کچھ گھیر نہ پائیں علم وہ اس کا ، ہاں جتنا وہ چاہے
سبھی سماوات اور زمیں کو اس کی کرسی نے گھیرا ہے
اور ان کی نگرانی سے اکتاتا اور نہ وہ تھکتا ہے
اور وہی سب سے بالا و برتر ہے عظمت والا ہے (۷۲)

مطبوعہ جزوی تراجم

١٦۔ ''تفسیر مرتضوی'' از مولانا شاہ غلام مرتضٰی جنون:

مولانا شاہ غلام مرتضی نسباً علوی اور وطناً بہاری تھے، سن پیدائش اور وفات کا صحیح علم نہیں ہوسکا۔ سید عزیز الرحمٰن بلخی مؤلف تاریخِ شعراء بہار لکھتے ہیں کہ آپ ١١٥٠ھ سے قبل پیدا ہوئے اور ١٢٠٠ھ کے بعد وفات پائی، جائے پیدائش اور جائے وفات کا بھی صحیح علم نہیں۔ مشہور شاعر سودا کے ہم عصر تھے، آپ صاحب دیوان شاعر تھے مگر ''دیوان'' نایاب ہے۔ ''تفسیر مرتضوی'' کے نام سے دو جلدیں دستیاب ہوئی ہیں، پہلی جلد میں مختلف سورتوں کی منظوم تفسیر ہے اور یہ غیر مطبوعہ ہے، اس کا سن کتابت ١٢٦٤ھ ہے، اس کا مخطوطہ خانقاہ فتوحہ پٹنہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ دوسری جلد میں مکمل پارہ عم کی منظوم تفسیر ہے اور یہ ١٣٥٩ھ میں طبع ہوئی ہے(٧٣)۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر مولوی عبد الحق کے پاس بھی تھا، اس قلمی نسخے میں منظوم دیباچہ بھی تھا جو مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے(٧٤)۔

جب یہ منظوم تفسیر لکھی گئی تو اس دور میں نظمِ اردو میں کوئی دوسری تفسیر عالمِ وجود میں نہیں آئی تھی، لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو میں منظوم تفسیری ادب میں اس کو اولیت کا فخر حاصل ہے۔

مولانا جنون مرحوم نے اول سورتوں کا شانِ نزول، کلمات وحروف، نیز آیات ورکوع کی تعداد بیان کی ہے، صرفی قواعد، نحوی تراکیب، تحقیقِ الفاظ، حل لغات اور اختلاف قرأت کو جابجا بیان کرتے ہیں اور اس کے حوالے بھی دیتے ہیں، سورتوں کے اختتام پر ان کے خوص وادعیہ ماثورہ بھی تحریر کرتے ہیں(٧٥)۔

نمونے کے طور پر ﴿ فَحَشَرَ فَنَادٰی فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ﴾(٧٦) کی تفسیر ملاحظہ ہو:

پس بلایا یہ کہا یہ آشکار

میں تمہارا ہوں بڑا پروردگار

پوجتے ہو جو بتوں کو روز وشب

رب اعلیٰ میں ہوں اور ادنیٰ ہیں سب

یہ لطیفہ ہے لطائف میں لکھا

یہ سخن ابلیس نے جس دم سنا

اس طرح کہنے لگا وہ راہزن

کہ میں سن سکتا نہیں ہوں یہ سخن

یوں لگا کہنے دکھا کر پیچ و تاب

کہ مجھے نہ اس سخن سننے کی تاب

۱۷۔ ''نظم القرآن بزبانِ اُردو'' از خاکسارِ حسین بخش سوداگر:

حسین بخش میرٹھ کے رہنے والے تھے بعد میں قصور کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ آپ نے پہلے پارے کا منظوم ترجمہ کیا ہے جو ۱۳۰۴ھ میں مطبع صحافی لاہور سے ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوا۔ یہ ۷۵ صفحات پر مشتمل ہے، آخر میں مترجم موصوف کے اشعار پر مبنی ''پندنامہ'' بھی شامل ہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ	بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ
دل غلاف اندر ہمارے ہیں کہا	بلکہ لعنت کرتا ہے ان پر خدا
بِكُفْرِهِمْ	فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ(۷۷)
بہ سبب ہونے کے ان کے کافرین	پس ہیں لاتے لوگ تھوڑا سا یقین (۷۸)

۱۸۔ ''خلاصۂ تفسیر القرآن اردو'' از مولانا مولوی عبداللہ خان عبدی قادری:

یہ قرآن مجید کی منتخب آیات کی منظوم تفسیر ہے جو مکتبہ الٰہی آگرہ سے طبع ہوئی، اس میں سن اشاعت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

مولانا عبدی قادری نے اس منظوم تفسیر کو گوجرانولہ میں ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں مکمل کیا، انیسویں صدی کی یہ آخری منظوم کاوش ہے۔ اس کی تاریخ تکمیل کے متعلق آپ ایک قطعہ میں اس کا تذکرہ یوں

کرتے ہیں:

ہوا۱۳۱۶سولہ تیرانسو

لکھا گوجرانولہ میں اب نو بنو

یہ عبدی نے تحفہ لکھا معنوی

اٹھانویں اٹھاراں سو۱۸۹۸عیسوی

چونکہ اس تفسیر کو ایک صدی سے زائد کا عرصہ بیت گیا ہے، اس لیے اس کے اندر جو تراکیب و محاورے ہیں وہ اب زیادہ مستعمل نہیں ہیں، اس تفسیر کا اندازِ کتابت بھی قدیم ہے۔

۱۹۔ ''تفسیر سورۂ یوسف منظوم'' از محمد اشرف کاندھلوی:

یہ سورۂ یوسف کی منظوم تفسیر ہے، اس میں قرآنی متن، منثور ترجمہ اور منظوم تفسیر دی گئی ہے۔ مختصراً کہیں کہیں وضاحتی حواشی بھی ہیں، اس کے کل صفحات ۱۱۴ ہیں۔

۲۰۔ ''مفہوم القرآن'' از کیف بھوپالی:

کہا جاتا ہے کہ برصغیر میں خالصتاً منظوم تراجم کی داغ بیل کیف بھوپالی نے ڈالی۔ آپ بلند پایہ شاعر تھے۔ ''آہنگ کیف'' اور شعلۂ حروف (مجموعہ غزلیات) اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ کیف بھوپالی نے حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کے اردو ترجمہ کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ شروع کیا اور تمام آیات کے ترجمے کے لیے ایک بحر اختیار کی اور اس ایک بحر ہی میں ہر طرح کے مضامین کو نظم کیا۔ ابھی سترہ پاروں کا ترجمہ ہی کر پائے تھے کہ زندگی نے وفا نہ کی اور یوں یہ کام ادھورا چھوڑ کر اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

کیف مرحوم اپنی اس کاوش کی اشاعت کی غرض سے سارے ہندوستان میں سرگرداں رہے مگر کامیابی نہ ملی۔ ابتداء میں چند پارے ہی شائع ہو سکے جو طباعتی معیار کے اعتبار سے عمدہ نہ تھے۔

مارچ ۱۹۷۳ء میں والا اکیڈمی عزیز باغ سلطان پورہ حیدر آباد (آندھرا پردیش) سے آٹھ پارے سیقول سے قال الملاء تک شائع ہوئے۔ اس میں قرآنی آیات کے ساتھ شاہ عبدالقادر دہلوی کا نثری

ترجمہ بھی شامل تھا۔

مرورِ ایام کی وجہ سے کیف مرحوم کے منظوم ترجمہ کا ایک حصہ ضائع ہو گیا۔ ۱۹۹۳ء میں جناب انیس دہلوی نے بڑی تگ و دو کر کے مرحوم کے ورثاء اور دیگر قدر دانوں سے ''مفہوم القرآن'' کا مسودہ حاصل کیا۔ صرف سولہ پارے ہی دستیاب ہو سکے۔ ان میں بھی چند آیات کے منظوم ترجمے نہ مل سکے۔ پندرہویں پارہ کی سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۲۴ کے بعد منظوم ترجمہ نہ مل سکا۔ یہ سولہ پارے (پہلے پندرہ اور آخری پارہ عم) مئی ۱۹۹۳ء میں سلیم جعفر یونیکیر نیز (امارات) سے شائع ہوئے۔ اس میں ایک تبدیلی یہ کی گئی کہ حضرت شاہ عبدالقادر کے نثری ترجمہ کی بجائے الحاج حافظ قاری فہیم الدین احمد صدیقی میرٹھی کا ترجمہ شامل کر دیا۔ ہر صفحے کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دو کالموں میں عربی متن اور اس کا نثری ترجمہ اور ان دو کالموں کے نیچے کیف مرحوم کا منظوم ترجمہ ہے۔

ذیل میں سورۃ العصر کا ترجمہ دیا جا رہا ہے تا کہ صاحبِ ترجمہ کی شعری گرفت کا اندازہ ہو سکے۔

قسم ڈھلتے ہوئے دن کی کہ انسان ہے خسارے میں
جہانِ رنگ و نکہت کا یہ مہماں ہے خسارے میں
مبارک لوگ ہیں جو زندگی کی قدر کرتے ہیں
بھیانک ظلمتوں میں روشنی کی قدر کرتے ہیں
جو اپنی پاک بازی میں کنول کا حسن رکھتے ہیں
یقین کا نور رکھتے ہیں، عمل کا حسن رکھتے ہیں
سدا ''اعلانِ حق'' کرتے ہیں شمشیروں کے سائے میں
تحمل کیش رہتے ہیں غموں کی ہائے ہائے میں

۲۱۔ ''نظمِ مقدس'' از آغا شاعر قزلباش دہلوی:

آغا شاعر قزلباش نے بقول ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم کے مکمل منظوم ترجمہ لکھا(۷۹)، یہ غالباً قیامِ پاکستان سے پہلے لکھا گیا۔ اس منظوم ترجمے کو علماء کرام نے خوب سراہا اور اپنی وقیع آراء و تبصروں سے

نوازا ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا احتشام الحق تھانوی، خواجہ حسن نظامی دہلوی، عبد الرحمٰن دہلوی، مفتی عبدالقادر بدایونی، سید علی حائری اور مفتی کفایت اللہ وغیرہ نے اس ترجمے پر تقاریظ لکھیں۔

راقم الحروف نے اس ترجمے کے چھ مطبوعہ پارے دیکھے ہیں، دو دو پاروں کی ایک جلد ہے، پہلی جلد اکتوبر ۱۹۷۴ء میں طبع ہوئی جس میں پارہ اول ودوم ہیں، دوسری جلد اپریل ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی جو سیقول اور تلك الرسل پر مشتمل ہے اور ایک جلد مئی ۱۹۷۸ء میں منظر عام پر آئی جس میں واذا سمعوا اور ولو اننا ہیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ والمحصنٰت اور لایحب اللہ بھی مطبوعہ ہوں گے۔ڈاکٹر اعجاز فاروق لکھتے ہیں کہ تاحال صرف دو پارے طبع ہو سکے ہیں، غالباً انہوں نے کوئی ایک جلد دیکھی ہوگی اور انہوں نے اس کا نام بھی ''افصح الکلام'' لکھا ہے، جبکہ اس کا نام ''نظمِ مقدس'' ہے(۸۰)۔

اس منظوم ترجمے کو قزلباشان صدر کراچی نمبر۳ نے طبع کیا ہے، اس منظوم ترجمے کو اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ صفحہ کے دو کالم بنائے گئے ہیں، ایک کالم میں ایک آیت بینہ یا اس کا مختصر حصہ، اس کے تحت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا نثری ترجمہ اور اس کے مقابل اس آیت یا جزوِ آیت کا منظوم ترجمہ ہے۔ضرورتِ شعری کی وجہ سے اگر کوئی اضافہ ہے تو وہ قوسین میں ہے۔نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾(۸۱)

پس زلزلے نے اُن کو دھر پکڑا (مر ہٹے وہ)

اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے رَہ گئے وہ

﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾(۸۲)

آیات سے خدا کی منکر جو ہو تو اُس کا

جلدی حساب لینے والا ہے حق تعالیٰ

۲۲۔ ''روحِ قرآن'' از خواجہ دل محمد:

قیام پاکستان کے بعد سب سے پہلی قرآن مجید کی منظوم خدمت خواجہ دل محمد ایم۔اے نے روحِ قرآن کے نام سے کی، ''روح قرآن'' کی تکمیل ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوئی، فاضل مصنف نے ''قیام پاکستان'' کی خوشی میں اس کتاب کو ''اسلامیانِ پاکستان'' کے نام معنون کیا ہے۔

خواجہ دل محمد اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل رہے ہیں اور بعد میں پنجاب یونیورسٹی سے بھی وابستہ رہے ہیں۔

''صد پارۂ دل'' خواجہ صاحب کا بہترین ادبی کارنامہ ہے، اس میں آپ کی پانچ سو حکیمانہ، عارفانہ، روحانی اور اخلاقی رباعیات ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں گورنمنٹ پنجاب نے اس کتاب کو بہترین ادبی کارنامہ قرار دیتے ہوئے مصنف کو انعامی رقم مبلغ ایک ہزار روپے سے نوازا۔

خواجہ صاحب کا دوسرا بڑا کارنامہ سورۃ الفاتحہ کا منظوم ترجمہ وتفسیر وتشریح ہے جو آپ نے ''روحِ قرآن'' کے نام سے لکھی۔ یہ ۴x۶ کے سائز کے ۲۴۱ صفحات پر مشتمل ہے۔خواجہ بکڈ پو موہن لال روڈ لاہور سے پہلی مرتبہ ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی۔سورۂ فاتحہ کے منظوم ترجمہ کے علاوہ ایک ہزار اشعار میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے جبکہ ترجمہ نو اشعار پر مشتمل ہے، صفحہ ۵ سے لے کر ۲۳ تک سورۂ فاتحہ کے فضائل بیان کیے گئے ہیں جو کہ منثور ہیں۔اس کے بعد صفحہ ۲۴ (دائیں صفحے) پر سورۂ فاتحہ کا متن اور اس کے مقابل صفحہ ۲۵ (بائیں صفحے) پر اس کا منظوم ترجمہ ہے جو کہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔:

میں لوں پہلے اللہ کا نام — جو رحمٰن ہے جس کی رحمت ہے عام
اُس اللہ کی حمد ہے بار بار — جو ہے سب جہانوں کا پروردگار
جو رحمٰن ہے جس کی رحمت ہے عام — ہے لطف وکرم جس کا ہم پر مدام
شہنشاہِ روز جزا ہے وہی — کہ انصاف والا خدا ہے وہی
الٰہی تیرے ہم پرستار ہیں — تجھی سے مدد کے طلبگار ہیں
الٰہی ہمیں راہ سیدھی دکھا — الٰہی ہمیں کج روی سے بچا

الٰہی چلیں اُن کے رستے پہ ہم　　کیا جن پہ انعام تو نے کرم
ہمیں راہ سے ان کی یارب بچا　　جو تیرے غضب میں ہوئے مبتلا
بچا گمراہوں سے لگی جن کو بھول　　الٰہی ہماری دعا ہو قبول

اس کے بعد سورۂ فاتحہ کے ایک ایک لفظ کو لے کر ان کی تفسیر کی گئی ہے مثلاً الرحمٰن الرحیم کی تفسیر میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تری شانِ رحمت زمین و زماں　　تری شانِ رحمت مکین و مکاں
تری شان رحمت مہ و آفتاب　　سحاب و شہاب و حیات و شباب
تری شانِ رحمت طلوع و غروب　　تری شان رحمت شمال و جنوب
تری شان رحمت جانِ حسیں　　بہار و نگار و گل و یاسمیں
تری شانِ رحمت شمیم و صبا　　فضا و ہوا و صدا و نوا(۸۳)

۲۳۔ ''آبشارنور'' از دلاور فگار:

اصل نام دلاور حسین، تخلص فِگار اور قلمی نام دلاور فگار ہے۔ ۸؍جولائی ۱۹۲۹ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے، آپ کے والد شاکر حسین بدایوں کے ایک کالج میں استاذ تھے۔ دلاور فگار کے خاندان میں بیشتر لوگ شاعر اور ادیب ہوئے ہیں، جن میں شائل حسین راغب، منور بدایونی اور محشر بدایونی قریبی اعزا تھے، دلاور فگار کے جد امجد علی حاتم معروف طنز نگار تھے۔ آپ کے والد شاعری کے سخت مخالف تھے اور آپ کو مشاعروں میں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

۱۹۴۸ء میں آپ کے والد سخت بیمار ہو گئے اور چلنے پھرنے کی سکت نہ رہی، جس کی وجہ سے گھر میں تنگی ہوئی اور کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو انیس سال کی عمر میں ڈاک خانے میں ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ آپ نے ملازمت کے ساتھ تعلیم بھی جاری رکھی، پھر آپ نے ڈاک خانے کی ملازمت ترک کر کے دوسری ملازمت کی تلاش شروع کر دی۔ اس دوران آپ نے بی۔ اے اور ٹریننگ کورس مکمل کر لیا اور ذریعہ معاش کے لیے ٹیوشنوں کا سہارا لیا۔ یوں آپ پیشۂ تدریس سے

منسلک ہوگئے۔ ابتداء میں بدایوں کے مختلف سکولوں میں تعلیم دی اور پھر بدایوں کے اسلامیہ کالج میں مستقل ملازمت مل گئی۔ اس ملازمت کے دوران پرائیویٹ طور پر معاشیات اور اردو میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی اور ثانی الذکر میں تو اول پوزیشن کے ساتھ گولڈ میڈل حاصل کیا۔ ایم۔ اے انگلش بھی کرنا چاہتے تھے مگر سال اول میں کم نمبر آنے کی وجہ سے ارادہ ملتوی کردیا (۸۴)۔

دلاور فگار نے آنکھ کھولتے ہی اپنی بستی اور گھر میں شعر وسخن کا چرچا پایا، لہٰذا یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ کو بھی اس کا شوق نہ ہوتا، فگار ابتداء میں سنجیدہ غزل کہتے تھے، آپ کی ایک سنجیدہ غزلوں کا مجموعہ ''حادثے'' شائع بھی ہوا تھا، پھر آپ سنجیدہ غزل گوئی سے مزاح نگاری کی طرف مائل ہوگئے، جس نے ہندوستان میں آپ کو بڑی شہرت بخشی۔ ہر مشاعرے میں مدعو کیے جاتے اور بہت سی مزاحیہ نظمیں لکھیں جن کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی (۸۵)۔

دلاور فگار ۱۹۶۸ء میں ہندوستان سے کراچی منتقل ہوگئے، کراچی کے مشاعروں میں بھی آپ کو بڑی پذیرائی ملی، آپ کے مزاحیہ قطعات اور نظمیں بڑی مقبول ہوئیں، آپ کو دوسرے شہروں میں بھی مشاعرے کے لیے مدعو کیا جانے لگا اور آپ کا کلام مختلف رسائل واخبارات کی زینت بننے لگا (۸۶)۔

آپ کراچی میں کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی سے وابستہ رہے، ۱۹۷۲ء میں اس محکمے سے مستعفی ہوکر اپنے آپ کو علم وادب کے لیے وقف کردیا اور سورۃ الفاتحہ کی مختصر منظوم تفسیر ''آبشارنور'' کے نام سے لکھی۔

حکیم محمد سعید مرحوم (م: ۱۷/اکتوبر ۱۹۹۸ء) جناب دلاور فگار اور ان اس تفسیر کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

> ''جناب دلاور فگار صاحب ہمارے ملک کے ممتاز شاعر ہیں، مزاح نگاری میں مخصوص ومنفرد انداز کے حامل ہیں، اسی کے ساتھ ان کو قبول عام بھی حاصل ہے۔ اب انہوں نے قرآن حکیم کی تفسیر کو منظوم کرنا شروع کیا ہے، سورہ فاتحہ کی تفسیر اس وقت پیش نظر ہے، اس میں دلاور فگار صاحب کی مہارت وقدرتِ کلام پوری طرح منعکس ہے'' (۸۷)۔

۲۵ رجنوری ۱۹۹۸ء کو یہ خوش کلام، خوش گو شاعر جو مغموم چہروں کو ہنس مکھ چہروں میں بدل دینے کی قدرت رکھتا تھا، دنیائے فانی رشتہ توڑ کر مالکِ حقیقی سے جا ملا (۸۸)۔

''آبشارِ نور'' سورۃ الفاتحہ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی منظوم تفسیر ہے، یہ قرآن حکیم کی منظوم تفسیر کے سلسلہ کی پہلی کڑی تھی، مگر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس کے بعد بھی اس کی کوئی قسط شائع ہوئی یا نہیں؟ ۱۶ رصفحات پر مشتمل یہ تفسیہ .مہ رد فاؤنڈیشن پاکستان کے تعاون سے شائع ہوئی، سن اشاعت کا کہیں ذکر نہیں اور اس بات کا بھی کہیں ذکر نہیں کہ کتنی منظوم تفسیر مکمل ہوچکی ہے اور کتنی باقی ہے؟

مولانا امداد اللہ عباسی جونپوری (مہتمم جامعہ اسلامیہ امداد العلوم کراچی) نے اس منظوم تفسیر کو پسند کرتے ہوئے اس پر اپنی رائے لکھی ہے۔ نمونے کے طور پر ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ کی منظوم تفسیر ملاحظہ ہو:

یہ رستہ اُن کا ہو تو نے جنہیں انعام بخشے ہیں
وہ جن کو مسکراتی زندگی کے جام بخشے ہیں
یہاں انعام کا مقصد نہیں ہے مادّی دولت
کہ یہ انعام چھن جاتا ہے جب انسان ہو رخصت
خطاباتِ شہنشاہی فریبِ دیدہ و دل تھے
کہ یہ انعام تو نمرود و قاروں کو بھی حاصل تھے
یہاں انعام سے مقصود اک کیف دوامی ہے
اسی میں کامیابی ہے، اسی میں نیک نامی ہے (۸۹)

۲۴۔ ''تنظیم القرآن'' از چوہدری رشید احمد:

یہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے منظوم ترجمے پر مشتمل ہے۔ یہ پہلی مرتبہ جون ۱۹۸۳ء میں مکتبہ تنظیم القرآن مانانوالہ ضلع شیخوپورہ سے شائع ہوئی۔ ۴×۷ کے ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کل ۱۲۲۷ ر اشعار ہیں۔ اس منظوم ترجمہ میں قرآن مجید کا متن نہیں دیا گیا ہے چونکہ مصنف کے پیش نظر قرآنی

مطالب ونصائح کو عام فہم بنا کر پیش کرنا تھا۔ پروفیسر سید خورشید حسین بخاری (۹۰) نے اس پر ایک مختصر سی تقریظ لکھی ہے۔

اس ترجمہ کی دو خصوصیات ایسی ہیں جو اس کو دیگر منظوم تراجم سے ممتاز کر دیتی ہیں۔

۱۔ مترجم نے ایک ہی موضوع کی آیات پر ایک عنوان قائم کر دیا ہے جو موضوع کو بالکل واضح کر دیتا ہے۔ کل ۱۰۷ عناوین قائم کیے ہیں جن سے تحقیق کرنے والوں کو استفادہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ہر عنوان اپنے موضوع کا مکمل احاطہ کرتا ہے۔

۲۔ اس منظوم ترجمہ کا دوسرا امتیازی وصف یہ ہے کہ ہر آیت کے مطالب الگ الگ نظم کیے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ آیت کے نمبر بھی درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ عربی متن نہ ہونے کی وجہ سے قاری کو کسی قسم کی دقت نہ پیش آئے۔

چوہدری رشید احمد نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ ترجمہ عام فہم اور سلیس ہو۔ اگر کہیں وضاحتی نوٹ کی ضرورت محسوس کی تو انتہائی مختصر نوٹ بھی لکھے ہیں۔ مصنف موصوف نے ترجمہ کرتے وقت انتہائی حزم و احتیاط سے کام لیا ہے تاکہ قرآنی مطالب و مفاہیم میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو جائے اور ترجمہ کرتے وقت شگفتگیٔ بیان، روانیٔ زبان اور تراکیب کے در و بست میں کوئی فرق نہیں آنے دیا اور قرآن کے مفہوم کے ساتھ ساتھ اس کے جلالی، جمالی اور استدلالی اسلوب کا بھی لحاظ رکھا۔ بطور نمونہ ایک دو آیات کے منظوم مطالب مع آیات تحریر کرنا مناسب خیال کرتا ہوں:

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ (۹۱)

پر ''شہیدوں کو مردہ مت کہو'' کا عنوان قائم کر کے اس کا منظوم ترجمہ کچھ اس طرح سے کرتے ہیں:

وہ جو ہیں قتیلِ سبیلِ خدا
نہ مردہ کہو ان کو تم برملا
وہ ہیں بلکہ زندہ خدا کے حضور
و لیکن نہیں تم کو اس کا شعور (۹۲)

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ (۹۳) پر ''اللہ اہل ایمان کا دوست ہے'' کا عنوان قائم کر کے کچھ اس طرح اس کے مفہوم کو شعری قالب میں ڈھالتے ہیں:

خدا دوست ہے اہل ایمان کا — محبّ و ولی اہل عرفان کا
ہے ظلمت سے لاتا انہیں نور میں — عیاں جیسے ہو جلوۂ طور میں
ہاں جو لوگ بھی اہل انکار ہیں — شیاطین ان کے مددگار ہیں!
انہیں کھینچتے ہیں وہ ظلمات میں — بنیں روک عرفاں کی ہر بات میں
ہے نارِ جہنم ہی ان کا مقام — کریں گے اسی میں یہ دائم قیام (۹۴)

الغرض ! ابتداء سے انتہاء تک یہی سلاست، زورِ بیان اور روانی ہے اور مطالب کی تفہیم میں کسی مقام پر کوئی الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا۔

۲۵۔ ''تیسواں پارہ'' از عقیل روبی:

احمد عقیل روبی حلقۂ لاہور کے نامور شاعر، نقاد اور ادیب ہیں، آپ ۱۹۴۰ء میں لدھیانہ (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد ضلع خانیوال کو اپنا وطن بنایا، تعلیمی سفر طے کرتے کرتے لاہور آن پہنچے اور پھر یہاں کے ہو کر رہ گئے۔

۱۹۶۴ء میں ایم۔اے اردو جامعہ پنجاب سے کیا، عملی زندگی کا آغاز بطور استاذ محکمہ تعلیم میں سرکاری ملازمت سے کیا، گورنمنٹ کالج شیخوپورہ، بہاول پور اور مظفرگڑھ میں معلّمی کے فرائض سرانجام دیتے رہے، ۲۰۰۱ء میں ایف۔سی کالج سے بطور صدرِ شعبۂ اردو ریٹائر ہوئے اور آجکل تصنیفی و تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

آپ نے تقریباً تیس کتب تصنیف و تالیف کی ہیں جن میں ناول، خاکے، شعری مجموعے، انگریزی نظموں کے تراجم، سوانح عمریاں (ناصر کاظمی، قتیل شفائی، نصرت فتح علی خان اور ممتاز مفتی وغیرہ کی

سوانح عمریاں) شامل ہیں، فلمی گانے اور ٹی۔وی ڈرامے بھی لکھے۔ ''ملی جلی آوازیں'' کے نام سے انگریزی نظموں کا اردو منظوم ترجمہ کیا۔

آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ''تیسواں پارہ منظوم'' ہے، جسے ورڈز آف وزڈم مزنگ لاہور نے آج سے کوئی دس بارہ برس قبل شائع کیا، کتاب پر سن اشاعت کا ذکر نہیں ہے، دائیں صفحے پر قرآنی متن اور اس کے تحت مولانا شبیر احمد عثمانی کا نثری ترجمہ ہے اور بائیں صفحے پر ''قرآنی آیات کا شعری مفہوم'' ہے۔ جناب عقیل روبی اس وقت تک سورہ بقرہ اور سورہ رحمٰن کا منظوم ترجمہ مکمل کر چکے ہیں جو تاحال طبع نہیں ہوسکا(۹۵)۔

۲۶۔ ''نظام القرآن'' از حاجی محمد عمر الدین:

حاجی محمد عمر الدین ۱۸ جولائی ۱۹۱۴ء کو جلال آباد (ضلع فیروز پور، ہندوستان) کے گاؤں ''موگا'' یا ''موگہ'' میں پیدا ہوئے۔ مڈل دھرم کوٹ (موگہ) سے کیا، ۱۹۳۵ء میں J.V کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۲ء میں ادیب عالم کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۴ء میں ضلع گوجرانوالہ سے S.V ٹیچر کا امتحان پاس کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہندوستان سے جلّہ جیم (تحصیل میلسی، ضلع وہاڑی) میں مستقل قیام پذیر ہوگئے۔

جلّہ جیم میں بطور ٹیچر عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۷۱ء میں مڈل سکول، امیر پور سادات (تحصیل کہروڑ پکا، ضلع لودھراں) سے بطور ہیڈ ماسٹر ریٹائر ہوئے۔(۹۶)

دارالقرآن ٹرسٹ جلّہ جیم کے نائب سرپرست ہیں، اس ٹرسٹ کے تحت ایک رسالہ ''صدائے اسلام'' شائع ہوتا ہے۔ باوجود پیرانہ سالی کے اس رسالے کی نگرانی کرتے ہیں۔ قوت حافظہ میں کافی کمی آگئی ہے، اس لیے اب آپ کو بالکل یاد نہیں ہے کہ شاعری میں آپ کے استاذ کون تھے۔

قرآن مجید کی منظوم تفسیر کے علاوہ کوئی اور مجموعۂ کلام یا کوئی اور تصنیف نہیں ہے۔ جنوری ۱۹۸۷ء میں منظوم تفسیر کا آغاز کیا اور مارچ ۱۹۹۷ء کو پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ آپ نے منظوم تفسیر کرتے ہوئے مولانا محمد احمد (کراچی) کی ''درس قرآن'' پیش نظر رکھی۔ فاضل مترجم نے اس مضمون سے باہر کوئی خیال نہیں لکھا، ہمیشہ یہ کوشش کی کہ کوئی جملہ اصل مضمون سے باہر نہ ہو۔ آپ نے اس منظوم تفسیر کا نام

''نظام القرآن'' رکھا۔

اس کی دو جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ تیسری جلد ابھی پریس میں ہے۔ ہر جلد دس دس پاروں پر مشتمل ہے۔ آپ خود ہی اس کی طباعت کا اہتمام کر رہے ہیں۔ حروف خوانی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی، بعض جگہ اشعار بھی نثر کے انداز میں لکھے ہوئے ہیں۔

اس تفسیر کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ایک ہی مضمون کی آیت یا چند آیات کو منتخب کر کے اس پر ایک عنوان قائم کرتے ہیں اور ہر سورت کے اختتام پر اس سورت کے مضامین کا خلاصہ اشعار کی صورت میں ذکر کرتے ہیں۔

آیات کے تحت سلیس اور با محاورہ ترجمہ دیا ہے پھر اس کے آگے ''منظوم مفہوم'' پیش کیا ہے۔
مولانا مفتی محمد کلیم اللہ (مہتمم جامعہ تعلیم القرآن میلسی) نے اس منظوم تفسیر کی تعریف و توصیف کی ہے۔

نمونے کے طور پر ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَّ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (۹۷) کی تفسیر سے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

اُن سے کرو جہاد جو کفار آس پاس
دَب کر نہ ڈر کر نہ کرو کبھی ان سے ہراس
سختی دکھانا چاہیے لڑنا پڑے جو خوب
کثرت کو دیکھ کر کبھی گھبرائیں نہ قلوب
نکلو جو گھر سے اکڑ فوں آئے نہ جان پر
ہر حال میں نامِ خدا رہے زباں پر
ظاہر نہ ڈھیلا پن تمہاری حرکتوں سے ہو
مضبوط بن کے سامنے عدو کے تم رہو
تقویٰ پہ ہو نگاہ، جو جہاد کی بنا
پورا خیال ہو، چھٹے نہ دامنِ خدا

دشمن کی شوکت دیکھ کر پیدا نہ ہو ہراس
شہرت کی نہ کرو طمع، زر کی نہ ہو پیاس(۹۸)

۲۷۔ ''لوحِ محفوظ سے'' از سجاد احمد ساجد مراد آبادی:

آپ کا نام سجاد احمد اور تخلص ساجد مراد آبادی ہے، آپ نے ایم۔اے معاشیات، ایم۔اے صحافت اور ایل۔ایل۔ایم کیا ہے۔ بنیادی طور پر آپ قانون کے استاذ ہیں، ''پیغامِ راہ'' (سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)، ''نعمتِ پاکستان'' (تحریک حصولِ پاکستان) اور ''حساس جذبے اور شہر مظلوم'' (نظمیں) آپ کی مطبوعہ کتب ہیں۔

آپ نے مولانا مودودی کی طرز پر ترجمے کی بجائے قرآنی تفہیم کا انداز اپنایا، آپ نے قرآن مجید کی شعری تفہیم نگاری ''لوح محفوظ سے'' کے نام سے کی ہے، لوح محفوظ ۱۴ اگست ۲۰۰۶ء/ ۱۴۱۷ھ میں الخلیل پاکستان ایجوکیشن ویلفئیر سوسائٹی کراچی سے شائع ہوئی۔ ساجد مراد آبادی کے کام کی علمی، ادبی اور فکری قدر و قیمت کیا ہے، اس ضمن میں مفتی اظہر نعیمی، پروفیسر حافظ محمود حسین، پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد، اقبال احمد صدیقی، پروفیسر بیرسٹر ثمین خاں، پروفیسر ڈاکٹر عبدالقدیر اور پروفیسر عبدالماجد وغیرہم کی وقیع آراء کتاب کا حصہ ہیں۔

فاضل مترجم نے سورہ فاتحہ، سورہ رحمٰن، سورہ یٰسین، آیت الکرسی، انتیسویں اور تیسویں پارے کے مضامین کو شعری قالب میں ڈھالا ہے، نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

کروں ابتداء اسم رحمان سے   رحم کرنے والے مہربان سے
کیا فیصلہ میں نے پیارے حبیب   رہیں گے سدا خوار تیرے رقیب
لہب تیرے بازو گئے دونوں ٹوٹ   مزے زندگی کے نہ اب اور لوٹ
وہ برباد ہو کر ہوا نامراد   رکھو اے محمد ﷺ ذرا دل کو شاد
نہ کام آئی دولت نہ مال و کسب   ہوا اس پہ نازل جو میرا غضب
جہنم کے شعلوں کی وہ ہے غذا   نہ بیوی بھی اس کی رہے گی جدا

جو ماضی میں ڈھوتی رہی لکڑیاں — مگر اب وہ کرتی ہے خرمستیاں
وہ راہوں میں کانٹے بچھاتی رہی — محمد ﷺ کو میرے ستاتی رہی
بٹی رسی گردن میں اس کے پڑی — ملے گی وہ شعلوں میں تنہا کھڑی
ہے قہر خدا دشمنوں کے لیے — سبق اس میں ہے مومنوں کے لیے(۹۹)

۲۸۔ چند سورتوں کی منظوم ترجمانی از مرزا آصف رسول:

برادرم مرزا آصف رسول ۱۸/ اگست ۱۹۷۵ء میں پیدا ہوئے، جامعہ نقشبندیہ رضویہ سانگلہ ہل سے حفظِ قرآن مجید کی سعادت حاصل کی، ایم۔اے عربی پنجاب یونیورسٹی سے، ایم۔اے فارسی جی سی یونیورسٹی سے اور ایم۔فل فارسی پنجاب یونیورسٹی سے کیا، آپ گورنمنٹ گورو نانک ڈگری کالج ننکانہ صاحب میں عربی کے استاذ ہیں۔

مرزا صاحب نے بھی مختلف سورتوں کی منظوم ترجمانی کی ہے جو کہ مختلف مجلوں جیسے شرق اورینٹل کالج اور اشراق لاہور میں شائع ہوئی ہے۔

نمونے کے طور پر سورۃ العصر کی منظوم ترجمانی ملاحظہ ہو:

زمانہ شاہد ہے اس حقیقت پہ
ابن آدم خسارے میں ہے
جو اپنی اندھی ہوس کے ہاتھوں
ازل سے نقصاں اٹھا رہا ہے
یہ منزلِ سود کا مسافر
زیاں کی راہوں پہ جا رہا ہے
مگر یہ حق ہے
خدا کے مومن
جو مانتے ہیں حقیقتوں کو

خدا اور اس کی رسالتوں کو
اور ان کا طرزِ عمل بھی ان کے یقینِ محکم کا آئینہ ہے
شعار، تقویٰ و پارسائی
وطیرہ مخلوق کی بھلائی
یہ ان کی ہستی کا لازمہ ہے
پھر اپنے احباب کو بھی صبر اور سچ کی تلقین کرتے ہیں وہ
کہ حق صداقت اور استقامت ہی کامیابی کا راستہ ہے
جہانِ شر کے ہر ابتلا میں
انہی کا حصہ ہے کامرانی
حیاتِ عقبیٰ کی شادمانی (۱۰۰)۔

خلاصۂ بحث:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ برصغیر میں جن شخصیات نے منظوم ترجمہ یا تفسیر کرنے کی سعی کی ہے ان میں سے کوئی شخص بھی قرآنیات کا ماہر نہیں ہے، تفسیری ادب میں کوئی مستند کتاب ان اصحاب کی طرف منسوب نہیں ہے، مگر اس تلخ حقیقت کے باوجود بڑے بڑے علماء ......جن کو برصغیر میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے...... نے ان تراجم کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ ان کو ''درست اور مستند ترجمہ'' کا سٹوفکیٹ بھی دیا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ ان اربابِ دین ودانش نے ان منظوم تراجم کو بالاستعاب پڑھا ہوگا؟ کیا ان کے پاس اتنا کثیر وقت تھا کہ وہ ان تراجم کو اول سے آخر تک اپنی نظر سے گزارتے؟ کیا چند مقامات کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جن مقامات کو نہیں دیکھا جاسکا ان میں کسی قسم کا سقم نہیں ہے۔ یہ کلام اللہ کا معاملہ ہے، یہ ہماری دین کی اساس کا مسئلہ ہے، اس لیے اصحابِ علم وفکر کو ''مستند ترجمہ'' کا سرٹیفکیٹ دینے سے قبل اُس کو اول تا آخر انتہائی عمیق نظر سے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہاں اگر قرآنی مطالب ومفاہیم کی منظوم ترجمانی ہو اور تفسیری اصولوں کے عین مطابق ہو تو اس کی

پذیرائی کرنی چاہیے، کیونکہ نظم نثر کی نسبت زیادہ متاثر کرتی ہے۔

راقم کا اس مختصر مقالہ سے مقصود کسی مترجم کے کلام پر گرفت کرنا نہیں بلکہ محض اتنا مطلوب ہے کہ منظوم تراجم کی کتابیات مرتب ہو جائے جو اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ''خشت اول'' اور ''سنگِ میل'' کی حیثیت رکھتی ہو۔

❀❀❀❀

حواشی

۱۔ طٰہٰ ۲۰:۱۱۳

۲۔ ابراھیم ۱۴:۴

۳۔ اس کا تذکرہ ڈاکٹر عظیم امروہی (ریسرچ اسکالر۔ روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی، بھارت) نے سید شمیم رجز کے ترجمہ پر تبصرہ لکھتے ہوئے کیا ہے۔ دیکھیے تعارفی بروشر مثنوی آب رواں، ص۸، کالم۲۔

۴۔ ۱۱نمبر سے ۱۴نمبر تک کا تذکرہ سید معراج نیر نے کیا ہے، دیکھیے بروشر آب رواں، ص۱۲۔

۵۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے سیماب اکبر آبادی کے منظوم ترجمے پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا تذکرہ کیا ہے جو کہ فرید بکڈ پو انڈیا اور سیماب اکیڈیمی کراچی کے مطبوعہ کے آخر میں ہے۔ اس پر صفحہ نمبر درج نہیں ہے۔

☆ مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد، ماہنامہ فکر ونظر اسلام آباد، ص ۴۶۱۔ ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم کی تحقیق کے مطابق اس کا نام تفسیر چغتائی ہے، ان کی تحقیق میں یہ غیر مطبوعہ ہے جبکہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ :اس کو مطبوعہ بتلاتے ہیں۔

۶۔ اعجاز فاروق اکرم، ڈاکٹر، ''برصغیر میں مطالعہ قرآن۔ تراجم وتفاسیر''، مشمولہ ''فکر ونظر'' برصغیر میں مطالعہ قرآن نمبر، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد، ایڈیٹر: ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن صدیقی، جلد نمبر ۳۶، شمارہ نمبر۳-۴، ص ۸۵۔

۷۔ غلام مصطفیٰ خاں، وڈاکٹر مسعود احمد، ۴۶۱۔

۸۔ اس کا تذکرہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے کیا ہے۔

۹۔ اس کا تذکرہ خود انہوں نے عطا قاضی کے ترجمہ پر تبصرہ لکھتے ہوئے کیا ہے، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۰۔ ایضاً۔ ۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ مسعود احمد، ص ۳۸۸۔ ۱۳۔ ایضاً، ص ۴۵۳۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۵۵۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

۱۵۔ ۲۹ تا ۳۳ نمبر تک کا ذکر ڈاکٹر مسعود احمد نے اپنے مقالہ میں کیا ہے، دیکھیے: ص ۴۵۵، ۳۸۴، ۴۶۲، ۴۵۰، ۳۸۶۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۶۲۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۸۴۔

۱۸۔ الانعام ۶:۱۶۲۔۱۶۳

۱۹۔ عبدالسلام بدایونی، زاد الآخرۃ، مطبع نولکشور لکھنو، ج۱، ص ۴۴۴۔ اس میں پرانے اندازِ کتابت کو نئے اندازِ کتابت سے بدل دیا ہے۔ مثلاً ''بیگمان'' کو بے گماں سے، ''ای'' کو اے سے، ''حقتعالی'' کو حق تعالیٰ سے، ''ہین'' کو ہیں سے، ''اوس کا'' کو اُس کا سے، ''مسلموں سے'' کو مسلموں سے۔ اس تبدیلی کی ضرورت اس لیے پیش آئی تاکہ پڑھنے میں روانی برقرار رہے۔

۲۰۔ شائق ایزدی کے حالاتِ زندگی تو معلوم نہیں ہو سکے، البتہ تاریخ پیدائش کا اندازہ راقم نے اس طرح لگایا ہے کہ آپ نے اپنے منظوم ترجمے کا اختتام ۱۱ستمبر ۱۹۲۳ء کو کیا ہے اور اس وقت اپنی عمر ۵۹ سال بتائی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ غالباً ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے، دیکھئے: شائق ایزدی، شمس الدین، منظوم اردو ترجمہ، کریمی پریس لاہور، ج ۳، ص ۲۹۶۴۔

۲۱۔ نقوش لاہور نمبر، مدیر: محمد طفیل، ادارہ فروغِ اردو لاہور، شمارہ نمبر ۹۲، ط: ۲، ص ۹۳۲–۹۳۳۔

۲۲۔ منظوم اردو ترجمہ، ج ۱، ص ب۔ ۲۳۔ ایضاً، ص ج۔

۲۴۔ ایضاً۔ ۲۵۔ ایضاً، ج ۳، ص ۲۹۶۴۔

۲۶۔ الناس ۱۱۴:۶ ۲۷۔ سبا ۳۴:۱۴

۲۸۔ الاحقاف ۴۶:۲۹ ۲۹۔ منظوم اردو ترجمہ، ج ۳، ص ۲۹۶۴۔

۳۰۔ الحجرات ۴۹:۱ ۳۱۔ منظوم اردو ترجمہ، ج ۳، ص ۲۴۷۴۔

۳۲۔ صدیقی، احمد حسین، دبستانوں کا دبستان کراچی، محمد حسین اکیڈمی کراچی۔ ۲۰۰۳، ج ۱، ص ۲۲۹۔

۳۳۔ سیماب اکبر آبادی کے حالات وواقعات سے متعلق تمام تر تفصیلات آپ کے فرزند جناب مظہر صدیقی کے مضمون سے حذف واختصار کے ساتھ اخذ کی گئی ہیں جو وحی منظوم کے آخر میں ہے۔

۳۴۔ جناب مظہر صدیقی کے علاوہ مولانا محمد حفظ الرحمٰن اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے بھی اس بات کا تذکرہ اپنی اپنی تقاریظ میں کیا ہے جو ’وحی منظوم‘ کے آخر میں دی گئی ہیں۔

۳۵۔ مولانا حسین احمد مدنی کے تبصرے سے اقتباس ہے جو کہ اس ترجمے کے آخر میں دیا گیا ہے۔

۳۶۔ سیماب اکبر آبادی، وحی منظوم، فرید بکڈپو دہلی، ص ۹۶۹۔

۳۷۔ اثر زبیری لکھنوی، مجید الدین احمد، سحر البیان، الحجاز پبلشرز کراچی، (س ن)، ج ۱، ص ۱۸۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۹۔ ۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ ایضاً، ص ۷۔

۴۱۔ الاعراف ۷:۱۵۵، یہ جملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہمراہیان کی ہلاکت پر مضطرب ہو کر کہا تھا۔

۴۲۔ سحر البیان، ج ۱، ص ۱۰۔ ۴۳۔ ق ۵۰:۱

۴۴۔ عبس ۸۰:۲۰–۲۱ ۴۵۔ البقرۃ ۲:۹۶

۴۶۔ ھود ۱۱:۷۲ ۴۷۔ الضحیٰ ۹۳:۷

۴۸۔ سحر البیان، ج ۲، ص ۱۴۷۶۔ ۴۹۔ الناس ۱۱۴:۱–۶

۵۰۔ ’’محمد پور‘‘ رضوی سادات کی ایک قدیم بستی ہے جو ضلع کانپور (ہندوستان) کے قریب ہے۔

۵۱۔ آپ کی زندگی کا یہ مختصر سوانحی خاکہ ’’آبِ رواں‘‘ کے دوسرے حصے (مطبوعہ ۱۹۶۴ء) کے پس سرورق پر ’’مصنف‘‘ کے عنوان کے تحت درج‘ سے حذف واختصار کے ساتھ لیے گئے ہیں۔

۵۲۔ ایضاً۔

۵۳۔ شمیم رجز، سید، آبِ رواں دوسرا حصہ، رائٹرز اکیڈیمی لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۱۱۔

۵۴۔ عبدالعزیز خالد، فرقان جاوید، مقبول اکیڈیمی لاہور، اگست ۱۹۸۸ء، ص ۹۵۵۔

۵۵۔ القصص ۲۸:۱۶
۵۶۔ منظوم ترجمہ کرنے کی داستان اور آپ کے حالات زندگی جناب خود میرزا خادم ہوشیار پوری کے مقدمہ سے اور غلام مصطفیٰ انجم جالندھری نے جو میرزا صاحب کا تعارف کرایا ہے اس سے حذف و اختصار کے ساتھ اخذ کیے گئے ہیں۔
۵۷۔ عطاء قاضی کے حالات مختلف تقاریظ میں منتشر اور غیر مربوط انداز میں تھے، راقم نے ان کے حالات کو مختصراً یکجا اور مربوط کر دیا ہے۔
۵۸۔ النور ۲۴:۳۹
۵۹۔ عطا قاضی، مفہوم القرآن، ادبی سبھا پسرور، ج ۲، ص ۶۲۶۔
۶۰۔ یہ تفصیل خود مصنف نے راقم کے نام خط مرقومہ بتاریخ ۲۹ر مئی ۲۰۰۸ء میں مہیا کی۔
۶۱۔ انجم عرفانی، منظوم القرآن (پارہ ۲۶ تا ۳۰)، لکھنؤ، رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ/ اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۳۔
۶۲۔ احمد حسین قریشی قلعہ داری، پروفیسر ڈاکٹر، مثنوی مفاہیم القرآن، ادارہ اشاعۃ القرآن ''القریشیہ'' قلعہ دار، رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء، ج ۱، ص ۹؛ ج ۲، ص ۱۷۷۵۔
۶۳۔ ایضاً، ج ۱، ص ۴۔
۶۴۔ ایضاً۔
۶۵۔ ایضاً، ج ۲، ص ۱۵۳۱۔
۶۶۔ امین میاں، محمد، نظم القرآن، جڑانوالہ فیصل آباد، رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ، ص ۸۸۳۔
۶۷۔ سید ظفر ہاشمی غالب کے شاگرد خان بہادر رضا علی وحشت کے شاگرد تھے۔
۶۸۔ انعام الحق کوثر، پروفیسر ڈاکٹر، بلوچستان میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر، مشمولہ فکر و نظر (برصغیر میں مطالعہ قرآن نمبر)، ص ۳۶۱۔
۶۹۔ یہ نمونہ کلام جناب ڈاکٹر انعام الحق کوثر صاحب کی وساطت سے حاصل ہوا۔
۷۰۔ تمام تفصیلات و کوائف خود قاضی محمد ایوب نادم صاحب نے راقم کے نام خط مرقومہ ۲۳ر اپریل ۲۰۰۸ء میں مہیا کیے۔
۷۱۔ جناب ڈاکٹر انور سدید نے روزنامہ نوائے وقت لاہور کے سنڈے ایڈیشن مورخہ ۱۹ فروری ۲۰۰۶ء میں، ناصر زیدی نے روزنامہ پاکستان میں، اسرار زیدی نے اخبار جہاں (۱۰ سے ۱۶ اپریل ۲۰۰۶ء) میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ علامہ کوثر وڑائچ نے خود بھی راقم سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔
۷۲۔ نمونہ کلام اور مختصر سوانحی خاکہ نوشجاع صاحب سے حاصل کیا۔
۷۳۔ عبد الرؤف اورنگ آبادی، سید، مولانا شاہ غلام مرتضیٰ جنون اور ان کی تفسیر مرتضوی منظوم اردو، مشمولہ معارف اعظم گڑھ، مدیر: شاہ معین الدین احمد ندوی، ج ۱۱۰، عدد ۶، ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ/ دسمبر ۱۹۷۲ء، ص ۴۶۲-۴۶۳۔
۷۴۔ ڈاکٹر مولوی عبد الحق، پرانی اردو میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر، مشمولہ سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر)، ج ۲، ص ۱۷۳۔
۷۵۔ مولانا شاہ غلام مرتضیٰ جنون اور ان کی تفسیر مرتضوی منظوم اردو، ص ۴۶۴۔
۷۶۔ النازعات ۷۹:۲۳-۲۴
۷۷۔ البقرہ ۲:۸۸۔

۷۸۔ حسین بخش سوداگر، نظم القرآن بزبان اردو، مطبع صحافی لاہور، ۱۳۰۴ھ، ص ۴۱۔
۷۹۔ ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم، برصغیر میں مطالعہ قرآن، ص ۸۴۔
۸۰۔ ایضاً
۸۱۔ الاعراف ۷:۷۸
۸۲۔ آل عمران ۳:۱۹
۸۳۔ خواجہ دل محمد، روح قرآن، خواجہ بکڈپو لاہور، ۱۹۴۷، ص ۹۲۔
۸۴۔ صدیقی، احمد حسین، دبستانوں کا دبستان کراچی، محمد حسین اکیڈمی کراچی، اگست ۲۰۰۵ء، ج ۲، ص ۱۸۰۔
۸۵۔ ایضاً، ص ۱۸۱۔
۸۶۔ ایضاً
۸۷۔ دلاور فگار، آبشارِ نور، ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، (س۔ن)، ص ۲۔
۸۸۔ دبستانوں کا دبستان، ج ۲، ص ۱۸۲۔
۸۹۔ آبشارِ نور، ص ۱۵۔
۹۰۔ پروفیسر سید خورشید حسین بخاری فارسی کے استاذ تھے، ایک عرصہ تک گورنمنٹ گورونانک ڈگری کالج ننکانہ صاحب میں بھی رہے، انتقال کر چکے ہیں۔
۹۱۔ البقرہ ۲:۱۵۴
۹۲۔ رشید احمد چوہدری، تنظیم القرآن، مکتبہ تنظیم القرآن مانانوالہ، ص ۴۹۔
۹۳۔ البقرہ ۲:۲۵۷
۹۴۔ تنظیم القرآن، ص ۷۸۔
۹۵۔ عقیل روبی کے حالات وواقعات خود انٹرویو کر کے معلوم کیے ہیں۔
۹۶۔ یہ تمام تر معلومات براہِ راست حاجی عمر الدین صاحب سے حاصل کیں۔
۹۷۔ التوبہ ۹:۱۲۳
۹۸۔ عمر الدین، حاجی، نظام القرآن، ناشر: حاجی عمر الدین جلہ ج (میلسی، وہاڑی)، ج ۱، ص ۹۴۴۔
۹۹۔ ساجد مراد آبادی، سجاد احمد، لوح محفوظ سے، الخلیل پاکستان ایجوکیشن ویلفیئر سوسائٹی کراچی، اگست ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۷۔
۱۰۰۔ مجلّہ شرق ۲۰۰۱ء، اورینٹل کالج جامعہ پنجاب۔

پاکستان میں
لغات القرآن کے متعلق تحریر کی گئی کتب

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی ☆

نبی کریم ﷺ نے فرائض نبوت کی تکمیل کی غرض سے سب سے پہلے صحابہ کرام اجمعین رضی اللہ عنہم کو قرآن حکیم کی تلاوت اور قراءت کی تعلیم فرمائی اور ساتھ ساتھ اس کی فضیلت وعظمت یوں بیان فرمائی:

﴿ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَه ﴾

''تم میں سب سے بہترین وہی ہے جو قرآن کریم کو خود پڑھتا (سیکھتا ہے) اور سکھاتا ہے۔''

اس فرض کی ادائیگی کے بعد آپؐ نے قرآن کی تعلیم کی طرف بھرپور توجہ فرمائی، چنانچہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو قرآن کریم کے الفاظ، کلمات اور آیات کے معنی ومفہوم بتائے اور اس کی تفسیر وتوضیح بھی فرمائی۔ آپؐ نے قرآن کریم کے معنی ومفہوم سکھلانے کی غرض سے بہت سے اسلوب اور طریقے اختیار فرمائے۔ چنانچہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ وکلمات کے وہی معنی معتبر ہوں گے جو کہ نبی کریم ﷺ نے متعین فرمائے۔

آپ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور تبع تابعین پھر ملت اسلامیہ کے علماء ومحققین نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔

جہاں تک قرآن فہمی کے لئے لغات القرآن کی اہمیت اور ضرورت کا تعلق ہے تو اس کی ضرورت

☆ ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اور اہمیت اظہر من الشمس ہے۔ ویسے بھی کسی زبان کو سمجھنے کے لیے اس زبان کے لغت کی ضرورت و اہمیت ہمیشہ مسلّم رہی ہے، جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے یہ تو خالق کائنات کی کتاب ہے اور عربی مبین میں ہے اس کی صحیح فہم وادراک کے لیے تو اہل عرب تک لغات کے محتاج ہیں، چہ جائیکہ اہل عجم، اہل عجم کے لئے تو اس کی ضرورت اور شدید ترین ہو جاتی ہے۔ برصغیر کے علماء اس ضرورت اور فرض سے کبھی بھی غافل نہیں رہے۔

برصغیر کے اہل علم وفضل نے دیگر اسلامی موضوعات کے علاوہ لغات قرآن پر بھی ضخیم ومختصر کتابیں لکھیں اور یہ سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔

اس موضوع پر اردو میں لکھنے کی ابتدا حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م1126ھ) کے لائق فرزند شاہ عبد القادرؒ نے کی انہوں نے جب اردو کے معلیٰ کے آئینہ خانہ میں قرآن حکیم کے لعل و جواہر سجائے اور پہلا با محاورہ اردو ترجمہ قرآن تحریر کیا تو لغات القرآن کے موضوع پر بھی ایک مختصر کتاب مرتب کی جس میں الفاظ کے معنی اور مختصر تشریح درج کی گئی۔ منشی ممتاز علی بھٹو میرٹھی نے مطبع مجتبائی دہلی سے 1298ھ میں شاہ عبد القادرؒ کا جو ترجمہ شائع کیا اس کے حاشیے پر یہ لغات القرآن بھی شائع کی۔

اس کے بعد موضوع پر جو کتابیں مرتب کی گئیں ان میں مولانا عبد الرشید نعمانی اور سید عبد الدائم جلالی کی۔ اس کی پہلی جلد کا پہلا ایڈیشن 1943ء میں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوا اور چھٹی جلد 1958ء میں طبع ہوئی۔

مولانا عبد الرشید نعمانی / مولانا عبد الدائم جلالی کی لغات القرآن کے علاوہ قاضی زین العابدین میرٹھی کی قاموس القرآن بھی اردو زبان میں اس موضوع پر ایک قابل قدر اضافہ ہے، اس کا پہلا ایڈیشن 1954ء میں شائع ہوا، اس کے علاوہ بھی بعض اہل علم، قارئین کے مختلف طبقات کو مدنظر رکھتے ہوئے متعدد کتابیں مرتب کر چکے ہیں۔

جب ہم پاکستان کے حوالے سے خدمات لغات القرآن کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہاں پر، زبان

و بیان کے لحاظ سے اس موضوع پر جو کتابیں نظر آئیں ان کا یہاں پر مختلف عنوانات کے تحت جائزہ لیا جائے گا۔

عربی زبان:

اس عنوان کے تحت لغات القرآن کی ان کتابوں کا تذکرہ کیا جائے گا جو کہ یہاں پر عربی زبان میں تصنیف کی گئیں۔

مفردات:

شیخ محمد مراد بخاری کشمیری نے 1131ھ میں لکھی، اس میں عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں معنی دیئے گئے ہیں۔ اب نئی تحقیق کے ساتھ دوبارہ پاکستان میں شائع ہو رہی ہے۔

لغات القرآن: (مولانا حماد اللہ ہالیجوی (متوفی 18 اپریل 1962ء)

اس میں مفرد الفاظ عربی میں ابجد کی ترتیب سے لکھے گئے ہیں، یہ ایک مکمل کتاب ہے۔ مولانا یوسف بنوری نے اس پر ایک شاندار مقدمہ بھی لکھا ہے۔

العرفان بمفردات القرآن: (مولانا محمد اسماعیل عودوی (متوفی 29 نومبر 1970ء))

یہ لغت کے انداز میں ایک طرح کی تفسیر قرآن کریم بھی ہے۔ پاکستان میں شائع ہو رہی ہے۔

لغات القرآن:

مولانا محمد اجمل ہزاروی (ولادت 1932ء) درمیانہ درجہ کی لغات ہے، شائع ہو چکی ہے۔

ترغیب الاخوان فی ترکیب القرآن: (مولانا منظور احمد نعمانی (ولادت 1950ء)

یہ کتاب مبتدی بچوں کے لئے درسی طرز پر لکھی گئی ہے، شروع کتاب میں مبادی ترکیب کا بیان ہے۔ (اصول ترکیب) دوسرے حصے میں ترکیب القرآن و لغات القرآن ہیں۔ 1411ھ میں مکمل ہوئی اور اب یہ پاکستان میں بھی شائع ہو رہی ہے۔

الفروق: (مولانا ضمیر احمد قدوسی، (متوفی 8 جنوری 1962ء)

اس میں قرآن و حدیث کے ان الفاظ کے معنی بیان کئے گئے ہیں جو الفاظ کے لحاظ سے متفق اور

متحد ہیں لیکن ان کے معنی مختلف ہیں، غیر مطبوعہ ہے۔

قاموس الفاظ القرآن الکریم: (دکتور عبداللہ عباس ندوی)

یہ کتاب عربی اور انگریزی میں ہے، اس میں مصنف نے الفاظ قرآنی کے معنی سیاق وسباق اور استقاقی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب درحقیقت مستشرق جون پیٹرس کی کتاب کی غلطیوں کی اصلاح ہے۔

فوائد القرآن المعروف باصطلاحات القرآن:

مولانا عبداللہ بہلوی (متوفی یکم جنوری 1978ء)

سندھی:

اس عنوان کے تحت سندھی زبان میں لکھی گئی کتابوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

الیاقوت والمرجان فی شرح غریب القرآن: (حماداللہ ہالیجوی)

اس میں قرآن کریم کی سورۃ اعراف سے سورۃ ناس تک کے مشکل الفاظ کے معنی سندھی زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب سورتوں کی ترتیب پر لکھی گئی ہے۔ یعنی ہر سورت کے الفاظ معنی لغت کے انداز میں سورت کا نام دے کر اس کے تحت بیان کئے گئے۔

لغات القرآن: (مولانا خیر محمد ندوی)

یہ بھی سندھی زبان میں لکھی گئی ہے۔ البتہ اس میں بلوچی اور اردو میں بھی معنی لکھے گئے ہیں۔

انگریزی:

اس ضمن میں انگریزی میں لغات القرآن پر لکھی گئی کتابوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

(VOCABULARY OF THE HOLY QURAN) (عبداللہ عباس ندوی)

یہ عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ترتیب دی گئی ہے ایک اچھی کتاب ہے۔

لغات القرآن (انگریزی): (مولانا عبدالکریم پاریکھ ناگپور)

مستند تراجم کو سامنے رکھ کر یہ لغت تیار کی گئی۔ افعال کے سامنے حروف اصلی، یعنی مادہ بھی دیا گیا

ہے۔ کتاب کے شروع میں نحو وصرف کے کچھ ضروری قواعد بھی درج کئے گئے ہیں۔ لاہور میں شائع ہوئی ہے۔

اردو زبان:

اس عنوان کے تحت پاکستان کے حوالے سے اردو زبان میں لغات القرآن پر لکھی گئی کتابوں کا تذکرہ پیش کیا جائے گا۔ سب سے پہلے شاہ عبدالقادرؒ نے مختصر رسالہ لغات القرآن (1298ھ) تحریر فرمایا۔

عجائب البیان فی لغات القرآن مع تفسیر المنان ونجوم الفرقان:

(مولانا محمد عبداللہ المعروف بہ جیون نورالدین پکھلوی (متوفی 1947ء)

یہ اردو زبان میں لکھی گئی ایک اچھی لغت ہے۔ جس میں قرآن کریم کے الفاظ کے معنی آسان اور سہل انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔

دینی لغات:

مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی (ولادت یکم فروری 1913ء)، یہ قرآن، حدیث وفقہ کی جامع اردو لغت ہے، ستمبر 1960ء میں شائع ہوئی۔

تدریس القرآن: (مولانا محمد اجمل ہزاروی (ولادت جنوری 1932ء)

اس میں قرآن مجید کے مفرد الفاظ کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے، ان کی ایک لغت عربی میں بھی ہے۔

لغات القرآن: (مولانا خیر محمد ندوی)

یہ کتاب اردو، بلوچی اور سندھی زبان میں لکھی گئی۔

قاموس القرآن: (مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (ولادت 1909ء)

یہ لغات القرآن میں لکھی گئی کتابوں میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔ اس سے ایک عام آدمی بھی آسانی سے استفادہ کرسکتا ہے۔

ترجمہ قرآن: (مولانا محمد آصف قاسمی)

اس میں مولانا نے قرآن کریم میں باربار تکرار کے...... ساتھ آنے والے الفاظ، یعنی مکررات کو

چھوڑ کر صرف اصلی الفاظ معنی کے ساتھ یکجا کر دیئے ہیں۔

تدریس اللغتہ القرآن: (ابومسعود حسن علوی)

اس میں مصنف نے قرآنی آیات لکھ کر ہر جملے اور الفاظ کو الگ کر کے علیحدہ خانوں میں ترجمہ کیا ہے۔ پھر بامحاورہ ترجمہ ہے۔ عربی گرامر مع ترکیب بھی بیان کی ہے۔ اس کے بعد لغوی وتفسیری شرح بھی ہے۔ لغت میں ہر لفظ کا مصدر معنی، مترادفات کو بھی بیان کیا ہے۔ آیت اور جملے کی ترکیب پر روشنی ڈالی ہے اور قواعد بھی بیان کئے گئے ۔ افعال کے ساتھ ماضی / مضارع اور مصادر بھی دیئے گئے ہیں اور ساتھ ہی اسماء واماکن پر تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔

کتاب مفردات القرآن: (از: حمید الدین فراہی)

اس میں اہم قرآنی الفاظ کے معانی بیان کیے گئے ہیں، مصنف نے اس میں 177 ایسے الفاظ منتخب کئے ہیں جن کی تفسیر عام طور سے علماء ومفسرین نے اچھی طرح نہیں کی۔

مترادفات القرآن مع فروق اللغویہ: (از: مولانا عبدالرحمٰن گیلانی)

یہ مصنف کی ایک طویل مدت کی ذاتی محنت، لگن اور جستجو کا نتیجہ ہے کہ اردو زبان میں ایک ایسی عمدہ کتاب وجود میں آگئی جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے قطعی منفرد اور قرآن فہمی کے لئے غیر معمولی افادیت کی حامل ہے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ مصنف نے اس میں قرآن کریم کے تقریباً تمام مترادف الفاظ کو بڑے حسن اور سلیقہ سے جمع کر دیا ہے۔ جیسے قیامت کے مترادفات، الساعتہ، یوم الدین، یوم الخروج، یوم الحساب ، یوم الفصل، غاشیتہ، قارعتہ، حاقتہ، آزفتہ، طامتہ الکبریٰ، یوم الآخرۃ وغیرہ وغیرہ۔

شرح الفاظ القرآن: (از: مولانا عبدالرشید گجراتی)

یہ قرآن کریم کے الفاظ کے معنی وشرح پر ایک اچھی لغت ہے۔

غریب القرآن — از: مرزا ابوالفضل بن فیاض علی

المفردات فی غریب القرآن — از: حافظ نور الحسن

مراۃ القرآن — از: حافظ عبد الحیٔ

معجم القرآن — از: ڈاکٹر غلام جیلانی برق

لغات القرآن — از: تاج الدین دہلوی، 1950ء، کراچی

مختار البیان فی لغات القرآن — از: سید مختار احمد

شمس الاسلام پریس حیدر آباد نے 1966ء میں شائع کی تھی، متعدد جلدیں ہیں، یہ لغات القرآن کے ساتھ ساتھ اس کی مختصر تفسیر بھی ہے۔

قرآن مجید کا عربی اردو لغت:

یہ لغت ڈاکٹر محمد میاں صدیقی (جو ابھی زندہ ہیں) کی ایک نہایت ہی گراں قدر تالیف ہے، اس کے بارے میں مصنف خود رقم طراز ہیں۔

میں اگر یہ عرض کروں تو یقیناً مبالغہ نہ ہو گا کہ علوم القرآن، علوم حدیث، فقہ اور سیرت پر عربی زبان کے علاوہ جتنا لٹریچر آج اردو زبان میں ہے دنیا کی کسی زندہ زبان میں نہیں۔

زیر نظر کتاب ان حضرات کے لیے مرتب کی گئی ہے جو عربی زبان پر دسترس نہیں رکھتے اور ہر لفظ کے مادہ کو تلاش کرنا ان کے لئے دشواری کا سبب بن سکتا ہے، اس لئے مادے کے بجائے الفاظ قرآن کو ان کی اپنی ہی صورت میں لغت تصور کر کے حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کر دیا گیا ہے۔ جیسے اَسْقَیْنٰکُمْ (ہم نے تم کو پلایا)، اس لفظ کو الف۔سین میں شمار کیا گیا ہے، حالانکہ اس کا مادہ ''سقی'' ہے اور اس اعتبار سے اس لفظ کو تین قاف میں آنا چاہیے۔

اس ترتیب سے ہر شخص ''اَسْقَیْنٰکُمْ'' کا لفظ آسانی سے نکال سکتا ہے اور اس کے معنی اور صیغے کو معلوم کر سکتا ہے۔ امکانی حد تک اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن حکیم میں موجود کوئی لفظ چھوٹنے نہ پائے۔

رسم الخط میں اس بات کا حتی المقدور اہتمام کیا گیا ہے کہ رسم قرآن کی پیروی کی جائے جو لفظ جس طرح قرآن حکیم میں لکھا ہوا ہے اسی طرح یہاں بھی لکھا جائے۔ مثلاً: لفظ الکتاب اس کا عام مربی، تا،

الف، با (کتاب) ہے لیکن قرآن حکیم میں تا پر کھڑا زبر ہے اور الف کے بغیر ہے۔ الکتٰب اسی رسم الخط کی پابندی کی گئی ہے۔

ڈاکٹر محمد میاں صدیقی کی قرآنیات کے سلسلہ میں خدمات ناقابل فراموش ہیں، آپ نے اس معرکۃ الآراء کتاب کے علاوہ بھی ایک مزید کتاب لغات قرآنی سے متعلق لکھی ہے اور آپ کی تمام کتب مقتدرہ قومی زبان پاکستان نے اپنا اعزاز سمجھتے ہوئے شائع کی ہیں، اس کتاب کا نام یہ ہے۔

فرہنگ اصطلاحات قرآن طبع اول 2003ء صفحات 207، عام کتابی سائز۔

مقالید القرآن (اردو):

مصنف: الحاج سید محمد یٰسین خان مسوانی، سن اشاعت: 1977ء، ضخامت: 24x16،

طابع: خورشید اختر خان، یونین پارک سمن آباد، لاہور

مقالید القرآن میں 370 عنوانات کے تحت قرآنی آیات کو یکجا کیا گیا ہے۔ ہر عنوان کے ساتھ متعلقہ آیت کا نمبر اور سورت کا نام دیا گیا ہے، اس کتاب کا ایک نسخہ قائد اعظم لائبریری میں موجود ہے۔

لغات القرآن (عربی اردو):

تالیف: الحاج عبدالکریم پاریکھ، سن اشاعت: 1982، تعداد صفحات: 288، ضخامت 21x14

ناشر: مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی

مصنف نے اردو ترجمے کو سامنے رکھ کر ہر پارے کے مشکل الفاظ کا ترجمہ موقع محل کے مطابق کیا ہے، جس جگہ ضروری ہوا، اگر انگریزی داں طبقے کی سہولت کے لئے انگریزی الفاظ بھی لکھے ہیں۔

آسان لغات القرآن: (عربی اردو لغت تلاوت کی ترتیب سے)

از: مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب

ادارۂ اسلامیات 190 انارکلی روڈ، لاہور، مارچ 1999ء

292 صفحات کی عام سائز کی کتاب ہے، مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب کا پیش لفظ لکھا ہوا ہے۔ اس کتاب کے لیے مصنف نے کئی تفاسیر اور ترجموں کا مطالعہ کیا، مصنف نے اپنے تاثرات یکم

جون 1987ء کو لکھے ہیں۔ اس کتاب میں لغات سے قبل عربی سیکھنے کے لیے نو سبق بھی دیئے گئے ہیں، جن میں قرآن مجید کے متعدد عربی الفاظ کو اردو میں ترجمہ کر کے بتایا گیا ہے۔

لسان القرآن (اردو):

مصنف: مولانا محمد حنیف ندوی، سن اشاعت: جلد اول 1983ء، تعداد صفحات :400، ضخامت :21x14

سن اشاعت: جلد دوم......؟، تعداد صفحات 401 تا 793، ضخامت، 21x14،

ناشر ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور

قرآن حکیم کے اس جامع تفسیری لغت میں قرآن حکیم کے الفاظ کے معنی، قرآن و حدیث، محاورات، عرب اور قدیم و جدید علوم کی روشنی میں واضح کئے گئے ہیں، اس کتاب کا ایک سیٹ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان کی لائبریری میں موجود ہے۔

اس لغت میں قرآن کریم کے الفاظ کے معنی مستند کتب لغت کی بنیاد پر اس انداز سے متعین کئے گئے ہیں کہ قرآن جو تصورات پیش کرتا ہے، ان کا مکمل نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

معجم القرآن (اردو):

تحریر: فضل الرحمٰن، سن اشاعت: 1405ھ، تعداد صفحات 512: ، ضخامت 21x14

ناشر: ادارہ مجددیہ، ناظم آباد، کراچی

اس کتاب میں تمام الفاظ قرآنی کو ان کی اپنی ہی صورت میں لغت تصور کرتے ہوئے حروف تہجی کے اعتبار سے لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ قائداعظم لائبریری میں موجود ہے۔

ڈکشنری مضامین القرآن (اردو):

مصنف: مفتی شوکت علی فہیم، تعداد صفحات: 255، ضخامت 21x14

پبلشرز: مقبول اکیڈمی، 199، سرکلر روڈ، انارکلی، لاہور

اس کتاب میں حروف ابجد کے لحاظ سے قرآنی احکامات کو یکجا کیا گیا ہے، اس کتاب کا ایک نسخہ

میونسپل پبلک لائبریری ملتان میں موجود ہے۔

صحیح لغات القرآن (اردو):

سن اشاعت: جلد اول 1984ء تعداد صفحات: 1 تا 462، ضخامت 24x16:

سن اشاعت: جلد دوم 1960ء تعداد صفحات: 463 تا 998، ضخامت: 24x16

سن اشاعت: جلد سوم 1961ء تعداد صفحات: 999 تا 1470، ضخامت: 24x16

سن اشاعت: جلد چہارم تعداد صفحات: 1470 تا 1838، ضخامت: 24x16

پبلشرز: ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور

از تاج محمد دہلوی، تعداد صفحات: 488، ضخامت 17x12، پبلشرز: خیر کثیر آرام باغ کراچی

اس لغت میں حروف ابجد سے قرآن کے مشکل الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے۔

عنوانات القرآن (پشتو):

مصنف: سردار شاہی، یہ قرآن کی سورتوں کی فہرست ہے۔

مفہوم القرآن (اردو):

تحریر: غلام احمد پرویز، تعداد جلد 3، ضخامت 24x16، ناشر ادارہ طلوع اسلام، لاہور

یہ کتاب قرآن مجید کی ایک ڈکشنری ہے، اس کتاب کا ایک سیٹ قائد اعظم لائبریری لاہور میں موجود ہے۔

لغات القرآن ...... مفہوم القرآن:

غلام احمد پرویز نے قرآن مجید کی تعبیر و تشریح کے ضمن میں جو کام کیا، وہ تین طرح کا ہے۔ ''لغات القرآن'' کے تحت انہوں نے قرآن مجید کے الفاظ کی ایک لغت مرتب کی اور اس میں انہوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ الفاظ کا وسیع تر مفہوم کیا ہے۔ اور قرآن مجید میں یہ کس مفہوم میں مستعمل ہیں۔ پرویز صاحب کے نزدیک چونکہ عربی لغت و تفاسیر کی ترتیب و تدوین کا کام زیادہ تر عباسی دور میں ہوا اور یہ وہ عہد ہے جب عجمی اثرات مسلمان معاشرے پر غالب آ گئے تھے اور یوں''

ان لوگوں کے قلم سے جو کچھ نکلا اس کے الفاظ تو عربی تھے لیکن الفاظ کے پیکروں میں تصورات عجمی تھے۔ پوری عربی زبان تصنیف و تالیف کے پہلے دور میں ہی غیر عربی تصورات کی حامل بن گئی ۔ اس طرح ''قرآنی الفاظ کے اس مفہوم میں فرق آگیا جو اس زمانہ نزول قرآن میں لیا جاتا تھا۔'' پرویز صاحب نے اس مشکل کے تدارک اور الفاظ کے درست مفہوم تک رسائی کے لئے ایک حل تجویز کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''عربی زبان کے وہ الفاظ جو زمانہ نزول قرآن میں مروج تھے، عربی ادب کی کتابوں میں موجود ہیں اور چونکہ وہ اشعار بھی موجود ہیں جن میں وہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اس لئے (ان اشعار کی مدد سے) ان الفاظ کا وہ مفہوم بھی متعین کیا جا سکتا ہے جو ان سے زمانہ نزول قرآن میں لیا جاتا تھا۔ یہ الفاظ قرآن مجید میں بیشتر انہی معانی میں استعمال ہوئے ہیں، جن معانی میں وہ ان اشعار میں استعمال ہوئے تھے اور جن سے زمانہ نزول قرآن کے عرب اچھی طرح واقف تھے۔''

تنہا لغت سے پرویز صاحب کے نزدیک قرآن کے الفاظ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا جا سکتا، کیونکہ لغت انسانی کوششوں کا نتیجہ ہے، جس میں سہو و خطا کا امکان باقی رہتا ہے۔ ان کے اصول تفسیر الگ نکات کی صورت میں بیان کئے جائیں تو وہ اس طرح ہیں۔

☆ سب سے پہلے لفظ کو دیکھا جائے کہ اس کا بنیادی مفہوم کیا ہے اور خصوصیات کیا ہیں۔

☆ پھر دیکھا جائے کہ صحرا نشین عربوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال کس کس انداز سے ہوتا تھا۔

☆ اس کے بعد دیکھا جائے کہ قرآن کریم میں وہ لفظ کس کس مقام پر آیا اور قرآن نے اسے کس کس رنگ میں استعمال کیا ہے۔

☆ اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ قرآن کریم کی پوری تعلیم کا مجموعی تصور سامنے ہونا چاہیے۔

لغات القرآن کے پیش لفظ میں انہوں نے امام حمید الدین فراہی کے اسلوب تفسیر کی بھی تعریف کی ہے اور اپنے ظرف کے مطابق ان کی بصیرت سے استفادے کا بھی اظہار کیا ہے۔

قرآن مجید کی اصطلاحات کے مفاہیم کے بارے میں بھی پرویز صاحب کا اپنا ایک نقطۂ نظر ہے۔مثال کے طور پر ''اقامت صلوٰۃ'' کے تحت وہ لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کی ایک خاص اصطلاح ''اقامت صلوٰۃ'' ہے، جس کے عام معنی نماز قائم کرنا یا نماز پڑھنا کئے جاتے ہیں۔لفظ صلوٰۃ کا مادّہ (ص ل و) ہے جس کے بنیادی معنی کسی کے پیچھے چلنے کے ہیں، اس لئے صلوٰۃ میں ''قوانین خداوندی'' کے اتباع کا مفہوم شامل ہوگا۔ بنا بریں اقامت صلوۃ سے مفہوم ہوگا ایسے نظام یا معاشرے کا قیام جس میں قوانین خداوندی کے اتباع کا تصور محسوس اور سمٹی ہوئی شکل میں سامنے آجاتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے اس اصطلاح کو ان اجتماعات کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔قرآنی آیات پر تھوڑا سا تدبر کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کس مقام پر اقامت صلوٰۃ سے مراد اجتماعات نماز ہیں اور کس مقام پر قرآنی نظام یا معاشرے کا قیام۔''

پرویز صاحب قرآن کی تفسیر میں ان روایات کو بھی درست نہیں سمجھتے جو ''شان نزول'' کے عنوان سے بیان کی جاتی ہیں۔قرآن جید کے معرکتہ الآراء مسائل پر انہوں نے ''معارف القرآن'' کے عنوان سے اظہار حیال کیا ہے، جو ابلیس وآدم شعلہ مستور، جوئے نور من و یزداں وغیرہ کے نام سے الگ الگ شائع ہو چکی ہیں۔

لغات القرآن (اردو) مع فہرست الفاظ:

تالیف: مولانا سید عبد الدائم نعمانی الجلالی، تعداد جلد 6عدد، ضخامت 24x16۔

تعداد صفحات جلد اوّل:319، جلد دوم 329، جلد سوم:304، جلد چہارم:384، جلد پنجم:496، جلد ششم:328

پبلشرز: دینی کتب خانہ اردو بازار لاہور۔

اردو میں لغات القرآن کے متعلق یہ ایک جامع اور مستند کتاب ہے۔ جو قرآن مجید کے معنی و مطالب کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔یہ قرآن مجید کی ایک بہت بلند پایہ لغت ہے، اس سے بہتر لغت اردو

میں دستیاب نہیں، اس میں الفاظ کی فہرست کا فائدہ ضمناً حاصل ہوتا ہے کیونکہ اسے مادہ ماخذ سے ہٹا کر الفاظ کی موجودہ مشتقوں کی شکلوں کی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ یعنی ہر لفظ اور کلمہ بغیر مادہ معلوم کئے آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔

لغات القرآن:

از: مولانا عبدالرشید نعمانی

تعداد جلد 6 عدد، فاروق اکیڈمی

پاکستان میں لکھی گئی لغات القرآن کے کتب میں بہت اعلیٰ پائے کی ہے اور علمی و ادبی حلقوں میں ازحد مقبول ہے۔

مترادفات قرآن:

از: مولانا عبدالرحمٰن گیلانی

احد پرنٹنگ پریس 1990ء لاہور، صفحات 1000

بہت بلند پایہ کی لغات قرآنی ہے، جس میں مترادفات اس کی معانی اور ترتیب وغیرہ پر سابقہ مفسرین کی آراء کی روشنی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اپنے فن کی بہترین عالمانہ کتاب ہے۔

اصلاحات قرآن: (قرآن مجید کے معانی و مطالب کا منفرد و جامع لغات)

از: خواجہ محمد اسلم

فیروز سنز لاہور، 1998ء، 260 صفحات پر مشتمل ایک درمیانہ درجہ کی عام فہم عبارت میں لغات ہے۔

مفردات فی غریب القرآن (اردو ترجمہ):

از: مفتی محمد عبدہ

تعداد جلد 2 عدد (بڑی سائز ہر جلد 570 صفحات)

مولانا راغب اصفہانی جو اس فن کے امام ہیں، ان مشہو عالم کتاب کا باہم حسین امتزاج ہے، اس کا اردو ترجمہ شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد عبدہ نے کیا ہے۔ موصوف خود بھی کافی لغوی ذوق کے حامل

ہیں۔ اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور نے 1987ء میں چھاپی ہے، ترجمہ اصل کی کما حقہ ترجمانی تو نہیں کرتا لیکن ایک قاری کے ذوق کو بہت حد تک پورا کر دیتا ہے۔

لغات قرآنی میں مفسرین کا عمومی مزاج:

ان کے علاوہ پاکستان کے بعض علماء اور محققین نے قرآن کریم کے لغت کے انداز میں ترجمے کیے جیسے ہر لفظ کو الگ الگ خانہ میں لکھ کر نیچے اس کا ترجمہ دیا گیا ہے، تاکہ عام قاری اور مبتدی کے لیے ترجمہ قرآن کا سیکھنا سہل اور آسان ہو۔ ان تراجم میں شاہ رفیع الدین محدث دہلوی، خواجہ حسن نظامی، ڈپٹی نذیر احمد اور جناب حافظ نذر احمد کے تراجم زیادہ مشہور اور قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات نے اسی طرز پر لغویہ پر ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

بعض مفسرین نے اپنی تفاسیر میں مشکل مفردات کے معنی لغات کے انداز میں بیان کئے ہیں اور مشکل الفاظ کے نہ صرف معنی بتائے بلکہ ان پر تشریحی و توضیحی نوٹ بھی تحریر کئے تاکہ تفسیر کے کسی بھی قاری کو فہم القرآن و تفسیر میں کوئی دقت نہ ہو۔ ان تفاسیر میں بیان القرآن: مولانا اشرف علی تھانوی کی، ضیاء القرآن: پیر کرم شاہ الازہری کی، مجموعہ تفسیر فراہی: علامہ فراہی کی اور تدبر القرآن، علامہ امین احسن اصلاحی کی قابل ذکر ہیں۔

ان حقائق سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ پاکستان کے اہل علم نے دیگر اسلامی علوم کے علاوہ لغات القرآن کے موضوع پر جتنا کام کیا ہے وہ بلاشبہ نہ صرف مسلمانان برصغیر کے لئے سرمایہ افتخار ہے، بلکہ کسی بھی طبع اور علاقے کے لوگوں کے لیے بھی قابل صدر انبساط و باعث فخر ہے۔

❁❁❁❁

سندھی زبان میں قرآن پاک کے تراجم اور ان کی علمی وادبی خصوصیات

ڈاکٹر عبدالرزاق گھانگھرو ☆

اسلام علمی لحاظ سے ایک دعوتی مذہب ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلام کے بانی حضرت محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات طیبہ اسلامی تعلیم، تبلیغ وتلقین کا منبہ ومرکز ہے۔ آپ ﷺ داعیان اسلام کے ایک بڑے سلسلہ کے رہنما و رہبر ہیں۔ جن کے بدولت دنیا کے ہر گوشہ میں ایمان اور اسلام کی دولت پہنچی۔ اسلام جب عرب کے حدود سے نکل کر دنیا کے دور دراز علاقہ جات تک پہنچا، تو عرب وعجم کا آپس میں سنگم پیدا ہوا، اور ان علاقعوں میں اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں۔ اسلام کے بدولت ان حصوں میں سیاسی، سماجی، معاشی ومعاشرتی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ عربی عربوں کی مادری زبان اور قرآن پاک مسلمانوں کی مذہبی کتاب ہے۔ جس کو سمجھے بغیر اسلام کے حقیقی روح تک رسائی میں دقت محسوس ہو رہی تھی، اس لئے اس وقت کے علماء اور مبلغین نے محسوس کیا، کہ اسلام کے حقیقی روح کو حاصل کرنے کے لیے قرآن پاک کا غیر عربی زبان میں ترجمہ کرنا انتہائی ضروری ہے، تاکہ تمام قومیں جغرافیائی، تہذیبی، ثقافتی اور مذہبی نقطہ نظر سے آپس میں ہم آہنگ ہوسکیں۔ اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کے اولین علماء وفقہاء نے قرآن پاک کا غیر عربی زبانوں میں ترجمہ کرنے کے متعلق موافقت ومخالفت میں اپنی آراء کو پیش کیا۔ (۱) آخر کار اس علمی وفقہی بحث ومباحثہ کا یہ نتیجہ اخذ کیا گیا، کہ قرآن پاک کے ترجمے کے سلسلے میں اس بات کا خیال رکھا جائے، کہ قرآن پاک کے عربی متن کا تقدس زائل نہ ہو۔

☆ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مہران یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی جامشورو سندھ۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 1/16 میں اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ (۲) مفتی محمد شفیع نے جواہر الفقہ، جلد اول سے مختلف فقہاء کی آرا کی روشنی میں تحریر کیا ہے، کہ غیر عربی زبان میں ترجمہ کرتے وقت اصل عربی متن ضرور شامل ہو، تاکہ قرآن پاک کے اصل عربی عبارت کی اصلیت قائم ودائم رہے۔ (۳) برصغیر پاک وہند میں یہ مسئلہ بھی کافی اختلافی رہا ہے۔

مشہور محقق وعالم دین شاہ ولی اللہ دہلوی نے ۱۷۶۲ء میں قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا، تو اس وقت کے کچھ علماء نے اس پر اعتراضات کیے تھے اور شاہ ولی اللہ کے اس ترجمہ کرنے کو بدعت قرار دیا تھا۔ اور یہ فتوی صادر کیا تھا، کہ شاہ ولی اللہ کا یہ فعل سراسر کفر والحاد ہے۔ (۴) سندھ میں انگریز دور حکومت میں مولانا سید تاج محمود امروٹی نے بغیر عربی متن کے سن ۱۸۹۶ء میں قرآن پاک کا سندھی ترجمہ شایع کرایا تو اس پر بھی اعتراضات کیے گئے۔ (۵) دراصل علماء وفقہاء کا اس سلسلے میں اعتراضات کا منشا یہ تھا کہ آگے چل کر ایسا نہ ہو، کہ قرآن پاک کے اصل عربی متن کی عزت واحترام میں کمی واقع ہو۔ قیام پاکستان کے بعد کچھ ناعاقبت اندیش افراد نے نماز میں عربی متن کے بجائے اس کے مفہوم کو مادری زبان میں پڑھنے کی اجازت دینے کی کوشش کی تھی، لیکن علمائے حق کے بروقت اقدام سے یہ فتنہ سر نہ اٹھا سکا اور ہمیشہ کے لیے دفن ہو گیا۔

برصغیر پاک وہند میں سندھ پہلا خطہ ہے، جہاں اسلام سب سے پہلے پہنچا اور ان کے منور شعاعوں نے باقی برصغیر کو منور کیا۔ تاریخی لحاظ سے قرآن پاک کے سمجھنے اور سمجھانے میں یہاں کے علماء نے بڑا علمی وتحقیقی کام کیا ہے۔ سن ۲۷۰ھ / ۸۸۳ء عربی میں دور حکومت میں سندھ میں اندرونی خلفشار کے باعث کئی چھوٹی ریاستیں وجود میں آئیں۔ (۶) جن میں منصورہ ریاست پر ہباری خاندان کا تسلط قائم ہوا۔ منصورہ کے مسلمان حاکم عبداللہ بن عمر ھباری نے الور کے ھندو راجا کی درخواست پر ان کی خدمت میں ایک عالم کو بھیجا تھا، جنھوں نے ان کے دربار میں قرآن پاک کا ترجمہ پیش کیا تھا۔ مشہور مؤرخ بزرگ بن شہر یار کی اس روایت کو برصغیر ہندوپاک کے بلند مرتبہ مؤرخین نے بھی نقل کیا ہے۔ (۷) لیکن اس ترجمہ کی ترتیب اور املا کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اتنا ضرور ہے،

کہ برصغیر میں قرآن پاک کے سب سے پہلے ترجمہ کرنے کا اعزاز سندھ کو حاصل ہے۔ (۸) عربی حکومت کے خاتمہ کے بعد سندھ میں سومرہ، سمہ، ارغون، ترخان اور مغل خاندان برسرِ اقتدار آئے۔ ان ادوار میں سندھ میں اسلامی علوم وفنون کے مدارس ومکاتب کا ذکر برصغیر ہندوپاک کے قدیم تاریخی تذکروں میں عام طور پر ملتا ہے۔ ضرور ان ادوار میں قرآن پاک کے تراجم پر کام کیا گیا ہوگا لیکن افسوس کہ ان ادوار میں قرآن پاک کے تفاسیر کا ذکر تو ملتا ہے، لیکن خالص تراجم کے متعلق کوئی مسند احوال موجود نہیں ہے البتہ ارغون وترخان دور میں مخدوم نوح ہالائی (۹۹۸ھ /۱۵۸۹ء) نے باقاعدہ خالص قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کیا، جو زمانہ کے انقلابات کے باوجود محفوظ حالت میں دستیاب ہوا ہے۔ (۹) یہ ترجمہ علامہ مصطفٰی قاسمی کی سعی وتحقیق سے سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے شایع کرایا ہے۔ یہ ترجمہ برصغیر پاک وہند کے مشہور محقق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ترجمہ سے بھی پہلے تالیف کیا گیا ہے۔ اس لحاظ ہم اس رائے میں حق بجانب ہیں کہ برصغیر میں فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کا پہلا اعزاز بھی سندھ کو حاصل ہے۔ اس دور میں سندھی علماء میں ایک تحریک نے جنم لیا کہ اسلامی علوم وفنون کی تصانیف مادری زبان سندھی میں کی جائیں، تاکہ عام سندھی خواندہ اس سے مستفیض ہوسکیں۔ (۱۰) اس تحریک کے نتیجہ میں سندھ میں مادری زبان سندھی میں تصنیف وتالیف شروع ہوئی۔ ابتدا میں یہ تمام تصانیف قدیم سندھی شاعری میں ہوئی۔ اس ضمن میں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی اور دیگر علمائے سندھ نے قرآن پاک کے تفاسیر تالیف کئے، لیکن اس دور میں خالص ترجمہ کے متعلق سندھ کی ادبی تاریخ میں کوئی ذکر موجو نہیں ہے اور نہ ہی اس قسم کا کوئی تحریری مواد دستیاب ہوسکا ہے۔ کلھوڑا دور میں مروج سندھی شاعری اپنی ارتقائی منازل طے کرکے جب نثر کی شکل میں وجود میں آئی، تو سندھ میں خالص نثر میں تراجم کی شروعات ہوئی۔ (۱۱) اور یہ سلسلہ الحمدللہ اب تک جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں سندھی زبان میں قرآن پاک کے خالص سندھی تراجم پر اب تک جتنا کام ہوسکا، اس کو اس مختصر مقالہ میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

(۱) قرآن مجید مترجم (آخوند عزیز اللہ مٹیاروی):

یہ سندھی زبان میں قرآن پاک کا اولین ترجمہ ہے اس کا مترجم ٹالپر دور حکومت (۱۱۹۷ھ / ۱۷۸۳ء) کے ایک بلند مرتبہ یگانہ روزگار عالم آخوند عزیز اللہ مٹیاروی (۱۲۸۳ھ / ۱۸۵۶ء) ہیں۔ قاضی عزیز اللہ کا تعلق مٹیاری کے مشہور علمی خاندان سے ہے۔ آپ ایک بڑے عالم وفاضل اور قابل بزرگ تھے۔ مٹیاری کے مشہور عالم مخدوم عثمان سے جملہ علوم کی تحصیل کی اور ایک برجستہ عالم بن گئے۔ نقشبندی طریقہ میں انہوں نے لواری والے بزرگوں سے بیعت کی۔ اس وقت لواری بڑا علمی مرکز تھا۔ قاضی صاحب زیادہ تر لواری میں رہتے تھے اور ساتھ ہی فتویٰ نویسی اور تصنیف وتالیف کا بھی کام کرتے تھے۔ (۱۲) آخوند عزیز اللہ سے پہلے سندھی زبان میں جتنے بھی قرآن پاک کے تراجم دستیاب ہوئے ہیں، ان کی نوعیت تفسیر کی ہے۔ اس لئے ان کو فنی لحاظ سے تراجم میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے پہلے سندھی نثر کے بجائے الف اشباع کی طرز پر قدیم سندھی ابیات میں علمائے سندھ نے اسلامی علوم وفنون کی کتب تصانیف کی ہیں۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی (م ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۰ء) کی 'تفسیر ہاشمی' بھی قدیم سندھی ابیات میں ہے۔ (۱۳) اس لحاظ سے آخوند عزیز اللہ پہلے سندھی عالم ہیں، جنھوں نے قدیم سندھی شاعری سے ہٹ کر خالص سندھی نثر میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ بعد میں آنے والے علمائے سندھ کے لیے ایک رہنما ورہبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ (۱۴) آخوند عزیز اللہ کا یہ سندھی ترجمہ سب سے پہلے قاضی محمد ابراہیم نے سن ۱۲۵۷ھ / ۱۸۷۰ء میں محمدی پریس گجرات بھارت سے لیتھو میں چھپوا کر شایع کرایا۔ اس کے بعد اسی ترجمہ کو عبدالصمد ولد محمد مقیم نورنگ پوتہ نے سن ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء میں مرغوب ہردیار چھاپخانہ بمبئی سے دوسری مرتبہ شایع کرایا۔ اسی طرح یہ ترجمہ تیسری مرتبہ کریمی پریس بمبئی سے ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں شایع ہوا۔ اس آخری ایڈیشن کی خصوصیت یہ ہے کہ آخوند عزیز اللہ مٹیاروی کے سندھی ترجمے کے نیچے برصغیر کے مشہور مفکر وعالم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فارسی ترجمہ بھی دیا گیا ہے، اور ساتھ ہی حواشی پر جو آیات کا فارسی زبان میں شان نزول دیا گیا ہے، اس کو شیخ سعدی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء والا یہ نسخہ ۱۰۸۰ صفحات پر

مشتمل ہے۔

علمی وفنی لحاظ سے آخوند عزیز اللہ مٹیاروی کا یہ ترجمہ قدیم سندھی ادب میں اپنی نوعیت کا اولین اور بنیادی ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کی مقبولیت کے متعلق علامہ غلام مصطفٰی قاسمی رقمطراز ہیں کہ سارے سندھ میں یہ ترجمہ رواج میں تھا، اس لئے سندھ کی ہر مسجد میں یہ ترجمہ عام طور موجود نظر آتا تھا'۔(۱۵)

(۲) قرآن مترجم ومحشی (مولانا محمد صدیق نورنگ پوتہ):

قرآن پاک کے اس سندھی ترجمے کا مترجم مولانا محمد صدیق ولد مخدوم عبدالرحمان، سندھ کے علمی ومذہبی خاندان مخدوم نورنگ (۱۶) کی اولاد میں سے اپنے وقت کے مشہور عالم اور صوفی بزرگ تھے۔ مولانا محمد صدیق کی ابتدائی تعلیم کے متعلق سندھ کے ادبی تذکرے خاموش ہیں۔ مولانا دین محمد وفائی نے اپنے مشہور ''تذکرہ مشاہیر سندھ'' میں صرف لکھا ہے کہ وہ سندھ میں مروج علوم کی تحصیل کے بعد ممبئی منتقل ہوئے، اور وہاں ان کے خاندان کے کاٹھیاواڑی مرید تھے۔ ممبئی میں انہوں نے اشاعت علم اور بالخصوص قدیم سندھی دینی کتب کی طباعت کے لئے ایک چھاپ خانہ ''مطبع حسینی'' کے نام سے قائم کیا تھا۔(۱۷)

مولانا محمد صدیق کا یہ سندھی ترجمہ آخوند عزیز اللہ کے بعد قرآن پاک کے سندھی تراجم میں قدیم ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ سب سے پہلے ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں مولانا محمد صدیق نے اپنی قائم کردہ ''مطبع حسینی'' سے طبع کرکے شایع کرایا۔ اس ترجمہ کے آخر میں مولانا حافظ نعمت اللہ کاشمیری نے طباعت کی مادہ تاریخ اس طرح مرقوم کی ہے۔

قد طبع مصحف مجید

لا مثل لها ولا مماثل (۱۸)

۱۲۹۵ء

یہ ترجمہ سندھ میں اس قدر مقبول ہوا کہ سن ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء میں اس کو دوبارہ شایع کرایا گیا۔ اسی طرح مولانا محمد صدیق کے وفات کے بعد ان کے فرزند مولانا عبد اللطیف نے سن ۱۳۱۷ھ /

۱۸۹۹ء میں سندھ کے علمی حلقوں کے بہت زیادہ اسرار پر اسی ترجمے کو سہ بار شایع کرایا۔ اس طبع شدہ ترجمے کی تفریظ مولانا منیر الدین جبل پوری نے لکھی ہے، جس میں طباعت کی مادہ تاریخ اس طرح لکھائی ہے۔

کلام پاک مترجم بحرف عام سندھ۔(۱۹)

اس کے بعد یہ ترجمہ چوتھی مرتبہ ۱۹۳۶ء میں دین محمدی اینڈ سنز تاجران کتب لاہور نے شایع کرایا۔ اس لحاظ سے اس ترجمہ سے نصف صدی سے زیادہ تک سندھ کے لوگ مستفیض ہوتے رہے۔

مولانا محمد صدیق کے اس ترجمے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ آخوند عزیز اللہ کے ترجمے کے طرز پر قدیم سندھی میں معمولی تبدیلی کے ساتھ تحت اللفظ میں ہے۔ آخوند عزیز اللہ کی سندھی عبارت عربی نوعیت پر دقیق ہے اور مولانا محمد صدیق کی عبارت اس سے کچھ قدر فصیح و عام فہم ہے۔ اس کے باوجود ترجمے میں استعمال شدہ قدیم سندھی الفاظ، محاورات اور اصطلاحات اکثر متروک ہو چکے ہیں۔ مولانا محمد صدیق نے قدیم سندھی الفاظ کو املا کرنے وقت عربی صورت خطی کی طرح اعرابیں استعمال کی گئی ہیں۔ آخوند عزیز اللہ کے بعد مولانا محمد صدیق کا یہ ترجمہ قرآن پاک کے سندھی تراجم میں اپنی نوعیت کا منفرد ترجمہ شمار ہوتا ہے۔

(۳) قرآن پاک مترجم مع مختصر حاشیہ (قاضی شرف الدین سیوہانی):

قاضی شرف الدین سیوھانی کا تعلق سندھ کے قدیم تاریخی شہر سیوھن سے ہے۔ سندھ کے ادبی تذکرے قاضی صاحب کے احوال کے متعلق خاموش نظر آتے ہیں۔ اس لئے ان کی زندگی کے متعلق قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے علم کی تحصیل کس طرح کی اور اس مذکورہ ترجمے کے علاوہ اور کیا علمی و تحقیقی خدمات سرانجام دیں۔ قاضی شرف الدین کا یہ سندھی ترجمہ بمع مختصر حواشی ابھی تک خطی شکل میں انسٹیٹیوٹ آف سندھ لوجی جام شورو میں موجود ہے۔ یہ ترجمہ ۲۰x۳۲ س۔م کی تقطیع میں ۱۰۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ترجمے کے آخر میں مترجم قاضی شرف الدین نے ترجمے کی مادہ تاریخ درج کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ قاضی شرف الدین نے یہ ترجمہ کرنے میں دو سال صرف کئے۔

اور جمعہ کے دن ۱۳ رجب المرجب ۱۳۲۵ھ میں اسے مکمل کیا۔ (۲۰) ترجمہ تحت اللفظ ہے اور کچھ آیات کے ترجمہ کرتے ہوئے، حواشی پر مختصر وضاحتی توضیح کے لئے مختصر شان نزول بھی رقم کیا ہوا ہے، جو ایک بڑی علمی خدمت ہے۔ قاضی شرف الدین نے چونکہ اپنی عبارت میں فصاحت و بلاغت کو قائم رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے لیکن پھر بھی کئی مقامات پر سندھی عبارت کچھ قدر دقیق بھی محسوس ہوتی ہے۔ اس ترجمہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ قاضی صاحب نے ترجمہ کرتے وقت زائد الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں۔ ایک صدی گزرنے کے باوجود سندھ کے کسی علمی، تحقیقی اور اشاعتی ادارہ نے اس ترجمہ کی اشاعت کے طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی ہے۔ ہماری رائے میں اگر جدید طرز پر اس ترجمہ کو ایڈٹ کر کے شایع کیا جائے، تو سندھ کے عام خواندہ اس سے بہت مستفیض ہو سکتے ہیں۔

(۴) رفیع الشان قرآن عظیم مترجم (مولانا سید تاج محمود امروٹی):

قرآن پاک کا یہ بامحاورہ ترجمہ سندھ کے بلند مرتبہ عالم اور روحانی بزرگ مولانا سید تاج محمود امروٹی نے کیا ہے۔ مولانا تاج محمود امروٹی بڑے عالم، فاضل اور عارف کامل تھے۔ ان کی علمیت و روحانیت کی وجہ سے سندھ کے دور دراز سے لوگ ان کی صحبت میں حاضر ہوتے تھے۔ تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا اور ہجرت تحریک کے دوران افغانستان جانے والوں کی قیادت کی، ان کی نظر میں مسلمانوں میں تعمیری انقلاب قرآنی تعلیمات کو عام کرنے سے ہی آ سکتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک کی سورۂ یٰس اور سورۂ رحمٰن کا منظوم ترجمہ و تفسیر تالیف کیا۔ (۲۱) اس کے علاوہ قرآن پاک کا مکمل ترجمہ بھی کیا تھا۔ مولانا سید امروٹی نے یہ ترجمہ سن ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۶ء میں ترجمہ کرنا شروع کیا تھا۔ اور ان کی زندگی ہی میں یہ ترجمہ الحق پریس سکھر سندھ سے تین حصوں میں سن ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء میں شایع ہوا۔ مولانا امروٹی کا یہ ترجمہ اپنی نوعیت کا پہلا سندھی ترجمہ ہے، جس میں قرآن پاک کے عربی متن کے بغیر صرف آیات کا نمبر دے کر ترجمہ شایع کیا گیا۔ (۲۲) اس بغیر عربی متن کے ترجمے کی اشاعت پر اس دور کے ایک بڑے عالم اور صاحب منطق مولانا قمر الدین انڈھڑ پنو عاقل والے نے سختی سے اعتراض اٹھائے اور مولانا امروٹی کے اس طرح ترجمہ شایع کرانے کو کفریہ عمل قرار دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ خود اسی

مسئلہ پر مولانا امروٹی سے مناظرہ اور بحث کرنے کیلئے امروٹ تشریف لے آئے۔ مولانا امروٹی نے بغیر کسی بحث کے مولانا قمرالدین کو یہ یقین دلایا، کہ آئندہ یہ ترجمہ بغیر عربی متن کے شایع نہیں کرایا جائے گا۔ (۲۳) اس کے بعد یہ ترجمہ کئی مرتبہ مولانا احمد علی لاہوری کے سعی وکوشش سے لاہور سے متواتر شایع ہوتا رہا۔ یہ ترجمہ سندھ میں اتنا مقبول اور عام ہے، کہ پاکستان کا مشہور اشاعتی ادارہ تاج کمپنی لمیٹڈ نہایت خوبصورت اور عکسی ایڈیشن مسلسل شایع کرتا رہا ہے اور ابھی تک شایع ہورہا ہے۔

مولانا تاج محمود امروٹی کا یہ ترجمہ سندھی زبان میں پہلا بامحاورہ اور معیاری ترجمہ ہے۔ اس سے پہلے جتنے بھی تراجم سندھی زبان میں تالیف کئے گئے ہیں، وہ جدید سندھی نثری خصوصیات سے خالی ہیں۔ مولانا امروٹی کا یہ ترجمہ سادہ، فصیح وبلیغ ترجمہ ہے، جس سے جدید تعلیم یافتہ اور کم خواندہ یکساں طور پر مستفیض ہوسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا امروٹی نے قرآنی عبارات کو ترجمہ کرتے ہوئے، بریکیٹ میں زائد الفاظ دیکر آیت کے مفہوم کو زیادہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا تاج محمود کے اس ترجمے کے بارے میں ڈاکٹر محمود شاہ بخاری 'حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی کی علمی، ادبی ودینی خدمات' پر اپنے پی۔ایچ۔ڈی کے مقالہ میں رقمطراز ہیں کہ، مولانا امروٹی کا قرآن پاک کا یہ ترجمہ ہر نقطۂ نظر سے اعلیٰ اور افضل نظر آتا ہے۔ یہ ترجمہ فصاحت وبلاغت کی تمام خصوصیات سے مزین ہے۔ اور اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ ترجمہ سندھی دینی ادب کا ایک قیمتی اثاثہ ہے اور اسے کے پڑھنے میں شستگی اور روانی قائم ودائم ہے۔ (۲۴)

سندھ کے مشہور محقق اور عالم علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی کی رائے ہے کہ یہ ترجمہ سندھ میں اتنا مقبول اور مستند ہے کہ مولانا امروٹی کے بعد سندھ کے جن علماء کرام نے قرآن پاک کے ترجمے کرنے کی طبع آزمائی کی ہے، اس نے مولانا امروٹی کے ترجمہ کو ضرور اپنے سامنے رکھا ہوا ہوگا۔ یہ ترجمہ مولانا امروٹی کی زندگی سے لے کر آج تک سندھ کے ہر مکتب فکر کے ہاں مقبول ہے اور مسلسل شایع ہورہا ہے اور شاید ہی سندھ کی کوئی مسجد اس ترجمہ سے خالی نظر آتی ہو۔ (۲۵)

(۵) قرآن مجید وفرقان حمید مترجم (مولانا نور محمد عادلپوری):

قرآن پاک کا یہ سندھی ترجمہ بمع حواشی مولانا نور محمد عادل پوری (م ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۴ء) نے کیا ہے۔ مولانا عادل پوری نے یہ ترجمہ بمع حواشی ۱۰ ذوالحج ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء سے شروع کیا اور ماہ شوال ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۹ء میں مکمل کیا۔(۲۶) ترجمہ حاجی ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب لاہور کے تعاون سے ۱۳۴۸ھ / ۱۹۳۰ء میں کریمی پریس لاہور سے شایع ہوا۔ یہ ترجمہ بڑے سائیز کے ۹۶۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

مولانا نور محمد عادل پوری کا یہ ترجمہ بامحاورہ اور عام فہم سندھی میں ہے۔ ترجمہ کی شروعات میں قرآن پاک کی سورتوں کی فہرست، حضور ﷺ کی سوانح حیات، ہر ایک سورت کی فضیلت اور قرأۃ وتجوید کے متعلق اہم نکات سمجھائے گئے ہیں۔ حواشی پر آیات کا مختصر شان نزول اور فقہی توضیحات مولانا عادل پوری کی علمیت کو نمایاں کرتی ہیں۔ مولانا نور محمد کا یہ ترجمہ تحت اللفظ نہیں ہے، بلکہ جدید سندھی نثر کے اصولوں پر مبنی ہے۔ ترجمہ میں کہیں بھی اصل عربی آیت کا نفس مضمون مجروح نہیں ہوتا۔ مولانا کا تعلق چونکہ شمالی سندھ سے ہے، اس لئے ترجمہ میں اس علاقے میں مروجہ الفاظ جابجاء نظر آتے ہیں۔ یہ ترجمہ اپنی علمی اور لسانی خصوصیات کی بنیاد پر سندھ میں مقبول رہا ہے۔

(۶) مقبول عام قرآن پاک مترجم (مولانا عبدالرحیم منگھی):

قرآن پاک کا یہ مقبولِ عام سندھی ترجمہ مولانا عبدالرحیم منگھی (م ۱۹۴۳ء) نے کیا ہے۔ مولانا عبدالرحیم منگھی (م ۱۹۴۳ء) سندھ کے قومی تعلیمی ادارہ ''سندھ مدرسۃ الاسلام'' میں فقہ کے استاد تھے۔ درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی کام سرانجام دیا اور ۲۲ کتب تصنیف کیں، جن میں اکثر شایع ہوئیں۔ کچھ مختصر تفاسیر کے علاوہ سندھی زبان میں مکمل ترجمہ بھی تالیف کیا۔ (۲۷) مولانا عبدالرحیم کا یہ ترجمہ بڑے سائیز میں ۱۹۴۰ء میں صابر الیکٹرک پریس لاہور سے شیخ عبدالعزیز عرب سابق ایڈیٹر 'الحق' نے جھونا مارکیٹ کراچی سے شایع کرایا۔ اس ترجمہ کے شروع میں مترجم کا نام درج نہیں ہے۔ صرف یہ مرقوم ہے کہ یہ ترجمہ سندھ کے مستند علماء کی جماعت سے تیار کرایا گیا ہے۔ علامہ

غلام مصطفیٰ قاسمی نے اپنے مشہور مقالہ میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ عباسیہ کتب خانہ کراچی کے عبدالرسول صاحب کے توسّط سے انہیں معلوم ہوا، کہ اس ترجمہ کا اصل مترجم مولانا عبدالرحیم منگھی ہیں(۲۸)۔ اس ترجمے میں سندھی ترجمے کے نیچے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فارسی ترجمہ 'فتح الرحمان' اور بعد میں ان کے فرزند شاہ رفیع الدین کا ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس طرح اس ترجمے میں تین ترجمے شامل کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ حواشی پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تفسیر 'موضع القرآن' کا سندھی میں ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ترجمہ سندھی، فارسی، اور اردو خواندہ قارئین کے لئے بیک وقت مفید ہو جاتا ہے۔ یہ ترجمہ ۶۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۲۰۰۳ میں سندھیکا اکیڈمی کراچی نے اس ترجمہ کو دوبارہ شایع کرایا ہے، اس میں ہر ورق پر عربی متن اور اس کے سامنے مولانا عبدالرحیم کا سندھی ترجمہ اور اس کے سامنے موضح القرآن کا سندھی ترجمہ دیا گیا ہے، جو ایک علمی و دینی خدمت ہے۔

مولانا عبدالرحیم کا یہ سندھی ترجمہ بامحاورہ ہے، سادہ، فصیح و بلیغ سندھی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ترجمے میں اصل سندھی زبان محاورات وتشبیہات استعمال کی گئی ہیں، اس لئے یہ ترجمہ بے جا تصنع وتکلف سے پاک نظر آتا ہے۔ نصف صدی گزرنے کے بعد یہ ترجمہ دوبارہ شایع ہوا ہے، تب بھی جدید نثر کی تمام خصوصیات اس میں قائم ہیں۔ یہ ترجمہ سندھی زبان کی بہترین تراجم میں شمار ہوتا ہے۔

(۷) الاھی آواز جو آلاپ (حاجی شاہ نواز پیرزادہ):

یہ قرآن پاک کا سندھی زبان میں بغیر عربی متن کے بامحاورہ ترجمہ ہے۔ اس کا مترجم حاجی شاہ نواز پیرزادہ (م۱۹۷۴ء) ہے۔ یہ ترجمہ دو حصوں میں ہے، جس میں تقریباً مکمل قرآن پاک کا ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔ ہر ایک حصہ پندرہ پندرہ پاروں پر مشتمل ہے۔ 'الاھی آواز جو آلاپ' کے نام سے یہ ترجمہ سن ۱۹۴۷ء میں چندن پرنٹنگ پریس حیدرآباد سے دیوان کرم چند نے طبع کرایا۔ یہ ترجمہ کراؤن سائیز کے ۵۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ ترجمہ آزادی کے بعد شایع ہونے والے سندھی تراجم میں اولین ترجمہ ہے۔ ترجمہ کے شروع میں حاجی شاہ نواز نے برصغیر پاک وہند پر برطانوی حکومت کے خاتمے کے بعد سندھ میں رونما ہونے والی

تبدیلیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے، قرآنی تعلیم اور اس کے سمجھنے کی افادیت پر زور دیا ہے۔ اور ان کی نظر میں قرآن پاک کے معنٰی و مطلب کو عام آدمی تک پہنچانے کی اشد ضرورت ہے۔ قرآن پاک عربی زبان میں ہے، اس لئے بغیر عربی پر دسترس ہونے کے قرآن پاک سمجھنا آسان نہیں۔ اس اہمیت کے پیش نظر انہوں نے قرآن پاک کا بامحاورہ سندھی نثر میں یہ ترجمہ تیار کیا۔(۲۹)

حاجی شاہ نواز نے کئی آیات کا ترجمہ کرتے وقت تحت اللفظ ترجمے کے بجائے ادائے مفہوم اور فصاحت مطالب کو زیادہ پیش نظر رکھا ہے، اور اکثر خطابت والے انداز میں آیات کے مفہوم کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ قابل احترام مترجم نے آیات کے نمبر دے کر آخر میں کچھ وضاحتیں بیان کی ہیں۔ قرآن کے جن مذہبی اور تاریخی مقامات کا ذکر کیا ہے، ان کے متعلق کی مشاہداتی رائے کو بھی ان وضاحتی نوٹس میں علمی لحاظ سے دلچسپ اور عام فہم انداز پیش کیا ہے۔(۳۰) اس لحاظ سے سندھی زبان میں اپنی نوعیت کا یہ منفرد ترجمہ ہے۔

(۸) قرآن پاک مترجم بیان القرآن (مولانا عبداللہ کھڈھری):

قرآن پاک کے اس سندھی ترجمہ کا مترجم مولانا عبداللہ کھڈھری (م۱۹۶۴ء) ہے۔ مولانا عبداللہ کا شمار سندھ کے بلند مرتبہ علماء میں ہوتا ہے۔ دینی علوم کی تحصیل اپنے والد مولانا محمد عمر اور دادا مولانا عبدالغنی سے کی۔ اصول حدیث کی تعلیم مولانا عبداللہ سندھی سے حاصل کی۔ ان کی مسند درس سے سندھ کے کئی نامور علماء نے فیض حاصل کیا۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ (۳۱) مولانا صاحب کا یہ ترجمہ صرف قرآن پاک کے پہلے پانچ پاروں کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کو شیخ عبدالعزیز عرب نے نذیر پرنٹنگ پریس کرچی سے ۱۹۴۸ء میں شایع کرایا۔ یہ ترجمہ ڈیمی سائیز کے ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

مولانا عبداللہ کا یہ ترجمہ تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ ہر ایک آیت کے عربی متن کے نیچے اس طرح ترجمہ دیا گیا ہے کہ کہیں بھی زائد الفاظ شامل نہیں کئے گئے ہیں۔ یہ اس ترجمے بڑی خصوصیت ہے۔ باوجودیکہ ترجمہ تحت اللفظ ہے، لیکن پھر بھی سندھی عبارت جدید نثر نویسی کے اصولوں پر قائم ہے اور زبان واسلوب بیان کے لحاظ سے عام فہم و مطلب خیر ہے۔ یہ ترجمہ اُس وقت نایاب ہے۔ اور یہ بھی

ہوسکتا ہے کہ مولانا عبداللہ نے باقی قرآن کا ترجمہ مکمل کیا ہو لیکن اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

(۹) قرآن مجید مترجم (مقتدر و مستند علمائے سندھ):

اس قرآن پاک کے ترجمہ کے مترجم کا نام سرورق پر موجود نہیں ہے۔ صرف یہ لکھا گیا ہے کہ یہ ترجمہ سندھ کے مقتدر و مستند علماء کی نگرانی میں تیار کرایا گیا ہے۔ یہ قرآن پاک کا مکمل ترجمہ مقبول عام کتب خانہ فریئر روڈ سکھر نے طبع کرایا ہے اور ڈیمی سائیز کے ۷۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ سندھی زبان میں بامحاورہ ترجمہ ہے۔ ترجمہ قواعد صرف ونحو ولغت عرب کے مطابق ہے اور اس میں فصاحت، بلاغت اور جدید نثر نویسی کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ مجموعی طور پر یہ ترجمہ سادہ اور عام فہم ہے اور مقبول تراجم میں شمار ہوتا ہے۔

(۱۰) قرآن مجید مترجم وحواشی (مولانا قاضی عبدالرزاق):

قرآن پاک کا یہ مکمل ترجمہ مولانا قاضی عبدالرزاق نے کیا ہے۔ قاضی عبدالرزاق کا تعلق روہڑی کے علمی خاندان سے ہے۔ ۱۹۱۲ء میں کراچی کے مشہور خالق ڈنہ ھال میں مولانا عبیداللہ سندھی کی تقریر سے متاثر ہوئے۔ عصری علوم کی تعلیم کو ترک کر کے مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو میں مولانا عبیداللہ سندھی اور لاہور میں مولانا احمد علی لاہوری سے دینی علوم میں تحصیل کی۔ سندھ مدرستہ الاسلام کراچی میں عربی ادب کے استاد کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۶۱ء میں اس فانی جہان سے رحلت کی۔ سندھی زبان میں کئی تصنیف وتالیف کیئے۔ خاص طور پر ان کے مختصر تبلیغی و تعلیمی نوعیت کے تفاسیر وقرآن پاک کے تراجم سندھ میں دینی تعلیم واشاعت میں بڑے معاون ثابت ہوئے۔ (۳۲) قاضی صاحب کا یہ ترجمہ طباعت کے لحاظ سے اپنی نوعیت کا منفرد ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ میں ہر ورق کے نصف حصے پر عربی متن کے نیچے سندھی میں ترجمہ دیا گیا ہے، اور باقی نصف حصہ پر آیات کا نمبر دے کر ان کی علمی وفقہی توضیحات کی گئی ہیں۔ اس سے پہلے جتنے بھی قرآن پاک کے سندھی تراجم طبع ہو چکے ہیں، ان میں یہ پہلا ترجمہ ہے، جس میں یہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ترجمہ کے آخر میں عبدالحلیم خوش نویس بلوچستانی کی

طرف ترجمہ کی کتابت سال ۱۳۲۹ھ /۱۹۴۹ء درج ہے۔ ترجمہ کی کتابت کے تقریباً دس سال بعد یہ ترجمہ عباسی کتب خانہ جھونا مارکیٹ کراچی کی طرف سے شایع ہوا۔ یہ ترجمہ ۹۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ترجمے سے پہلے مقدمہ میں قرآن پاک کی تعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن پاک کی خصوصیات، تلاوت کے اصول، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ، اور قرآن پاک کی آیات میں نازل کئے ہوئے مضامین کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

قاضی عبدالرزاق کا یہ سندھی ترجمہ بامحاورہ ترجمہ ہے۔ ترجمہ میں قواعد صرف ونحو ولغت عرب کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ سندھی زبان اور انداز بیان کے لحاظ سے شستہ وصاف ہے اور معنویت کے لحاظ سے مطلب خیر ہے۔ یہ ترجمہ سندھ کے ہر طبقہ میں مقبول رہا ہے اور سندھی دینی ادب میں بیش بہا اضافہ ہے۔

(۱۱) قرآن شریف مترجم (مولانا محمد عالم سومرو):

قرآن پاک کے اس سندھی ترجمے کا مترجم مولانا محمد عالم سومرو (م ۱۹۸۸ء) ہے۔ اس ترجمہ کو ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۳ء میں قومی ہجرہ کاؤنسل اسلام آباد کے تعاون سے پرائما پرنٹرس مینارہ روڈ سکھر سندھ سے شایع کرایا گیا۔ اس ترجمے کے شروع میں مترجم کی طرف سے مقدمہ دیا گیا ہے۔ اس مقدمہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد عالم نے یہ ترجمہ ذوالقعد ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء سے شروع کیا اور ذوالقعد ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء میں مکمل کیا۔(۳۳) یہ مکمل ترجمہ ۷۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

قرآن پاک کا یہ ترجمہ تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ ترجمہ عربی عبارات کے نیچے اس طرح دیا گیا ہے، کہ تھوڑی سی توجہ دینے سے قاری عربی عبارت کی معنی کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ ترجمہ میں خالص سندھی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ تحت اللفظ ہونے کی وجہ سے جدید سندھی گرامر کے مطابق نہیں ہے، لیکن پر بھی پڑھنے میں عام فہم، صاف وشستہ ہے۔ ہجرہ کاؤنسل اسلام آباد نے اس سندھی ترجمہ کو شایع کرا کے سندھ میں قرآن فہمی کے فروغ میں معاونت کر کے اپنی ملی ودینی ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔

(۱۲) قرآن شریف مترجم (مولانا محمد مدنی):

مولانا محمد مدنی کا یہ مکمل سندھی ترجمہ سلیس اور بامحاورہ سندھی میں ہے۔مولانا محمد مدنی نے ہالا تعلقہ کے ایک غریب ہندو خاندان میں جنم لیا۔بچپن سے ہی قرآن پاک سے محبت تھی اور یہ محبت انہیں اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنی۔مسلمان ہونے کے بعد ممبئی کے راستے سندھ سے نقل مکانی کرکے مدینہ منورپہنچ گئے۔ وہاں عرب کے علماء سے علم حاصل کرنے کے ساتھ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمودالحسن، مولانا خلیل احمد سہارن پوری، مولانا انور شاہ کاشمیری اور مولانا عبیداللہ سندھی جیسے بلند مرتبہ علماء کی صحبت میں علم وعرفان کی منزلیں طے کیں۔ (۳۴) مولانا محمد مدنی نے قرآن پاک کی محبت، ذوق وشوق کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سندھی زبان میں کا ترجمہ کیا۔مولانا محمد مدنی نے یہ ترجمہ بڑی محنت وجانفشانی سے جدید طرز پر بامحاورہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے تو مختلف پاروں کی صورت میں الگ الگ شایع ہوتا رہا، لیکن مکمل ترجمہ کی شکل میں ۱۳۷۶ھ /۱۹۵۶ء میں ایجوکیشنل پریس کراچی سے طبع ہوا۔اس ترجمے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ حاشیہ پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے 'فتح الرحمان' کا سندھی ترجمہ حواشی پر دیا گیا ہے۔فتح الرحمان کا یہ ترجمہ علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی نے کیا ہے۔

مولانا محمد مدنی کے اس ترجمے کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ فصاحت وبلاغت کے تمام خصوصیتوں سے آراستہ ہے۔سندھی عبارت میں مٹھاس ونغمگی سمائی ہوئی ہے۔کئی جگھو پر سندھی محاورات واصطلاحات کو بڑی خبرداری سے ترجمہ میں استعمال کیا گیا ہے۔یہ ترجمہ سندھ میں مولانا تاج محمود امروٹی کے ترجمہ کی طرح نہایت ئی مقبول ہے۔ اس لئے مولانا امروٹی کے ترجمہ کی طرح بڑی تعداد میں شایع ہوتا رہتا ہے۔اور یہ موازنہ کرنا مشکل ہے کہ مولانا امروٹی اور مولانا محمد مدنی کے تراجم میں مقبولیت کے لحاظ سے کونسا ترجمہ سندھ میں زیادہ مقبول اور عام ہے۔

(۱۳) قرآن شریف مترجم (مولانا قاضی عبدالرزاق):

یہ مکمل قرآن پاک کا ترجمہ بھی قاضی عبدالرزاق نے کیا ہے۔اس ترجمہ کو محمد عثمان ڈیپلائی نے جدید طرز پر بلاکس میں ایک طرف قرآن پاک کا عربی متن اور دوسری طرف سندھی ترجمہ دے کر شایع

کرایا۔ ڈیپلائی صاحب نے یہ ترجمہ قرآن کمپنی حیدرآباد کی طرف سے شایع کرایا یہ ترجمہ ۴۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

قاضی عبدالرزاق کا یہ سندھی ترجمہ اس پہلے ان کے شایع شدہ سندھی تراجم سے مختلف ہے اور با محاورہ سندھی میں ہے۔ ترجمہ میں ادائے مفہوم اور فصاحت مطلب کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور معنویت کے لحاظ سے مطلب خیز ہے۔ اس کے علاوہ ترجمہ کرتے ہوئے معروف ومجہول گفتگو کو جدید نثر کے اصولوں کو مدنظر ترتیب دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے قرآن پاک کے اصل مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ یہ اس ترجمہ کی بڑی خصوصیت ہے۔ قاضی عبدالرزاق کا یہ سندھی ترجمہ سندھی دینی ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔

(۱۴) قرآن مجید مترجم ومحشی (مولانا قاضی عبدالرزاق):

قرآن پاک کے اس سندھی ترجمے کا مترجم بھی قاضی عبدالرزاق ہے۔ اس ترجمہ کے حواشی پر مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کے بیان القرآن کا سندھی ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس ترجمہ کو شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب لاہور کے تعاون سے شایع ہوتا رہا ہے۔ یہ ترجمہ ۵۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

قاضی عبدالرزاق نے اس ترجمہ میں قرآن پاک کے ترجمہ کے قواعد وضوابط کو مدنظر رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ آپ چونکہ سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں فقہ کے استاد تھے۔ اس لئے درس وتدریس سے وابستگی کے بنا پر ان کی سندھی نثری عبارت میں بہت زیادہ پختگی آچکی تھی، اس لئے اس ترجمہ میں فصاحت وبلاغت کے تمام پہلو نمایاں نظر آتے ہیں۔ آزادی کے بعد اوائلی دنوں میں پنجاب سے کتب فروشوں نے سندھ کے دیہی علاقوں میں اس قرآن پاک کے ترجمے کو عام کرنے میں بہت کردار ادا کیا ہے۔ اس لیے یہ ترجمہ شمالی سندھ کے دور دراز دیہی علاقوں کی مساجد میں عام طور پر نظر آتا تھا۔

(۱۵) نورالقرآن ۔قرآن پاک کا منظوم ترجمہ (مولانا حاجی احمد ملاح):

’نورالقرآن‘ قرآن پاک کا مکمل منظوم ترجمہ ہے۔ اس کا مترجم الحاج احمد م ملاح (۱۹۶۷ء)

ہے۔مولانا حاجی احمد ملاح نے سب سے پہلے قرآن پاک کے آخری پارہ 'عمّ' کا منظوم ترجمہ شائع کرایا تھا۔ یہ ترجمہ دارالاشاعت حیدرآباد نے شائع کیا تھا، اس کے بعد حاجی احمد ملاح نے مکمل قرآن پاک کو نظم کی شکل میں ترجمہ کیا۔ اس ترجمہ کو ارباب اللہ جڑیو نے فوٹوآفسیٹ پر کراچی سے طبع کرایا۔ اس ترجمہ کو دوبارہ مہران آرٹس کاؤنسل سندھ نے سندھ ٹیکسٹ بورڈ حیدرآباد سے ۱۹۷۸ء میں شائع کرایا۔ آرٹس کونسل والے طبع شدہ ترجمے کا مقدمہ علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی نے لکھا ہے۔ اس کے بعد ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء میں سعودی عرب کے امیر شہزادہ ولید بن طلال ابن عبدالعزیز آل سعود کی طرف سے ہزاروں کی تعداد میں سندھ میں یہ منظوم سندھی ترجمہ تقسیم کیا گیا۔ اس کے باوجود یہ ترجمہ مسلسل شائع ہورہا ہے، اورعوام خواہ خواص میں نہایت مقبول ہے۔

سندھ کا ادب تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے سندھ نے قدیم سندھی نظم میں قرآن پاک کے تراجم وتفاسیر تالیف کئے ہیں اور وہ سب کے سب تفاسیر کے زمرے میں شامل ہوتے ہیں، لیکن مولانا حاجی احمد ملاح سندھ کے اولین مترجم میں ہیں، جنھوں نے مکمل قرآن پاک کا خالص منظوم ترجمہ کیا ہے۔ علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی کے رائے کے مطابق 'حاجی احمد ملاح کا یہ ترجمہ نئ طرز پر اپنی نوعیت کا پہلا ترجمہ ہے۔ (۳۵) ہم جب نورالقرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب کی رائے بلکل درست نظر آتی ہے۔ اور واقعی یہ ترجمہ اپنی نوعیت کا یہ ایک شاہکار ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ میں نظم کی نوعیت قدیم سندھی ''بیت'' کی ہے۔ سندھی بیت سندھ کی کلاسکی شاعری کی بہترین صنف ہے۔ سندھ کے عظیم قومی شاعر شاہ عبداللطیف کی شاعری بھی اسی ''بیت'' کی صنف پر مشتمل ہے۔ اس لئے اس منظوم ترجمہ سے شاہ عبداللطیف بھٹائی کا یہ شعر سامنے آتا ہے۔ جی تو بیت بھانیا۔ سی آیتون آھن۔ (یعنی جس کو تم نے بیت سمجھا ہے، وہ آیات ہیں)۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی کے اس دعویٰ کو حاجی احمد ملاح نے سچ کر کے دکھایا۔ اور یہ منظوم ترجمہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ سندھی زبان کی قدیم شاعری کی صنف اتنی وسعت حاصل کرچکی ہے کہ اس میں قرآن پاک کے الہامی آیات کے مضمون کو بیان کیا جاسکتا ہے۔ اس منظوم ترجمہ میں حاجی احمد ملاح

نے قرآن پاک کے ترجمہ کے اصول وضوابط کی احسن طریقہ سے پابندی کی ہے۔ اور کہیں بھی ان اصول وضوابط سے روگردانی نہیں کی۔ ترجمہ میں الفاظ کی بناوٹ، ترکیبات، محاورات کا استعمال علمی نقطہ نظر سے اعلیٰ کمال سے کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں قواعد صرف ونحو ولغت عرب کی پوری رعایت رکھی گئی ہے اس علمی وادبی نقطۂ نگاہ سے حاجی احمد ملاح کا یہ سندھی منظوم ترجمہ سندھی علم وادب میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۱۶) قرآن کریم مترجم مع حاشیہ (مولانا محمد رفیق خوشنوس):

قرآن پاک کا یہ ترجمہ مع حاشیہ مولانا محمد رفیق خوشنوس نے کیا ہے۔ اس ترجمہ کو بڑی تختی پر شیخ غلام حسین اینڈ سنز لاہور نے شایع کرایا۔ یہ ترجمہ ۵۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ترجمہ با محاورہ سندھی نثر میں ہے اور جدید سندھی کے مروج اصولوں پر مبنی ہے۔ اس ترجمہ کو سندھ کے دور دراز دیہی علائقوں تک پہنچانے میں پنجاب کے کتب فروشوں کا اہم کردار ہے۔ اس لئے یہ ترجمہ بھی سندھ کی مساجد میں عام طور موجود نظر آتا تھا۔

(۱۷) قرآن پاک مترجم (خان بہادر میر گل حسن ٹالپور):

قرآن پاک کا یہ مکمل سندھی ترجمہ خان بہادر میر گل حسن ٹالپور نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ سندھی زبان میں اہل تشیع مسلک کا اولین ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کو میاں محمد جعفر رحمت اللہ خواجہ نے اپنے خرچ پر فل اسکیپ سائیز میں ۱۹۱۱ء میں شایع کرایا تھا اور بغیر عربی متن کے صرف آیات کے نمبر دے کر ان کا سندھی ترجمہ دیا گیا تھا۔ یہ ترجمہ اب ناپید ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سندھ کے خاص اہل تشیع مسلک سے وابستہ اشخاص کے پاک تبرک کے طور پر موجود ہو۔ علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی نے پہلے مرتبہ اس ترجمہ کی نشان دہی کی تھی۔ (۳۶)

(۱۸) قرآن پاک مترجم (مولانا عبدالغفور):

قرآن پاک کے اس سندھی ترجمے کے مترجم مولانا عبدالغفور ہیں۔ مولانا عبدالغفور کا تعلق کراچی کے قدیم سندھی آبادی والے علاقے کھڈہ سے تھا۔ مولانا عبدالغفور کے اس ترجمہ کے پہلے چار پارے

رنگین عکسی بلاکس میں ماڈرن پبلشنگ ہاؤسنگ کراچی کے مالک میاں بشیر احمد نے شایع کرائے تھے۔ اس ترجمہ کے یہ چار پارے طبع ہونے کے بعد میاں بشیر احمد باقی پاروں کو شایع کرانے کی سعی میں مشغول تھے کہ اچانک اس جہان فانی سے رحلت کر گئے۔ اس لئے ترجمہ کا باقی کام ادھورا رہ گیا۔ اور باقی ترجمے کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا کیا ہوا۔ بہرحال یہ طبع شدہ بامحاورہ ترجمہ ہے۔ اگر یہ ترجمہ مکمل شایع ہو جاتا تو سندھی تراجم میں ایک بیش بہا اضافہ شمار ہوتا۔(۳۷)

(۱۹) قرآن پاک مترجم (مولانا محمد اسماعیل شکارپوری):

قرآن پاک کا یہ سندھی ترجمہ مولانا محمد اسماعیل شکارپوری نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ بامحاورہ سندھی میں تالیف کیا گیا اور قلمی شکل میں مولانا اسماعیل کے اولاد کے پاس تبرکاً موجود تھا۔ سیارہ ڈائجسٹ کے قرآن نمبر میں پروفیسر محمد سلیم اس ترجمہ کے متعلق رقمطراز ہیں کہ مولانا محمد اسماعیل کا یہ ترجمہ بامحاورہ اور اپنی نوعیت کا منفرد ترجمہ ہے۔(۳۸) راقم جب ۱۹۹۰ء میں سندھی زبان میں قرآن پاک کے تراجم وتفاسیر پر پی۔ایچ۔ڈی کا مقالا تیار کر رہا تھا، تو اس دوران اس ترجمہ کے متعلق مواد حاصل کرنے کے لیے شکارپور کا سفر کیا اور مولانا محمد اسماعیل کے اولاد سے ملاقات کی۔ انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ واقعی مولانا محمد اسماعیل نے قرآن پاک کا سندھی ترجمہ کیا تھا، لیکن ان کی وفات کے بعد ہماری بے توجہی کی وجہ سے کوئی شخص ہم سے عاریتاً لے کر غائب ہو گیا۔ اور اب اس ترجمہ کا کوئی پتہ نہیں، البتہ اس ترجمہ کے کچھ اوراق ان کے پاس تبرکاً موجود تھے۔

(۲۰) قرآن پاک مترجم ومحشیٰ (مولانا فرمان علی):

قرآن پاک کا یہ ترجمہ اصل میں اردو سے سندھی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ اردو میں اہل تشیع کے مشہور عالم مولانا فرمان علی کی تالیف ہے۔ اس ترجمہ کو سندھی زبان میں ترجمہ کر کے پیر ابراہیم ٹرسٹ کراچی نے ۱۹۷۵ء میں شایع کرایا ہے۔ ترجمہ کے سندھی مترجم کے متعلق ترجمہ میں کہیں بھی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ یہ ترجمہ وحواشی ۸۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ مترجم نے ترجمہ کرتے وقت ترجمہ کے اصول وضوابط کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب نظر

آتے ہیں۔

(۲۱) کلام اللہ مترجم (مولانا عبدالوارث دل):

یہ قرآن پاک کا بغیر عربی متن کے بامحاورہ سندھی ترجمہ ہے۔ اس ترجمے کے مترجم مرحوم عبدالوارث دل ہے۔ مولانا عبدالوارث کو مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی شاگردی اور قربت کا شرف حاصل تھا۔ ترجمے کے مقدمے میں مولانا عبدالوارث لکھتے ہیں کہ مولانا سندھی کی صحبت کی وجہ سے میرے دل میں یہ آرزو تھی کہ قرآن پاک کے الہامی پیغام کو غیر مسلم نوجوانوں تک پہنچانے کے لئے کوششیں کرنی چاہیئے، تا کہ وہ اللہ کے حقیقی تعلیمات سے بھرور ہو سکیں۔ اس خیال سے انہوں نے مولانا تاج محمود امروٹی، مولانا محمد مدنی اور شاگردی کے زمانے میں مولانا سندھی کے درس کے دوران قرآن پاک کے ترجمہ وتفسیر کے سلسلے میں بیان کیئے گئے علمی وتحقیقی نکات کو سامنے رکھ کر آسان سندھی زبان میں بغیر عربی متن کے یہ ترجمہ تیار کیا ہے۔ (۳۹) علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی کی رائے کے مطابق یہ ترجمہ بامحاورہ سندھی میں ہے اور مولانا عبدالوارث نے ترجمہ کرتے وقت عربی زبان کے قواعد وضوابط کو ہر لحاظ سے ملحوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۴۰) اس ترجمے کو مولانا عبیداللہ سندھی کتب خانہ نیوسعید آباد سندھ نے ۱۹۹۲ء میں شایع کرایا اور ڈیمی سائیز کے ۸۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہماری رائے میں مولانا عبدالوارث کا یہ بغیر عربی متن کے سندھی ترجمہ عصری درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والے غیر مسلم طلباء میں قرآن پاک کے اصل روح وپیغام کی اشاعت میں معاون ثابت ہوگا۔

(۲۲) قرآن پاک مترجم (پروفیسر عبداللہ تنیو):

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مشہور تفسیر 'تفہیم القرآن' کے عربی متن کے نیچے جو خالص ترجمہ شامل ہے، پروفیسر عبداللہ تنیو نے اس کا بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ میں ایک ورق پر عربی متن اور اس کے سامنے سندھی ترجمہ دیا گیا ہے۔ پروفیسر صاحب ترجمہ کو بامحاورہ بنانے میں علمی نقطہ نظر سے بڑی محنت کی ہے۔ یہ ترجمہ ۳۹۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۹۵ء میں اس ترجمے کو سندھ مسلم سوسائٹی کی طرف سے شایع کرایا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ ترجمہ مسلسل شایع ہو رہا ہے۔

(۲۳) لفظ بہ لفظ ترجمہ: (مولانا غلام اصغر):

قرآن پاک کا یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ مولانا غلام اصغر نے کیا ہے، اس ترجمہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس ترجمہ میں قرآن پاک کے آیت کے ہر لفظ کے سامنے سندھی، اردو، انگریزی اور فارسی زبان کے تراجم دیئے گئے۔ اس نوعیت کا یہ اولین ترجمہ ہے۔ مولانا غلام اصغر نے بڑی محنت اور مطالعہ سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے، اور ایسے محسوس ہوتا ہے، جیسے یہ چاروں زبانوں میں 'لغات القرآن' کو ایک جگہ مجتمع کیا گیا ہے۔ چونکہ انگریزی اور فارسی زبانوں کے صرفی ونحوی قواعد میں مشابہت پائی جاتی ہے، اس لئے ان کو قرآن پاک کے عربی متن کے ساتھ رکھا گیا ہے، تاکہ مبتدی کو ہر لفظ کے معنی اور مفہوم سمجھنے میں زیادہ سہولت ہو۔ اسی بنا پر انگریزی ترجمے کو متن کے دائیں طرف اور فارسی ترجمہ کو بائیں طرف رکھا گیا ہے۔ اس طرح اردو اور سندھی تراجم جن کے صرفی ونحوی قواعد ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، متصل رکھا گیا ہے۔ اس ترجمے کی بڑی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ میں لفظ بہ لفظ ہر زبان کے عدد کے قوانین اور تذکیر وتانیث میں جو فرق پایا جاتا ہے اس کا پوری طرح خیال رکھا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر عربی زبان کے واحد مؤنث کے صیغہ کا ترجمہ دوسری زبانوں میں مذکر اور جمع مذکر کے صیغوں میں آتا ہے۔ اس سلسلے میں اس پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ ہر زبان میں صفت اور موصوف میں جو مقدم اور مؤخر کا فرق ہوتا ہے، اس کو ترجمہ کرتے وقت اشاروں سے واضح کیا گیا ہے۔ (۴۱) درحقیقت مولانا صاحب کے اس علمی کام کو دیکھ کر ان کی ادبی وتحقیقی خدمات کی داد دیے بغیر نہیں رہا سکتا۔ اس ترجمہ کے پہلے پندرہ پارے ۱۹۷۹ء میں مکتبہ اسحاقیہ کراچی نے شایع کئے تھے۔ ۱۹۹۸ء میں قرآن کاؤنسل گڈو ضلع سکھر نے قرآن پاک کے اس لفظ بہ لفظ چاروں زبانوں میں ترجمہ کو چار جلدوں میں شایع کرا کے بڑا علمی، ادبی وتحقیقی کام سرانجام دیا ہے۔

(۲۴) بیان القرآن فی ترجمۃ القرآن (مولانا عبدالوحید جان سرہندی):

قرآن پاک کے اس سندھی ترجمہ کا مترجم مولانا عبدالوحید جان سرہندی ہیں۔ مولانا سرہندی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ ترجمہ تیار کیا ہے۔ یہ ترجمہ دو حصوں میں شایع ہوا ہے۔ پہلا حصہ

پہلے ۱۵ پاروں پر دوسرا باقی قرآن پاک کے پندرہ پاروں کے ترجمہ پر مشتمل ہے۔ مولانا عبدالوحید جان سرہندی نے یہ ترجمہ ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ / ۱۵ جنوری ۱۹۹۹ء میں مکمل کیا۔ (۴۲) اس کے بعد فقیر فیض محمد سکندری نے اس ترجمہ کو کتابت کرنا شروع کیا اور تقریباً دو سال کے عرصہ میں ۲۰ رجب ۱۴۲۲ھ / ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۱ء میں مکمل کیا۔ (۴۳) یہ ترجمہ ۹۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا سرہندی نے ترجمہ کرتے وقت ترجمہ کے جملہ اصول وقواعد کا بہت خیال رکھا ہے، اور کوشش کر کے بامحاورہ سندھی میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ترجمہ پڑھنے میں شائستگی اور روانی قائم ہے۔ یہ ترجمہ آزادی کے بعد شایع ہونے والے تراجم میں جدید نثری تقاضاؤں پر تالیف کیا گیا ہے۔

(۲۵) قرآن پاک مترجم (علی خان ابڑو):

قرآن پاک کا یہ ترجمہ علی خان ابڑو نے کیا ہے۔ علی خان ابڑو نہ صرف انگریزی علم وادب پر مہارت رکھتے تھے بلکہ انہیں عربی، فارسی اور سندھی ادب وزبان پر بھی بڑا ملکہ حاصل تھا۔ علی خان نے برصغیر کے بلند مرتبہ علماء ومفسرین کے تراجم وتفاسیر کے مطالعہ کے بعد ۱۹۴۵ء میں اس ترجمہ کو سندھی زبان میں تیار کرنا شروع کیا۔ اور ۱۹۵۴ء میں مکمل کیا۔ (۴۴) باوجود دلی خواہش کے یہ ترجمہ ابڑو صاحب کی زندگی میں تو شایع نہیں ہوسکا، البتہ ۱۹۹۶ء میں ان کے فرزند کی سعی وکوشش سے سندھیکا اکیڈمی کراچی نے شایع کیا ہے۔ یہ ترجمہ دلکش گیٹ اپ میں ڈیمی سائیز کے ۱۰۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ علی خان صاحب نے ترجمہ کرتے ہوئے حواشی پر مختصر تفسیری نوٹس بھی دیے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآنی آیات میں بیان کئے گئے قدیم اقوام کے حالات کا برصغیر اور خاص طور پر سندھ کے سماجی حالات کا موازنہ بھی کیا ہے۔ ترجمہ میں سادہ، صاف اور عام فہم الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور عربی وفارسی کے دقیق الفاظ سے پرہیز کی گئی ہے۔ اس ترجمہ کا شمار سندھ کے مقبول تراجم میں ہوتا ہے۔ آج کل یہ ترجمہ بڑی تعداد میں فروخت ہو رہا ہے اور سندھ میں قرآن پاک کے مقصد ومفہوم سمجھنے میں بڑا معاون ثابت ہو رہا ہے۔

(۲۶) قرآن پاک مترجم (مولانا عبدالکریم قریشی):

قرآنِ پاک کا یہ سندھی ترجمہ مولانا عبدالکریم قریشی صاحب نے کیا ہے۔ مولانا عبدالکریم قریشی وقت کے عالم، فاضل، حکیم، سندھ اور بلوچستان کے دینی درسگاہوں کے سرپرست اعلیٰ اور روحانی پیشوا تھے۔ ضلع لاڑکانہ کے ابائی قصب ''بیرشریف'' میں اپنی زندگی میں ظاہری و باطنی علوم کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ سندھ میں تحریک ختم نبوت کے سرگرم رکن اور روح روان تھے۔ مولانا قریشی صاحب نے ۱۶ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ / ۴ جنوری ۱۹۹۹ء کو رحلت فرمائی (۴۵)۔ ان کی سات تصانیف اب تک طبع ہو چکی ہیں۔ مولانا قریشی صاحب کا یہ ترجمہ سندھی تراجم میں اپنی نوعیت کا بہترین ترجمہ شمار ہوتا ہے۔ اس سے پہلے قرآن پاک کے جتنے سندھی زبان میں تراجم شایع ہوئے ہیں، وہ تو بامحاورہ ہیں یا تحت اللفظ۔ مولانا عبدالکریم نے ان روایات سے الگ ایک ایسا دلکش انداز اختیار کیا ہے، کہ یہ ترجمہ تحت اللفظ اور محاوراتی ترجمہ کا امتزاج محسوس ہوتا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت زائدالفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کیا گیا ہے۔ آیت کے ہر لفظ کے نیچے اس کا سندھی ترجمہ اسی قابلیت سے دیا گیا ہے کہ آیت کا کوئی بھی جز ترجمہ سے خالی نہیں ہوتا۔ ان خصوصیات کی بنا پر یہ ترجمہ سندھی دینی ادب میں ہر لحاظ سے ایک بہترین ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کے متعلق علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی کی رائے ہے، کہ یہ ترجمہ نہایت سلیس اور شستہ زبان میں ہے۔ اس لئے مولانا تاج محمود امروٹی کے ترجمہ کی طرح یہ ترجمہ بھی سندھ میں نہایت مقبول ہوگا۔ (۴۶) اور واقعہ یہی ہے کہ یہ ترجمہ سندھی میں بڑی تعداد میں شایع ہو رہا ہے اور عام خواہ خاص میں مقبول ہے۔ اس ترجمہ کو سب سے پہلے ۱۹۹۶ء میں اسریٰ اسلامک فاؤنڈیشن نے شایع کرایا تھا۔ اور اب علمی مجلس سندھ کی طرف سے مسلسل شایع ہو رہا ہے۔

(۲۷) درس القرآن (الاستاد غلام مصطفیٰ دادوی):

قرآن پاک کے معنی و مطالب کو بیان کرنے اور سکھانے کئے لئے ہمیشہ سے امت میں اس کے درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کے مراکز قائم رہے ہیں۔ ناظرہ قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھنا اور اس کے مطالب کو اسلوبِ رسالت کے ساتھ جاننا ایسا دائرہ کار رہا ہے، جس سے اس امت کے اکابرین اور

مفسرین نے ہمیشہ ایک فرض منصبی کے طور پر پیش کیا ہے۔ دور حاضر میں جدید تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن فہمی کے لئے قرآن مجید کے تراجم کو کئی شکلوں میں پیش کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ سندھی زبان میں عام سندھی خوان قاری کے استفادہ کے لئے 'درس القرآن' کے نام سے یہ ایک منفرد علمی ،ادبی ودینی کوشش ہے۔قرآن مجید کے مستند معانی ومطالب سیکھنے کے لئے جدید اسلوب کے تحت یہ لفظ بہ لفظ رواں ترجمہ الاستاد غلام مصطفیٰ دادوی نے کیا ہے۔ اسریٰ اسلامک فاؤنڈیشن اسریٰ یونیورسٹی سندھ نے پوری سندھ میں قرآن فہمی کے مراکز قائم کئے ہیں۔ ان مراکز میں قرآن فہمی کے سلسلے میں ''درس القرآن'' کے نام سے یہ لفظ بہ لفظ رواں ترجمہ الگ الگ پاروں کی صورت میں ۱۹۹۹ء میں شایع کرایا گیا۔ اس ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ ہر آیت کے ہر ہر لفظ کی جدا جدا معنیٰ دے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ معنیٰ کے تسلسل اور روانی کو قائم رکھنے کے لئے ہر آیت کا الگ بامحاورہ ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ الاستاد علامہ غلام مصطفیٰ دادوی نے ترجمہ کرتے ہوئے تمام تر حروف کی معنویت کو برقرار رکھتے ہوئے ضمائر کے ترجمے اور اسماء وافعال کی صرفی ونحوی صورتوں کا پورا خیال رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح عام سندھی خوان قاری اس سے بھرپور استفادہ حاصل کرسکتا ہے۔

(۲۸) قرآن کان فرقان تائین (محمد محسن پنہور):

اس ترجمے میں روانہ زندگی کے احکامات اور دنیا وآخرت کے بھلائی کے متعلق قرآن پاک کی آیات کا ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔ اس ترجمے کا مترجم مرحوم محمد محسن پنہور ہیں۔ مرحوم محمد محسن ترجمے کے شروع میں لکھتے ہیں، کہ قرآن پاک کے اس ترجمے کے مرتب کرنے کا مقصد یہ ہے، کہ عام لوگوں میں قرآن شناسی کا ایسا ماحول پیدا کیا جائے تا کہ قرآن کا سمجھنا دلچسپ اور آسان ہوسکے۔ جب ایسا ماحول میسر ہوگا، تو عام آدمی کے لئے مختلف علماء مفسرین ومترجمین کی تالیفات سے مستفیذ ہونا آسان ہوسکے گا۔ اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے برصغیر کے مختلف بلند مرتبہ مفسرین ومترجمین کے تالیفات کے مطالعے سے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے۔ (۴۷) بغیر عربی متن کا یہ ترجمہ ۳۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۲۰۰۱ء میں مرحوم مرتب کے فرزند طارق محسن پنہور نے سندھیکا اکیڈمی کراچی کے تعاون سے اس

ترجمے کو شایع کرا کر مفت فی سبیل اللہ تقسیم کیا جو علمی و دینی لحاظ سے بڑی خدمت ہے۔

(۲۹) قرآن پاک مترجم (ڈاکٹر عبدالحی ابڑو):

یہ ترجمہ دراصل مولانا قاضی عبدالرزاق اور محمد عثمان ڈیپلائی کے تراجم پر نظر ثانی کر کے تیار کیا گیا ہے۔ دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ سندھی کی صلاحکار کامیٹی نے ۱۹۵۰ء والی دھائی میں شایع ہونے والے سندھی تراجم کو نئی جدید ترتیب پر تصحیح کر کے شایع کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں یہ کام مولانا امیر الدین مہر صاحب کے سپرد کیا گیا لیکن بعد میں یہ احساس ہوا کہ دعوتی ذہن رکھنے والے قاری کے لئے یہ ترجمہ زیادہ سودمند نہیں ہوگا۔ اس کے بعد یہ کام پروفیسر ڈاکٹر عبدالحی ابڑو کے حوالے کیا گیا، جنہوں نے عربی، اردو اور سندھی تراجم کو سامنے رکھ کر بڑی محنت سے اس ترجمے کی ہمہ گیر تصحیح کا کام کیا ہے۔ (۴۸) اب یہ ترجمہ ۱۹۵۰ء والے ترجمہ سے اس قدر بامحاورہ اور الگ نظر آتا ہے کہ یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ اصل ترجمہ ہے یا پہلے شایع شدہ ترجمہ کی تصحیح ہے۔ (۴۹) اس ترجمہ کو ریجنل سینٹر کراچی دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی نے ۲۰۰۶ء میں شایع کرایا ہے۔ اور قرآن پاک کے سندھی تراجم میں ایک بامحاورہ ترجمہ کی حیثیت سے ایک بیش بہا اضافہ ہے۔

❀❀❀❀

حواشی وحوالہ جات

۱: مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی: 'تفسیر ہاشمی' سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ، ۱۹۸۷ء، دیکھئے مقدمہ از غلام مصطفیٰ قاسمی، ص ۵۔۶

۲: سید محمد عبداللہ ڈاکٹر: 'دائرۃ معارف اسلامیہ' جلد 1/1، دانشگاہ پنجاب لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۵۴۱۔

۳: محمد شفیع مفتی: 'جواہر الفقہ'، جلد اول، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۳۹۵ء، ص ۹۹

۴: دہلوی رحیم بخش مولانا: 'حیات ولی'، مکتبہ طیبہ بلال گنج لاہور، ۱۹۷۲ء، ۳۰۷

۵: 'تفسیر ہاشمی'، دیکھئے مقدمہ، ص ۱۷

۶: سید ابوظفر ندوی: 'تاریخ سندھ'، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۴۷ء، ص ۳۲۳

۷: قاضی اطہر مبارکپوری: 'ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں'، مکتبہ عارفین کراچی، ۱۹۶۵، ص ۹۲

۸: بھٹی محمد اسحاق: 'برصغیر پاک وہند میں علم فقہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۲۷۔۲۸

۹: ٹالپور محمد جمن: 'سندھ جا اسلامی درسگاہ'، سندھی ساعت گھر حیدرآباد، ۲۰۰۷ء، ص ۱۳۹

۱۰: لاکھو غلام محمد: 'کلہوڑا دور حکومت'، انجمن اتحاد عباسیہ پاکستان کراچی، ۲۰۰۴ء، ص ۴۰۱۔۴۰۲

۱۱: ملکانی منگھارام: 'سندھی نثر جی تاریخ'، زیب ادبی مرکز حیدرآباد سندھ، ۱۹۷۷ء، دیکھئے مقدمہ از علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی، ص ۹۰۷

۱۲: وفائی دین محمد مولانا: 'تذکرہ مشاہیر سندھ' جلد دوم، سوم، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ، ۲۰۰۵، ص ۴۲۷

۱۳: بلوچ نبی بخش خان ڈاکٹر: 'سندھی بولی ادب جی تاریخ'، پاکستان اسٹڈی سینٹر سندھ یونیورسٹی جام شورو، ۱۹۹۰ء، ص ۳۹۲۔۳۹۴

۱۴: قریشی حامد علی خانائی: ٹالپور دور جو سندھی نثر نگار، سہ ماہی مہران، ۱۹۷۹ء، ص ۱۵۷

۱۵: مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی: 'تفسیر ہاشمی'، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ، ۱۹۸۷ء، دیکھئے مقدمہ از علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی، ص ۱۲

۱۶: مخدوم نورنگ کا اصل نام نوراللہ ہے۔ بڑے عالم وصوفی بزرگ گزرے ہیں۔ ملتان کے غوثیہ درگاہ کی طرف سے سندھ میں خلیفہ مقرر تھے۔ ان کی اولاد 'نورنگ زادہ' کہلواتی ہے۔ بحوالہ عبدالغنی عبداللہ: تاریخ سندھ، حصہ سوم، انسٹیٹیوٹ آف سندھالوجی جامشورو سندھ، ۱۹۸۴ء، ص ۱۵۸

۱۷: تذکرہ مشاہیر سندھ'، جلد دوم وسوم، ص ۲۹۴، ۲۹۶

۱۸: محمد صدیق مولانا: 'قرآن پاک مترجم محشیٰ'، مطبع حسینی ممبئی، ۱۳۱۷ھ، ص ۵۳۸

۲۰: قاضی شرف الدین: 'قرآن پاک مترجم مع مختصر حاشیہ'، قلمی، ص ۱۰۴۸

۲۱: راقم نے مولانا امروٹی کی سورۂ یٰس کے منظوم تفسیر کو جدید طرز پر ایڈٹ کر کے مولانا عبدالخالق کنڈیاروی اکیڈمی جام نوراللہ تعلقہ کنڈیارو کے تعاون سے شائع کرایا ہے۔

۲۲: سید محمود شاہ بخاری ڈاکٹر: 'وطن جی آزادی جو امام' شہباز پبلیکیشن حیدرآباد، سندھ، ۱۹۸۴ء، ص ۴۹

۲۳: تفسیر ہاشمی، دیکھئے مقدمہ، ص ۱۷۔۱۸

۲۴: وطن جی آزادی جو امام، ص ۱۵۱۔۱۵۲ ۲۵: تفسیر ہاشمی، دیکھئے مقدمہ، ص ۸

۲۶: مولانا نور محمد عادل پوری: ''قرآن مجید وفرقان حمید مترجم'' مطبع کراچی پریس لاہور، ۱۹۳۰ء، دیکھئے مقدمہ، ص ۲

۲۷: سید ممتاز حسین ڈاکٹر: 'سندھ مدرسۃ الاسلام جو سندھ جی علمی، ادبی ءِ سماجی تاریخ میں حصو، (قلمی)، ص ۱۷۳،

۲۸: علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی: 'قرآن پاک جا سندھی ترجمہ تفسیر، سہ ماہی مہران۔ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ، ۱۹۸۰ء، ص ۱۵

۲۹: پیرزادہ شاہنواز: 'الاھی آواز جو آلاپ، جلد اول، چندن پرنٹنگ پریس حیدرآباد سندھ، ۱۹۴۷ء، ص ۱۰۔۱۱

۳۰: حاجی شاہنواز نے دنیا کے کئی ممالک کے دورے کئے تھے۔ اس ضمن میں مشرق وسطیٰ کے تاریخی مقامات کا سیر بھی کیا تھا۔ قرآن پاک میں جن تاریخی مقامات کا ذکر آیا ہے، ان کے ترجمے کرتے وقت آخر میں آیت کا نمبر دے کر ان مقامات کے متعلق اپنے مشاہدتی تاثرات کو پیش کیا ہے۔ ہماری رائے میں سندھی زبان میں یہ پہلا ترجمہ ہے، جس میں یہ منفرد انداز اختیار کیا گیا ہے۔

۳۱: میمن عبدالروٴف ڈاکٹر: 'مولانا عبداللہ کھڈہری'، ماہنامہ شریعت، ۱۹۸۵ء، ص ۱۲۔۲۲

۳۲: چاچڑ عبدالوہاب مولانا: 'شریعت سوانح حیات نمبر'، آکٹوبر ۱۹۸۱، ص ۹۴

۳۳: سومرو محمد عالم: قرآن شریف مترجم، قومی ھجرہ کاؤنسل اسلام آباد، ۱۹۸۳ء، ص ۳۔۴

۳۴: سومرو مظہرالدین ڈاکٹر: 'تحریک آزادی میں علمائے سندھ جو حصو، پی۔ایچ۔ڈی مقالہ، قلمی، سندھ یونیورسٹی جام شورہ، ۱۹۸۳ء، ص ۸۷

۳۵: ملاح حاجی احمد مولانا: 'نورالقرآن' مہران آرٹس کاؤنسل حیدرآباد سندھ، ۱۹۷۸ء، دیکھئے مقدمہ از علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی، ص ۵

۳۶: علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی: 'قرآن پاک جا سندھی ترجمہ تفسیر، سہ ماہی مہران، ۱۹۸۰ء، ص ۱۶۵

۳۷: ایضاً، ص ایضاً

۳۸: پروفیسر محمد سلیم: 'قرآن پاک کے سندھی تراجم'، ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ، (قرآن نمر)، ص ۱۹۰

۳۹: مولانا عبدالوارث دل: ' کلام اللہ مترجم'، مولانا عبیداللہ سندھی کتب خانہ سعید آباد سندھ، ۱۹۹۲ء، دیکھئے مقدمہ ص ۳

۴۰: ایضاً، ص ۴

۴۱: مولانا غلام اصغر: 'لفظ بہ لفظ ترجمہ، قرآن کاؤنسل گڈو، ۱۹۹۸ء، دیکھئے مقدمہ ص الف

۴۲: سرہندی عبدالوحید مولانا: 'بیان القرآن فی ترجمۃ القرآن'، ص ۹۲۶ ۴۳: ایضاً

۴۴: ابڑو علی خان: 'قرآن مترجم'، سندھیکا اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۶ء، دیکھیے مقدمہ، ص ۴

۴۵: سومرو محمد قاسم: 'سوانح حیات۔ حضرت سائیں بیروارا، روشنی پبلی کیشن کنڈیارو سندھ، ۲۰۰۴ء، ص ۶۵۵

۴۶: قریشی عبدالکریم مولانا: 'قرآن مجید مترجم'، علمی مجلس سندھ ۱۹۹۹ء، دیکھیے مقدمہ از علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی، ص الف

۴۷: پنہور محمد محسن: 'قرآن کان فرقان تائین، سندھیکا اکیڈمی کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۱۔۱۴

۴۸: ابڑو عبدالحی ڈاکٹر: 'القرآن الکریم مترجم'، ریجنل سینٹر دعوۃ اکیڈمی کراچی، ۲۰۰۶ء، دیکھئے مقدمہ، ص ۳۔۴

۴۹: ایضاً

قرآن کریم کے سندھی تراجم اور ان کی خصوصیات

عبدالعزیز نہڑیو ☆

اسلام کی مقدس الہامی کتاب قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوئی کیونکہ قرآن کریم کے پہلے مخاطب عرب تھے اور ان کی مساوی زبان عربی تھی اس لئے قرآن کریم کی معنی ومطلب سمجھنے میں ان کو کوئی دقت پیش نہ آئی تھی اگر انہیں کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی تو صحابہ کرام خود رسول اللہ ﷺ سے معلوم کر لیتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو جہاں دوسرے اعلیٰ مناصب پر فائز فرمایا تھا، وہاں ایک منصب قرآن کریم کے مفسر اور ترجمان کا بھی تھا ارشاد ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ (۱)

''اور ہم نے یہ ذکر (قرآن کریم) آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرما گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔''

جیسے جیسے اسلام کا پیغام سرزمین عرب سے نکل کر آگے بڑھنے لگا تو غیر عربی اور عجمی ذہنیت کے لئے قرآن مجید کی تعلیمات سمجھنے میں دشواری پیش آئی تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے مقامی زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ کر کے آسانی پیدا کی۔

سرزمین سندھ عہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اسلام کے نور سے منور ہو چکی تھی لیکن پہلی صدی ہجری کے اواخر میں غازی محمد بن قاسم کے ہاتھوں باقاعدہ فتح ہوئی اور اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا ہو سکتا ہے کہ اس وقت اہل سندھ کو دین سکھانے کے لئے سندھی زبان میں کتابیں لکھیں

☆ لیکچرار اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج کالی موری، حیدرآباد سندھ۔

گئیں ہوں جس قرآن کریم کا سندھی ترجمہ بھی شامل ہوسکتا ہے۔لیکن تاریخی لحاظ سے ثابت ہے کہ دنیا کی دوسری زبانوں کی مقابلے میں سب سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ سندھی زبان میں ہوا۔

مشہور عرب سیاح اور مؤرخ بزرگ بن شہریار الرامھر مزی اپنی مایہ ناز کتاب ''عجائب الھند'' میں ذکر کرتے ہیں کہ

270ھ میں الور کے ہندو راجا مہروک بن رائق نے منصورہ سندھ کے مسلمان حاکم عبداللہ بن ہباری کولکھا کہ اسلام کے عقائد وتعلیمات پر کسی اچھے عالم سے سندھی زبان میں ایک کتاب لکھوا کر بھیجیے۔ عبداللہ بن عمر ہباری نے یہ کام عراقی عالم کے سپرد کیا جو کافی عرصہ سے سندھ میں مقیم تھا وہ سندھی خواہ دوسری مقامی زبانوں پر دسترس رکھتا تھا۔ اس نے سندھی نظم میں کتاب لکھ کر راجا کو بھیجا۔ راجا کتاب پڑھ کر نہ صرف اسلام سے متاثر ہوئے بلکہ مصنف کے علمی مرتبہ سے بھی بے حد متاثر ہوئے اور راجا کولکھا کہ اس مصنف کو ان کی پاس بھیج دیا جائے۔ وہ عالم تین سال راجا کی پاس رہا اور 372ھ میں جب واپس عبداللہ بن ہباری کے پاس آیا تو بتایا کہ راجا دل سے مسلمان ہو چکا ہے لیکن مخالفین کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کرتے۔

مصنف نے راجا کی فرمائش پر قرآن پاک کا سندھی میں ترجمہ اور تفسیر لکھی جس کو وہ روزانہ بلا ناغہ سنتے تھے۔ ایک دن سورۃ یٰس کی آیت ''مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ'' کا ترجمہ ان کو بتایا گیا تو وہ فوراً تخت سے نیچے اتر آئے اور دوسری مرتبہ ترجمہ سن کی سجدہ میں گر گئے اور بہت روئے۔ جب کافی دیر کے بعد سجدہ سے اٹھے تو ان کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے: ''بے شک وہی رب معبود ہے جو ازلی اور ابدی ہے۔'' اس نے ایک جگہ بھی تیار کروائی جس میں تنہائی میں نماز پڑھتے تھے۔ (۲)

اسی ترجمہ قران کی نوعیت اور رسم الخط کی بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا اور حوادث زمانہ کی وجہ سے محفوظ نہیں رہ سکا۔

عرب اقتدار کے خاتمہ کے بعد سندھ میں مقامی سومرہ خاندان برسر اقتدار آیا۔ ان کی دور میں سندھی زبانوں کو فروغ حاصل ہوا۔ علمی مراکز قائم ہوئے جہاں بڑے بڑے علماء، مفسرین اور محدثین

نے خدمات سرانجام دیں۔ لیکن اس دور کا علمی، ادبی اور مذہبی ذخیرہ دستیاب نہیں ہوسکا ہے۔ ان کے بعد سمہ خاندان پھر ارغون اور ترخان خاندان برسر اقتدار آئے۔ جس کے بعد مغل امراء کا دور شروع ہوا۔ اس زمانے میں سندھی زبان کی ترقی بدستور جاری رہی اگر چہ مغل دور میں فارسی کے غلبہ سے سندھی کی رفتار سست ہوگئی تھی۔ لیکن جب دوبارہ مقامی کلہوڑہ خاندان کا دور شروع ہوا تو سندھی کو بے حد فروغ حاصل ہوا یہ دور سندھ کی تاریخ میں علمی، ادبی اور مذہبی نقطۂ نگاہ سے نہایت اہم دور سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے پاس جو بھی قدیم دینی کتابیں سندھی زبان میں موجود ہیں ان کا سلسلہ تین سو سال پہلے کلہوڑا دور کے ابوالحسن ٹھٹوی کی ''مقدمۃ الصلوٰۃ'' یا ''ابوالحسن ٹھٹوی کی سندھی'' ہے جو قدیم سندھی نظم میں لکھی گئی ہے۔ ان کے مخدوم ضیاء الدین ٹھٹوی اور دیگر بزرگوں نے بھی اس ضمن میں بڑا کام کیا ہے۔ آگے چل کر مخدوم ضیاء الدین ٹھٹوی کے شاگرد مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے بے شمار دینی کتابیں لکھیں۔ جن میں سے قرآن کریم کے آخری پارہ کا ترجمہ اور تفسیر ہاشمی مشہور ہے جو قدیم سندھی نظم میں ہے۔ قرآن کریم کے کچھ حصہ کا پرانا سندھی ترجمہ یہیں موجود ہے کلہوڑہ دور حکومت کے بعد تالپور عہد اور پھر انگریزی دور میں سندھی ایک مکمل زبان بن گئی۔ 1854ء میں انگریزوں نے موجودہ سندھی رسم الخط کی تشکیل کی جس کے بعد سندھی تصنیف، تالپور اور طباعت کو خوب فرغ حاصل ہوا۔

ہم یہاں مشہور سندھی ترجمہ اور تفسیر کا تعارف پیش کرتے ہیں۔

ا۔ قرآن مجید مترجم قاضی عزیز اللہ مٹیاری:

قرآن مجید کا سندھی ترجمہ آخوند عزیز اللہ مٹیاری نے تیرہویں صدی ہجری کے شروع میں لکھا ہے۔ آخوند پہلے سندھی عالم ہیں جنہوں نے خالص سندھی نثر میں قرآن کریم کا ترجمہ اور حاشیہ لکھا جس سے دوسری سندھی علماء کے لئے قرآن مجید کی سندھی ترجمہ کرنے کے لئے آسانی پیدا ہوئی گویا کہ ترجمہ بعد میں آنے والے علماء کے لئے ایک راہنما اور رہبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ترجمہ گجرات اور بمبئی سے چھپتا رہا ہے۔ ایک ایڈریس ۱۳۲۰ھ میں چھپا جس میں آخوند کے سندھی ترجمہ کے ساتھ ساتھ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فارسی ترجمہ بھی شامل ہے۔

آخوندہ کا یہ سندھی ترجمہ فنی اعتبار سے اوائلی نری ترجمہ ہے۔ اسلوب بیان کی وجہ سے سندھی علماء نے اس ترجمہ کو معیاری قرآن قرار دیا ہے۔ یہ ترجمہ ایک بڑا علمی کارنامہ ہے۔ سندھی زبان کے نری دینی ادب کی یہ پہلی کڑی ہے جس میں آخوندہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ قرآنی عبارات کی نتیجے انکار لفظی ترجمہ دیا گیا ہے اس کے نتیجے شاہ ولی اللہ دہلوی کا فارسی ترجمہ دینے کا یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ سندھی ترجمہ پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہو کیونکہ آخوندہ کے دور میں سندھ میں فارسی کا زیادہ غلبہ تھا۔

آخوندہ عربی اور فارسی زبانوں پر عروج رکھتے تھے اس لئے ان کی تحریروں پر عربی اور فارسی کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ ان کا یہ سندھی ترجمہ فارسی ترجمہ کے بغیر بھی کئی بار چھپتا رہا ہے۔(۴)

۲: قرآن مجید مترجم مولانا محمد صدیق نورنگ پوتہ:

مولانا محمد صدیق ولد مخدوم عبدالرحمٰن اپنے وقت کے مشہور عالم تھے۔ تحصیل علم کے بعد بمبئی میں سکونت اختیار کی اور دینی علوم کی اشاعت خصوصاً پرانی سندھی کتابوں کی طباعت کے لئے ''مطبع حسینی'' قائم کی اور 1295ھ میں سب سے پہلے مطبع حسینی سے یہ سندھی ترجمہ اور حاشیہ شائع کیا۔ اس کے بعد یہ ترجمہ کئی بار چھپ چکا ہے۔

مولانا محمد صدیق کے اس ترجمہ اور حاشیہ کا رنگ اور ڈھنگ آخوند عزیز اللہ مٹیاروی کے ترجمہ جیسا ہے۔ ترجمہ کی زبان سندھ کے جنوبی خطہ ''لاڑ'' والی استعمال کی گئی ہے۔ ترجمہ تحت لفظی ہونے کی وجہ سے نہایت آسان اور دلکش ہے۔ فاضل مترجم نے ترجمہ کے ساتھ ساتھ سندھی میں تفسیری حواشی بھی لکھے ہیں۔ آخوند عزیز اللہ مٹیاروی کے بعد مولانا محمد صدیق کا ترجمہ اور حاشیہ ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

۳: قرآن مجید مترجم مولانا تاج محمود شاہ امروٹی:

قرآن کریم کا یہ بامحاورہ سندھی ترجمہ سندھ کے مایہ ناز عالم اور روحانی بزرگ مولانا سید تاج محمود شاہ امروٹی صاحب کا ہے۔ آخوند عزیز اللہ اور مولانا محمد صدیق کے ذکر کردہ تراجم کافی حد تک تحت اللفظ تراجم تھے اور ان کی زبان بھی قدیم تھی۔ لیکن ان کے مقابلہ میں یہ معیاری اور بامحاورہ ترجمہ ہے۔ جس قدر مولانا امروٹی صاحب کی سندھی عبارت میں جدید نثر کی خوبیاں نظر آتی ہیں، اس قدر کسی

دوسرے ترجمہ میں نظر نہیں آتیں۔ مولانا امروٹی کو عربی زبان کے ساتھ سندھی زبان پر بھی دسترس حاصل تھی۔ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جو عربی میں نازل ہوا ہے، جس کا اپنا مزاج ہے۔ اس کو ایک بامحاورہ ترجمہ کی صورت میں پیش کرنا بڑی مہارت کا کام ہے۔ امروٹی صاحب کی محنت اور جفاکشی کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے جب سندھی ترجمہ کا ارادہ کیا تو ایک بڑا دینی کتب خانہ قائم کیا اور مولانا عبیداللہ سندھی کی نگرانی میں ''امروٹ'' میں بڑا دینی مدرسہ قائم کیا، جہاں کئی قابل ذکر علماء نے تحصیل علم سے فراغت حاصل کی۔ ان کی مجالس میں علماء کا جم غفیر موجود رہتا تھا۔ آپ کے کتب خانہ میں قرآن کریم کے تفاسیر کا وسیع ذخیرہ موجود تھا۔

آپ کا یہ سندھی ترجمہ کئی خصوصیات کا حامل ہے۔ فصاحت اور بلاغت سے پُر ہے۔ ترجمہ اتنا آسان اور سادہ ہے کہ ہر کس و ناکس اسے آسانی سے سمجھ سکے۔ آپ کا ترجمہ دیگر سندھی تراجم میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے، جس طرح مرزا قلیچ بیگ نے سندھی زبان و ادب میں جدید نثر کا بنیاد رکھا، اسی طرح مولانا امروٹی صاحب نے دینی ادب اور قرآن کریم کے ترجمہ کے سلسلہ میں جدید نثری رنگ اختیار کر کے علماء کے لئے راہ ہموار کی۔ آپ کے ترجمہ کے سلسلہ میں مشہور محقق علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ

> ''مولانا امروٹی کا یہ ترجمہ اتنا مستند، بامحاورہ اور عمدہ ہے کہ جس طرح فارسی میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا ترجمہ اعجاز کا درجہ رکھتا ہے، اسی طرح مولانا امروٹی کا یہ ترجمہ بھی وہی حیثیت رکھتا ہے۔''

الغرض ان کا یہ ترجمہ سندھ کے دینی ادب کے نثری صنف میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس بھی عالم نے قرآن پاک کے سندھی ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے سامنے مولانا امروٹی کا یہ ترجمہ ضرور رہتا ہے۔

مولانا تاج محمود امروٹی صاحب نے ''تذکیر المؤمنین'' کے نام سے سورۂ یاسین کا سندھی میں منظوم ترجمہ اور تفسیر اور ''نور الایمان تفسیر عروس القرآن'' کے نام سے سورۂ الرحمٰن کا منظوم ترجمہ اور تفسیر

بھی تصنیف کی ہیں۔

۴: قرآن مجید ترجمہ اور حواشی مولانا قاضی عبدالرزاق صاحب:

قرآن پاک کا یہ مکمل سندھی ترجمہ سندھ مدرسۃ الاسلام کے استاد مولانا قاضی عبدالرزاق روہڑی والے نے کیا ہے۔ ہر آدھے صفحہ پر عربی متن کے نیچے سندھی ترجمہ دیا گیا ہے۔ باقی آدھے صفحے پر ان آیات ؔکے خاص خاص مقامات اور واقعات کا عالمانہ انداز میں حاشیہ لکھا گیا ہے۔

قاضی صاحب کا یہ ترجمہ ترتیب کے ساتھ اور ایک خاص رنگ و ڈھنگ میں کیا گیا ہے۔ مقدمہ میں قرآن پاک کی تعلیم کی اہمیت، قرآن کریم کی خصوصیات، تلاوت کے طریقے اور اوقات، قرآن کریم کے مضامین کی فہرست پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قاضی صاحب نے حاشیہ پر اپنے دور کے علماء اور قدیم مفسرین کی تفسیر سے مواد لیا ہے۔ آیات کی تشریح میں احادیث، فقہی روایات سے بھی مدد لی گئی ہے۔

قاضی صاحب کا یہ ترجمہ اگرچہ مختصر ہے، لیکن اس میں جامع اور مکمل تفسیر کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہ ترجمہ سندھ کے ہر طبقہ میں مقبول ہوا اور سندھ کے دینی ادب میں اضافہ کا سبب بنا۔ (۸)

۵: قرآن مجید مترجم قاضی عبدالرزاق:

قرآن کریم کا یہ مکمل سندھی ترجمہ قاضی عبدالرزاق صاحب نے مشہور ادیب مرحوم محمد عثمان ڈیپلائی کے لئے کیا ہے۔ جسے ڈیپلائی صاحب نے جدید طرز پر کالموں میں ایک طرف قرآن پاک کی عربی عبارت اور دوسری طرف سندھی ترجمہ دے کر شائع کیا ہے۔

قاضی صاحب کا یہ ترجمہ ان کے پہلے ذکر کردہ ترجمہ کی بنسبت مختلف نوعیت کا ہے۔ سندھی عبارت میں ترجمہ کو پوری طرح واضح کرنے کے لئے گرامر کے اصولوں کے مطابق جدید نثر کے اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ تاکہ قرآن پاک کے اصل مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ قرآن کریم کا یہ سندھی ترجمہ ان خصوصیات کی بنا پر سندھ کے مذہبی ادب میں اہم مقام رکھتا ہے۔ (۱۰)

۶: قرآن مجید مترجم مع حواشی قاضی عبدالرزاق:

قاضی عبدالرزاق کا یہ تیسرا ترجمہ قرآن کریم ہے، جو انہوں نے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب

کے اردو ترجمہ اور حاشیہ ''بیان القرآن'' کو سامنے رکھ کر کیا ہے اور حاشیہ پر تشریحی نوٹ بھی بیان القرآن سے ترجمہ کیے ہوئے ہیں۔ ترجمہ کے شروع میں سورتوں کی فہرست، تلاوت کے آداب اور فضائل ذکر کئے گئے ہیں، تا کہ تلاوت کرنے والے کو ہر بات آسانی سے سمجھ میں آ جائے۔ ان کے علاوہ سورتوں کی خصوصیات اور فوائد، نبی ﷺ کی سوانح حیات اور نسب نامہ بیان کیا ہے۔

قاضی عبدالرزاق کا یہ سندھی ترجمہ بامحاورہ سندھ میں ہے۔ عربی متن کے نیچے خوبصورت سندھی عبارت میں ترجمہ کیا ہے۔ قاضی صاحب مولانا تاج محمود امروٹی کے ترجمہ سے بے حد متاثر ہے۔ اس لئے کوشش کر کے وہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ قرآن کریم کے ترجمہ کے اصول و قواعد کو مدنظر رکھا ہے۔ قاضی صاحب عربی، فارسی اور سندھی کے عالم تھے اور ساتھ ساتھ جدید علوم سے بھی آشنا تھے۔ اس لئے کوشش کر کے جدید سندھی نثر کے ڈھنگ میں اپنی عبارت لکھنے کی کوشش کی ہے اور اس میں کامیاب گئے ہیں۔ چونکہ قاضی صاحب سندھ کے مدرسۃ الاسلام کراچی میں فقہ کے استاد تھے، اس لئے طلبہ کو سندھی زبان میں فقہی مسائل پڑھاتے اور سمجھاتے ان کی سندھی نثر کی عبارت میں پختگی آ گئی تھی۔ اس لئے ان کے اس ترجمہ میں بھی پختگی دیکھنے میں آتی ہے۔ ان کا یہ ترجمہ فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے معمور ہے اور ان کی سندھی عبارت سندھی نثر نویسی کے جدید گرامر کے اصولوں کے مطابق ہے۔ (۱۱)

ان تینوں تراجم کے علاوہ قاضی عبدالرزاق صاحب نے ''تفسیر معلم القرآن'' کے نام سے پارہ عم کے آخری ربع کی تفسیر (۱۲) اور ''تفسیر فتح الرحمٰن'' کے نام سے سورۃ فاتحہ کی تفسیر سندھی زبان میں لکھیں۔ (۱۳)

۷: قرآن شریف مترجم مولانا محمد مدنی:

مولانا محمد مدنی صاحب قرآن، حدیث اور علوم عربیہ کے مستند ماہر تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بچپن میں حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مسجد الحرام میں پڑھاتے رہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی صاحب کے مشورہ سے واپس سندھ میں آئے۔ پہلے مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو میں تعلیم دیتے رہے۔ اس کے بعد سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں عربی کے استاد مقرر ہوئے

وہاں قرآن مجید کا سندھی ترجمہ کرنے کا شوق ہوا۔عربی تفاسیر اور لغات کے عمیق مطالعہ کے بعد ترجمہ کرتے تھے۔آپ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے جدید طرز پر بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔اس ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ محاورہ کی رعایت کے ساتھ قرآن کریم کا کوئی بھی لفظ ترجمہ سے خالی نہیں چھوڑا گیا ہے۔کئی مقامات پر ترجمہ کی مدد سے مشکل تفسیری مسائل کو بھی حل کیا گیا ہے۔

ترجمہ کے ابتدا میں مولانا محمد مدنی کے داماد اور مشہور عالم مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب کا عالمانہ مقدمہ بھی دیا گیا ہے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ''تفسیر فتح الرحمٰن'' کے مقدمہ کا سندھی ترجمہ بھی دیا ہے، جس سے ترجمہ کی اہمیت وافادیت بڑھ گئی ہے۔حاشیہ پر ''تفسیر فتح الرحمٰن'' کا سندھی ترجمہ بھی علامہ قاسمی صاحب نے شامل کیا ہے۔مولانا محمد مدنی کا یہ ترجمہ سلیس، بامحاورہ اور فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے مزین ہے۔مولانا صاحب نے ترجمہ آسان اور عام فہم انداز میں کیا ہے، تاکہ زیادہ یا کم علم والا اس کو آسانی سے پڑھ کر سمجھ سکے۔کئی مقامات پر سندھی کے محاورے اور اصطلاح بھی استعمال کی ہیں، جن کی وجہ سے ترجمہ کی عبارت جاذب اور دلکش بن گئی ہے۔

مولانا مدنی کا یہ ترجمہ مجموعی طور پر سندھی زبان کے موجودہ دور کے تراجم میں نہایت اعلیٰ اور معیاری ہے۔اگر دیکھا جائے تو مولانا تاج محمود امروٹی کے بعد مدنی صاحب کا یہ ترجمہ ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ (۱۴)

نیز مولانا محمد مدنی صاحب نے قرآن کریم کے آخری چار پاروں کا الگ ترجمہ اور تفسیر بھی لکھی ہے۔ترجمہ اور تفسیر سے پہلے ہر سورت کے مضمون کا خلاصہ اور شان نزول بیان کیا گیا ہے۔سورتوں میں آپ ربط ذکر کرتے ہیں، بعض جگہوں پر قرآن کریم پر اٹھنے والے اعتراضات کا کافی وشافی جواب دیا ہے۔تفسیر کی زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔(۱۵)

۸۔قرآن مجید مترجم مولانا عبدالرحیم مگسی:

قرآن شریف کا یہ ترجمہ سندھ مدرسہ کے استاد مولانا عبدالرحیم مگسی صاحب نے بامحاورہ، صاف اور دلکش سندھی زبان میں کیا ہے۔سندھی عبارت جدید نثر کے اصولوں کے مطابق ہے، جس سے ان کی

قابلیت اور سندھی نثر پر دسترس معلوم ہوتی ہے۔ مولانا عبدالرحیم مگسی نے قرآن کریم کے ترجمہ سے پہلے قرآن کریم کے فضائل اور سیرت نبوی ﷺ پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے سندھی ترجمہ میں فصاحت و بلاغت کی خصوصیات ہمیشہ قائم رہے گی۔ آپ نے خالص الفاظ اور تشبیہات استعمال کی ہیں۔ تصنع اور تکلف سے اجتناب کیا ہے۔ ان کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں اتنے قابل قدر علماء پیدا ہوئے ہیں، جن کی علمیت اور ذہانت کا نہایت اعلیٰ مقام ہے۔ یہ ترجمہ سندھی زبان کے بہترین تراجم میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالرحیم مگسی نے ''دلائل الایمان بتفسیر القرآن'' پارہ عم کے آخری ربع کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ (۱۷)

۹۔ قرآن مجید مترجم سندھی منظوم مولانا احمد ملاح:

مولانا احمد ملاح کا شمار سندھ کے جلیل القدر علماء میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کا تعلق زیریں سندھ کے شہر بدین سے تھا۔ دینی اور دنیوی علوم کے ساتھ سیاسی بصیرت کے مالک تھے۔ سندھی زبان کے عالم و ادیب اور بے مثال شاعر تھے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن کریم کا سندھی منظوم ترجمہ ہے۔

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کے پارہ عم کے منظوم سندھی ترجمہ کے بعد مولانا احمد ملاح پہلے سندھی عالم ہیں جنہوں نے قرآن پاک کا مکمل منظوم سندھی ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمہ میں مولانا احمد ملاح نے مقصد اور مفہوم کے ساتھ اس کی اصلیت برقرار رکھی ہے اور ترجمہ کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ ترجمہ کے دوران اگر کہیں سوالیہ جملہ نظر آیا ہے تو اس کا سندھ میں منظوم ترجمہ بھی اسی انداز میں کیا ہے اور شعر کی نزاکت برقرار رکھی ہے۔ ان کے ترجمہ میں تجنیس حرفی کی صنعت کو نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آپ کا یہ منظوم ترجمہ سندھی زبان کا ایک بہترین شاہکار ہے۔ (۱۸)

۱۰۔ قرآن مجید مترجم شیخ عبدالعزیز عرب:

شیخ عبدالعزیز کا تعلق نجد سے تھا۔ سندھ میں کافی عرصہ رہے۔ عربی کے ساتھ سندھی بھی جانتے تھے۔ انہوں نے قرآن کریم کا بامحاورہ سندھی ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ فصیح و بلیغ اور سندھی نثر نویسی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ عربی عبارت کو اس طرح سندھی کا جامہ پہنایا ہے کہ قرآن کریم کی اصل

عبارت کے روح کو قائم رکھا گیا ہے۔ اس ترجمہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اکثر سندھی تراجم میں وضاحت کے لئے زائد الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، لیکن اس میں ترجمہ کو برقرار رکھ کر زائد الفاظ سے اجتناب کیا گیا ہے۔ سندھی عبارت کے قواعد اور جدید نثر نویسی کے اصولوں کو برقرار رکھا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ترجمہ عام فہم ہے۔(۱۹)

۱۱۔قرآن مجید مترجم مولانا نور محمد عادلپوری:

مولانا نور محمد عادلپوری گھوٹکی سندھ کے رہنے والے تھے۔ آپ کا یہ ترجمہ بامحاورہ اور عام فہم زبان میں ہے۔ ترجمہ سے قبل سورتوں کی فہرست، ہر سورت کی فضیلت، قرأت اور تجوید کے متعلق اہم باتیں سمجھائی گئی ہیں۔ حاشیہ پر وضاحتی نوٹ بھی تحریر کئے گئے ہیں، جو آیتوں کے مضامین کی مناسبت سے پیش آمدہ فقہی مسائل، آیات کے شان نزول، ناسخ اور منسوخ جیسی اہم باتوں سے متعلق ہیں۔ فقہ کے مشہور علماء اور مشہور و معتبر تفاسیر کے حوالے بھی جابجا ملتے ہیں۔ مولانا عادل پوری کا یہ ترجمہ اور حاشیہ اپنی جگہ پر قابل ستائش ہے۔(۲۰)

۱۲۔قرآن پاک مترجم و مختصر حاشیہ قاضی شرف الدین سیوہانی:

قاضی شرف الدین خطاط سیوہن کے مردم خیر خطہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے جدید عالم تھے۔ عربی اور سندھی پر عبور رکھتے تھے۔ آپ کا قرآن مجید کا تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ ہر آیت کے عربی متن کے نیچے سندھی ترجمہ دیا گیا ہے۔ کئی آیات کے مضامین کی وضاحت میں حاشیہ بھی لکھا ہے۔ اسی طرح آیات کے شان نزول کو بھی واضح کیا ہے، جس کی وجہ سے ہر آیت کا مطلب و معنیٰ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ فصاحت و بلاغت کا خیال رکھا گیا ہے، ترجمہ میں قرآن پاک کے اصل عربی متن کی روح کو برقرار رکھا گیا ہے۔ قاضی صاحب نے جدید نثر کو استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ سندھی کے محاورے اور اصطلاحات استعمال کی ہیں۔(۲۱)

۱۳۔قرآن مجید مترجم شاہ محمد پیرزادہ:

حاجی شاہ محمد پیرزادہ کا تعلق کنڈیارو ضلع نوشہرہ فیروز سے تھا۔ آپ نے قرآن پاک عربی متن کے

بغیر ترجمہ کیا ہے۔ ابتدا میں ایک عالمانہ مقدمہ لکھا ہے، جس میں برصغیر پاک و ہند میں انگریز حکومت کے خاتمہ کے بعد سندھ میں آنے والی تبدیلیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے با اثر لوگوں کے حالات اور ذہنوں کا بیان کیا ہے اور ان حالات کی اصلاح کا واحد ذریعہ قرآنی تعلیم کو قرار دیا ہے اور یہ قرآن کریم کے معنیٰ ومطلب کو سمجھنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ سندھی ادب میں ایک بلند پایہ تصنیف ہے۔

ترجمہ بامحاورہ اور شستہ زبان میں کیا ہوا ہے۔ نہایت قابلیت سے سندھی عبارت کے رنگ کو شروع سے آخر تک برقرار رکھا گیا ہے۔ آپ نے یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی کے اردو ترجمہ کو سامنے رکھ کر کیا ہے۔ ترجمہ میں سندھی محاورے اور اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے۔ آیتوں کے نمبر دے کر آخر میں وضاحتی نوٹ لکھے ہیں، جن کا انداز تفسیری ہے۔ (۲۲)

۱۴۔ قرآن پاک مترجم مولانا محمد عالم سومرو:

اس ترجمہ کو پڑھنے سے عربی الفاظ کے معنیٰ ومفہوم کا علم ہوتا ہے۔ آپ نے یہ ترجمہ کم علم رکھنے والے سندھی لوگوں کی عربی عبارت کی معنیٰ سے واقفیت کے لئے کیا ہے اور اس میں کامیاب رہے ہیں۔ ترجمہ میں صاف اور نج سندھی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ (۲۳)

۱۵۔ قرآن مجید مترجم مولانا عبدالغفور کھڈے والے:

مولانا عبدالغفور مولانا محمد صادق کھڈے والے کے قریبی رشتہ دار اور داماد تھے۔ انہیں مولانا عبیداللہ سندھی کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل تھا۔ قرآن کریم سمجھنے اور سمجھانے کا انہیں زیادہ شوق رہتا تھا۔ سندھ ماڈرن پبلشنگ ہاؤس کے مالک میاں بشیر احمد کی فرمائش پر مولانا عبدالغفور نے بامحاورہ ترجمہ لکھا اور مختصر نوٹ بھی لکھے۔ ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم ہے۔ مولانا محمد مدنی صاحب اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب نے بھی اس ترجمہ پر نظر ثانی کی ہے۔ (۲۴)

۱۶۔ ترجمہ قرآن مجید علامہ علی خان ابڑو:

علامہ علی خان ابڑو صاحب انگریزی علم و ادب کے ساتھ عربی، فارسی اور سندھی علم و ادب کے بھی ماہر تھے۔ آپ نے ''تفسیر المنیر'' کے نام سے قرآن پاک کا سلیس ترجمہ اور مختصر شرح کی ہے۔ آخری

تین پاروں کا ترجمہ ضائع ہونے کی وجہ سے مولانا محمد مدنی کے ترجمہ سے شامل کر کے مکمل شائع کیا گیا ہے۔ آپ نے ایک عالمانہ مقدمہ لکھا ہے، جس میں قرآن کریم میں غور وفکر کی اہمیت اور افادیت پر مدلل انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہر آیت کے سامنے اس کے معنی دے کر حاشیہ پر مختصراً اس کی تشریح کی ہے۔ آپ نے آیات کی تشریح کرتے ہوئے قرآن پاک، حدیث اور مختلف قدیم وجدید تفاسیر کی مدد سے سندھ کے معاشرتی حالات کا قدیم قوموں کے حالات سے موازنہ کر کے تفسیری نوٹ لکھے ہیں۔ ہر رکوع سے پہلے اس کے موضوعات کی نشان دہی کی گئی ہے، جس کی وجہ سے پڑھنے والے کی دل میں ترجمہ وتفسیر پڑھنے کا تجسس پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے ترجمہ میں نہایت سادہ صاف اور عام فہم زبان استعمال کی ہے۔ کہیں کہیں وضاحت کے لئے بین القوسین انگریزی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ سے اجتناب کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر علامہ صاحب کا یہ ترجمہ وتفسیر سندھ کی نوجوان نسل کو قرآن کریم سمجھانے کے سلسلہ میں نہایت کارآمد ہے۔ (۲۵)

۱۷۔ قرآن پاک مترجم مولانا عبدالکریم قریشی:

مولانا عبدالکریم قریشی صاحب کا یہ سندھی ترجمہ اپنی نوعیت کا بہترین ترجمہ ہے۔ اس وقت تک سندھی زبان میں قرآن کریم کے تراجم شائع ہوئے ہیں، وہ یا تو بامحاورہ ہیں، یا تحت اللفظ۔ مولانا قریشی صاحب نے ان روایتی طریقوں سے ہٹ کر ایسے دلکش انداز میں ترجمہ کیا ہے کہ یہ ترجمہ تحت اللفظ اور محاوراتی ترجمہ کا امتزاج محسوس ہوتا ہے۔ اس سے قبل سندھی مترجمین نے کئی مقامات پر مطلب اور مفہوم واضح نہ ہونے کی وجہ سے کچھ الفاظ کا بین القوسین اضافہ کر کے ترجمہ بیان کیا ہے۔ مولانا صاحب نے کسی بھی جگہ یہ طریقہ اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ کا اس طرح استعمال کیا ہے کہ کہیں بھی الفاظ بڑھانے کی صورت پیش نہیں آئی۔ ترجمہ کی یہ خوبی دیکھنے کے بعد کہہ سکتے ہیں کہ مولانا صاحب کو عربی کے ساتھ سندھی پر بھی مکمل دسترس ہے۔ اس ترجمہ میں ایک یہ بھی خوبی نظر آتی ہے کہ مولانا صاحب نے ترجمہ کرتے ہوئے ہر ایک آیت کے لفظ کے نیچے اس کا سندھی ترجمہ ایسی قابلیت سے پیش کیا ہے کہ آیت کا کوئی بھی حصہ ترجمہ کے بغیر نہیں رہا۔ اس لحاظ سے

قرآن کریم کا ترجمہ اپنی انفرادی نوعیت کا ترجمہ ہے اور سندھ کے مذہبی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔(۲۶)

۱۸۔ترجمۂ قرآن مجید چار زبانوں میں: اردو، سندھی، انگریزی، فارسی- غلام اصغر وِنڈیر علیگ:

اس ترجمہ کو غلام اصغر وِنڈیر صاحب نے اردو، سندھی، انگریزی اور فارسی کے جن قدیم و جدید تراجم کی مدد سے ترتیب دیا ہے، ان میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا فتح محمد جالندھری اور مولانا اشرف علی تھانوی کے اردو تراجم، مخدوم مولانا عثمان کان تنویر الایمان، تفسیر کوثر شاہ میردان شاہ سندھی میں اور علامہ عبداللہ یوسف علی اور مارماڈیوک پکتھال کے انگریزی تراجم اور شاہ ولی اللہ دہلوی کا فارسی ترجمہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بقول مرتب: چار زبانوں کے مختلف ترجموں کو بیک وقت افقی طور پر لفظ بلفظ اور عمودی طور پر بحد امکان بامحاورہ بنا کر ترتیب دینے کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کا ترجمہ اپنی نوعیت کی پہلی مثال ہے۔ انگریزی اور فارسی زبانوں کا ترجمہ جن کے صرفی اور نحوی قواعد میں کافی مشابہت پائی جاتی ہے، قرآن مجید کے عربی متن کے ساتھ رکھا گیا ہے، تاکہ مبتدی کو ہر لفظ کے معنیٰ اور مفہوم سمجھنے میں زیادہ سہولت ہو۔ اسی بنا پر انگریزی ترجمہ کو عربی متن کے دائیں طرف اور فارسی ترجمہ کو اس کے بائیں طرف رکھا گیا ہے۔ اسی طرح اردو اور سندھی کے ترجمے، جن کے صرفی اور نحوی قوانین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، متصل رکھے گئے ہیں۔ لفظ بلفظ ترجمہ میں ہر زبان کے عدد کے قوانین اور تذکیر و تانیث میں جو فرق پایا جاتا ہے، اس کا بھی پوری طرح خیال رکھا گیا ہے۔ اکثر مقالات پر عربی زبان کے واحد مونث کے صیغے کا ترجمہ دوسری زبانوں میں واحد مذکر اور جمع مذکر صیغوں میں ہی ہے۔ اس کے علاوہ ہر زبان میں صفت اور موصوف میں جو مقدم اور مؤخر کا فرق ہوتا ہے، ترجمہ میں اسے ہر جگہ اشاروں سے واضح کیا گیا ہے۔(۲۷)

۱۹۔تفسیر ''تنویر الایمان'' مولانا محمد عثمان نورنگ زادہ:

مولانا محمد عثمان نورنگ زادہ سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں اسلامیات کے ساتھ تھے۔ اپنے

وقت کے مشہور عالم، فقیہ اور مفسر گزرے ہیں۔ ترجمہ اور تفسیر آپ نے اپنے روحانی پیشوا پیر رشید الدین شاہ جھنڈے والے کی فرمائش پر لکھا۔ 25 پاروں کو مکمل کر سکے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے پوتے مولانا محمد نورنگ زادہ نے اسی طرز پر باقی کام مکمل کیا۔ آپ نے عالمانہ مقدمہ میں تلاوت قرآن کریم کے فضائل و مسائل، جمع و تدوین کی تاریخ اور اس پر وارد اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔ ہر سورت کا ترجمہ اور تفسیر بیان کی ہے۔ علم تفسیر کی روشنی میں ہر آیت کے شان نزول سے لے کر ناسخ و منسوخ آیات کی نشاندہی کی ہے۔ مولانا محمد عثمان کا یہ ترجمہ و تفسیر سندھی زبان میں ایک بہترین کاوش ہے۔ (۲۸)

۲۰۔ تفسیر مفتاح رشد اللہ قاضی فتح محمد نظامانی:

قاضی فتح محمد نظامانی اپنے وقت کے جید علماء میں سے تھے۔ پیر رشید الدین شاہ جھنڈے والے نے اپنے بیٹوں سید رشد اللہ شاہ، محمد امام شاہ کو دینی تعلیم دینے کے لئے پیر جھنڈو میں مقرر کیا۔ تفسیر مفتاح رشد اللہ پارہ 'الم' کا ترجمہ اور تفسیر ہے جو قاضی فتح محمد نے سید رشید الدین کی فرمائش پر لکھا تھا۔ ترجمہ اور تفسیر کی ترتیب وہی ہے جو دوسرے سندھی علماء کے تراجم میں نظر آتی ہے۔ (۲۹)

۲۱۔ تفسیر کوثر شاہ مردان شاہ مولانا محمد صدیق نورنگ پوتہ:

مولانا محمد صدیق نے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ و تفسیر لکھا ہے۔ اس کے بعد ہر سورت کی آیت کا ترجمہ دے کر اس کی تفسیر بیان کی ہے۔ چونکہ ''تفسیر کوثر شاہ مردان' انگریزوں کے ابتدائی زمانہ کی تفسیر ہے، اس لئے عبارت کا رنگ وڈھنگ متقدمین علماء والا نظر آتا ہے۔ مولانا محمد صادق نے آخوند عزیز اللہ مٹیاروی کے ترجمہ سے راہنمائی لی ہے، لیکن کافی جدت بھی پیدا کی ہے۔ سندھی نثر کی عبارت میں زیریں سندھ کا لہجہ استعمال کیا ہے۔ (۳۰)

یہ تفسیر پیر حزب اللہ شاہ پاگارہ کے حکم سے لکھا گیا ہے۔

ان تراجم و تفاسیر کے علاوہ بھی کئی مکمل یا نامکمل تراجم و تفاسیر سندھی زبان میں موجود ہیں، جن میں مولانا محمد فضل اور سید محمد فاضل شاہ کی تفسیر ''فاضلین'' مخدوم مہرودل کی تفسیر ''رغبۃ الطالبین''، قاضی

عبدالکریم کی ''تفسیر کریمی''، مخدوم عبداللہ نرئی والے کی تفسیر ''احسن القصص''، مولانا محمد ادریس ڈاہری کی ''احسن البیان فی تفسیر القرآن''، مولانا محمد خان لغاری مرتضائی کی ''تفسیر ضیاء الایمان''، مخدوم محمد شفیع صدیقی کا ترجمہ وتفسیر پارہ الم، مولانا احمد نورنگ پوتہ کا پارہ ''عم'' کا ترجمہ وتفسیر بنام تفسیر احمدی، مخدوم اللہ بخش کھوڑوی کی ''تفسیر تسہیل القرآن''، مولانا عبدالخالق کنڈیاروں کی سورۃ کوثر کی تفسیر ''حیات ملت'' اور ''تفسیر معارف القرآن''، مولانا علی محمد مہیری کا سورۃ الفتح کا منظوم ترجمہ وتفسیر، فقیر ہدایت علی تارک کی ''آثار العرفان فی تفسیر الفرقان''، مولانا عبیداللہ سندھی کی ''تفسیر تمدن عرب، تفسیر جنگ انقلاب'' اور ''الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن''، مولانا عبداللہ کھڈہری کا ''بیان القرآن''، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کی ''روائع البیان فی تفسیر القرآن''، مولانا عبدالہادی جتوئی کی ''تفسیر عرفان القرآن'' مولانا عبداللہ چانڈیو کی ''الظہور فی تفسیر سورۃ النور'' مولانا رحیم بخش قمر لاکھو کی ''تفسیر خزائن الرحمٰن''، علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی کی تفسیر ''بدیع التفاسیر'' علامہ سید محبّ اللہ شاہ راشدی کی ''المنہج الاقوم فی تفسیر سورۃ مریم'' مولانا خیر محمد نظامانی کی تفسیر پارہ عم اور مولانا محدم عمر جونیجو کا پارہ عم کا ترجمہ ''مطالب القرآن'' شامل ہیں۔

ان کے علاوہ بعض اردو تراجم وتفاسیر کے سندھی میں تراجم کیے گئے ہیں، ان میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' کا سندھی ترجمہ از مولانا جان محمد بھٹو اور حکیم امیر الدین مہر، مولانا احمد رضا خان بریلوی کے کنز الایمان کا ترجمہ از مفتی عبدالرحیم سکندری، مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر عثمانی کا ترجمہ از مولانا محمد رمضان مہیری اور محرم علی ٹگڑ، مولانا عبدالستار دہلوی کے ''فوائد ستاریہ'' کا ترجمہ از مولانا امام الدین جونیجو، تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ از انجنیئر عبدالمالک میمن شامل ہیں۔ نیز مولانا عبداللہ تنیو، پروفیسر احمد علی انصاری، پیر عبدالوحید جان سرہندی، ڈاکٹر امیر الدین مہر، غلام مصطفیٰ دادوی، عبدالرؤف سومرو، مولانا محمد اکبر مری، مولانا اللہ نواز ہرل، مولانا محمد خان محمدی وغیرہ کے سندھی تراجم بھی قابل ستائش کاوشیں ہیں۔ (۳۱)

❁❁❁❁

حواشی وحوالہ جات

١: النحل

٢: بزرگ بن شہریار ''عجائب الہند'' لیدن، سید سلیمان ندوی ''عرب و ہند کے تعلقات'' 342، سید ابوظفر ندوی ''تاریخ سندھ'' 357

٣: آخوند عزیز اللہ ''ترجمہ قرآن کریم'' کریمی پریس بمبئی

٤: محمد صدیق نورنگ ''قرآن مجید مترجم ومحشی''، مطبع حسینی بمبئی

٥: مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی مقدمہ ''تفسیر ہاشمی'' ص 17

٦: سید تاج محمود امروٹی ''قرآن پاک مترجم'' تاج کمپنی لاہور، سید محمود شاہ بخاری ''وطن کی آزادی کا امام'' شہباز پبلی کیشن حیدرآباد

٧: سید تاج محمود امروٹی ''تذکیر المؤمنین فی تفسیر سورۂ یٰسین''، محمود المطابع امروٹ

٨: سید تاج محمود امروٹی ''نور الایمان فی تفسیر عروس القرآن'' محمود المطابع امروٹ

٩: قاضی عبدالرزاق ''قرآن مجید مترجم'' عباسی کتب خانہ کراچی

١٠: ایضاً قرآن کمپنی حیدرآباد سندھ

١١: ایضاً شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

١٢: ایضاً ''تفسیر معلم القرآن'' الوحید پرنٹنگ پریس کراچی

١٣: ایضاً ''تفسیر فتح الرحمٰن'' مدینہ دارالاشاعت کراچی

١٤: مولانا محمد مدنی ''قرآن مجید مترجم'' ایجوکیشنل پریس کراچی

١٥: ایضاً ''ترجمۃ القرآن مع تفسیر القرآن'' شیخ عبداللہ نومسلم کراچی

١٦: عبدالرحیم مگسی ''مقبول عام قرآن پاک مترجم'' صابر پریس کراچی

١٧: ایضاً ''دلائل الایمان بتفسیر القرآن'' قومی کتب خانہ کراچی

١٨: مولانا احمد ملاح ''نور القرآن'' مہران آرٹس کونسل حیدرآباد

١٩: عبدالعزیز عرب ''قرآن پاک مترجم'' مقبول عام کتب خانہ سکھر

٢٠: نور محمد عادل پوری ''قرآن پاک مترجم'' کریمی پریس لاہور

٢١: قاضی شرف الدین ''ترجمہ قرآن مجید'' مخطوط انسٹیٹیوٹ آف سندھالاجی، سندھ یونیورسٹی جامشورو

۲۲: شاہ محمد پیرزادہ ''ترجمہ قرآن کریم'' چندن پریس حیدرآباد

۲۳: مولانا محمد عالم سومرو ''ترجمہ قرآن کریم'' قومی ہجرہ کونسل اسلام آباد

۲۴: مولانا عبدالغفور کھڈے والے ''ترجمہ قرآن مجید'' سندھ ماڈرن پبلشنگ ہاؤس کراچی

۲۵: علامہ علی خان ابڑو ''تفسیر المنیر'' سندھیکا اکیڈمی کراچی

۲۶: مولانا عبدالکریم قریشی ''ترجمہ قرآن الکریم'' اسریٰ فاؤنڈیشن حیدرآباد

۲۷: غلام اصغر ونڈیر ''ترجمہ قرآن کریم'' قرآن کونسل گڈو

۲۸: مولانا محمد عثمان نورنگ زادہ ''تفسیر تنویر الایمان'' محمد عظیم اینڈ سنز شکارپور''

۲۹: قاضی فتح محمد نظامانی ''مفتاح رشد اللہ'' زیب ادبی مرکز حیدرآباد

۳۰: مولانا محمد صدیق ''تفسیر کوثر مردان شاہ'' قرآن پریس حیدرآباد

۳۱: ڈاکٹر عبدالرزاق گھانگھرو ''قرآن مجید کے سندھی تراجم اور تفاسیر'' مہران اکیڈمی شکارپور

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ''مقالات قاسمی'' سیارہ ڈائجسٹ ''قرآن نمبر'' لاہور

فہرس المراجع والمصادر

☆ القرآن الکریم، کلام اللہ منزل من رب الرحیم

☆ ابڑو ''تفسیر المنیر'' سندھیکا اکیڈمی کراچی 1996ء

☆ آخوند عزیز اللہ ''ترجمہ قرآن کریم'' کریمی پریس بمبئی 1320ھ

☆ امروٹی تاج محمود سید (i) ''قرآن پاک مترجم'' تاج کمپنی لاہور (ii) ''تذکیر المؤمنین فی تفسیر سورۃ یٰسین'' محمود المطابع امروٹ 1901ء (iii) ''نور الایمان فی تفسیر عروس القرآن'' محمود المطابع امروٹ 1901ء

☆ بخاری محمود شاہ سید ''وطن کی آزادی کا امام'' شہباز پبلیکیشن حیدرآباد 1954ء

☆ پیرزادہ شاہ محمد ''ترجمہ قرآن کریم'' چندن پریس حیدرآباد 1947ء

☆ الرامہر مزی بزرگ بن شہریار ''عجائب الہند برہ و بحرہ و جزائرہ'' لیدن 1886ء

☆ سومرو محمد عالم ''ترجمہ قرآن مجید'' قومی ہجرہ کونسل اسلام آباد 1983ء

☆ عادل پوری نور محمد ''قرآن پاک مترجم'' کریمی پریس لاہور 1930ء

☆ عرب عبدالعزیز ''قرآن پاک مترجم'' مقبول عام کتب خانہ سکھر

☆ عبدالغفور مولانا کھڈہ والے ''ترجمہ قرآن مجید'' سندھ ماڈرن پبلشنگ ہاؤس کراچی

☆ قاسمی غلام مصطفیٰ مولانا (۱) ''مقدمہ تفسیر ہاشمی'' سندھی ادبی بورڈ جامشورو (۲) مقالات قاسمی

☆ قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ لاہور

☆ قاضی عبدالرزاق (1) ''قرآن مجید مترجم'' عباسی کتب خانہ کراچی 1968ء (2) ''قرآن مجید مترجم'' قرآن کمپنی حیدرآباد سندھ (3) ''قرآن مجید مترجم'' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور (4) ''تفسیر معلم القرآن'' الوحید پرنٹنگ پریس کراچی 1947ء (5) ''تفسیر فتح الرحمٰن'' مدینہ دارالاشاعت کراچی 1954ء

☆ قاضی شرف الدین ''ترجمہ قرآن مجید'' مخطوط انسٹیٹیوٹ آف سندھالاجی جامشورو

☆ ریشی مولانا عبدالکریم ''ترجمہ قرآن کریم'' اسرار فاؤنڈیشن حیدرآباد 1996ء

☆ گھانگھرو عبدالرزاق ''قرآن پاک کے سندھی تراجم اور تفاسیر'' مہیران اکیڈمی شکارپور

☆ مدنی مولانا محمد (1) قرآن مجید مترجم ایجوکیشن پریس کراچی 1376ھ (2) ''ترجمۃ القرآن مع تفسیر القرآن'' شیخ عبداللہ نومسلم کراچی 1936ء

☆ مگسی عبدالرحیم مولانا (1) ''مقبول عام قرآن پاک مترجم'' صابر پریس لاہور 1358ء (2) ''دلائل الایمان بتفسیر القرآن'' قومی کتب خانہ کراچی 1947ء

☆ ملاح احمد مولانا ''نورالقرآن'' مہران آرٹس کونسل حیدرآباد 1980ء

☆ ندوی سید سلیمان ''عرب و ہند کے تعلقات'' اردو اکیڈمی کراچی

☆ ندوی ابوظفر سید ''تاریخ سندھ''

☆ نورنگ زادہ محمد صدیق مولانا (1) ''تفسیر کوثر شاہ مردان'' قرآن پریس حیدرآباد 1963ء (2) ''قرآن مجید مترجم محشی'' مطبع حسینی بمبئی 1317ھ (3) ''تفسیر تنویر الایمان'' محمد عظیم اینڈ سنز شکارپور 1986ء

☆ نظامانی فتح محمد قاضی ''مفتاح رشد اللہ'' زیب ادبی مرکز حیدرآباد 1991ء

☆ ونڈیر غلام اصغر علی ''ترجمہ قرآن کریم'' قرآن کونسل گڈو 1996ء

❀❀❀❀

پشتو زبان میں قرآن پاک کے تفاسیر وتراجم
6 منتخب تراجم وتفاسیر کا مختصر جائزہ

پروفیسر ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء ☆

انسان کو کرۂ ارض پر بسانے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی راہنمائی کا بندوبست بھی فرمایا۔ تا کہ وہ جادۂ حق سے نہ بھٹکے ۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی ہدایات کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اور مختلف زمانوں میں مختلف اقوام کے پاس انہی کی زبان بولنے والے انبیاء ورسل بھیجے ۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اختتام پذیر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعث کے ساتھ ہی نبوت کا سلسلہ منقطع ہوا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی آخری آسمانی کتاب وقرآن مجید کی قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے منتخب کیا گیا۔

عربی زبان میں نازل کیے گئے قرآن کے مخاطب تمام انسان ہیں۔ اس کا پیغام آفاقی اور اس کی ہدایت بے مثل ہے۔ اس کی انہی خصوصیات کی وجہ سے یہ نہ صرف وادیٔ حجاز میں بسنے والے مقامی لوگوں کے لیے مشعل راہ تھا۔ جو نزول قران کے وقت زندہ تھے۔ بلکہ جوں جوں اسلام کی روشنی قرب و جوار میں پھیلتی گئی تو قرآن مجید کے درخت بار آور کے آثمار سے وہاں کے مکین بھی مستفید ہونے لگے۔ ابدی نور سے فیضیابی کا سلسلہ ہنوز جاری ہے اور یقیناً تا قیامت جاری رہے گا۔

جزیرۃ العرب کی حدود سے نکل کر جب دین اسلام غیر عرب اقوام کی سرزمین میں داخل ہوا۔ تو انہیں بھی قرآن کا پیغام سمجھنے اور اسے اپنی زبان میں ترجمہ کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس لیے کہ یہ

☆ صدر شعبہ علوم اسلامیہ یونیورسٹی آف پشاور۔

کتاب اسلام کا دستور و آئین اور شریعت کا منبع ہے۔ اسے سمجھے بغیر قوانین کا نفاد ممکن نہیں۔ ایک اسلامی معاشرہ تو کیا ایک فرد کی اسلامی طرزِ معاشرت کے لیے بھی قران کا سمجھنا ازحد ضروری ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر ہر زمانے کے کئی علماء کرام نے مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمے کی کوشش کی ہے۔ اور مستقبل میں بھی یہ سلسلہ جاری رہے گی۔ (۱)

ترجمے کے حوالے سے، البتہ اس مسلمہ حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ قرآن مجید کا کسی بھی زبان میں کوئی بھی ترجمہ، خواہ کتنی ہی محنت اور دقتِ نظر سے انجام پایا ہو، ان عظیم معانی کو کما حقہ ادا کرنے سے بہر حال قاصر رہتا ہے جو قرآن کریم کے معجزانہ متن کے عربی مدلولات ہیں، نیز یہ کہ ترجمہ میں جن مطالب کو پیش کیا جاتا ہے، وہ دراصل مترجم کی قرآن فہمی کا ماحاصل ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر انسان کی طرح ترجمۂ قرآن میں بھی غلطی، کوتاہی اور نقص کا امکان باقی رہتا ہے۔ (۲)

پشتو تراجم و تفاسیر قرآن:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پشتو زبان دنیا کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے۔ پختونوں کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ یہ من حیث القوم مسلمان ہیں۔ اس لیے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ پشتو زبان کا دامن تراجم و تفاسیر قرآن سے خالی نہ ہوتا لیکن بدقسمتی سے متعدد تراجم و تفاسیر زمانے کے دست برد سے محفوظ نہیں رہے اور ہم تک پہنچ نہ سکے۔ (۳) دوسری بات یہ کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے اور بعد میں بھی برصغیر پاک و ہند میں مقامی زبانوں کے ساتھ دفتری زبانوں کے ساتھ دفتری زبان فارسی تھی۔ اور عالم دین بننے کے لیے فارسی زبان و ادب پر بھی عبور حاصل کرنا ضروری تھا۔ اس لیے علماء عموماً فارسی کی تفسیر، تفسیر حسینی اور اس طرح کی دیگر تفاسیر پڑھتے تھے۔ اور پشتو میں تراجم اور تفاسیر کی طرف کما حقہ توجہ نہ دے پاتے۔ اور جب پاکستان بننے کے لیے بعد اُردو کو سرکاری اور قومی زبان کی حیثیت حاصل ہوگئی تو چونکہ ہر پختون آسانی سے اُردو بھی پڑھ سکتا تھا، اس لیے وہ شاہ القادر رحمہ اللہ، شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ اور اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے تراجم اور تفاسیر سے اپنی علمی تشنگی بجھاتے تھے۔ تاہم صوبہ سرحد، بلوچستان اور افغانستان میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی، جو

پشتو کے علاوہ کوئی دوسری زبان پڑھنے سے عاجز تھے۔ خصوصاً وہ پردہ نشین عورتیں جو باقاعدہ طور پر سکول کی تعلیم حاصل نہ کر سکیں، وہ اپنے گھروں میں اپنے بزرگوں یا محلے میں کسی بوڑھی عورت سے دینی مضامین پر مشتمل رشید البیان، نور نامہ اور جنگ نامہ وغیرہ منظوم کتابیں پشتو میں پڑھتی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ قرآن کا پشتو میں ترجمہ بھی پڑھتی تھیں جو ملا صاحب دار منگی نے کیا ہے۔ تاہم یہ دعویٰ کرنا مناسب نہ ہوگا کہ انیسوی صدی سے پہلے پشتو زبان میں قرآن کریم کی کوئی خاص خدمت نہیں ہوئی۔ جب کہ پوری کی پوری قوم مسلمان تھی اور علوم اسلامیہ کی تحصیل کا شوق عام تھا خصوصی طور پر علم فقہ کے جید علماء موجود تھے۔ اور یہ علماء قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کی طرف بھی تھوڑی بہت توجہ دیا کرتے تھے۔(۵) اٹھارویں اور انیسویں صدیوں کے نصف اول میں پختونوں کا علاقہ ایک بڑے سیاسی بحران میں مبتلا تھا۔ یہ لوگ کبھی قبائلی خانہ جنگیوں میں مصروف رہے اور کبھی سکھوں کے سیلاب بلا کو بزور شمشیر روکتے رہے۔ ان مسلسل جنگوں میں عموماً سیاسی راہنمائی وہی حضرات ہوتے جو مذہبی پیشوا کہلاتے تھے۔ اس لیے جب دشمن غلبہ پاتا تو سب سے پہلے انہی علماء کا سرمایہ لٹتا اور ان کے گھر مسمار ہوتے، اس طرح کئی علمی ذخیر تباہ ہو گئے اور شاید اس لیے انیسویں صدی کے وسط تک متفرق سورتوں کے تراجم اور اکادکا مکمل ترجمہ یا تفسیر کے علاوہ ہمیں زیادہ تعداد میں قرآنی تراجم وتفاسیر کا سراغ نہیں ملتا۔ غالباً اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پختون قوم نسبتاً زیادہ قدامت پسند تھی۔ قرآن شریف کے بارے میں وہ حد درجہ محتاط تھے جس طرح شاہ ولی اللہ کی فارسی ترجمہ پر دہلی میں اودھ مچا اور لوگ ان کے قتل کے درپے ہو گئے اسی طرح انیسویں صدی کے اوائل میں جو آدمی بھی پشتو تفسیر اور ترجمہ لکھنے کی جرأت کرتا، نیم ملا قسم کے لوگ اس کی جان کے دشمن بن جاتے اور اسے لینے کے دینے پڑ جاتے۔ انیسویں صدی کے وسط میں اس علاقے میں ایک منظم حکومت قائم ہوئی اور سیاسی بحران ختم ہو گیا ہے۔ زندگی کی نئی قدریں سامنے خانے کھل گئے۔ ہندوستان کی طرف آمدورفت بڑھ گئی اور لوگوں کے ذہنوں میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا ہوئی۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے پاس اپنی زبان میں کلام اللہ کا ترجمہ وتفسیر ہونی چاہیے تاکہ وہ اللہ کے احکامات کو آسانی سمجھ سکیں اور ان پر خاطر خواہ عمل کر سکیں۔ چنانچہ

رفتہ رفتہ پشتو میں قرآن مجید سے متعلق قابل قدر ذخیرہ جمع ہو گیا۔

ڈاکٹر ہدایت اللہ نعیم کی تحقیق کے مطابق سترھویں صدی عیسوی سے لے کر 1940 تک 39 مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے 123 تراجم لکھے گئے۔ 1986 تک ان کی تعداد 1200 تک جا پہنچی جو 76 مختلف عالمی اور قومی زبانوں میں لکھی گئیں۔ 1986 تک برصغیر پاک و ہند میں 12 مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے 252 تراجم (مکمل و نامکمل) منظر عام پر آئیں۔(5) ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

بلوچی:	01
بنگالی:	50
انگریزی:	12
ہندی:	10
پشتو:	54
پنجابی:	15
سندھی:	10
اُردو:	100

مذکورہ زبانوں میں قدیم ترین تراجم کی تواریخ حسبِ ذیل ہیں:(6)

سندھی:	370ھ	مطابق 980ء
پشتو:	1093ھ	1679ء
اُردو:	1147ھ	1733ء(7)
بنگالی:	1247ھ	1828ء
ہندی:	1333ھ	1915ء
پنجابی:	بیسوی صدی کے اوائل	

بلوچی: 1392ھ 1972ء

مکمل پشتو تراجم وتفاسیر قرآن کی الف بائی ترتیب (۸)

نمبر شمار	نام ترجمہ یا تفسیر	نام مترجم ومفسر	سن طباعت
1	احسن الکلام	مولانا عبدالسلام رستمی	1994
2	اسباب تفسیر (ترجمہ تفسیر شاہ ولی اللہؒ)	ڈاکٹر سعید اللہ جان (مازارہ)	1995
3	افضل التراجم	محمد افضل خان (شیخ شاہ پور)	9183
4	انعام الرحمٰن	حافظ ولی سید	غیر مطبوعی
5	ترجمہ تفسیر عثمانی	تسنیم الحق کاکاخیل	2007
6	ترجمۃ القرآن	مولانا عبدالجبار، باجوڑ	غیر مطبوع
7	ترجمۃ القرآن	حافظ لطف الرحمٰن ادینہ	غیر مطبوع
8	ترجمۃ القرآن الحکیم	ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف	1983تا2008
9	ترجمہ قرآن مع فوائد	علمائے افغانستان و ہندوستان	1287ھ بھوپال
10	ترجمہ قرآن	مولانا عبدالحق دار بنگی	1975ء سے پہلے
11	ترجمہ قرآن مجید	ڈاکٹر حبیب الحق زروبی	نامعلوم
12	تعلیم القرآن (قرآن مجید کا پشتو ترجمہ)	ڈاکٹر محمد دین	تاج کتب خانہ، پشاور
13	تفسیر ابن کثیر، تالیف امام عماد الدین	مولوی زاہدی احمد زئی	تاج کتب خانہ 2008
14	تفسیر انوار القرآن	مولانا سید انوار الحق کاکاخیل	غیر مطبوع
15	تفسیر ایوبی	مولانا عبید اللہ قندھاری	مکتبہ قرائت وتجوید، کوئٹہ

16	تفسیر بخاری	مولانا سید بادشاہ گل بخاری	1956
17	تفسیر بدر منیر (تفسیر حسینی کا پشتو ترجمہ)	دوست محمد خٹک	1873
18	تفسیر بیان القرآن المعروف تشریح القرآن	مولوی عبدالشکور طوروی	نامعلوم
19	تفسیر بینظیر مترجم	نامعلوم	1882
20	تفسیر تعلیم القرآن	مولانا شفیق الرحمٰن	مکتبہ الھدیٰ مردان
21	تفسیر تیسیر القرآن	شیخ القرآن مولانا محمد طاہر	غیر مطبوع
22	تفسیر جیبی	مولانا حبیب الرحمٰن	1963
23	تفسیر حسینی کا پشتو ترجمہ	میاں عبداللہ کاکاخیل	1330ھ۔ لاہور
24	تفسیر خیر الکلام	مولوی امین اللہ	معراج کتب خانہ، محلّہ جنگی، پشاور
25	تفسیر فخر الاسلام	مولوی عبدالسلام، درگئی	زیب آرٹ پبلشرز، محلّہ جنگی۔ پشاور
26	تفسیر فوق الیسیر	مولانا عبدالحق داربنگی	1304ھ دہلی و لاہور
27	تفسیر فوق الیسیر	قاصی عبداللطیف گالوچ	1925
28	تفسیر قرآن مجید (شیخ الہند مولانا محمود الحسن و علامہ شبیر احمد عثمانی کا پشتو ترجمہ) المعروف بہ تفسیر کابل	پختو ٹولنہ کابل	1948-9144
29	تفسیر کشاف القرآن	حافظ ادریس	9161 (جلد اول) 1976 (جلد دوم)

30	تفسیر لامثال	عبداللہ فانی	معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار، پشاور
31	تفسیر مظاہری	عبدالعزیز مظاہر، طورو	غیر مطبوع
32	تفسیر معارف القرآن کا پشتو ترجمہ	پروفیسر ڈاکٹر قاضی مبارک، مولانا گل برخان، مولانا سیف الحنان موسی زئی	تاج کتب خانہ، محلّہ جنگی، پشاور
33	تفسیر نشر المرجان من مشکلات القرآن	محمد افضل خان	1403ھ
34	تفسیر وضاحت القرآن	مولانا سلطان محمود مردانی	نامعلوم
35	تفسیر یسیر	نامعلوم	1302ھ۔ دہلی/لاہور
36	تفسیر یسیر	مراد علی صاحبزادہ	1866
37	تفہیم القرآن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی	قیام الدین کشاف، مولانا راحت گل	1989¾1980
38	تلاوت قرآن مشہور بہ تفسیر زبیدہ	مولانا امیر ترخوی	1968
39	جمال القرآن مولانا اشرف علی تھانوی	قاری عبدالعزیز	1943ء
40	جواہر القرآن، مولانا علام اللہ خان	مولوی گل برخان	نامعلوم
41	جواہر القرآن مولانا غلام اللہ خان	مولانا عبدلما لک	کتب خانہ وحیدیہ، محلّہ جنگی پشاور 2008
42	خیر الکلام، پشتو ترجمہ	عبداللہ فانی	نامعلوم

43	سراج القرآن	مولانا روح اللہ	نامعلوم
44	ضیاء الکلام	مولانا عبدالمستعان	ضیفی کتب خانہ، پشاور
45	عزیز التفسیر	مولانا عزیز احمد	نامعلوم
46	القرآن الحکیم (پشتو ترجمہ)	میاں فضل رازق کاکاخیل	نامعلوم
47	القرآن الحکیم (شاہ ولی اللہ کے ترجمے کا پشتو ترجمہ	نامعلوم	نامعلوم
48	القرآن المجید (مولانا اشرف علی تھانوی کے بیان الفرید کا پشتو ترجمہ)	مولانا عبدالرحیم	
49	قرآن مجید، تفسیر و ترجمہ	صدیق بخنین	9137¾1933
50	قرآن مجید مع منظوم پشتو ترجمہ	الحاج سید جعفر حسین شاہ بخو نے	/1968حمیدیہ پریس پشاور
51	قرآن مجید مترجم پشتو مع حواشی	مولانا عبدالرحیم	1990
52	قرآن مجید مع تفسیر افضلیہ	مولانا رکن الدین	
53	قرآن مجید (ترجمہ مع تفسیر ودودی)	مولانا فضل ودود (پارہ 1 تا 18) مولانا گل رحیم اسماری (پارہ 19 تا آخر)	9153
54	قرآن مجید پشتو ترجمہ	مولانا محمد امین اضاخیل	نامعلوم
55	قرآن مجید، مولانا محمود الحسن و شبیر احمد عثمانی	وزارت اطلاعات و کلچر کابل	1929

56	قرآن مجید (ترجمہ شیخ الہند کا پشتو ترجمہ)	علی محمد	نامعلوم
57	قرآن مجید انگریزی ترجمہ و تفسیر، عبداللہ یوسف علی	صباح الدین کشکی	1965
58	قرآنی پلوشے	گل بدین حکمتیار	افغانستان
59	لغات القرآن، مولانا عبدالکریم ناگپوری	محمد عباس	نامعلوم
60	مخزن التفاسیر	مولانا محمد الیاس کوچانی	1855ء دہلی
61	مرشد الحیران، دروس شیخ القرآن محمد طاہر	مولانا احمد منیب وردگ	غیر مطبوع
62	مفتاح القرآن	ملا احمد تنگی	نامعلوم
63	معارف القرآن، مفتی محمد شفیع	محمد عباس	1993

چھ منتخب تفاسیر و تراجم کا مختصر جائزہ

1۔ تفسیر یسیر:

مؤلف: مولانا مراد علی ولد مولانا عبدالرحمٰن، ساکن کامہ، جلال آباد، افغانستان

ناشران: اسلامیہ کتب خانہ، قصہ خوانی بازار، پشاور، رحمان گل پبلشرز، ڈھکی نعل بندی، پشاور

تاریخ طباعت: 1891 (دوسری بار)

تفسیر یسیری پشتو زبان کی پہلی مکمل مطبوعہ تفسیر ہے۔ مولانا مراد علی صاحبزادہ نے اس کا آغاز 1282ھ میں کیا اور دو سال کے عرصے میں اس کی تکمیل کی۔

مولانا موصوف عربی، فارسی اور پشتو تینوں زبانوں کے ماہر اور ان میں ادیبانہ نظم و نثر لکھنے پر

قدرت رکھتے تھے۔اس کے ساتھ ہی آپ ایک وسیع حلقۂ معتقدین ومریدین بھی رکھتے تھے۔اس لیے آپ کی تفسیر بہت جلد مقبول ہوئی۔ زبان بہت عالمانہ اور کبھی کبھار مغلق کے حدتک مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے علماء کواس کے مشکل عربی اور فارسی اصطلاحات کی شروحات لکھنی پڑیں۔ کچھ حضرات نے تشریحی حواشی کا اضافہ بھی کیا، بعد میں ظاہر ہونے والا یہ کام تیسیر الیسیر اورفوق الیسیر کے عنوانات سے منظر عام پر آیا۔

تفسیر یسیر کی مزید خصوصیا مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ مفسر آیات کا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ترجمہ وتفسیر کرتے جاتے ہیں۔

2۔ شان نزول آیات سے پہلے لکھتے ہیں۔

3۔ ترجمہ نیم لفظی محاورہ قسم کا ہے۔لہٰذا پڑھنے والا ترجمہ وتفسیر میں فرق نہیں کرسکتا ہے البتہ وہ قرآن حکیم کے حکیمانہ مفہوم کوضرور اخذ کر لیتا ہے۔

4۔ زبان مشکل ہے اکثر مقامات پر مضاف الیہ مضاف سے پہلے ذکر کیا گیا ہے متردک الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔

تفسیر یسیر پر حافظ محمد ادریس جائزہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔''تفسیر یسیر میں عربی اور فارسی زبان کی بہتاب ہے۔جس کا سمجھنا عوام کے لیے مشکل ہے۔اس لیے جس طبقہ میں یہ کتاب عام ہے وہ بھی اس کتاب سے کماحقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ترجمہ کے علاوہ مفسر کے قلم پر ترجمہ کا طرز کچھ اس طرح چھا گیا ہے کہ وہاں اپنی آزاد عبارت بھی عربی نما ترجمے کی طرح لکھتے رہے۔ اور یہی اس دور میں علماء کی مخصوص زبان تھی اور فضیلت کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔''(۹)

مفسر نے اسرائیلیات کی روایت میں بھی فراخدلی دکھائی ہے۔مثال کے طور پر ایک جگہ لکھتے ہیں:

''روایت کی جاتی ہے کہ تمام روئے زمین کا ایک بادشاہ نمرود بن کنعان نام کا تھا۔جس کا پایا تخت بابل شہر تھا۔ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ بابل کی جانب سے ایک روشن ستارہ طلوع ہوا۔اتنا روشن کہ اس کے آگے سورج اور چاند دونوں کی روشنی ماند پڑگئی۔بادشاہ انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں

نیند سے بیدا ہوا اور فوراً اپنی مملکت کاہنوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اسی سال بابل میں ایک لڑکا جنم دے گا جو آپ کی بادشاہی کو برباد کر کے رکھ دے گا۔''

اس تفسیر میں مروی احادیث کو مصادر در اصلیہ سے لینے کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا ہے ضعیف اور موضوع اقوال بھی پائے جاتے ہیں مصنف نے اس تفسیر کی تالیف میں بیضاوی، مدارک التنزیل، الوجیز، جلالین، تفسیر خازن اور دیگر کئی تفاسیر سے استفادہ کیا ہے۔

2۔ قرآن مجید (پشتو منظوم ترجمے کے ساتھ)

مترجم: الحاج سید جعفر حسین شاہ بخنو نے

ناشر: حمیدیہ پریس، پشاور۔1968

قرآن مجید کا یہ مکمل منظوم ترجمہ اہل تشیع کے عالم الحاج سید جعفر حسین شاہ کا ہے۔ جس کا آغاز 1961 میں کیا گیا۔ اور 22 نومبر 1963 کو اس کی تکمیل ہوئی۔

مؤلف کے اپنے الفاظ کے مطابق: ''پاکستان بننے سے پہلے یعنی انگریزی عہد حکومت میں سکولوں میں حاضر سے پہلے ایک نظم پڑھی جاتی تھی۔ جیسا کہ آج کل ہر سکول میں پاکستانی ترانہ گایا جاتا ہے۔ اس وقت کوئی با قاعدہ نظم مقرر نہیں تھی بلکہ ہر کوئی اپنی صوابدید کے مطابق چناؤ کرتا۔ اسی حوالے سے میں نے 1963 میں سورہ فاتحہ کا منظوم ترجمہ کیا جو ہمارے گاؤں کے سکول میں صبح کے وقت اسمبلی میں پڑھا جاتا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد یعنی 22 اگست 1955 کو صبح کے وقت جب میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا تو سورء لقمان کی نصائح اور اخلاقی باتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ اس کیفیت کو دل میں سموئے ہوئے میں اپنی مادری زبان پشتوں میں اسی سورۃ کریمہ کا ترجمہ کیا۔ کافی عرصے تک ترجمے کا خیال پھر سے میرے ذہن میں نہیں آیا۔ 1963 میں میری توجہ دوبارہ قرآن مجید کی چند چھوٹی سورتوں کا پشتوں ترجمہ کرنے کی طرف مبذول ہوئی اور میں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا ترجمہ کیا میرا ہرگز یہ ارادہ اور خیال نہیں تھا کہ میں پورے قرآن مجید کا ترجمہ کرلوں گا یا کہ سکوں گا۔ اسی لیے میں

ترجمے کا آغاز سورۃ بقرہ سے نہیں بلکہ 30ویں پارے سے کیا۔ پھر جب جب مجھے موقع ملتا تو میں ترجمہ کر لیتا۔ اسی اثناء میں اُردو کی دو دو اور پشتو کی چند کتابیں بھی میرے زیرِ قلم تھیں۔ آخر کار جب اُردو کی آخری کتاب ''مومن'' کو اللہ کے فضل و کرم سے میں نے 5 جون 9163 کو مکمل کر لیا تو اس وقت تک میں کلام پاک کے پندرہ پاروں کا ترجمہ بھی مکمل کر چکا تھا۔ اس کے بعد میں مصمم ارادہ کر لیا کہ جب تک میں قرآن مجید کو مکمل طور پر پشتو نظم میں نہ ڈالوں، میں کوئی اور کام نہیں کروں گا۔ چنانچہ اسی ترتیب سے میں پیچھے کی طرف آتا گیا تاآنکہ 5 رجب المرجب 1383ھ بمطابق 22 نومبر 1963 بروز جمعہ کو آخری سورۃ د، سورۂ بقرہ کا ترجمہ مکمل ہوا، والحمدللہ'' (10)۔

اس منظوم ترجمہ قرآن کی چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ اب تک کی معلومات کے مطابق یہ قرآن مجید کا پشتو زبان میں مکمل منظوم ترجمے کی پہلی اور آخری کوشس ہے۔

2۔ چونکہ یہ ترجمہ منظوم ہے۔ اس لیے مغلق اور عربی وفاسی الفاظ سے بھرپور ہے۔ مثال کے طور پر:

﴿والقٰنتین والقٰنتٰت والصٰدقین والصٰدقات﴾ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

اور هم داسے قانتین او قانتات   او هر واړه صادقین او صادقات

پشتو زبان کی تنگی اور نظمی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے مترجم نے '' قانتین اور صادقین'' کا پشتو ترجمہ نہیں دیا ہے بلکہ ہو بہو عربی الفاظ کو نقل کیا ہے۔

3۔ چونکہ نظم میں ردیف، قافیہ وغیرہ کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عربی قرآن کا دوسری زبانوں میں نثر میں منتقل کرنا بھی تقریباً ناممکن کام ہے تو پھر یہ کیونکہ ممکن ہو سکے گا کہ کوئی اسے اپنی تمام تر خوبصورتیوں کے ساتھ نظم میں ڈال دے۔ اس لیے واضح طور پر نظر آتا ہے کہ قران مجید کا زیر نظر پشتوں منظوم ترجمہ الفاظ کے صحیح مفاہیم، عربی فصاحت و بلاغت کے امتیازات اور روانی و شستگی سے عاری ہے۔

4۔ قرآن مجید میں وارد تاکید اور حصر کا ترجمے میں خاص خیا نہیں رکھا گیا ہے۔

5۔ اس ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ جتنی آیات کی کتابت صفحے پر کی گئی ہے، اسی صفحے پر نمبروں کے ساتھ ان آیات کا ترجمہ دیا گیا ہے۔جس سے قاری کو پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

6۔ یہ محض تحت اللفظ اور حرفی ترجمہ ہے۔قران متعلق دوسرے علوم (جیسے شان نزول، ناسخ ومنسوخ وغیرہ) یا تفسیری وتشریحی حواشی نہیں دیے گئے ہیں۔

7۔ اس ترجمے میں پشتو املاء کی غلطیاں بھی نظر سے گزرتی ہیں، اور مبہم ترجمہ بھی سامنے آتا ہے، مثال کے طور پر: ﴿والفجر ولیالٍ عشرٍ﴾

پــه صبی اور فـجـر سـه دے قسـم او پـه لسـو شپـو عشر سـه دے قسم

مندرجہ بالا ترجمے میں املائی غلطی واضح طور پر نظر آتی ہے۔"صبی" پشتو زبان کی "سبا" (صبح کا وقت) ہے جو ترجمے میں غلط لکھا گیا ہے۔ اصل میں یہ عربی کا لفظ ہے جس کے معنی بچے کے ہیں۔ اور مترجم نے اسے "سبا" یعنی صبح صادق کے لیے استعمال کیا ہے۔

8۔ مسلکی طور پر امامیہ شیعہ ہونے کے باوجود بھی مترجم نے تعصب سے کام نہیں لیا ہے اور ترجمے میں حقیقت پسندی کو ترجیح دی ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کا ترجمہ نثر میں کرنا ایک انتہائی کٹھن اور مشکل کام ہے مگر مترجم نے اسے پشتو نظم میں پیش کر کے یقیناً ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

3۔قرآن کریم کے معانی اور تفسیر کا پشتو ترجمہ (کابلی تفسیر)

مترجمین: مجموعہ علمائے افغانستان وہندوستان

ناشر: مجمع الملک فہد، مدینہ منورہ — تاریخ طباعت: 1414ھ بمطابق 1994

افغانستان اور صوبہ سرحد میں بڑی بڑی قد آور علمی شخصیتیں ہو گزری ہیں۔ جنہوں نے انتہائی بے سروسامانی کی کیفیات اور معاشی تنگ دستی کے باوجود تعلیم وتعلّم اور تصنیف کے سلسلے کو آگے بڑھایا ہے۔ اور دن رات ایک کر کے ارشادات الٰہی اور احادیث رسول ﷺ کو پھیلانے کا مبارک سلسلہ جاری رکھا ہے۔ اس طرح چراغوں سے چراغ جلتے رہے ہیں اور روشنیوں کی تقسیم ہوتی رہی ہے۔

اس تسلسل میں ایک عظیم اور قابل ستائش جدوجہد ان علمائے افغان کی ہے۔ جنہوں نے ہندوستان کے دو مشہور علمائے کرام شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کی اُردو تفسیر کو (1944 تا1948) ٹھیٹ قندھاری پشتو لہجے میں منتقل کیا۔ اس تفسیر کی اب تک کئی طباعتیں منظر عام پر آئی ہیں جہاں تک اس کی پہلی طباعت کا تعلق ہے تو وہ عمدہ کاغذ پر آہنی حروف کے ذریعے عمل میں لائی گئی ہے۔ جو چار ہزار صفحات پر محیط ہے۔ یہ پشتو ترجمہ براہِ راست عربی سے نہیں بلکہ اُردو ترجمے سے کیا گیا ہے لہٰذا کئی پیچیدگیوں کا باعث بنا ہوا ہے۔ فارسی اور عربی کے ثقیل الفاظ سے لبریز ہے۔ اکثر مقامات پر مضافات الیہ مضافا سے پہلے لایا گیا ہے۔ جس سے کبھی کبھار قاری کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔

اتحاد اسلامی افغانستان نے اس ترجمے کو 9181 میں جیبی ضخامت میں نئے عنوان (تفسیر کابلی۔ شیخ الہند) کے نام سے شائع کر کے اس کا انتساب شہداء کی مقدس روحوں کا نام کیا ہے۔

1414ھ بمطابق 1994ء کو سلك فهد ، خادم اطريمين الشريفين کی ہدایات کی روشنی میں وزارت برائے اسلامی امور، سعودی عرب نے اس ترجمے کا انتخاب کر کے اسے پشتو دان قارئین کے استفادہ کے لیے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اس ترجمے اور تفسیر کی طباعت کی سعادت مدینہ منورہ میں قائم مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف کو حاصل ہوئی ہے۔

اس ایڈیشن میں اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ پرانے ترجمے میں موجود مشکل، ثقیل اور متروک الفاظ کو قوسین میں مترادفات کے ذریعے واضح کیا جائے۔ یہ دقیق علمی خدمت پشتو زبان کے ماہر سید عبید اللہ شاہ کو رابطہ عالم اسلامی، مکۃ المکرّمہ کی طرف سے سونپی گئی تھی۔ جس نے اسے بطریق احسن انجام دیا تاہم اس کوشش کے باوجود بھی عام قاری کے لیے اس کا سمجھنا مشکل ہے، اس لیے کہ افغانی پشتو لہجے اور صوبہ سرحد میں عمومی طور پر بولے جانے والے یوسف زئی لہجے واضح فرق پایا جاتا ہے: افغانی پشتو پر عربی اور دری کے گہرے نقوش پائے جاتے ہیں جب کہ صوبہ سرحد کے پشتو لہجات انگریزی اور اُردو کلمات کی کثرت کی وجہ سے اصلیت سے دور ہو رہے ہیں۔ اس فرق کو سمجھنے

کے لیے تفسیر کابلی میں وارد چند کلمات کا یوسف زئی پشتو لہجے کے ساتھ تقابلی مطالعہ ملاحظہ فرمایئے

افغانی پشتو لہجہ رلفظ	یوسفزئی پشتو لہجہ رلفظ	اُردو مفہوم ۲
تاسی	تاسو	آپ رتم
ھغو	ھغہ	ان
پند	نصیحت	نصیحت
پسہ	گڈ	دنبہ
کخت	زمیداری	کاشتکاری
ویالی	ولے	نہریں
لیارہ	لارہ	راستہ
لومڑے	اول	پہلا
جلا	جدا	جدا رالگ
راباسی	راوباسی	نکالتا ہے
ددی لہ املہ	پہ دے وجہ	اسی وجہ سے
ژر	زر	بہت جلد
گرد	ٹول	سارے کے سارے
سنڈہ	غاڑہ	کنارہ
گوخی کیدل	تیریدل	گزرنا
ثابتان پہ سختیوکِ	پہ سختے کِ صبر کوونکی	سختی میں صبر کرنے والے

اسی بنا پر تفسیر کابلی افغانی لہجہ بولنے والے پٹھانوں کے لیے بڑی کارآمد ہے لیکن صوبہ سرحد کے شمالی اضلاع میں رہنے والے پختونوں کے لیے اس سے استفادہ اب بھی بہت مشکل ہے، تاہم صحیح فکر اوراعلیٰ نکات کی بنا پر اس تفسیر کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

4۔تفسیر کشاف القرآن:

مؤلف: پروفیسر حافظ محمد ادریس ایم اے فاضل ڈابھیل، مولوی، فاضل، منشی فاضل، ادیب فاضل

پبلشر: یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور

پروفیسر حافظ محمد ادریس پشاور یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے چیئرمین تھے۔ مرحوم اکتوبر 1965ء میں اس جہاز کے حادثہ میں شہید ہوئے تھے جس میں ملک کے 127 نامور علمائے کرام اور سکالرز قاہرہ جارہے تھے۔ جہاز کے اترنے میں چند ہی منٹ باقی تھے کہ یہ حادثہ پیش آیا۔ حافظ صاحب کی زندگی میں کشاف القران کی پہلی جلد شائع ہوچکی تھی۔ جلد دوم کا مسودہ بریف کیس میں رکھ کر اپنے ساتھ قاہرہ لے جا رہے تھے تاکہ فارغ اوقات میں مسودے کی تصحیح اور نظر ثانی کرسکیں جب حادثے میں سارے مسافر شہید ہوئے اور جہاز راکھ کا ڈھیر بن گیا تو یہ قرآن پاک کا معجزہ تھا کہ یہ مسودہ بالکل محفوظ رہا۔ حافظ صاحب کی شہادت کے بعد یونیورسٹی بک ایجنسی، خیبر بزار، پشاور اس کو شائع کیا۔

پشتو زبان میں سب سے آسان و بامحاورہ ترجمہ وتفسیر حافظ محمد ادریس کا ہے۔ جو دو جلدوں میں کشاف القرآن کے نام سے شائع ہو چکا ہے حافظ ضلع مردان کے ایک گاؤں طورر کے رہنے والے تھے۔ اور یوسف زئی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ یوسف زئی قبیلہ کو پشتو زبان کی فصاحت و بلاغت میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ حافظ محمد ادریس نے انتہائی آسان، سادہ، شستہ اور بامحاورہ زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر کر کے اپنی قوم پر بڑا احسان کیا ہے۔ ان کے قول کے مطابق ان کا ترجمہ ''آسان اور عام فہم ہے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوسکیں۔ یہ ترجمہ کیا جائے تو پشتو بولنے والے تمام افراد اس سے استفادہ نہیں کرسکیں گے۔ نہ ہی ہمارا ترجمہ بلکل بامحاورہ ہے۔ اس لیے کہ ایسا کرنے سے مترجم اصل الفاظ کے مدلولات سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید کے حوالے سے مجھے یہ بات مناسب نہیں لگتی۔ اس ترجمے میں میں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی رحمہ اللہ کا اقتدا کیا ہے جتنی تقدیم اور تاخیر انہوں نے مناسب سمجھی ہے، تقریباً اتنی ہی میں نے بھی کی ہے۔''

مزید خصوصیات:

۱۔ تفسیری حصے میں صرف ان مباحث کے گرے کھولنے کی کوشش کی گئی ہے جو براہِ راست قرآن مجید سے متعلق ہیں۔

۲۔ صرف ضروری شانِ نزول دیئے گئے ہیں۔

۳۔ کہیں کہیں ربط آیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۴۔ اسرائیلیات سے احتراز کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ان کی تردید کی گئی ہے۔

۵۔ بعض مشکل الفاظ کے معنی اور بعض ترکیبوں کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔

5۔ تفسیر احسن الکلام:

مؤلف: شیخ القرآن والحدیث مولانا عبدالسلام رستمی

طباعت: پشاور 1994

متاخرین یا معاصر علماء میں مکمل مستند پشتو ترجمہ اور تفسیر شیخ عبدالسلام صاحب کا ہے۔ آپ شیوخ التفاسیر مولانا حسین علی، مولانا غلام اللہ خان اور مولانا محمد طاہر رحمھم اللہ کے شاگرد ہیں۔ آپ کی تفسیر میں متقدمین اور متاخرین کی خوبیوں کا امتزاج پایا ہے گویا پھولوں کا ایک گلدستہ ہے۔ جو علمائے کرام اور عوام الناس دونوں کے لیے یکساں مفید ہے یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر بہت مقبول ہے اور ہر صاحبِ علم اور اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ تفسیر میں صحیح مستند روایات کا حوالہ دیا گیا ہے اسرائیلی روایات اور بے بنیاد واقعات سے مکمل طور پر اجتناب کیا گیا ہے۔ اور یہی قرآن پاک کا اسلوب ہے کہ ہر جگہ پر تصورتوحید حکمرانی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ تفسیر احسن الکلام کو پشتو تفاسیر کا دائرۃ المعارف کہا جائے تو جا نہ ہوگا۔ اس تفسیر میں جو خوبیاں اور محاسن ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں کیونکہ مؤلف خداداد صلاحیتوں کے مالک ہیں بعد میں پشتو زبان میں تراجم وتفاسیر لکھنے والے یقیناً احسن الکلام سے استفادہ کریں گے۔

شیخ القرآن مولانا عبدالسلام رستمی سے پہلے انہی کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک اور بزرگ مولانا حبیب الرحمٰن نے بھی تفسیر حبیبی کے نام سے پشتو میں ایک ضخیم تفسیر لکھی ہے۔ جس میں

انہوں نے مصر کے مشہور مفسر قرآن شیخ رشید رضا کی تفسیر المنار سے کافی استفادہ کیا ہے لیکن اس کی زبان اتنی سادہ، آسان اور رواں نہیں، جتنی کہ احسن الکلام کی ہے۔

مزید خصوصیات:

۱۔ یہ تفسیر توحید و سنت کی روشنی میں قرآن مجید کی ترجمان ہے۔

۲۔ یہ غلط عقائد، بدعات، رسوم و رواج کی نشاندی کرتی ہے اور ان کو واضح کرنے کے لیے عمیق بحث کرتی ہے۔

۳۔ سورتوں کے مختلف ثابت ناموں کی وضاحت کرتی ہے۔

۴۔ تمام سورتوں کے درمیان ربط اور مناسبات کو بیان کرتی ہے اور کئی مقامات پر آیات کے درمیان ربط کو بھی زیر بحث لاتی ہے۔

۵۔ ہر سورت کی ابتدا میں اس کا اجمالی خلاصہ دیا گیا ہے اور پھر اسی سورت کے مختلف ابواب بنا کر مضامین کے تفصیلی خلاصے کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔

۶۔ مفسرین کے اقوال بیان کرنے کے بعد مفسر اپنا ترجیحی قول پیش کرتا ہے۔

۷۔ صرف اشد ضرورت کی بنا پر اسباب نزول ذکر کیے جاتے ہیں۔ عام رواج کے مطابق ہر آیت کا سبب نزول ذکر کرنے سے اجتناب کیا گیا ہے۔

۸۔ یہ تفسیر مشکلات القرآن کے حوالے سے مناسب بحث کرتی ہے اور ان کا مختصر حل پیش کرتی ہے۔

۹۔ بعض لغوی نکات اور فوائد کا ذکر بھی ملتا ہے۔

۱۰۔ عقیدے کے لحاظ سے انتہائی ضروری مسائل (مثلاً: صفاتِ باری تعالیٰ، مسئلہ جبر وقدر، عصمت انبیاء اور حیات برزخ وغیرہ) کی وضاحت کے لیے اسی طرح معاشرے میں موجود بدعات و محدثات کی بیخ کنی کے لے مسئلہ حیلہ، عبادات پر اجرت لینا، سحر، تقلید، وسیلہ سماع موتی وغیرہ جیسے مسائل کی مناسب اور مفصل تشریح کی گئی ہے۔

6۔ترجمہ قرآن حکیم:

مترجم: ڈاکٹر ابوسلمان سراج الاسلام حنیف

ناشر: دارالقرآن والسنہ، ہوتی (شہباز گڑھی) مردان

مولانا ڈاکٹر ابوسلمان سراج الاسلام حنیف راقم السطور کے بڑے بھائی ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے علمی دنیا میں ایک ابھرتے ہوئے متعصب محقق اور باعمل کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ ابھی آپ کی قلم سے دو درجن کے قریب مؤلفات منظر عام پر آ چکی ہیں جن میں سے تیرہ منتخب علمی مکتوبات، قاموس الکتاب، اللباب و فی تاویل الفاظ اشکلت الکتاب اور معرفت علوم حدیث کی کئی طباعتیں ختم ہو چکی ہیں۔ ان کے قران مجید کا زیر تبصرہ ترجمہ انہوں نے والد بزرگوار رحمہ اللہ کے ایماء پر 1983ء میں شروع کیا تھا۔ آپ تک 28 پارے بحمد اللہ شائع ہو چکے ہیں۔ بقیہ 2 پارے بھی بہت جلد منظر عام پر آ جائیں گے یہ ترجمہ عوام وخواص دونوں میں کافی مقبول ہو رہا ہے اور خصوصاً نوعمر بچے اور بچیاں اس سے کافی استفادہ کر رہے ہیں۔

خصوصیات:

۱۔ یوسف زئی پشتو لہجے میں لکھا گیا یہ ترجمہ تحت اللفظ نہیں ہے بلکہ مفاہیم قرآن کو سلیس اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کی ایک اچھی کاوش ہے۔

۲۔ روانی، سلاست، شستگی اور سادہ انداز میں مشکل الفاظ کی وضاحت اس ترجمے کی خاص خصوصیات ہیں۔

۳۔ مترجم نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ لفظ کی رعایت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور قران کریم میں وارد اصطلاحات کی مختلف تعبیرات کو قاری کو اس کے مادری زبان میں ذہن نشین کر دیا جائے۔

۴۔ یہ ترجمہ بلا مبالغہ بے جا ایجاز و اطناب سے پاک اور قرآنی روح کے مطابق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مترجم کی عربی زبان پر مکمل عبور حاصل ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ قرآنی علوم سے شناسا اور ترجمے و تفسیر کے لیے دیگر ضروری علوم سے واقف ہے۔

۵۔ فی الحال اس ترجمے کی طباعت انتہائی معمولی کاغذ پر علیحدہ پاروں کی صورت میں کی گئی ہے۔ جسے

کاتب سے لکھوایا گیا ہے۔ قرآنی آیات کے متن کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کے ترجمے کو اس کو بعد درج کیا گیا ہے۔ اس ترجمے کی کمپیوٹر پر لکھائی اور طباعت (Computerized Version) سے اس کی خوبصورتی مزید بڑھ جائے گی اور اس کے ساتھ مختصر حواشی اور وضاحتی نوٹس کا اضافہ تو یقیناً اسے چار چاند لگا دے گا۔

❁❁❁❁

حواشی وحوالہ جات

۱: مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: محمد عبداللہ منہاس، ''قرآن مجید کے تراجم مغربی اور مشرقی زبانوں میں'' سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر) جلد دوم (صفحات: 603 تا 608)، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، ''قرآن مجید کے انگریزی تراجم''، سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر) جلد دوم (صفحات: 611 تا 616) ڈاکٹر مولوی عبدالحق،'' پرانی اُردو میں قرآن مجید کے تراجم، اور تفاسیر''، سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر) جلد دوم، (صفحات: 617 تا 626)، حافظ محمد ادریس، ''پشتو ادب میں تفاسیر کا ذخیرہ'' سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر) جلد دوم) صفحات: (627-633)، محمد سلیم، ''سندھی زبان میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر''، سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر) جلد دوم (صفحات: 635-638)

۲: کیا قرآن کا ترجمہ ممکن ہے؟ اس بحث پر مطالعے کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اُردو تراجم (تاریخ۔ تعارف۔ تبصرہ تقابلی جائزہ (صفحات: 69-75)

۳: محقق زلمے ہیوادمل کے مطابق پشتو زبان میں قرآن مجید کے جزوی تراجم کا ثبوت گیارہویں صدی عیسوی سے ملتا ہے پشتو ادب کے کئی ماہرین نے مسجع عبارات میں قرآن مجید کے بعض سورتوں اور آیتوں کے ترجمے لکھے۔ 12ویں صدی اور بد کے ادوار میں اس میں مزید اضافہ ہوا۔ دیکھیے: سر محقق زلمے ہیوادمل، دپختو نثرلنۂ سوہ کالہ ''پشتو نثر کے آٹھ سو سال'' (صفحات: 442-460)

۴: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: حافظ محمد ادریس: پشتو ادب میں تفاسیر کا ذخیرہ۔ سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر) جلد دوم (صفحات: 627-633)

۵: دیکھیے ہدایت اللہ نعیم Islamic Literaturer in Pashto پی ایچ ڈی مقالہ (1986)، ایریا سٹڈی سنٹر (سنٹرل ایشا) پشاور یونیورسٹی (صفحات: 1-25)

۶: ایضاً (صفحہ 3)

۷: ڈاکٹر صالح عبدالحکیم کی تحقیق کے مطابق قرآن مجید کا سب سے پہلا اردو ترجمہ 1087ھ بمطابق 1676ء میں عبدالصمد بن عبدالوہاب خان نے لکھا۔ دیکھیے: قرآن حکیم کے اُردو تراجم۔ (صفحہ 82-83)

۸: اس چارٹ کی تیاری میں مندرجہ ذیل مقالات استفادہ کیا گیا ہے۔

i۔ پروفیسر عارف نسیم ''پشتو میں دینی ادب'' (صفحات: 217-228) در: صوبہ سرحد پر پہلی لسانی اور ثقافتی کانفرنس کے مقالات کا مجموعہ منعقدہ 29، اپریل 1986ء (ترتیب و تدوین) پروفیسر محمد نواز طائر، پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی،

1986ء

ii۔ زلمے ہیوادمل: دپختو نثراتۂ سوہ کالہ (صفحات:442-459)

iii۔ ڈاکٹر ہدایت اللہ نعیم:Islamaic Literature in Pashto۔ پی ایچ ڈی مقالہ 1986 اریا سٹڈی سنٹر، پشاور (صفحات I-25)

iv۔ ڈاکٹر شاہجہان: پرپختو نثرکس دمطبوعہ جمو یوہ تنقیدی مطالعہ (پشتو نثر میں مطبوعہ تراجم کا تنقیدی مطاطع پی ایچ ڈی مقالہ 2000، شعبہ پشتو۔ پشاور یونیورسٹی (صفہات :23-33)

v۔ حافظ محمد ادریس: پشتو ادب میں تفاسیر کا ذخیرہ، سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر) جلد دوم (صفحات:627-633)

vi۔ ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن: علمائے سرحد کی تصنیفی خدمات۔

xi۔ حافظ محمد ادریس: پشتو ادب میں تفاسیر کا ذخیرہ (صفحہ 629)

x۔ الحاج سید جعفر حسین شاہ، قرآن مجید مع منظوم پشتو ترجمہ۔

مصادر و مراجع

☆ سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر) جلد دوم، پیراڈائز سبسکرپشن ایجنسی، فاطمہ جناح روڈ کراچی سن اشاعت نا معلوم ڈاکٹر صالح عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اُردو تراجم (تاریخ تعارف۔ تبصرہ تقابلی جائزہ)، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی نمبر 1، سن اشاعت نا معلوم

☆ زلمے ہیوادمل: دپختو نثراۃ سوۂ کالہ رحمت پرنٹر لاہور، 1996

☆ پروفیسر محمد نواز طاہر، (ترتیب و تدوین): صوبہ سرحد پر پہلی لسانی اور ثقافتی کانفرنس کے مقالات کا مجموعہ منعقدہ 29 اپریل 1986ء، پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی، 1986ء

☆ ڈاکٹر ہدایت اللہ نعیم: Islamaic Literature in Pasto پی ایچ ڈی مقالہ 1986 اریا سٹڈی سنٹر، پشاور

☆ ڈاکٹر شاہجہان: پہ پختو نثرکس دمطبوعہ ترجمو یوہ تنقیدی مطالعہ (پشتو نثر میں مطبوعہ تراجم کا تنقیدی مطالعہ) پی ایچ ڈی مقالہ (2000)، شعبہ پشتو، پشاور یونیورسٹی

☆ ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن علمائے سرحد کی تصنیفی خدمات، فرنٹیر پبلشنگ کمپنی، اُردو بازار، لاہور۔

❀❀❀❀

بلوچی اور براہوئی میں
قرآن حکیم کے تراجم اور تفاسیر

پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر ☆

میاں حضور بخش جتوئیؒ (1) مولانا محمد فاضلؒ درخانی کے مدرسہ درخانہ سے فیض یاب ہو کر علاقہ سنی (ضلع کچھی) کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''تائب'' میں ایک دینی مدرس کی حیثیت سے رہنے لگے۔ ابتدائی حالات اس طرح ہیں کہ حضرت مولانا محمد فاضلؒ درخانی جب تبلیغ کے باعث اس بے نام قصبہ ''تائب'' میں آئے تو یہاں کے لوگ دینی اعتبار سے قطعی نابلد تھے۔ مولانا موصوفؒ نے یہاں تبلیغ کی اور ان کے متاثر کن وعظ کے نتیجے میں قصبہ کے لوگوں میں ایک بڑی اکثریت نے نصیحت حاصل کی اور اپنی بداعمالیوں سے تائب ہوئے، چنانچہ مولانا صاحبؒ نے اسی نسبت سے اس قصبے کا نام ''تائب'' رکھا اور میاں حضور بخش کو مدرس مقرر کیا۔ جنہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ علاقہ بھر کے لوگ ان سے مستفیض ہوئے۔

مشنریوں کے خلاف مولانا محمد فاضلؒ درخانی کے مشن کو آگے بڑھانے اور بلوچ حلقوں تک پہنچانے میں آپ کا بہت اہم کردار ہے۔ مولانا حضور بخشؒ کی شاعری سے متعلق مولوی عبدالباقی درخانی نبیرہ نے حضرت محمد فاضلؒ درانی سے روایت کی ہے کہ جب قصبہ ''تائب'' کے باشندے دیندار بن گئے تو قرب و جوار کے لوگوں نے ان پر طنزیہ اشعار کہے اور ہر محفل میں طنزیہ اشعار کے ذریعے انہیں رسوا کرنے لگے۔ اہل تائب اس صورت حال سے بہت سرگرداں ہوئے۔ مولانا حضور بخش نے ایک

☆ 276۔ اے او بلاک III سٹیلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ

ملاقات میں مولانا محمد فاضل سے اس کا تذکرہ کیا انہوں نے فرمایا کہ ان کے طنزیہ اشعار کا جواب آپ بھی اشعار میں دیں تو مولانا جتوئی نے عرض کیا کہ مجھ میں شاعری کی صلاحیت نہیں اگر ایسا ہوتا تو یقیناً میں ان کا جواب دیتا۔ چنانچہ اس موقع پر مولانا فاضلؒ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے دعا بارگاہ ایزدی میں قبول ہوئی۔ اگلے روز مولانا جتوئی اشعار کہیں لگے۔ اور جب مخالفین سے آمنا سامنا ہوا تو وہ مات کھا گئے اور بعد میں اس حد تک خائف ہوئے کہ ہمیشہ کے کئے خاموشی اختیار کر لی۔

بعدازاں مولانا حضور بخشؒ نے اس جذبہ کو تصنیف و تالیف کے اصلاحی کام پر لگا دیا، چنانچہ ان کی تصانیف میں اکثریت منظوم تراجم کی ہے۔ ایک قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے انہوں نے بعض دینی کتب کا بلوچی میں منظوم ترجمہ کیا ہے، ماہرین کہتے ہیں کہ انہوں نے ترجمے کا حق ادا کیا ہے۔ بلوچی زبان میں دینی کتب کی بہت کمی تھی جسے مولانا جتوئی کی کتب نے پورا کر دیا۔

مولانا حضور بخش جتوئی کا عظیم ترین کارنامہ قرآن مجید کا صاف و شستہ بلوچی میں ترجمہ ہے، جو آج تک متداول ہے۔

مولانا موصوف نے مشہور درسی کتاب قدوری کا عربی سے بلوچی میں ترجمہ کیا۔ شمائل شریف جو عربی میں ہے اس کا بلوچی میں منظوم ترجمہ کیا۔ اسی طرح خلاصہ کیدانی، منیۃ المصلی، روضۃ الاحباب اور حکایت الصادقین جو عربی زبان کی مستند درسی کتب ہیں مولانا موصوف نے انہیں بلوچی میں ترجمہ کیا۔

1۔ نغمہ کوہسار، ص 177-178۔

قرآن مجید بزبان بلوچی:

مترجم: مولانا میاں حضور بخش جتوئی (اپنے دور کے جیدّ عالم اور بہت بڑے شاعر تھے چالیس کے قریب تصانیف، اکثر بلوچی میں منظوم تراجم، بعض دینی کتب کا بلوچی میں منظوم ترجمہ کیا، شاعی خاص دینی و مذہبی نغمہ کوہسار، عبدالرحمٰن غور، کوئٹہ 1968ص ص 177،178 کتب کی فہرست مولانا

عبدالباقی درخانی مرحوم نے 1993ء میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی کو مہیا کی تھی۔ بلوچستان میں دینی ادب، خطی، ص ص 622 تا 2287) قرآن مجید کا یہ پہلا بلوچی ترجمہ ہے جو جمادی الاولیٰ 1326ھ/1908ء میں مکمل ہوا اور 1329ھ/1911ء میں ہندوستان سٹیم پریس لاہور میں چھپ کر ڈھاڈر بلوچستان سے شائع ہوا۔ صفحات 1224 ترجمہ کے وقت مترجم کے پیش نظر شاہ ولی اللہؒ (1176ھ/1762ء) شاہ رفیع الدین (1233ھ/1818ء) اور شاہ عبدالقادر (1230ھ/1814ء) کے تراجم قرآن پاک تھے۔ اُن کے مطالعہ کے بعد آپ نے مغربی بلوچی میں یہ ترجمہ کیا۔ ماہرین کی رائے میں مولانا جتوئی نے اپنا جداگانہ انداز اپنایا۔ اور اس کا مکمل طور پر پتہ نہیں چلتا کر متذکرہ بالا تراجم سے استفادہ کیا گیا ہے۔

سورۂ یٰس بزبان بلوچی:

مترجم: مولانا حضور بخش جتوئی، سن طباعت و اشاعت اور پریس کا نام تحریر نہیں کیا گیا۔ عربی متن کے ساتھ بلوچی ترجمہ بین السطور دیا ہے اور زبان نہایت سلیس ہے۔ اس کا ہدیہ ایک روپیہ ہے۔

تبارک الذی بزبان بلوچی:

مترجم: مولانا حضور بخش جتوئی، اس کا ذکر فہرست کتب مکتبہ درخانی ڈھاڈر 1948ء میں ہے، اور ہدیہ پانچ روپیہ درج ہے۔ عربی متن ساتھ بلوچی ترجمہ بین السطور میں چھپا ہے۔

قرآن مجید (بلوچی ترجمہ وتفسیر):

مترجم ومفسر: قاضی عبدالصمد سربازی و مولانا خیر محمد ندوی بلوچ۔ قرآن مجید کے اس بلوچی ترجمہ کے لیے خان تلات میر احمد یار خان مرحوم نے 1355ھ/اگست 1936ء میں کہا تھا، قاضی عبدالصمد سربازی پانچ سال میں صرف انیس پاروں کا ترجمہ اور پہلے پارے کی تفسیر تحریر کر سکے، عدلیہ کی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ اس اہم کام کو مکمل کر سکے۔ بعد کے گیارہ پاروں کا ترجمہ مولانا خیر محمد ندوی بلوچ (بلوچی کے مشہور ومعروف ادیب، مدیر ماہنامہ سوخات بلوچی، کراچی نے کیا۔

یہ درحقیقت شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی 8369 تا 1949ء کی تفسیر کا بلوچی ترجمہ ہے۔

ابتدا کے چند صفحات پیش لفظ اور مترجمین کے احوال زندگی اور دیگر معلومات کے لیے وقف کیے گئے ہیں۔مولانا اختتام الحق آسیا آبادی نے اسے بڑے اہتمام سے اعلیٰ کاغذ پر آفست کی طاعت اور ریگزین کی خوبصورت جلد کے ساتھ الجمعیۃ المرکزیۃ الدعوۃ الاسلامیہ پنجگو اور جمعیۃ انصار ترتیب کی جانب سے پیش کیا ہے اسے اسحاقیہ پرنٹنگ پریس کراچی نے طبع کیا۔اس بلوچی ترجمہ وتفسیر کے بارے میں روزنامہ جنگ کراچی (جمعہ ایڈیشن 21 فروری 1987ء نے لکھا تھا کہ

''بلوچی بولنے والے ایسے لوگ جو دوسری زبانوں سے ناآشنا ہیں۔اُن کے لیے یہ ترجمہ وتفسیر نصیحت سے کم نہیں ہے۔ وہ اس کے مطالعہ سے قرآنی احکامات وتعلیمات سے آگاہ ہوتے ہوئے خدا کے آخری پیغام کو سمجھ سکتے ہیں۔اور اس پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنوار سکتے ہیں۔

تفسیر القرآن (بلوچی (پہلا پارہ الم):

مفسر: قاضی عبدالصمد سربازی (1902ء 13 ستمبر 1975ء 6 رمضان المبارک 1395 سب سے پہلے آیت کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اُس کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔قاضی عبدالصمد سربازی کو سابقہ ریاست قلات کے محکمہ کی ذمہ داریاں سونپی گئیں، اس لیے وہ زیادہ ہی معروف ہو گئے۔ چنانچہ اس پہلے پارے کے ترجمہ وتفسیر کو مولوی خیر محمد ندوی بلوچ نے مرتب کیا اور محرم الحرام 1403ھ/1986ء میں پاک نیوز ایجنسی تربت حکمران نے اسحاقیہ پرنٹنگ پریس جونا مارکیٹ کراچی میں چھپوا کر شائع کی۔ یہ تفسیر 87 صفحات پر مبنی ہے۔

ذکری فرقہ کے متعلق آپ کی دو کتابیں (ارمضان ذگریان۔کراچی، 1357، 1938ء تیسرا اسلام ہر کھور ذگریاں ۔کراچی 1357ھ/1838ء) میں شائع ہوئیں ۔ آپ کی ایک اور کتاب فتح مبین 1975ء میں چھپی (کچکول (بلوچی) الحال مولوی خیر محمد بلوچ ندو، کراچی 1978ء ص 71) دیوان سربازی (ترتیب وتدوین: عبدالستار عارف قاضی) 1405/1984 میں کراچی سے چھپا۔

قرآن مجید ترجمہ وتفسیر (قلمی بلوچی):

مترجم ومفسر: مرزا فیض اللہ خان یوسف زئی (1906۔11 اکتوبر 1981ء وطن مالوف دالبندین ضلع

جاِٸی بلوچستان) اپنی زندگی میں صرف تین پاروں کا مکمل ترجمہ وتفسیر لکھ سکے جن کا مسودہ طاہر محمد خان ایڈووکیٹ (سابق وزیر اطلاعات حکومت پاکستان) کوئٹہ کے پاس موجود ہے۔ ان تین پاروں میں سب سے پہلے آیت کا بلوچی ترجمہ ہے اور حاشیہ میں مختصر تفسیر بلوچی ہے۔ آپ کے زیر مطالعہ کون کونسی تفاسیر ہیں۔ اس کا ذکر موجود نہیں، ماہرین فن نے آپ کے انداز ترجمہ وتفسیر کو سراہا ہے۔

قرآن مجید (ترجمہ وتفسیر بلوچی کلی مکمل):

مترجم ومفسر: الحاج عبدالقیوم بلوچ ایم۔ اے (انگریزی) ایل ایل بی 8 اگست 1925 کو پنجگور مران ڈویژن بلوچستان میں پیدا ہوئے آپ کے والد بزرگوار کا نام شیر محمد ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں موسیٰ الاشعری کی فتح کے وقت حکمران آئے تھے۔

قرآن مجید کا بلوچی زبان میں ترجمہ اور تفسیر مکمل کر چکے ہیں، اشاعت کا بندوبست کر رہے ہیں۔ آپ نے 19 اپریل 1997ء کو مجھے لکھا ہے "اب مسودہ عزت اکیڈمی پنجگور کے پاس ہے۔ وہ سیپارہ سیپارہ مولوی مولا بخش صاحب کو معائنہ اور ایڈیٹنگ کے لیے دے رہے ہیں۔ محترم سید فصیح اقبال ریٹائرڈ سینٹر نے اپنے فنڈ سے اس کی اشاعت کی خاطر ایک لاکھ روپیہ اکیڈمی مذکور کو دے رکھا ہے۔"

آپ کی بعض دوسری کتابیں جیسے بلوچی بومیاں (بلوچی گائیڈ، کوئٹہ 1964 ضخامت میگزین سائز 144 صفحات۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھکیں زند (رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کوئٹہ 198056 صفحات۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بلوچستان میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر کوئٹہ 1983ء ص 380، 381

حاجی عبدالقیوم بلوچ، صلاح الدین مینگل، مشرق کوئٹہ 26 جولائی 1980ء،

بلوچستان میں اُردو، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، لاہور 1968، راولپنڈی 1986ء 1994ء ص 583

حاجی عبدالقیوم بلوچ کا خط میرے نام مؤرخہ 19 اپریل 1997ء سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک بلوچستان میں، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، کوئٹہ 1997ء ص 389۔

قرآن مجید مترجم بزبان براہوئی:

مترجم: علامہ محمد عمر دین نوری

ناشر: مکتب درخانی، خاھا دڑ، بلوچستان، مطبع: ہندوستان اسٹیم پریس، لاہور کاغذ، کتابت و طباعت: عمدہ قیمت ہدیہ بغیر قیمت، سن اشاعت: باراول 1334ھ/1916سن اشاعت دوم: 1404ھ /1983: زیر اہتمام ادارہ تہذیب وتمدن اسلامی جامعہ اسلامیہ، اسلام آباد، تقسیم کنندہ: براہوئی اکیڈمی، کوئٹہ۔

علامہ محمد عمر دین پوری(1) مستونگ (قلات ڈویژن) کے قبیلہ پندرانی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد عطا محمد بھیڑ بکریوں کے مالک تھے، اس لیے آپ نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں بھیڑ بکریاں چرانا نہیں چاہتا تھا بلکہ جب بھی فرصت ملتی تو کلام پاک کا درس لیتے۔ چونکہ انہیں فہم وادراک کا وافر حصہ ملا تھا اس لیے تھوڑی مدت میں مولانا ڈاہی مرحوم کی شاگردی میں قرآن مجید ختم کیا۔ اس وقت آپ کی عمر پندرہ برس کی تھی۔ اب آپ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے مولانا عبدالغفور ہمایونی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور تین برس کے عرصے میں کتب متداول کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ بعدازاں آپ کا شوق بڑھتا گیا اور تحصیل علم کی خاطر کہیں اور جانے کے لیے سوچنے لگے۔

اس وقت ڈھاڈر (قلات) میں قصبہ درخان کا مدرسہ مشہور تھا۔ آپ نے یہاں مولانا محمد فاضل کے چچا زاد بھائی اور شاگرد مولانا عبدالحی کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا۔ استاد نے آپ کی خداداد قابلیت کا اندازہ لگایا اور آپ کو براہوئی زبان میں کتابیں تصنیف وتالیف کرنے کے لیے آپ نے استاد کی سرپرستی میں اس اہم ترین کام کا بیڑہ اٹھایا۔ اس سے متاثر ہوکر وڈیرہ نور محمد بنگلزئی نے 1332ھ/1913ء میں براہوئی زبان وادب کی ترقی کے لیے تین ہزار روپے دیے جو تصنیف وتالیف کے سلسلے کی پیشرفت میں ممد ومعاون ثابت ہوئے۔

علامہ محمد عمر دین پوری بیک وقت مصنف، مبلغ، مترجم، مفسر، مؤلف اور فنکار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک علمی سیاسی کارکن بھی تھے۔ وہ نظم ونثر دونوں پر یکساں طور پر حاوی تھے، آپ نے انچاس

کتب براہوئی زبان میں تصنیف و تالیف کیں اور اس اعتبار سے وہ براہوئی کے سب سے بڑے مصنف ہیں۔ آپ کے بعض مسودات و مخطوطات بھی محفوظ ہیں، جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کا براہوئی زبان میں ترجمہ ہے۔ جس کی شستگی کی تعریف کی گئی ہے۔

1877ء (2)1294ھ میں انگریزوں کا کوئٹہ پر قبضہ ہوا۔ اور اس کے بعد انگریزی فتوحات کا سیلابی عمل بلوچستان کے اطراف واکناف کو اپنی لپیٹ میں لیتا گیا کوئٹہ پر انگریزی قبضہ کے بعد جونہی انگریزوں کو بلوچستان کی صورت حال پر قدرت حاصل ہوگئی تو عمل نفوذ کے ساتھ تبلیغ بھی شروع ہوا اور یہی ان کی یلغار کا دوسرا دور تھا۔ چنانچہ عیسائی مبلغین براہوئی علاقوں میں مصروف عمل ہو گئے۔ ان کا ایک زبردست قائد ریورینڈٹی۔ جے ایل میئر تھا۔ جو برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی سے متعلق تھا۔ وہ سالہا سال تک براہویوں سے آزادانہ گھلا ملا رہا ہے اور پھر اس نے تین حصوں میں، اے براہوئی ریڈنگ بک، رومن حروف میں لکھی جو 7۔1906ء میں لدھیانہ میں چھپی۔ اس کا پہلا حصہ ابتدائی معلومات اور آسان مضامین پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ نسبتاً مشکل مضامین پر اور تیسرا حصہ ایک ناولچہ ہے۔ جس میں ایک براہوئی عوام سے براہِ راست گھل مل کر انہیں زور جواہرات اور اختیار و اقتدار کا چسکا ڈال کر عیسائی تعلیمات کا قائل و عامل کروا دیا جائے تا کہ غیر ملکی انگریز حکموت اور براہوئی عوام میں کوئی فاصلہ نہ رہے اور کسی مدافعت مخالفت کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔

چنانچہ اس کتاب کے ہر حصے کے آخری صفحہ پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

Dedicated to thosed servants of Christ Whose high priviledge it may be to evangelize the Brahvei Peopele the near

''یہ کتاب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان پیروں کے نام منسوب ہے، جن کو یہ عظیم سعادت نصیب ہوسکتی ہے کہ وہ مستقبل قریب میں براہوئی لوگوں کو عیسائی بنالیں۔''

ان مشنریوں نے 1907 میں انجیل کا براہوئی ترجمہ بھی شائع کر دیا تھا۔ مولانا عمر دین پوری کا ترجمہ قرآن حکیم (کل صفحات 1438)1334ھ/1915ء میں طبع ہوکر براہویوں کے لیے ڈھال بن

گیا۔

انگریزوں کے خلاف ملک بھر میں جدوجہد جاری تھی۔ مولانا محمد عمر اس سے لاتعلق نہ رہے اور مولانا عبیداللہ سندھی سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے آپ کو دعوت عمل دی ۔ دور ہنگامہ خیزیوں کا تھا۔ سارا ملک انقلابی نعروں سے گونج رہا تھا انگریز خلافت اسلامیہ کے خاتمہ کے درپے تھے ترکی ''مرد بیمار'' مشہور ہو چکا تھا۔ اس پر آشوب موقع پر علی برادران نے تحریک خلافت کا نعرہ بلند کیا۔ موالات کی تحریک سے مولانا محمد عمر دین پوری نے صرف نظر نہ کیا۔ وہ مرد میدان ثابت ہوئے اور مولانا عبیداللہ سندھی کی تحریک کو لبیک کہتے ہوئے افغانستان جا پہنچے۔ جب تحریک خلافت ختم ہوئی تو واپس لوٹے۔

واپسی پر جیکب آباد کے قریب ایک بستی '' دین پور'' بسائی اور وہیں تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں مصروف تبلیغ و تلقین رہے۔ آپ کے درجنوں رفیق کار تھے اور ارادتمندوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ آپ نے 1368ھ/1948ء میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ آپ کے ایک لخت جگر مولانا عبداللطیف آپ کے سامنے اللہ کو پیارے ہوئے۔ دوسرے فرزند مولانا محمد شریف بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکتے، البتہ آپ کی صاحبزادی مائی تاج بانوں نے تصنیف و تالیف کے ذریعے آپ کا مشن جاری رکھا۔

مکتبہ درخوانی کے اس وقت کے مہتمم اور عالم دین مولانا عبدالحی نے اپنے نامور شاگرد رشید، مدرس اور مبلغ حضرت مولانا علامہ محمد عمر دین پوری کو قرآن مجید کا براہوئی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ جسے جناب عمر دین پوری نے دن رات ایک کر کے ترجمہ کر ڈالا۔ 1915ء میں یہ ترجمہ مکمل ہوا(3) قرآن مجید کے براہوئی ترجمے کی پہلی بار اشاعت کی سعادت بلوچستان کے مخیرّ اور دین دار بزرگ وڈیرہ حاجی نور محمد خان بنگزئی کو نصیب ہوئی۔ جنہوں نے اس ترجمہ کی چھپائی کے اخراجات اپنے ۔ذمہ لیے اور یوں یہ ترجمہ 1334ء میں خیر وخوبی سے شائع ہوا۔ جسے ازاں بعد براہوئی قوم میں بلا قیمت تقسیم کیا گیا۔

پہلی اشاعت کے ایک طویل عرصے بعد اس ترجمہ کے نسخے کم یاب ہو گئے تھے۔ لہٰذا اس ترجمے کی

دوبارہ اشاعت کوقومی ہجرہ پروگرام کے تحت منظور کرلیا گیا اور اشاعت کا کام ادارۂ تاریخ وتہذیب وتمدن اسلامی کے ذریعۂ پایہ تکمیل کو پہنچا۔(4) براہوئی زبان وادب کے فروغ کے لیے قائم کی گئی براہوئی اکیڈمی، کوئٹہ نے نے پہلی اشامت کا کم یاب اور نایاب نسخہ مہیا کیا۔ جسے ہجر کمیٹی کے لائے اور مخلص صدر جناب اے کے بروہی کی سرپرستی اور ادارۂ تاریخ وتہذیب وتمدن اسلامی کے نگران جناب نبی بخش بلوچ(5) کی نگرانی اور سربراہی میں دوبارہ ما معنی عکس شائع کیا گیا۔

خصوصیات:

قرآن مجید بزبان براہوئی، علامہ محمد عمر دین پوری کی ایک اہم اور قابل ذکر کاوش ہے۔ براہوئی زبان میں یہ قرآن مجید کا اولین ترجمہ ہے بعض دوسرے تراجم اور تفسیر کے علاوہ فاضل مترجم نے یہ ترجمہ خاص طور پر شاہ ولی اللہ (6) کے فارسی ترجمہ ''فتح الرحمٰن'' شاہ رفیع الدین (۷) کے اردو ترجمہ ''توضیح البیان'' اور شاہ عبدالقادر (8) کے اُردو ترجمہ موضح القرآن کو سامنے رکھتے ہوئے کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے پیش نظر نذیر احمد کا ترجمہ بھی تھا۔(9)

ان تراجم کے علاوہ حضرت علامہ مولانا محمد عمر دین پوری نے جن مصادر مراجع سے مدد لی ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔(10)

1۔ تفسیر عباسی
2۔ تفسیر جلالین از علامہ جلال الدین سیوطی رجلال الدین محلی
3۔ تفسیر مدارک التنزیل از ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی 710ھ
4۔ تفسیر خازن
5۔ تفسیر المعالم التنزیل از ابومحمد حسین رکن الدین بن مسعود بغوی م 516ھ
6۔ تفسیر بیضاوی از قاضی امام ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر
7۔ تفسیر منثور از علامہ جلال الدین سیوطی
8۔ تفسیر حسینی از ملا دحسین واعظ کشفی

9۔ جامع البیان از ابوجعفر محمد بن جریر الطبری

مترجم کا انداز سادہ اور سلیس ہے۔ اس ترجمہ کے دوران قرآن پاک کے کئی تراجم عمر دین پوری صاحب کے زیر مطالعہ رہے، لیکن انہوں نے اس ترجمہ میں کسی ایک مترجم یا مفسر کا اتباع نہیں کیا بلکہ ان سب کے مطالعہ کے بعد انہوں نے براہوئی زبان میں قرآن مجید کا بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔ ترجمے کا انداز نہایت شستہ اور دلچسپ ہے اور اس میں سلامت اور روانی کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا ہے۔

سورۂ ناس کے بعد آٹھ صفحات میں علامہ محمد عمر دین پوری نے عربی، فارسی اور براہوئی زبانوں میں اپنے اس عظیم کام کی تکمیل پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے کہ جس نے اپنے ایک عاجز بندے سے اس قدر بڑا کام لیا اور اپنے اس پورے کام کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ ان صفحات میں انہوں نے عربی اور فارسی میں اس ترجمے کی فہرست اور رموز اوقاف کے متعلق دیگر ضروری معلومات بیان کی ہیں۔

ترجمے میں عربی متن میں سورتوں کے آغاز میں ان کے مکی یا مدنی ہونے کا ذکر موجود ہے۔ آیات ورکوعات کی تعداد کا ذکر موجود ہے لیکن ہر آیت کا نمبر الگ الگ نہیں ہے جس سے قاری کو یہ اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ سورت کی کون سے آیت کا مطالعہ کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ عربی متن میں کچھ مقامات پر اغلاط بھی ہیں جس کی تصیح ہجرہ کمیٹی کے تحت شائع ہونے والے قرآن مجید میں بھی نہیں ہے،

مثلاً: سورۂ الحشر کی آیت نمبر 7 فَانْتَهُوْ کو فَانْتَهُوْ تحریر کیا ہے۔(11)

نمونہ کلام:

ذیل میں اس قرآن مجید میں سے چند آیات اور ان کا ترجمہ بطور نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔

سورۂ آل عمران

براہوئی متن:

سورة آل عمران مدینه ٹی بسن و هدا دُصد آیت و بیست رکوع

اُردو ترجمہ: سورۂ آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں دو سو آیات اور بیس رکوع ہیں۔آیت نمبر 132۔132

﴿ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ٥ وَسَارِعُوا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ٥ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ٥ ﴾

براہوئی ترجمہ:

وفرمان هلب خدانا و پیغمبر نا پیغمبر ناتانکك نمیا رحم کننگ و شتابی کب بخشیشاء ربنا تنا وبهشتاء ك پهناد انا دهنك اسمانك و ڈغار تیار کننگان پر هیز گا تك ٥و متوس حکمئی خدانا تهقیقی خدا هر گڑاء چائك اك خرچ کر سکهٹی وڈك ٹی وشف شار غصه و معاف کر بند غاتیان وخداست تك بحسان گروکات ٥ واك هراو ختاك کر بے حیائیس یا ظلم کر تینیاء یاد کرر خداء گڑا بخشش خواهار گناه تك تنا ودرك بخشك گناه ت مگر خدا٥

”اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبراداری کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ آسانی اور سختی کے موقع پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے۔“

تبصرہ:

ان آیات کا ترجمہ مولانا محمد عمر دین پوری نے بڑے ہی دلنشیں انداز میں کیا ہے۔ ان میں بہت ہی عام فہم اور سادہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جس سے ایک عام براہوئی خوان واقف ہے اور اس کا

مفہوم باآسانی سمجھ سکتا ہے۔ ان کو پڑھنے کے بعد مزید تشریح اور وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

3۔ مولانا محمد عمر دین پوری، قرآن مجید بزبان براہوئی، ص: 1433

4۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، پاکستانی کی علاقائی زبانوں کا علاقائی ادب، ص: 108

5۔ مشہور محقق اور مؤرخ، جو فارسی، عربی اور سندھی کے بہت بڑے عالم تھے۔ صوبہ سندھ کے ضلع سانگھڑ میں 1917 کو پیدا ہوئے۔ فارسی، عربی اُردو اور سندھی میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ادارۂ تحقیقات اسلامی اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی سے وابستہ رہ چکے ہیں (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ص ر لاہور 1987ء

6۔ دہلی میں 1176 بمطابق 1702ء کو پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے صاحبزادے تھے۔ برصغیر میں قرآن مجید کا سب سے پہلے فارسی میں ترجمہ کیا۔ آپ بہت بڑے عالم دین تھے اور کئی متنوع موضوعات کی کتابیں لکھیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے دور کے مجدد تھے، آپ کی حجۃ اللہ البالغہ، الفوز الکبیر اور شرح موطأ قابل ذکر ہیں۔ (سید قاسم محمود اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص1424)

7۔ شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے ہیں۔ 20 برس کی عمر میں مفتی اور مدرس کا منصب سنبھالا اور کم وبیش 20 کتابیں لکھیں ۔ انہوں نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ (سید قاسم محمود اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص904)

8۔ شاہ ولی اللہ کے تیسرے صاحبزادے ہیں علم فقہ وحدیث میں کمال حاصل تھا۔ شاہ عبدالقادر پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن پاک کا اُردو میں با محاورہ ترجمہ موضع القرآن کے نام سے کیا۔) سید قاسم محمود اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص: 974)

9۔ مولانا محمد عمر دین پوری قرآن مجید بزبان براہوئی، ص: 1433)

10۔ عبدالفرید بروہی، براہوئی زبان میں اسلامی ادب، قلمی، اسلام آباد، 5-2004 ص: 72

11۔ مولانا محمد عمر دین پوری، قرآن مجید بزبان براہوئی ص: 1298

12۔ آل عمران: 132-134

13۔ مولانا محمد عمر دین پوری، قران مجید بزبان براہوئی، ص: 157

مفتاح القرآن فی براھی اِللّسان

مُفسر: علامہ محمد عمر دین پوری آپ نے قرآن مجید کے مندرجہ ذیل پاروں کی تفاسیر تحریر کیں۔

1۔ تسیر المر (پارہ 1)	مبطع رفاہ عام لاہور	1926/1345	120 صفحات
2۔ سیقول (پارہ 2)	ایضاً	ایضاً	120 صفحات
3۔ تلک الرسل (پارہ 3)	ایضاً	1923/1347	120 صفحات
4۔ لن تنالوالبر (پارہ 4)	ایضاً		120 صفحات
5۔ والمحصنات (پارہ 5)	ایضاً		120 صفحات
6۔ وقال الذین (پارہ 19)	ایضاً		84 صفحات
7۔ قال فما خطبکم (پارہ 27)		ایضاً	120 صفحات
8۔ تبارک الذی (پارہ 29)		ایضاً	184 صفحات
9۔ پارہ عم (پارہ 30)		ایضاً	120 صفحات

ان سب تفاسیر کی کتابت مفسر نے خود کی ہے۔ یہ سب سے پہلے آیت اور اس کا ترجمہ، پھر شان نزول اور اُس کے بعد آیت کی تفسیر لکھی ہے۔ جس کے لیے مفسر نے لفظ خلاصہ استعمال کیا ہے۔ یہ براہوئی زبان میں قرآن مجید کی پہلی تفسیر ہے۔ مگر افسوس زندگی نے وفا نہ کی اور آپ پورے قرآن پاک کی تفسیر تحریر نہ کر سکے۔

مفسر ایک جید عالم تھے۔ اس لیے ناقدین کے رائے میں تفسیر عالمانہ رنگ کی مظہر ہے۔

(بلوچستان میں دینی ادب، (قلمی) ص 181)

عبدالفرید بروہی، براہوئی زبان میں اسلامی ادب، قلمی ص: 118، 119۔ تفسیر مفتاح البیان از مولانا

محمد عمر دین پوری۔

پارہ عم بزبان براہوئی:

مترجم: علامہ محمد عمر دین پوری، اس کا ذکر فہرست کتب مکتبہ دُرخانی ڈھاڈر (بلوچستان) 1948ء میں موجود اور ہدیہ پانچ روپیہ درج ہے۔ پارہ عم کا یہ جدا براہوئی ترجمہ دستیاب نہیں ہو سکا۔

سورہ مُلک بزبان براہوئی:

مترجم: علامہ محمد عمر دین پوری اس کا ذکر فہرست کتب مکتبہ دُرخانی ڈھاڈر (بلوچستان) 1948ء میں کونو د اور ہدیہ پانچ روپیہ تحریر ہے۔ سورۂ ملک کا یہ الگ براہوئی ترجمہ دستیاب نہیں۔

القرآن الحکیم و ترجمہ معانیہ الی اللغۃ البراھوئیۃ:

مترجم: عبدالکریم مراد علی لہڑی اثری، کتابت: نعمت اللہ بن مولوی محمد سعید (وڈ)

ناشر: مجمع خادم حرمین شریفین فہد بن عبدالعزیز آل سعود المدینہ المنورہ سعودی،

کتابت: بہترین، طباعت، اعلی، کاغذ، اعلی

قیمت: بلا قیمت، ہدیہ منجانب مجمع فہد بن عبدالعزیز

صفحات: 797 سال طباعت: 1992¾ھ/1413ء

مختصر حالات زندگی، مولوی عبدالکریم مراد علی لہڑی اثری:

مولوی عبدالکریم کا تعلق بلوچستان کے ضلع خضدار کے علاقہ وڈھ(1) سے ہے۔ ابتدائی تعلیم وہیں سے حاصل کی۔ آج کل جامعہ علوم الاسلامیہ مدینہ منورہ میں شعبہ عقیدہ میں درس و تدریس اور معلّمی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں، موجودہ دور میں مولوی عبدالکریم لہڑی کا براہوئی زبان میں ترجمہ قرآن دنیا میں سب سے زیادہ پڑھایا جانے والا ترجمہ ہے۔ جس میں انہوں نے بڑی محنت سے قرآن مجید کا عام اور آسان زبان میں ترجم کیا ہے۔ براہوئی زبان میں اس ترجمہ کی طباعت اور اشاعت کی سعادت شاہ فہد بن عبدالعزیز کو حاصل ہوئی ہے۔ مجمع ملک فہد بن عبدالعزیز، خادم حرمین شریفین کا اولین مقصد قرآن پاک کی مختلف زبانوں میں اشاعت و طباعت ہے۔ اس مقصد کے حصول

کے لیے مجمع فہد اور رابطہ عالم اسلامی نے باہمی تعاون اور مدد سے دنیا بھر کے ممتاز علماء کے توسط سے مختلف زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم اور تفاسیر کیں۔ تاکہ عالم اسلام میں بسنے والے مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کر کے اس کے ترجمہ اور مفہوم سے آگاہ ہوں اور قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کر کے دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کریں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((اِنَّماَ الْمُؤْ مِنُوْنَ اِخْوَةٌ .)) (1)

''ترجمہ: بے شک تمام مسلمان مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

اسی سوچ کے پیش نظر قرآن مجید کا براہوئی زبان میں ترجمہ شیخ عبدالکریم مراد علی لہڑی کے ذریعے کروایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ترجمہ کا یہ مبارک کام مکمل ہوا اور امید ہے کہ بلوچستان میں خاص طور پر اور دنیا کے دیگر براہوائی عام طور سے اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ اور قرآن کی روشنی اور نور ہدایت سے فائدہ اٹھائیں گے۔

مقدمہ تحریر کرتے ہوئے حمد وصلوٰۃ اور قرآن کی فضلیت بیان کرنے کے بعد مولوی عبدالکریم لکھتے ہیں:

براہوئی متن:

" داتی هچ شك اف ك قرآن مجيد الله تعالى نا آكر كتاب اداالله تعالىٰ ملائك جبرئيل عليه السلام نا ذريعت ننانبى كريم صلى الله عليه وسلم نا زيهها نازل كرتاك انساك و جناك اڑاد عمل كننكت دنيا و اخرت نا سعادت حاصل كير ـ قرآن مجيد نا فهم و تفهيم نا كاتران مختلف زبانٹى ترجمه مسن ننا براهوئى زبان تى كنا نظر ان عام فهم لفظى هچ ترجمه ئس گدنك تن بهاز وقتان كنا دا خيال اس لِ اگر الله تعالىٰ دا كارم تنا دمنا دوئن هلسس شايد گڑاس الله تعالىٰ نا مخلوق اڑان فائده هفسس۔" (2)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے نبی کریم ﷺ پر نازل فرمایا تاکہ اس قرآن پر جن اور انسان عمل کر کے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں سمیٹ سکیں۔ اب تک پوری دنیا میں قرآن مجید کے تراجم مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں لیکن براہوئی زبان میں کوئی قابل ذکر ترجمہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ اسی ضرورت کو محسوس کیا اور میری یہ خواہش تھی کہ یہ کام اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں سے لے مخلوق خدا کو اس کے ذریعے کوئی فائدہ پہنچے گا۔''

لیکن کافی عرصہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں درس و تدریس میں مشغولیت اور دیگر معروفیات کی بنا پر انہیں اس کا موقع نہیں ملا، شوال 1409ھ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اللہ کا نام لے کر اس کام کو شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے ربیع الاول 1411ھ میں یہ بابرکت کام مکمل ہوا اور پایہ تکمیل کو پہنچا۔ (2)

آخر میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے اور تمام احباب سے گزارش کی ہے کہ اگر اس سلسلے میں کوئی کمی کوتاہی ہوئی ہو تو اس سے ضرور آگاہ کریں اور اللہ تعالیٰ اس کام کو قبول کر کے اپنی خوشنودی کا سبب بنائے۔ آمین!

خصوصیات:

مولوی عبدالکریم لہڑی نے اپنے اس ترجمہ قرآن کا نام تفسیر المنان فی ترجمہ معانی القرآن رکھا ہے۔ (4) اس ترجمہ کی خوبی اس کی سلاست اور روانی ہے۔ براہوئی زبان میں یہ ایک آسان ترجمہ ہے اور براہوئی خواندہ افراد کے لیے مفید ہے۔ ترجمہ میں پہلے متن ہے اور اس کے نیچے براہوئی ترجمہ ہے۔ جہاں ضروری اور مناسب سمجھا ہے وہاں حاشیہ میں باقاعدہ اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔ زبان نہایت شریں اور رواں ہے۔ اچھی طباعت اور عمدہ کاغذ اور مضبوط جلد کا ترجمہ قاری کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کا مطالعہ کرتا رہے۔ جن مصادر مراجع سے مولوی عبدالکریم نے استفادہ کیا ہے وہ درج ذیل ہیں: (5)

تراجم:

1۔	فتح الرحمٰن	امام احمد بن عبدالرحیم، حضرت شاہ ولی اللہ	فارسی
2۔	ترجمہ قرآن	شیخ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی	اُردو
3۔	ترجمہ قرآن	شیخ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ دہلوی	اُردو
4۔	ترجمہ قرآن	شیخ محمود الحسن دیوبندی مع تفسیر عثمانی	اُردو
5۔	ترجمہ قرآن	شیخ اشرف علی تھانوی	اُردو
6۔	ترجمہ قرآن	شیخ محمد المدنی	سندھی

تفاسیر:

1۔	تفسیر القرآن	حافظ ابن کثیر
2۔	تفسیر فتح القدیر	الشوکانی
3۔	تفسیر البحر المحیط	ابی حیان الاندلسی
4۔	تفسیر ابو السعود	امام محمد بن العمادی الحنفی
5۔	تفسیر القاسمی	علامہ الشام محمد جمال الدین القاسمی
6۔	تفسیر اضواء البیان	علامہ محمد امین الجکنی الشنقیطی

لغات:

1۔	لسان العرب	ابن منظور
2۔	القاموس المحیط	فیروز آبادی
3۔	مفردات القرآن	راغب اصفہانی

دیگر:

1۔ مجموع الفتاویٰ و کتاب النبوات

2۔ فتح المجید شرح کتاب التوحید — شیخ عبدالرحیم بن حسن

3۔ دفع الایمان لاضطراب عن آیات الکتاب　　شیخ محمد امین الجکنی الشنقیطی

اس ترجمہ قرآن کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ حواشی میں جن تفاسیر یا تراجم سے استفادہ کیا گیا ہے، اس مقام پر باقاعدہ اس کا حوالہ موجود ہے۔ مکمل تیس پاروں کا ترجمہ ہے۔ ابتدا میں ترجمہ کی غایت اور مقدمہ ہے جس مں عربی اور براہوئی دونوں زبانیں استعمال کی گئی ہیں۔ آخر علامات وقف براہوئی زبان میں موجود اور سورتوں کی فہرست ہے۔

نمونہ کلام:

سورة الفاتحہ

﴿ الحمد لله رب العلمين ٥الرحمن الرحيم ٥ ملك يو م الدين اياك نعبدوايا ك نستعين٥ اهدنا الصراط المستقيم٥ صراط الذين انعمت عليهم٥غير المغضوب عليهم ولاالضالين٥ ﴾(7)

براہوئی:

پنٹ الله نالے حد مهر بن بهاز رحم كركا۔

كل تعريفاك ارر الله نارب مخلوقاتا۔ بے حد مهر بان بهاز رحم كرو كا ۔مالك دے انصاف نا نا عبادت كين و نيئان مدت خواهين شاغ نن كسرا راستنگا كسرا همفاك غضب مريكك اتاء ونه كسرا گمرا هاتا(7)

اُردو ترجمہ:

”شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے بدلے کے دن کا مالک ہے۔ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ۔ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ ان لوگوں کی رہ جن پر تو نے انعام کیا ہے اور ن کی جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔“

1۔ خضدار کے نزدیک ایک چھوٹا سا قصبہ (مقالہ نگار)

2۔ الحجرات:10

3۔ مولانا عبدالکریم لہڑی، مقدمہ براہوئی ترجمہ قرآن مجید ص 1

4۔ مولانا عبدالکریم لہڑی، مقدمہ براہوئی ترجمہ قرآن مجید ص 2

5۔ ایضاً ص 3

6۔ الفاتحہ:1-7

7۔ مولانا عبدالکریم لہڑی، براہوئی ترجمہ قرآن مجید، ص 1

عبدالفرید بروہی، براہوئی زبان میں اسلامی ادب، اسلام آبا، 05-2004 ص 83 تا 87

تفسیر السطان المعروف الایمان:

مفسر: حافظ سلطان احمد، ناشر: حافظ خان محمد، مطبع: اسلامیہ پریس سن اشاعت: دسمبر 1973ء کتابت طباعت، کاغذ عمدہ کوئٹہ صفحات 249

حافظ سلطان احمد ابن حافظ محمد، کی پیدائش 7 ربیع الثانی 1367ھ بمطابق 1948ء احمد آباد، اورستہ محمد (1) بلوچستان میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم سندھی اور اُردو میں حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کوئٹہ (2) سے بتیس میل کے فاصلے پر مستونگ کی جامع مسجد میں مولانا محمد صدیق سے فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ 1963ء میں براہوئی میں لکھنا شروع کیا اور اس دوران پٹواری کی تربیت بھی حاصل کی۔ آپ نے براہوئی زبان میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔ حافظ سلطان احمد عالم جوانی میں یرقان کے مرض میں مبتلا ہو کر 26 جنوری 1973ء اتھل بلوچستان کے مقام پر وفات پا گئے۔ (3)

دیگر تصانیف:

تفسیر السطان کے علاوہ سلطان احمد نے اس کم عمری میں کئی کتابیں لکھیں جو زیادہ تر غیر مطبوعہ ہیں۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں: (4)

1۔ قصص الانبیاء (براہوئی)

2۔ براہوئی نعت

3۔ مجربات سلطانی (اُردو۔غیر مطبوعہ)

4۔ مجربات سلطانی (سندھی غیر مطبوعہ)

5۔ مجموعہ اشعار جھالاوان (براہوی۔غیر مطبوعہ)

6۔ عملی زندگی (اُردو غیر مطبوعہ)

خصوصیات:

تفسیر السلطان قرآن مجید کی مکمل تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ ابتدائی تین پاروں میں مشتمل تفسیر ہے۔ جن میں سے صرف پہلے پارتے میں طباعت ممکن ہوسکی۔ جس کی تکمیل ستمبر 1969ء میں ہوئی۔ دوسرے اور تیسرے پارے کی تفسیر 1970ء میں مکمل ہوئی تھی لیکن وہ غیر مطبوعہ ہیں۔ اس دوران آپ کو یرقان کا شدید مرض لاحق ہوگیا ہے۔ جس سے آپ جانبر نہ ہوسکے اور اتھل کے مقام پر 26 جنوری 1973ء کو وفات پائی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے والد حافظ خان محمد نے دسمبر 1973ء میں پہلے پارے کی تفسیر اسلامیہ پریس کوئٹہ سے چھپوا کہ احمد آباد، ادستہ محمد بلوچستان سے شائع کی۔ اس تفسیر کی کل صفحات 240 ہیں۔

زیر نظر تفسیر السلطان براہوئی زبان کی تداسیر میں کسی سرمایہ سے کم نہیں ہے اور ابتدائی تفاسیر میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ گوکہ یہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر نہیں لیکن مفسر کی محنت شاقہ اس میں نمایاں ہے۔ حافظ سلطان احمد آیت کی تفسیر پہلے اختصار سے بیان کرتے ہیں، پھر مکمل وضاحت کرتے ہیں اور پورے مضمون کا پھیلاؤ کر کے مکمل احاطہ کرتے ہیں، مفسر نے تفسیر کو مفصل مگر محققانہ انداز میں تحریر کیا ہے جس سے مفسر کی علمی قابلیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ تفسیر عام فہم زبان میں مختصر اور جامع انداز میں تحریر کی گئی، جس سے عام براہوئی جاننے والے بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ براہوئی زبان میں یہ تفسیر منفرد مقام کی حامل ہے لیکن اس میں براہوئی الفاظ کے ساتھ ساتھ سندھی زبان کے بھی کئی الفاظ شامل ہیں تفسیر میں جن مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

براهوئی:

عـمـاوجـه تـصـنيف ، عـام بند غاتا خيال ، قرآن شريف ناخوانـنگ ايلو اوڑاعـمـل كـننگ نافضيلت ، قرآن مجيد امر جمع مس ، قرآن مجيد امر نـازل مـس ، قـرآن شـريف حـيس غورٹ خوانـنگ ، بسم الله شريف نا فضيلت تفسير الفاتحه ، تفسير سورة البقره۔

ترجمہ: تفسیر کے مندرجات میں سب سے پہلے حمد و ثنا ہے۔ اس کے بعد وجہ تصنیف ہے کہ عام لوگوں کے خیال اور استفادہ کے لیے یہ تفسیر لکھی گئی ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت اور اس پر عمل کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ قرآن مجید کے نزول، تدوین قرآن اور تدبر قرآن کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے، پھر قرآن مجید کو بغور پڑھنا اور بسم اللہ کی فضیلت کا ذکر ہے۔ آخر میں سورۃ الفاتحہ اور سورۂ بقرہ کی تفسیر ہے۔

تفسیر میں مفسر نے جن مصادر مراجع سے مدد لی ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

عربی تفاسیر:

1۔ تفسیر بیضاوی — قاضی امام ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر 685ھ
2۔ تفسیر کبیر — امام فخر الدین رازی مطابق 604ھ
3۔ تفسیر خازن — امام فخر الدین رازی مطابق 604ھ
4۔ تفسیر مدارک التنزیل — ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود مطابق 710ھ
5۔ تفسیر ابن عباس — ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود مطابق 710ھ
6۔ تفسیر جلالین — علامہ جلال الدین سیوطی / علامہ جلال الدین محلی

فارسی تفاسیر:

1۔ تفسیر حسینی — از ملا حسین واعظ کشفی
2۔ تفسیر مواج

3۔ تفسیر عزیزی   از شاہ عبدالعزیز

اُردو تفاسیر:

1۔ خلاصہ تفاسیر   فتح محمد نائب

2۔ تفسیر ابن کثیر (اُردو)   مولانا محمد جونا گڑھی

3۔ تفسیر ثنائی   علامہ ثناء اللہ امرتسری

نمونہ تفسیر:

سورۂ بقرہ کی آیات سے پیش کی جا تا ہے۔

﴿ ان الذین کفراو سوا علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون ٥ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم٥ ﴾

براہوی ترجمہ:

”تحقیق ایکہ کافر مس برابر ارفتیا کہ نی خلیفس افت یا خلیف پیس افت ایمان ھتپسا ٥ اللہ تعالیٰ مھر خلکن افتا استاتیار وافتا خفتیا و اتا ختتیا پردہ اور واوفتکن عذاب اربلا٥“

اُردو ترجمہ:

تحقیق جنہوں نے کفر کیا ہے برابر ہے ان پر کہ ان کو ڈرایا جائے یا نہ ڈرایا جائے وہ ایمان نہیں لائینگے اللہ نے ان کو دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

مختصر تفسیر براہوئی:

”یعنی اراکساك کہ کفر اریر اوفت نی خلیفس و خوف تر فیس تونڈ نصیحت کستہ تو انداں اگر نصیحت کپس و خوف نشان تر فپس تب ھم ھن یعنی خلکن الا ن ایکہ حقنا ھیتات بن پساو خنپساوخفت تو

پسا و افتا ختنتیا پر دہ ارھنا خاطر ان حق بن پساپوہ مفساوخنپساو آخر
تئی افتکن باز بل سخت عذاب ار۔"

اُردو ترجمہ:

جولوگ کافر ہیں ان کو آپ ڈرائیں اوران کونصیحت کریں اور وہ ویسے کے ویسے رہیں گے اگر نصیحت نہ کریں اوران کونہ ڈرواد کھائیں، پھر بھی وہ ویسے کے ویسے ہیں، یعنی کوئی فائدہ نہیں ہوگا وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے وہ حق بات کو نہ تو سن سکتے ہیں اور نہ ہی دیکھ سکتے ہیں، ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، اس لیے حق بات کو سن اور سمجھ نہیں سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور ان کے لیے بہت بڑا سخت عذاب ہوا گا۔

1۔ بلوچستان کے ضلع جعفر آباد کا ایک چھوٹا سا قصبہ (اُردو انسائیکلو پیڈیا، ص54)

2۔ صوبہ بلوچستان کا صدر مقام۔ قندھار کی جانب جانے والی سڑک پر واقع ایک اہم تجارتی مرکز ہے۔ سطح سمندر سے 5500 کی بلندی پر واقع ہے (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا ص 134/1

3۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، پاکستان کی علاقائی زبانوں میں اسلامی ادب، ص113

4۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی، براہوئی زبان وادب کی مختصر تاریخ، ص139

5۔ سورۂ بقرہ 6-7 عبدالعزیز بروہی زبان میں اسلامی ادب قلمی، ص91 تا 95

سورۂ فاتحہ (منظوم بزبان براہوئی:

مترجم: مولانا محمد افضل نوشکوی (ایک جید عالم، بلوچستان کے ضلع چاغی کے شہر نوشکی میں مقیم، وہیں ایک دینی مدرسہ افضل المدارس قائم کیا جواب تک قائم ہے۔ سورۂ فاتحہ کا یہ منظوم براہوئی۔ ترجمہ مختلف رسائل و جراء میں چھپا ہے۔ ناقدین فن کی نظر میں یہ ترجمہ اپنے اندر علمی وادبی محاسن رکھتا ہے۔ مولانا محمد افضل کی فارسی میں تین کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں۔

علم نا بال (براہوئی)

مفسر: مولانا محمد عمر (تعلق قبیلہ دہوارے سے۔ رہائش تیری متونگ، دیوبند سے فارغ التحصیل)

یہ قرآن کی سورۂ فلقکی تفسیر سے ہے۔ یہ دسمبر 1978ء میں اسلامیہ پریس کوئٹہ میں چھپی اور براہوئی اکیڈمی کوئٹہ نے اسے شائع کیا۔ ایک سو چالیس صفحات پر مبنی ہے۔ شروع میں اقراء کے ناطے سے آپ نے علم کی وقت اور فضلیت بیان کی ہے۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی کے الفاظ میں: آپ نے جو جملے استعمال کیے ہیں وہ براہوئی زبان وادب کی روانی وسلامت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ اور آپ کے علمی مضامین کا شہ پارہ ہیں اور یہ تفسیر شاہ عبدالعزیز کی تفسیر عزیزی کے طرز پر ہے اور حکایتوں کی وجہ سے مطالب پر روشنی پڑتی ہے۔'' (بلوچستان میں دینی ادب، خلی ص179) مولان محمد عمر خطیب بلوچستان نے اپنی زندگی اور جوانی اپنی قوم کی بہتری اور بھلائی میں گزاری ان کی تقاریر مذہبیت اور سیاست دونوں پہلوؤں کا احاطہ کرتی تھیں۔ ان کی تحریروں سے معاشرے کے ہر بے رسم ورواج کا خاتمہ ہوا۔ خاص کر خواتین اور عورتوں کے حقوق منوائے اور دلائے۔ توحید ورسالت کے صحیح عقیدے کا پرچار کیا ہے۔ شرک و بدعات کو ختم کیا انہوں نے مدارس کی بنیاد رکھی۔ براہوئی علماء کی نوجوان نسل دراصل انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر، پاکستان کی علاقائی زبانوں کا اسلامی ادب، ص114

عبدالفرید بروہی، براہوئی زبان میں اسلامی ادب، (قلمی) ص 97

حضرت شاہ ولی اللہ کے بڑے فرزند (46-17-23-18) شاہ عبدالعزیز کی تفسیر فتح العزیز المعروف بہ تفسیر عزیزی کافی مشہور ہے۔ (سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا تفسیر اختریہ)

مفسر: مولانا اختر محمد، جلدیں: 6، صفحات: 1184

ناشر: کتب خانہ مظہر کراچی، طابع، کتب خانہ مظہر کراچی

سن اشاعت: 1986ء کتاب، طباعت، معیاری، کاغذ مناسب

قیمت: آٹھ سو روپے، ملنے کا پتہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

مولانا اختر محمد کا تعلق چاغی، ضلع نوشکی بلوچستان سے ہے۔ آپ کا تعلق براہوئی قوم کے مینگل قبیلا کے احمد زئی طائفہ سے ہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے اعلیٰ تعلیم بہاولپور (1) پنجاب میں حضرت علامہ مولانا حبیب اللہ گمانوں سے حاصل کی۔ وہاں سے فراغت کے بعد قلاتِ کے ایک دینی مدرسے میں براہوئی زبان میں کئی کتب کے مصنف ہیں اور براہوئی زبان اور ادب میں دینی اور اسلامی کتب کی اشاعت اور ابلاغ میں آپ کا ایک اہم اور منفرد مقام و مرتبہ ہے۔

دیگر تصانیف:

تفسیر اختر یہ کہ علاوہ براہوئی زبان میں مولانا اختر محمد کی دیگر تصانیف درج ذیل ہیں:

1۔ فضائل اعمال

2۔ شمائل شریف

3۔ نور الایضاح

4۔ منبہات

5۔ موتنا منظر

6۔ تعلیم الاسلام

7۔ تنبیہ الغافلین

8۔ شروط صلوٰۃ

9۔ حقوق حیوانات

10۔ صحابیات

11۔ تحفہ حدیث

12۔ بھلا گنا ھک

خصوصیات:

تفسیر ادب میں مفسرین نے اب تک بیش بہا کام کیا ہے جن میں وقت کے ساتھ ساتھ مستقل

اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔تفسیر اختر یہ براہوئی ادب میں خاص طور پر تفسیر ادب میں عمومی طور پرا یک خاطر خواہ اضافہ ہے، اس سے قبل براہوئی میں کوئی قابل ذکر تفسیر موجود نہیں تھی۔ زیر نظر تفسیر، تفسیر اختری حضرت مولانا اختر محمد کی علمی کاوشوں کا نتیجہ ہے براہوائی زبان میں اس تفسیر کا ایک اہم مقام ہے اوراس کا شمار اولین تفاسیر میں ہوتا ہے ابتدا میں یہ تفسیر جدا جدا الگ الگ پاروں میں چھپی اور مختلف مطبع خانوں میں اس کی اشاعت ہوئی۔(2) بعدازاں ان تمام پاروں کوخود مولانا اختر محمد نے کراچی سے چھ جلدوں میں شائع کروایا۔اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ابتدا میں اس تفسیر کے چند ایک پارے چھپ کر منظر عام پر آئے تو نہ پرصرف پاکستان بلکہ مشرق وسطیٰ کے ممالک ، افغانستان اور ایران میں بسنے والے براہویوں نے بھی اچھی خاصی تعداد میں اس تفسیر کی کاپیاں منگوائیں ۔تفسیر اختر یہ کا یہ پہلا پارہ 1978ء میں چھپا جب کہ بقیہ پارے اگلے چار پانچ سالوں میں طبع ہوئے۔مکمل تفسیر چھ جلدوں میں 1986ء میں شائع ہوئی۔(3)

اس تفسیر کو لکھنے کا مقصد بھی عام افراد کے لیے قرآن مجید کے ۔مفاہیم اور مضامین کو بہتر انداز میں پیش کرنا تھا۔ اس تفسیر کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے حضرت کومولانا اختر محمد تفسیر اختر یہ کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں:

”داتفسیر شریف براھوئی زبانٹ شروع کنگا دا خاطر ان کہ اللہ تعالیٰ ناپاکنگا کتاب چونکہ عربی زبانٹ اس تو عربی زبان نا مقصد و معنیء بگیر عربی خوانا حضرتاا تان عام انساناك سمجھنگ کتوسہ۔ وھندن براھوئی و بلوچی زبانان بگیر باقی تمام زبانا تئٹ قرآن براھوئی و تفسیر و ترجمہ کننگان چنانچہ خواننده حضرتا تان پوشیدہ اف(4)۔“

اُردو ترجمہ:

”براہوئی زبان میں اس تفسیر شریف کے لکھنے کا مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں نازل ہوئی ہے اس بنا پر عام افراد عربی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر اس کے معنی

اور مفاہیم کو صحیح طور سے نہیں سمجھ سکتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ براہوئی اور بلوچی زبانوں کے علاوہ تو تراجم اور تفاسیر قرآن موجود ہیں لیکن براہوئی کوئی تفسیر موجود نہیں ہے براہوئی دان خواندہ افراد بخوبی واقف ہیں۔"

اس حوالے سے وہ اپنے مقدمے میں مزید لکھتے ہیں:

"وهندن محشر نا ميدان تى نن براهوئى زبان انااهل علما تان ديارفت كننگ كه قرآن مجيد كه كنا الله تعالىٰ نا پا كننگا كلتاب اس ان مقصد و معنىء وحقئقت تنا هم زباناقوم نامون ٹى امرپش كريرے و افتا شرك وايلو بهلا گناه تان الندگ نا حجة و دليل انت اس كه افك خلسرو گناه گپ سرِ (5)۔"

اُردو ترجمہ:

"جب حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ براہوئی اہل علم اور علماء دین سے اپنے مقدس کلام کے بارے میں پوچھیں گے کہ تم نے اس کلام کو اپنی قوم کے لوگوں تک پہنچانے کے لیے کیا کیا؟ تو ہم کیا جواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ ہم سے پوچھیں گے کہ ان کو شرک اور دوسرے بڑے گناہوں سے بچانے کے لیے کیا دلیل میرے بندوں کے سامنے اور حجت پیش کیں کہ وہ ڈر جاتے اور گناہوں سے بچتے۔"

اسی سوچ اور جذبہ کے تحت مولانا اختر محمد نے اس بڑے کام کا بیڑہ اٹھایا اور یہ تفسیر لکھی۔ تفسیر اختر یہ لکھتے وقت مولانا اختر محمد نے درج ذیل مصادر و مراجع سے مدد لی اور استفادہ کیا ہے۔(6)

1۔ تفسیر ابن کثیر — اسماعیل ابن کثیر القرشی الدمشقی
2۔ تفسیر المظہری — مولانا ثناء اللہ پانی پتی
3۔ تفسیر الخازن — محی السنۃ علاؤ الدین
4۔ تفسیر معالم التنزیل — ابی محمد الحسنی الفراء البغوی
5۔ تفسیر النسفی — ابو البرکات عبداللہ بن احمد ابن محمود النسفی

6۔	تفسیر جلالین	علامہ جلال الدین سیوطی/علامہ جلال الدین محلی
7۔	الاتقان	علامہ جلال الدین سیوطی
8۔	بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی
9۔	تفسیر عزیزی	مولانا شاہ عبدالعزیز
10۔	جواہر القرآن	مولانا غلام اللہ خان
11۔	تفسیر عثمانی	مولانا شبیر احمد عثمانی
12۔	فتح الرحمٰن	شاہ ولی اللہ
13۔	ترجمہ قرآن	شاہ عبدالقادرد
14۔	قصص القرآن	مولانا حفظ الرحمٰن سہواری
15۔	موضح القرآن	شاہ عبدالقادر
16۔	تفسیر ابن عباس	

مقدمہ میں مولانا اختر محمد نے دو صفحات پر بسم اللہ کی فضیلت بیان کی ہے اور اس حوالے سے انہوں نے تین روایات بیان کیں ہیں، جن میں بسم اللہ کی فضیلت اور اس کی برکات کا ذکر ہے۔(7) ان روایات کو بیان کرنے کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر میں اختر محمد تحریر کرتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے تین نام اللہ، الرحمٰن اور الرحیم سے شروع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کا کاروبار درج ذیل تین چیزوں پر موقوف ہے:

1۔ پوری کائنات کا اسباب کا جمع کرنا۔

2۔ ان اسباب کی پائیداری وثبات۔

3۔ ان اسباب کا حصول(8)

درج بالا تینوں چیزیں اللہ، الرحمٰن اور الرحیم میں مخفی ہیں۔ پھر انہوں نے بسم اللہ کے شان نزول کے حوالے سے مسلم کی ایک حدیث بیان کی ہے۔(2) مفسر مولانا اختر محمد نے یہ تفسیر لکھ کر براہوئی قوم

کے لیے ایک بہت بڑی خدمت سر انجام دی ہے۔ انہوں نے موضوعات قرآنی ، ان کے مفہوم اور قرآن کے الفاظ کے معنوں کو نہایت ہی آسان ، سادہ اور دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے۔ الفاظ کا چناؤ اور آیات کی تشریح وتوضیح کی زبان سلیس اور رواں ہے۔

تفسیر کی خاص بات یہ ہے کہ اس کو مختلف جگہوں پر حوالہ جات سے مزین کیا گیا ہے۔ مفسر نے نہ صرف مکمل حوالہ دیا ہے بلکہ جہاں احادیث بیان کی گئی ہیں وہاں اس بحث کا مکمل حوالہ بھی موجود ہے۔ آیت کا ترجمہ بیان کرنے کے بعد ساتھ ہی اس کی تفسیر بھی کر دی گئی ہے۔ اور اس کی مزید تشریح اور توضیح کے لیے حکایات ، واقعات اور احادیث کو بیان کیا ہے۔

تفسیر اختر یہ ایک عام فہم تفسیر ہے لیکن تفسیر میں براہوئی زبان کے الفاظ کے ساتھ ساتھ عربی کے الفاظ بھی بکثرت پائے جاتے ہیں، مفسر کا لہجہ مغربی براہوں لہجہ ہے۔ الفاظ اور آیات قرآنی کی تشریح مدلل اور جامع انداز میں کی ہے۔ تفسیر میں ہر سورۃ کے آغاز میں اس کا مختصر تعارف بھی موجود ہے، تفسیر میں آیات ترجمہ اور تفسیر کو الگ الگ نہیں کیا بلکہ لفظی ترجمہ کے انداز میں ترجمہ ہے اور ساتھ ہی تشریح اور تفسیر موجود ہے جس سے بعض اوقات قاری اس الجھن کا شکار ہوتا ہے کہ کس مقام پر آیت کا ترجمہ اختتام پذیر ہوتا اور کہاں سے تفسیر کا آغاز ہوتا ہے۔

تفسیر اختر یہ کی آخری جلد میں مولانا محمد اختر نے سورۃ الناس کے بعد قرآن مجید کے فضائل احادیث کے حوالوں سے بیان کیے ہیں ان کا یہ مختصر مضمون پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔

فضائل قرآن مجید کے بعد انہوں نے وحی کی حقیقت او اہمیت اور ضرورت پر ایک مختصر مضمون لکھا ہے جس میں صحیح احادیث سے وحی کی حیثیت اور اس کے نزول اور ترتیب سعودی کے مطابق دی ہے جس سے قاری کو اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے اولین سورت کون سی تھی۔ اس کے علاوہ سورتوں کے شان نزول کی بھی ایک فہرست آخر میں مرتب کی گئی ہے، قرآن مجید میں حروف کی مکمل تعداد اور ہر حرف جتنی بار آیا ہے اس کی تعداد بھی مکمل ہے۔

نمونہ تفسیر:

سورۂ فاتحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیمo

شروع کیوانپٹ اللہ تعالیٰ کربامہربان نہایت رحم والا ار

اُردو ترجمہ: شروع اللہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿ الحمد للہ رب العلمین o الرحمن الرحیم o ملک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین oاھدنا الصراط المستقیم oصراط الذین انعمت علیھم oغیر المغضوب علیھم ولا الضالینo ﴾(9)

براہوئی:

الحمد عام تعریف ثابت اراللہ و اسطئٹ اللہ نارب کہ پرورش کرک ار (فائدہ)پرورش نادنٹ المہ بادہ اولاد جنیکٹی پرورش کر تو اللہ تعالیٰ انداشکالت بلکہ افتا زیادہ تمام کائنات ارکہ انسان وجنا ک و فرشتغاک و حیوان آسمانک وزمیناک تمامیک ان اپروشیٹ موجد ارر الرحمن کہ باز بخشندہ الرحیم نہایت رحم والا ار (فائدہ) یعنی الہ تھالا نا مہربانی رحمئٹ دنیا محفوظ ارو گرنہ اللہ تعالیٰ جامہربانی ورحم متوک رو نظام کائنات حمادر ھم برھم مسک ملک بادشاہ اریوم دٹی یعنی بھم دٹی عملا تا بدلہ ملک ھم دئنا حاکم و بادشاہ خاص اللہ تعالیٰ اوپن کسس طاقت چون چرانا مفک بلکہ اولین و آخرین محتاج مرر۔"(10)

اُردو ترجمہ:

تمام تعریف ثابت ہے اللہ کے واسطے کہ وہ پرورش کرنے والا ہے۔ (فائدہ) پرورش کے معنی یوں ہے کہ والدین اولاد کی بچپن میں پرورش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسی انداز میں بلکہ ان سے زیادہ

تمام کائنات کے انس و جن، فرشتے حیوانات، آسمان و زمین تمام چیزوں کی پرورش کرنے کے لیے موجود ہے۔

سورۂ فاتحہ کی مکمل اور مفصل تفسیر بیان کرنے کے بعد اس کی فضیلت اور برکت کے حوالے سے کئی احادیث مفسر نے بیان کی ہیں۔(11)

2سورۂ بقرہ:

تفسیر شروع کرنے سے قبل سورۂ بقرہ کی اہمیت اور فضیلت کا بیان ہے۔ چار احادیث بھی تحریر کی ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ جہاں سورۂ بقرہ تلاوت کی جاتی ہے شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوتا ہے اور وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔(12)

بسم الله الرحمن الرحيم

شروع كيوانپنٹ الله تعالىٰ كر باز مهربان نهايت رحم والا ار

اُردو ترجمہ:

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الم ٥ داحر وفات حروف مقطعات پارا دافتا معنى خاص الله تعالىٰ

چائك پین کس تپك(13)

اُردو ترجمہ:

1۔ الم٥ ان حروف کو ''حروف مقطعات'' کہتے ہیں اوران کے معنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ پنجاب کی واحد ریاست جس کی سرحد دریائے ستلج، پنجند اور سندھ کے ساتھ ساتھ چلی جار ہی ہے۔ یہاں عباسیوں کا ایک خاندان مدت حکمران رہا۔ 1955ء میں پاکستان میں ضم ہوگئی۔ لاہور سے 271 اور ملتان سے 60 میل کی دوری پر واقع ہے۔

(اردو جامع انسائکلو پیڈیا، ص 277/1)

2۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، پاکستان کی علاقائی زبانوں کا اسلامی ادب، ص112

3۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں قرآن کے تراجم و تفاسیر، ماہنامہ فکر و نظر، اسلام آباد، ص365

4۔ مولانا اختر محمد، تفسیر اختریہ، ص2

5۔ مولانا اختر محمد، تفسیر اختریہ، ص2

6۔ مولانا اختر محمد، تفسیر اختریہ، ص1

7۔ مولانا اختر محمد، تفسیر اختریہ، ص3

8۔ مولانا اختر محمد، تفسیر اختریہ، ص4

9۔ سورۃ الفاتحہ: 7۔1

10۔ مولانا اختر محمد تفسیر یہ، ص1

11۔ عبدالفرید بروہی، براہوئی زبان میں اسلامی ادب (قلمی) ص108

12۔ م ن، ص1-2

13۔ م، ن، ص4-5

شیخ القرآن مولانا محمد یعقوب فروری1930ء میں بلوچستان کے علاقہ شرورد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا فتح محمد دیوبند کے فیض یافتہ فیاض اور انتہائی پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ ابتدائی تربیت انہوں نے ہی کی بعد میں مولانا کمال الدین آف منگچر اور مولانا عبدالغفور شالدرہ کوئٹہ سے بھی استفادہ کیا دورہ حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور یہ دارالعلوم کے عروج کا زمانہ تھا۔ مولانا محمد یعقوب شروردی دورے کے سالانہ امتحان میں پورے دارلعلوم میں اور آئے جس سے بلوچستان کا سرفخر سے بلند ہوا۔

مولانا نے مختلف علاقوں میں دینی خدمات سرانجام دیں ایک مدرسہ میں بطور مہتم خدمات سر انجام دیتے رہے اور منگوچر ضلع قلات کے قریہ ابا بکی میں بطور پیش امام دینی خدمات سرانجام دیں۔ بعدازاں کوئٹہ میں جامعہ رشیدیہ قائم کیا۔ اور کوئٹہ میں مکمل سکونت اختیار کی تفسیر، فقہ، اور کی کتابوں

کے بھی مصنف ہیں۔ جن میں ایک اہم کارنامہ مرأت الدیات (آئینہ قرآن) ہے۔ جس میں تمام قرآنی آیات کو حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کیا گیا ہے۔ جو علماء کے لیے ایک عظیم تحفہ ہے۔

حضرت مولانا صاحب ستمبر 1992ء سے جامعہ رشیدیہ کوئٹہ میں شعبہ تخصص فی الفقہ میں نوجوان فضلاء کی علمی تربیت فرمانے کے ساتھ ساتھ فتویٰ لکھنے اور فصل خصومات'' میں (فریقین کی طرف سے اختیار تفویض کرنے پر) شرعی فیصلے دینے کی دینی خدمت پر بجا طور پر مامور رہے۔ پورے صوبے کے اطراف و اکناف سے لوگ دارا القضاء میں پہنچ کر اپنے اپنے مقدمات بری آسانی سے نمٹاتے رہے۔ مولانا محمد یعقوب شروردی نے حصرت مولانا حسین احمد مدنی کے دورۂ حدیث سے پوری طرح استفادہ کرنے کے علاوہ حصرت مولانا غلام اللہ خان صاحب کے ہاں پنڈی میں بھی دورۂ تفسیر میں شرکت کی۔

انہوں نے کشف القرآن، تفسیر براہوئی زبان میں نو سال اور نو دن میں مکمل کی تھی اس کا اُردو ترجمہ ان کے لخت جگر مولانا حسین شروردری جان سوزی سے کر رہے ہیں، پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

آپ کئی زبانوں پشتو، عربی، فارسی ، اُردو، براہوئی اور بلوچی میں شعر کہتے تھے۔ آپ نے 2007 میں وفات پائی۔

''تفسیر کشف القرآن'' کے بعد حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے رشید اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کے مایہ ناز شاگرد مولانا یعقوب شروردی کے فتاوے ان کے علمی تجربات اور تفقہ کا عکس ہے۔ (مقدمہ از مولانا حسین احمد شروردی ثمینۃ الفتویٰ اُردو جلد اول سے استفادہ کیا گیا ص 41/63)

تفسیر کشف القرآن:

مفسر: شیخ القرآن مولانا محمد یعقوب شروردی،

ناشر: شعبہ نشر واشاعت جامعہ رشیدیہ تدریس القرآن، سرکی روڈ، کوئٹہ

کتابت: اچھی، طباعت: اچھی، کاغذ مناسب قیمت بارہ سو روپے جلدیں: آٹھ،

سن اشاعت: 1986 صفحات: قریباً آٹھ ہزار

ملنے کا پتہ: کتب خانہ رشیدیہ سرکی روڈ، کوئٹہ

شیخ القرآن مولانا محمد یعقوب شروردی کی تفسیر کشف القرآن کل آٹھ جلدوں پر مشتمل قرآن مجید کی مکمل تفسیر ہے جو مکمل طور پر 1998ء میں چھپ کر منظر عام پر آئی۔(1)اس سے قبل یہ تفسیر جدا جدا جلدوں کی صورت میں مختلف اوقات میں اور مختلف جگہوں سے طبع ہوئی جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔(2)

جلد اول	1992ء	تفسیر سورۃ البقرہ	
جلد دوئم	اپریل 1993ء	تفسیر آل عمران تا سورۃ المائدہ	صفحات 857
جلد سوئم	دسمبر 1993ء	تفسیر سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ	صفحات 719
جلد چہارم	نومبر 1994ء	تفسیر سورۃ یونس تا سورۃ الکہف	صفحات 721
جلد پنجم	دسمبر 1994ء	تفسیر سورۃ مریم تا سورۃ نمل	صفحات 769
جلد ششم	مئی 1995ء	تفسیر سورۃ القصص تا سورۃ الزمر	صفحات 769
جلد ہفتم	اکتوبر 1995ء	تفسیر سورۃ المومن تا سورۃ المجادلہ	صفحات 760
جلد ہشتم	دسمبر 1995ء	تفسیر سورۃ الحشر تا سورۃ الناس	صفحات 637

مفسر نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا کام دسمبر 1984ء میں آغاز کیا اور 1988ء تک صرف بارہ پاروں کی تفسیر مکمل ہو پائی اولاً بارہویں پارہ کی اشاعت 1988ء میں بطور نمونہ عمل میں آئی۔ اس کی اشاعت کے بعد مولانا محمد یعقوب وقفہ وقفہ سے بقیہ پاروں کی تفسیر کرتے رہے اور بالآخر 1996ء میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔ آٹھ جلدوں پر مشتمل قرآن مجید کی تیس پاروں کی مکمل تفسیر ہے۔ آخری جلد میں مشہور و معروف اور اہم مفسرین کا تذکرہ موجود ہے جس سے اس کی افادیت میں کئی گنا اضافہ ہو رہا ہے۔(3)

تفسیر کشف القرآن مولانا محمد یعقوب شروردی کی کئی سالوں کی محنت شاقہ کا حاصل ہے مفسر کی علمیت اور اعلیٰ رتبہ کا مظہر ہے، یہ تفسیر مختلف تفاسیر کا نچوڑ ہے اور زیادہ تر مدارس میں اس استفادہ کیا جاتا ہے۔ تفسیر کشف القرآن لکھتے ہوئے مولانا محمد یعقوب شروردی نے درج ذیل مصادر و مراجع سے استفادہ کیا ہے۔(4)

1۔	تفسیر ابن کثیر	حافظ عماد الدین اسماعیل ابن کثیر
2۔	تفسیر جلالین	علامہ جلال الدین سیوطی ، جلا الدین ملحی
3۔	روح المعانی	ابو الفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی
4۔	تفسیر عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانی
5۔	موضع القرآن	
6۔	بیان القرآن	مولانا محمد اشرف علی تھانوی
7۔	تفسیر خازن	
8۔	تفسیر مدارک	ابولبر عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی
9۔	تفسیر کبیر	امام رازی
10۔	تفسیر قرطبی	للقرطبی
11۔	تفسیر معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیع
12۔	تفسیر البحر المحیط	
13۔	تفسیر مظہری	مولانا ثناء اللہ پانی پتی
14۔	الدر المنشور	علامہ جلال الدین سیوطی
15۔	جواہر القرآن	
16۔	تجدید البیان	
17۔	تفسیر اضواء البیان	للشنقمیطی

یہ تفسیر موجودہ درور کے تقاضوں کے مطابق رسم الخط ،نستعلیق میں ہے۔اس سے قبل تفسیر اختر یہ، ترجمہ قرآن پاک از مولانا عمر دین پوری، ترجمہ قرآن پاک از عبدالکریم ہڑی نسخ میں ہیں اوران کا رسم الخط عربی ہےان کے مقابلے میں مولانا یعقوب شروردی کی تفسیر کشف القرآن پڑھنے میں نسبتاً آسان ہے۔ مذکورہ تفسیر عام فہم انداز میں تحریر کی گئی۔قرآن فہمی کے حوالے سے تفسیر اپنی مثال آپ ہے جس

میں مفسر نے سب سے پہلے قرآن کی آیت کونقل کیا ہے اس کے بعد لفظی ترجمہ اور پھر اس کے بعد رواں اور با محاورہ تشریحی ترجمہ ہے جس سے قرآن فہمی میں مدد ملتی ہے۔ یہ ترجمہ جس میں خاص طور پر براہوئی زبان میں حرفی اور نحوی تراکیب اور ترتیب کی پیش نظر رکھا گیا ہے، نہایت ہی آسان ہے۔

تفسیر میں آیتوں کے آپس کے تعلق کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے جس سے مفہوم مزید واضح ہو جاتا ہے اس کے اہم نکات اور فوائد کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ جس سے مطالب وموضوعات قرآنی کے مفاہیم اور معنوں کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور مدد ملتی ہے قرآن کے مباحث کو سمجھنا آسان ہوتا ہے۔

تفسیر کشف القرآن کی ایک اور خاصیت یہ ہے کہ لفظی با محاورہ ترجمہ اور تشریح کے بعد اہم نکات میں موقع محل کی مناسبت سے مسائل اور حکایات بیان ہوئی ہیں، جس سے بیان مزید موثر ہو جاتا ہے۔ خالص علمی اصطلاحات کو آسان الفاظ میں بیان کرنے سے کافی آسانی پیدا ہوتی ہے مولانا محمد یعقوب شروردی نے مختلف مفسرین کو حوالوں کے ساتھ شامل تفسیر کیا ہے۔ مفسر نے فقہی مسائل علمی مباحث، ادب وتصوف کے متعلق مضامین پر باقاعدہ موقع محل کی منابست سے بحث کی ہے۔ مفسر کشف القرآن نے تفسیر میں براہوئی قوم کے طبعی میلان اور نفسیاتی مزاج کو سامنے رکھ کر ان کی مناسب انداز میں راہنمائی کی ہے۔ موجودہ حالات اور بدلتے ہوئے واقعات کے مطابق قرآن کی صحیح تعلیمات اور راہنمائی کو بیاسن کیا ہے۔

نمونہ تفسیر:

بارہویں پارہ کے ابتدائی حصہ کی تفسیر مولانا شروردی نے یوں بیان کی ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْ دَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾(5)

" اوافك هچو سر كس ڈغارتی الله نازيائے روزی اونا اوچائك قرار

هلنگ نا تکہ جاگہ ء اور مچٹ سلنگ ناء تے تہ ھر اسٹ ارائے کتاب سے
ٹی روشنو۔"(6)

اُردو ترجمہ:

"زمین پر کوئی چلنے والا نہیں مگر ان تمام کا روزی رسان اللہ ہی ہے وہ جانتا ہے ان کے رہنے کی جگہ اور کم رہنے کی جگہ کو ان میں سے ہر ایک روشن اور مبین کتاب ہے۔"

خلاصہ کلام:

زمین پر تمام چلنے والوں کا روزی رسان اللہ ہے، چاہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں، ان سب کے قیام و قرار کا علم اللہ کو ہے۔ مفسر نے آیت کے آخر حصہ کل فی کتب مبین کو نقل کر کے اس پر فائدہ کی سرخی لگائی ہے۔ آیات کی تشریح میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تحریر کیا ہے۔ تفسیر کبیر میں امام رازی نے اس آیت کریمہ کے نیچے وضاحت میں ایک روایت نقل کی ہے جس کا ترجمہ ذیل میں دیا یا جا رہا ہے:

"جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوہ طور پر پہلی مرتبہ نازل ہوئی تو اس وقت آپ اپنے اہل عیال کے ساتھ پہاڑ میں تھے ایک روشنی کو دیکھ کر آگے تشریف لائے تو ایک آواز آئی۔ (انی انا ربك فاخلع نعليك) ۔ مقصد یہ ہے کہ جب اپ کو نبوت کی ذمہ داری سونپ دی گئی تو آپ کے دل میں اپنے عیال فکر ہوئی اللہ تعالیٰ علیم (بذات الصدور ہے) نے فرمایا اے موسیٰ! اپنی لاٹھی کو اس پتھر پر مارو موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری تو پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ایک گول سا پتھر نمودار ہوا پھر حکم ہوا اسے بھی مارو موسی علیہ السلام نے اسے بھی لاٹھی سے مارا اس کے اندر سے جوار کے دانہ کے برابر ایک کیڑا نمودار ہوا اس کے منہ میں اس کی خوراک تھی ایک آواز آئی جسے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا۔ جس کے الفاظ یوں تھے۔

سبحان من يرانی و سمع کلامی و يعرف مکانی ویز کرونی ولا نسیانی

"پاکی اس ذات کے لیے جو مجھے دیکھتا ہے اور میرے کلام کو سن لیتا ہے اور میری جائے سکونت کا بھی اس کو علم ہے اور مجھے یاد کر لیتا ہے اور مجھے بھولتا نہیں۔"

(کل فی کتاب مبین سے) مراد لوح محفوظ ہے جس سے علم الٰہی یا دفتر ملائکہ مراد ہے کہ اس میں

تمام چلنے والوں کے حالات اور احوال درج ہیں اسے مفسر یوں تحریر کرتے ہیں۔

مـراد لـوح محفوظے کے کنایه " علم الهی ان یا ملائکه نما تان مراد هے که تمام سروکاکل اوافتااحوالاك تهٹی ته درجو۔

سورۂ مزمل:

سورۂ مزمل بطور نمونہ پیش خدمت ہے۔اس سورت کے آغاز میں مولانا محمد یعقوب نے ہر سورت کی طرح سب سے پہلے ربط بیان کیا ہے اور خلاصۂ مضامین کو پیش کیا ہے۔مولانا لکھتے ہیں:

براہوئی:

سـورت مـزمـل و مـدثـر نـا مـضمون رسٹے۔ وبط تان که سورت ملکان ڈاڑسـکا مسئله رتوحید یعنی تبارك الذی والا دعوٰے ناعلے وجه الکمال بیـان هس که برکت تروکه بس هموذارے که تماماختیار اتك ادنا دوٹیو۔ داڑکـن دلائـل عـقلیه و نقلیه تخو یفات و بثارات وغیری مختلفا اندازك پیش کننگار۔

اُردو ترجمہ:

''سورت مزمل اور سورت مدثر کا مضمون ایک ہی ہے۔اس سورت کا ربط سورت ملک کے ساتھ ہے جس میں مسئلہ توحید کو مکمل طور پر واضح کیا گیا۔ یہاں بھی یہی مضمون ہے کہ برکت دینے والی ذات بس اللہ تعالیٰ کی ہے اور تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں ہیں۔اس کے لیے عقلی اور نقلی دلائل اور بشارتیں اور ڈراوے وغیرہ کے ذریعے مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہے۔''

سورت مزمل کے مضامین کو مزید بیان کرتے ہوئے مولانا رقم طراز ہیں:

براہوئی:

داسایار ننگ که توحید نا اثبات وشرك نا نفی مفصل و مدلل مس داستانی

بس قرآن کریم ناتلا وت ٹی مصروف و مشغول رو تینے قرآن خوان و قرآن قوانن اویلوتیا ھے رسیف انتے که هدایت نا کسر قرآنان پھا سئس هریك

اولیکو نکته مزمل تاخلا صۂ اوراٹمیکو مدثر نا که توحیداے ثابت قدم سلنگ کن قرآن معاون مریك اوهندا تمام قرآن جا خلاصه ولسب لبابے(7)

اُردو ترجمہ:

نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ اب توحید کے اثبات اور شرک کی نفی کے حوالے سے دلائل متصلاً پچھلی سورتوں میں بیان ہو چکے ہیں۔ اب آپ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف و مشغول ہو جایئے خود بھی زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت کیجیے اور دوسروں کو بھی پڑھایئے۔ یہاں پہلا نکتہ سورت مزمل میں بیان کیا گیا ہے اور دوسرا نقطہ سورت مدثر میں ہے کہ توحید پر ثابت قدم رہنے کے لیے قرآن معاون ہوگا اور یہ قرآن کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔

ابتدا کے صرف دو پیراگراف مولانا یعقوب شروردی نے سورت کے مضمون جامع اور اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں روانی اور زبان کی شستگی موجود ہے۔ اس کے بعد سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات ذیل میں دیے جا رہے ہیں:

آیات اور ان کا براہوئی ترجمہ

﴿ يـاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَةً اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْزِدْعَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً ﴾ (8)

براہوئی:

اوتینے کوردك بٹو کا بس مرساکه ننکا مگر کم ٹوء س(بش مر) نیمۂ ے نه

یا کم که اوڑان مچټسے یا ودف اوڑاسے او صفا خوان قران صفا صفا۔(9)

ترجمہ:

"اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے۔ رات کو اٹھ کر قیام کرو مگر تھوڑا۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ اور قرآن کی تلاوت کرو ترتیل کے ساتھ۔" (المزمل 1-4)

ان آیات کے بعد مفسر نے ان آیات کے شان نزول بیان کیا ہے۔ شان زول کے بعد رات کی عبادت اور اس کی فضیلت اور اس پر نبی کریم ﷺ کے عمل کو بڑے پا تاچیر اور دلنشین انداز میں واقعات اور احادیث کے حوالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

❀❀❀❀

حواشی وحوالہ جات

1۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں قرآن کے تراجم وتفاسیر،ص:369
2۔ سوسن براہوئی،نوادرات براہوئی،ص104-105
3۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، پاکستان کی علاقائی زبانوں کا اسلامی ادب،ص115
4۔ مولانا محمد یعقوب شروردی، کشف القرآن جلداول،ص6-7
5۔ سورۃ ہود:6
6۔ مولانا محمد یعقوب شروردی، کشف القرآن،ص304/3
7۔ مولانا محمد یعقوب شروردی، کشف القرآن،ص304/8
8۔ عبدالفرید بروہی، براہوئی زبان میں اسلامی ادب (قلمی) ص،116
9۔ سورۃ المزمل:401
10۔ مولانا محمد یعقوب شروردی، کشف القرآن،ص304-305/8

کتابیات

☆ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک بلوچستان میں، لاہور1983ء
☆ ایضاً سرور کونین ﷺ کی مہک بلوچستان میں،کوئٹہ 1997ء
☆ ایضاً سیرت طیبہ ﷺ راہنمائی اکیسویں صدی میں،کراچی 2001ء
☆ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، چودھویں جلد (جلد دوم)، لاہور 1971
☆ ڈاکٹر خالق داد ملک مجموعہ مقالات مقالات غوث بخش صابر، پروفیسر ایم صلاح الدین مینگل پروفیسر ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر، لاہور 2002
☆ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، کراچی 1984ء
☆ ڈاکٹر عبدالرحم براہوئی :بلوچستان میں دینی ادب (قلمی)،1987ء
☆ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، براہوئی زبان وادب کی مختصر تاریخ، لاہور1982ء
☆ سوسن براہوئی،نوادرات براہوئی ، براہوئی اکیڈمی،کوئٹہ 1996ء

☆ سید الفرید بروہی، براہوئی زبان میں اسلامی ادب 05-2004

☆ کامل القصادری، براہوئی اور اُردو، اورنٹیل کالج میگزین، لاہور، نومبر 1962ء

متعدد کتب اور مقالات کے حوالے ساتھ دیے گئے ہیں۔

موجودہ مقالے میں بلوچی اور براہوئی میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ براہوئی میں کام زیادہ ہوا ہے مولانا حضور بخش جتوئی، علامہ محمد عمر دین پوری، مولانا محمد یعقوب شروردی اور دیگر مترجمین اور مفسرین قابل صدر ستائش ہیں۔ جنہوں نے کٹھن حالات میں علمی اور تحقیقی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ جو کام جیسے ''بلوچستان میں دینی ادب اور براہوئی زبان میں اسلامی ادب'' وغیرہ ابھی تک قلمی ہیں۔ اُن کی اشاعت کی بہت زیادہ ضرورت ہے سرکاری اور نجی سرپرستی کے تحت کام کی رفتار یقیناً تیز ہوسکتی ہے۔

کاش! ارباب بست وکشاد اس جانب توجہ فرمائیں۔

❁❁❁❁

کشمیری زبان میں قرآنِ حکیم کے تراجم کا جائزہ

خواجہ زاہد عزیز ☆

کشمیر جنت نظیر اپنی تروتازگی، شادابی اور دیگر محاسن کی وجہ سے تمام دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ اور شعراء ان خصوصیات کی بناء پر اس کی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان رہے ہیں۔ ہر زمانے میں دور دور سے سیاح یہاں آ کر اپنی تفریح کا سامان بھی حاصل کرتے رہے ہیں۔ دنیا والے اس کی ظاہری دلفریبی و رعنائی پر عش عش کررہے ہیں۔ لیکن اہل باطن کے لیے بھی یہاں اطمینان وسکون قلب کا سامان موجود ہے ۔ بہت سے اللہ والے اس سرزمین میں محوخواب ہیں جنہوں نے کشمیر میں ہدایت کی قندیلیں روشن کیں اور لوگوں کو تصوف وسلوک کے راستے بتائے اور کشمیر میں اسلام پھیلانے کے لیے اس طرح کام کیا کہ کشمیری مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کے مستحق ہوے۔ اسلام کی اشاعت سے پہلے کشمیر میں ناگ مت، ہندودھرم، بدھ مت اور شیو مت کے مذہبی و روحانی افکار و تصورات مروج تھے۔ عرصہ دراز تک کشمیر جنت نظیر مختلف مذاہب کی آماجگاہ رہنے کے بعد اسلام کی روشنی سے منور ہوئی۔ کشمیر وہ خطہ ہے جس کی نسبت یہ کہنا بجا ہے کہ اس کو مسلمان بادشاہوں کی تلواروں اور تدبیروں نے نہیں بلکہ مسلمان عالموں اور درویشوں کی تاثیروں نے فتح کیا۔ سلطان محمود غزنوی جس نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے اور سب میں کامیاب رہا، لیکن کشمیر پر اس نے دو حملے کیے لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ کشمیر میں اشاعت اسلام کا سارا کام ایران اور ترکستان کے بزرگان دین کے ہاتھوں ہوا۔

پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں :

☆ لیکچرار شعبہ کشمیریات جامعہ پنجاب لاہور

The muslim rule was established in Kashmir without much bloodshed so was Islam Spread throughout the lenght and breadth of the valley by peaceful preachings and lucid persuasions of missionaries who came from Hamdan and other partd of persia.(1)

کشمیر میں مسلم حکمرانی کا آغاز باقاعدہ طور پر 1339ء میں ہوا۔ اور پہلے مسلمان خاندان کی بنیاد شاہ میر المعروف سلطان شمس الدین نے رکھی۔ پہلے شاہ میری خاندان نے ایسے ایسے عظیم سپوت پیدا کیے جنھوں نے قرآن کی تعلیمات کو کشمیر میں پھیلانے کے لیے ایک اہم کردار ادا کیا۔ سلطان شہاب الدین نے قرآن کو فروغ دینے کے لیے ادارہ ''مدرسۃ القرآن'' کے نام سے قائم کیا۔ پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں:

Sultan Shahab-ud-Din established the first Madrastul-Quran, a College for the Study of the Quran.(2)

شاہ میری خاندان کے ایک چشم و چراغ زین العابدین المعروف بڈشاہ نے کشمیر کو علم و ادب کے میدان میں بام عروج بخشا۔ زین العابدین علم و ادب سے تعلق رکھنے والوں کا قدردان تھا۔ اس نے کشمیر میں ایک دارالترجمہ کا قیام بھی عمل میں لایا۔ جس میں عربی، سنسکرت اور دوسری زبانوں کی کتابوں کا کشمیری اور فارسی میں ترجمہ کیا جاتا تھا۔ جی ایم ڈی صوفی لکھتے ہیں:

A translation burean was also established under the auspices of the University. it was here that books were translated from arabic and Saskrit into Persian and Kashmiri.(3)

زین العابدین کے عہد میں دارالترجمہ کا شعبہ عربی اور سنسکرت کی کتابوں کو کشمیری اور فارسی زبان میں تبدیل کرتا تھا۔ اسی دارالترجمہ میں کشمیری زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ بھی کیا گیا۔ جس کا مواد اب موجود نہیں ہے۔ پروفیسر محی الدین حاجنی لکھتے ہیں:

''انجیل مقدس کا ترجمہ کشمیری زبان میں کرنے کے علاوہ قرآن مجید کا ترجمہ کشمیری زبان میں بھی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اندازہ ہے کہ یہ کوشش بڈشاہ صاحب کے دور میں کی گئی ہوگی ممکن ہے کہ یہ کوشش کامیاب بھی ہوئی ہوگی لیکن اس کے متعلق کوئی سراغ نہیں ملتا۔''(4)

شاہ میری خاندان کے زوال کے بعد کشمیر میں چک خاندان کو عروج حاصل ہوا۔ چک جن کی رگوں میں کشمیریت رچی بسی تھی۔ جنہوں نے کشمیر کو متعدد مرتبہ اغیار کے حملوں سے بچایا۔ ان کے دور میں بھی قرآن حکیم کا کشمیری زبان میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پروفیسر محی الدین حاجنی لکھتے ہیں:

''چک عہد میں مُلا احمد مہر صاحب نے قرآن پاک کی کشمیری میں تفسیر لکھی تھی۔ جس کا نسخہ قلمی شکل میں موجود تھا اس کے بعد بھی اس ضمن میں مزید کوششیں کی گئی ہیں۔(5)

ایسٹ انڈیا کمپنی برصغیر میں تجارت کی غرض سے آئی تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ انہوں نے برصغیر پر قبضہ کرلیا اور ہمیشہ کے لیے برصغیر کو اپنی جاگیر سمجھنے لگے۔ برصغیر پر حکمرانی کے لیے وہاں کی مقامی زبانوں کا سیکھنا انگریزوں کے لیے بہت ضروری تھا۔ اس مشن کی تکمیل کے لیے 1800ء میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد ڈالی گئی۔ جس میں برصغیر کی اہم زبانیں سکھائی جاتی تھیں۔ ان زبانوں میں ایک مقامی زبان کشمیری بھی تھی جس کو عیسائی مبلغین نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے استعمال کیا۔ عیسائیوں نے انجیل مقدس کا ترجمہ کشمیری زبان میں کیا۔

مشعل سلطانپوری

''کشمیری زبان میں عیسائیوں کی تبلیغی کوششیں 1821ء سے شروع ہوئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب عیسائیوں کی مقدس الہامی کتاب انجیل کے ایک اہم حصے کا ترجمہ کشمیری زبان میں کیا گیا یہ ترجمہ کرانے والی ایجنسی کا نام ''سری رام پور ایجنسی'' تھا۔(6)

کشمیر پر مختلف ادوار میں مختلف حکمرانوں نے حکومت کی ہے۔ انگریز جب برصغیر میں آیا تو اس وقت کشمیر پر سکھ حکمرانی کر رہے تھے۔ ان کی حکومت کے دوران ہی عیسائیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ اور انجیل مقدس کے مزید کشمیری زبان میں تراجم کیے گئے۔ ڈاکٹر محمد یوسف بخاری لکھتے ہیں:

''یہ وہ زمانہ تھا جب کشمیر کے حکمران سکھ تھے ان ہی کی حکومت کے دوران انجیل مقدس کے

کشمیری زبان میں ترجمے کے مزید دو ایڈیشن 1827ء اور 1832ء میں چھاپے گئے۔ یہ تینوں شمارد ارسم الخط میں چھاپے گئے۔''(7)

کشمیر میں اسلام حملہ آوروں کے زور اور زبر دستی سے نہیں بلکہ مرحلہ وار تبلیغ کے نتیجہ میں پھیلا یہ ان ہی بزرگانِ دین کی فیوض و برکات کا نتیجہ تھا کہ وادی کشمیر میں توحید ورسالت کا پرچار ہوا۔انگریز مبلغین نے چونکہ کشمیری زبان کو اپنی مذہبی تشہیر کا ذریعہ بنالیا تھا۔اور وہ کشمیریوں کی اس زبان کے ذریعے انجیل مقدس کا پیغام بآسانی پہنچارہے تھے۔چونکہ کشمیر میں اسلام کا پرچار امن وآشتی کے ذریعے ہوا۔اس لیے بزرگان دین نے کشمیر کی مقامی زبان کشمیری میں قرآن مقدس کا ترجمہ کرنے کا آغاز کیا ۔سید محمد ضیاء الحق بخاری لکھتے ہیں.

''ہمارے اسلاف 700ھ میں تبلیغ اسلام کے لیے کشمیر آئے۔اور ہمارے اسلاف میں سے ہی حضرت میر سید ثناء اللہ صاحب کریریؒ نے پارہ ''تبٰرك الذی ''(29واں پارہ) کا کشمیری زبان میں 1260ھ میں ترجمہ کر کے بنیاد ڈالی تھی۔''(8)

قرآن مجید کا کشمیری زبان میں ترجمہ کرنے کا کام بعد میں آنے والے بزرگان دین کے ذریعے بھی جاری وساری رہا۔اسی سلسلہ کو آگے بڑھانے کی ایک کوشش حضرت مولانا محمد سبحان نام کے ایک بزرگ نے بھی کی ہے۔انہوں نے قرآن مجید کا مکمل طور پر کشمیری زبان میں ترجمہ کیا ہے۔پروفیسر محی الدین حاجنی لکھتے ہیں:

''مگر کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کو کشمیری زبان میں ترجمہ کرنے کی کوششیں 1873ء سے قبل ہی شروع ہو چکی تھیں ۔مولوی محمد سبحان نامی ایک بزرگ نے پورے قرآن مجید کا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا تھا۔سبحان صاحب کشمیری تھے جو کہ بعد میں عرب میں(مکہ یا مدینہ شریف) آباد ہو گئے تھے۔یہ ترجمہ انہوں نے وہیں پر لکھا تھا جس کی خبر کسی کو نہ تھی۔جب پنڈت جواہر لعل نہرو ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم عرب کے دورے پر گئے۔وہاں پر یہ قرآن پاک یہ کہہ کر انہیں تحفہ میں دیا گیا کہ یہ کسی اور زبان میں ہے لہٰذا آپ اسے ساتھ

لے جائیں ۔وہ اسے اپنے ساتھ ہندوستان لے آئے۔فارسی رسم الخط دیکھ کر اسے عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے دار الترجمہ میں بھیجا گیا ۔اور حیدرآباد سے بخشی غلام محمد کے ذریعے اس کی فوٹوسٹیٹ کشمیر پہنچی یہ مسودہ کلچرا کیڈمی سری نگر میں موجود ہے۔"(9)

کشمیر میں دین اسلام کی سر بلندی کا سہرا بزرگان دین کے سر ہے۔انہوں نے قرآن کی تعلیمات کو ہر خاص و عام تک پہنچانے کے لیے وہاں کی مقامی کشمیری زبان کا سہارا لیا۔اس سلسلہ کی ایک اور کوشش میر واعظ کشمیر مولوی یحیٰ صاحب نے بھی کی ہے۔مولانا کا خاندان اپنے روحانی فیض کی وجہ سے وادی کشمیر میں غیر معمولی اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ اس خاندان نے وادیٔ کشمیر میں مسلمانوں کی دینی،روحانی اورفکری راہنمائی کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ترلوک ناتھ رینا لکھتے ہیں:

During this period also appeared Molvi Yahaya's Tafseer-i-Quran and Noor Din Qari's Masaayil, both expounding Islamic Tenets and the style in which they were written gives evidence of the prose being heavily stilted and of ornate persian diction.(10)

اس کے علاوہ میر واعظ مولوی یحی صاحب نے قرآن کریم کے تیسویں پارے کا بامحاورہ ترجمہ بھی کیا ہے۔ایکمیلڈن احسانگلو لکھتے ہیں:

Molvi Yahaya Translated 30th para of the Holy Quran in Kashmiri Language entitled "Nural-Vyun Fi tardjamat Amma yatasa Alun. This work published in 1305 A.H/ 1887 A.D.(11)

مولوی یحیٰ کا خاندان چونکہ کشمیر میں روحانی فیض کی وجہ سے خاصی شہرت رکھتا ہے ۔اس لیے مولانا نے دین کی خدمت کے لیے اپنی زندگی کو وقف کردیا تھااور یہ ان کا دین سے لگاؤ یہ تھا کہ انہوں نے قرآن کی تعلیمات کو ہر کشمیری تک پہنچانے کے لیے اس کے پیغام کو وہاں مقامی کشمیری زبان میں تبدیل کیا۔پروفیسر محی الدین حاجنی لکھتے ہیں:

"مولوی محمد یحیٰ صاحب نے سورہ فاتحہ،سورہ اخلاص،آیت الکرسی،سورہ یوسف اور تیسویں پارے کی تفاسیر کشمیری زبان میں لکھی ہیں۔"(12)

بزرگان دین نے کشمیر میں اشاعت اسلام کے لیے قرآنی تعلیمات ہی کو ذریعہ اظہار بنایا۔یہی

وجہ تھی کہ اسلام کشمیر میں بہت تیزی سے پھیلا اور بالخصوص کشمیر کی مقامی زبان کشمیری میں قرآن حکیم کے تراجم کر کے لوگوں کو قرآن کے رموز واوقاف سے صحیح معنوں میں واقفیت کروائی۔غلام نبی خیال اور اوتار کرشن رہبر لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کو کشمیری زبان میں ترجمہ کرنے کی اس سے پہلے بھی بہت زیادہ کوششیں کی گئی ہیں۔مولوی احمد شاہ جامعی صاحب نے قرآن مجید کے ایک حصے کا ترجمہ کشمیری زبان میں کیا ہے''(13)

علما کرام اور بزرگان دین کی عملی کاوشوں کا ہی نتیجہ تھا کہ کشمیری عوام اسلام کی تعلیمات سے آشنا ہوئی۔اور وہاں کے مقامی پڑھے لکھے طبقے کے اندر بھی قرآن کو سیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔قرآن پاک کو کشمیری زبان میں ترجمہ کرنے کی کوشش اسلامیہ ہائی سکول سرینگر کے سابق صدر معلم نے بھی کی۔مشعل سلطان پوری لکھتے ہیں:

''اسلامیہ ہائی سکول سرینگر کے سابق صدر معلم جناب غلام محی الدین خان صاحب نہال پوری نے سارے قرآن مجید کا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا تھا۔جسے شائع کرنے کی علما کرام نے اجازت نہیں دی تھی'' (14)

کشمیری زبان کو ذریعہ اظہار بنا کر نہ صرف قرآن پاک کے تراجم کیے گئے بلکہ تفسیر لکھنے کی طرف بھی توجہ دی گئی تاکہ قرآن پاک صحیح معنوں میں وضاحت کے ساتھ سمجھا جا سکے۔اس ضمن میں بھی علما کرام نے کاوشیں کیں۔ایک کوشش میر واعظ مولوی یوسف شاہ صاحب نے بھی کی ہے۔آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم اور سرینگر کے علما سے حاصل کی۔بعد ازاں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو گئے۔دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وادی کشمیر میں واپس آکر دینی خدمات سرانجام دینے لگے۔غلام نبی خیال اور اوتار کرشن رہبر لکھتے ہیں:

''اس کے بعد میر واعظ مولوی یوسف شاہ صاحب نے ''عَـمَّ'' پارہ (30واں) کو دوبارہ مزید تفسیر کی وضاحت کے ساتھ،معانی ومفہوم بتاتے ہوئے اور معترضین کے اعتراضوں

کے جوابات کے ساتھ شائع کیا جو کہ آج تک موجود ہے۔"(15)

قرآن مجید کے 30ویں پارہ (عــــمَّ) کو کشمیری زبان میں ترجمہ کرنے کا طریقہ میر واعظ کشمیر مولانا محمد یحیٰ صاحب نے متعارف کروایا تھا۔تاکہ عام لوگ اور بالخصوص مساجد کے امام صاحبان 30ویں پارے کی چھوٹی سورتوں کو یاد بھی کر لیں اور دوران نماز ترجمہ بھی ان کے ذہن میں رہے۔مولانا کی شروع ہی سے خواہش تھی کہ وہ پورے قرآن پاک کا ترجمہ کشمیری زبان میں کریں۔ اس سلسلے میں کچھ کام شروع کیا تھا،مگر پاکستان ہجرت کرنے کے بعد اس ادھورے کام کو پاکستان ہی میں آ کر پایہ تکمیل تک پہنچایا۔تری لوک ناتھ رینا لکھتے ہیں:

Mir Waiz Molvi Yusuf Shah Translated the Quran in the second and Third decades of this century. The Book was publidhed in Muzaffarabad, where the Molvi had migrated after the partition.(16)

میر واعظ مولانا یوسف شاہ 1947ء میں مسلم لیگی راہنماؤں سے ملنے پاکستان آئے تھے لیکن کشمیر پر قبائلی حملے کی وجہ سے واپس اپنے وطن نہ جا سکے۔آپ کشمیر کے سیاسی و مذہبی حلقوں میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔پاکستان آنے سے قبل آپ نے قرآن پاک کا کشمیری زبان میں ترجمہ کرنے کے کام آغاز کر دیا تھا۔کافی حصہ کا کام کر چکے تھے،لیکن واپسی نہ ہونے کے سبب کام ادھورا ہی رہ گیا۔لیکن پاکستان کے اندر کچھ احباب کی خصوصی درخواست پر اور بالخصوص مشتاق گورمانی (وزیر امور کشمیر) کی تجویز پر اس ادھورے کام کو دوبارہ شروع کیا۔مولانا یوسف شاہ لکھتے ہیں:

"اس طرح میں نے سارے قرآن پاک کا ترجمہ کشمیری زبان میں صفر المظفر کے مہینہ میں خدا کے فضل و کرم کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچایا۔اس کام میں ایک ماہ اور سات دن لگے۔اس کے ترجمے کی پہلی جلد 1973ء میں علی محمد بک سیلر حبہ کدل نے چھاپی۔"(17)

قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر انسان صحیح سچا اور کامل انسان بنتا ہے۔قرآن پاک ہی کی تعلیمات کو ذریعہ اظہار بنا کر کشمیری علما و بزرگان دین نے لوگوں کے اندر دین سے متعلق شعور اور آگہی اجاگر کی۔ان ترجمہ شدہ قرآن مجید کی بدولت نہ صرف کشمیر کا پڑھا لکھا طبقہ بلکہ ان پڑھ طبقہ جو کہ کشمیری

زبان سے واقف تھا وہ بھی مستفید ہوا۔ مشعل سلطانپوری لکھتے ہیں:

''پیر غلام محمد حنفی سوپوری صاحب نے بھی قرآن مجید کو کشمیری زبان میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی تھی ۔میں نے ان کے کتب خانے کا جائزہ لیا ۔وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔وہ اپنی دو لکھی ہوئی کتابوں میں اپنے آپ کو مفسر قرآن بھی لکھتے ہیں۔''(18)

کشمیری زبان میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ غلام محی الدین خان صاحب نے بھی کیا ہے۔تری لوک ناتھ رینا لکھتے ہیں:

There were earlier attempts too made in this field by Ghulam Mohi-ud-Din, Head master of the Islamia Schoo land Molvi Ahmed Shah Jami, but they were never published.(19)

اس کے بعد بھی اور بہت زیادہ کوششیں کی گئیں لیکن ان کے نسخہ جات وادی کشمیر (بھارت) میں ہونے کی وجہ سے دسترس سے باہر ہیں ۔کشمیر چونکہ مختلف قومیتوں کی آماجگاہ ہے اور وہاں پر مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی آباد ہیں ۔قرآن کریم کے ترجم کے حوالے سے پنڈتوں کی کاوشوں کو بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتا۔ پروفیسر محی الدین حاجنی لکھتے ہیں:

''پنڈت رعنا نے بھی قرآن مجید کا ترجمہ کشمیری زبان میں کیا ہے۔اس کے علاوہ ڈنگر پورہ سوپور کے پیر غلام احمد شاہ صاحب نے بھی سورہ فاتحہ،سورہ ملک،سورہ نور اور سورہ قلم کا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا ہے۔''(20)

قرآن پاک کی تعلیمات کو ہر پڑھے لکھے اور ان پڑھ کشمیری تک پہنچانے کے لیے کشمیر کے مقامی علما اور دانشوروں نے کشمیری زبان کا سہارا لیا۔اور کشمیری زبان میں قرآن حکیم کے تراجم کرنے کی کوششوں کو جاری رکھا۔ پروفیسر محی الدین حاجنی لکھتے ہیں:

''ہندواڑہ کے علی شاہ صاحب نے بھی قرآن شریف کے چودہ سپاروں کی کشمیری زبان میں تفسیر لکھی ہے۔ اس کے علاوہ مولوی نور الدین قاری صاحب نے، جو کہ گورنمنٹ ہائی سکول سرینگر کے ہیڈ ماسٹر بھی رہے ہیں، انھوں نے قرآن شریف کا کشمیری زبان میں

ترجمہ اور تفسیر لکھنے کی بہترین کوشش کی ہے۔ ان کے لکھے ہوئے تیسویں پارے کی کشمیری زبان میں تفسیر 1345ھ میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں اس زمانے کے تمام تقاضوں کو پورا کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مولوی احمد شاہ صاحب نے بھی قرآن شریف کا کشمیری زبان میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کام کو کرنے میں ان کے ساڑھے تین سال لگ گئے۔ اس کا اظہار انہوں نے اعتذار مترجم کے عنوان سے کیا ہے۔ قرآن پاک کا یہ ترجمہ 1386ھ میں شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ بھی لفظی تھا۔"(21)

کشمیری زبان میں قرآن کریم میں تراجم کے حوالے سے مزید کوششیں بھی وہاں کے مقامی علما نے کی ہیں جو کہ تعریف کے قابل ہیں پروفیسر محی الدین حاجنی لکھتے ہیں:

"علی جلال الدین غازی نے "تبیان الفرقان" کے عنوان سے "الم" پارہ کا ترجمہ وتفسیر کشمیری زبان میں لکھی۔ یہ ترجمہ اور تفسیر 1977ء میں چھپی یہ ترجمہ اور تفسیر انہوں نے شیعہ مسلک کے لیے لکھی تھی۔ اس کے علاوہ مولوی مصطفیٰ حسین انصاری صاحب نے بھی "کشف الانیق فی الشرح قانون عتیق" کے عنوان سے "الم" پارہ کا ترجمہ وتفسیر کشمیری زبان میں لکھی جو کہ 1977ء میں چھپی۔ اور صفا پور کے لال محمد خان زخمی صاحب نے سورۃ یوسف کا مفہوم کشمیری زبان میں بیان کیا ہے۔"(22)

اس کے علاوہ قرآن مجید کا مکمل طور پر کشمیری زبان میں ترجمہ حضرت مولانا محمد احمد مقبول سبحانیؒ صاحب نے کیا ہے۔ آپ دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور بہت بڑے مدرس اور عالم تھے۔ آپ کو عربی زبان پر کافی دسترس تھی۔ اور اسی قرآن مجید کی مکمل تفسیر مفتی سید محمد ضیاء الحق بخاریؒ نے لکھی ہے۔ مفتی سید محمد ضیاء الحق بخاریؒ لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا محمد احمد مقبول سبحانیؒ ضلع اسلام آباد کشمیر کے رہنے والے تھے۔ عربی کے اس مایہ ناز عالم نے جو مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے قدموں میں 40 سال سے قیام پذیر تھے۔ حضور ﷺ کے قدموں میں بیٹھ کر جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے کہنے پر

یہ ترجمہ کیا۔ یہ قرآن کریم کا اولین مکمل کشمیری ترجمہ ہے۔ اور اسی طرح جو تفسیر اس پر لکھی گئی ہے وہ بھی کشمیری زبان میں اولین ہے۔"(23)

قرآن مجید جو مسلمانوں کی مقدس کتاب اور دین اسلام کی اساس ہے۔ عربی زبان میں ہے۔ خدا کی بے شمار قدرتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دنیا کے انسانوں میں ایک ہی آدم وحوا سے پیدا ہونے کے باوجود ہزاروں زبانیں ہیں۔ ایک کا بولنے والا دوسری زبان کو بالکل نہیں سمجھ سکتا۔

اس وقت دنیا کی سو بھر زبانوں میں قرآن مجید کا کامل یا جزئی ترجمہ ہو چکا ہے۔ بہ کثرت زبانوں میں ایک سے زائد ترجمے موجود ہیں، قرآن مجید کی سورۃ فاتحہ کا پہلا ترجمہ حضرت سلمان فارسی نے فارسی زبان میں کیا تھا۔ مصر کے ممتاز فاضل فرید وجدی نے اپنی کتاب "**الادلة العلمية على جواز ترجمة معانى القرآن الى اللغات الاجنبية**" ص85 میں اس کو "**النهاية البداية**" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ یہ قرآن مجید کا اگرچہ ناتمام لیکن اولین ترجمہ تھا اور صحابہ کے مقدس ہاتھوں انجام پایا تھا۔ اس کے بعد 127ھ میں خلافت بنی امیہ کے اواخر میں شمالی افریقہ کی بربر زبان میں ترجمہ ہوا۔ اس کے کوئی سو سال بعد موسیٰ بن سیار الاسواری نے فارسی میں ترجمہ کر کے درس کا سلسلہ جاری کیا۔ قرآن مجید کے تراجم کا سلسلہ اب بھی جاری وساری ہے۔ ہند کی زبانوں فارسی، اردو، سندھی، ہندی، پنجابی، ملتانی، پشتو، گورمکھی، تلنگی اور کشمیری میں بھی قرآن مجید کے تراجم ہو چکے ہیں۔ کشمیری زبان میں پہلا ترجمہ قرآن مجید کے 29 ویں پارہ کا ہوا ہے جو کہ میر سید ثناء اللہ صاحب کریریؒ نے کیا ہے۔ اس کے بعد قرآن کریم کو کشمیری زبان میں ترجمہ کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں مولوی محمد سبحان، مولوی محمد یحییٰ، غلام محی الدین نہال پوری، مولوی یوسف شاہ، پیر غلام محمد حنفی سوپوری، علی شاہ، لال محمد خان زخمی، علی جلال الدین بخاری، مولوی مصطفیٰ حسین انصاری، مولوی احمد مہر، مولوی نور الدین قاری، مولوی احمد شاہ، پنڈت رعنا، مولانا محمد احمد مقبول سبحانی اور مفتی سید محمد ضیاء الحق شامل ہیں۔ یہ حضرات اعلیٰ پایہ کے مذہبی سکالر تھے۔ جنہوں نے صحابہ کرام کے جاری کردہ کام کو آگے بڑھانے میں دن رات محنت شاقہ سے کام کیا۔ یہ حضرات ماہر ترین عربی دان تھے جنھوں نے بہت بڑے مدارس

سے اور اعلیٰ پایہ کے اساتذہ سے عربی کا علم سیکھا تھا چونکہ عربی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے تراجم کا کام پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چونکہ ان تمام حضرات کا تعلق وادی کشمیر (بھارت) سے ہے اور ان کا کام آزاد کشمیر اور پاکستان میں ناپید ہے۔ چونکہ بھارت اور پاکستان کے کشیدہ حالات کی وجہ سے ان حضرات کے کام تک دسترس کافی مشکل کام ہے۔ البتہ مولانا محمد احمد مقبول سبحانی صاحب کا ترجمہ شدہ قرآن مجید بزبان کشمیری انقلاب اور لوٹ مار کے دوران دکن میں محفوظ رہا اور وہاں سے کشمیر پہنچا۔ اور اس کے علاوہ مولانا یوسف شاہ صاحب کا فتح البیان کے عنوان سے قرآن پاک کا کشمیری ترجمہ بھی پاکستان میں پنجاب نیورسٹی کے شعبہ کشمیریات میں موجود ہے۔ المختصر یہ کہ تراجم کے حوالے سے حضرت سلمان فارسی نے جو ابتداء کی تھی ۔ وہ جاری وساری ہے اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔

❁❁❁❁

حوالہ جات

1- Bazaz, Prem Nath, The History of struggle for Freedom in Kashmir, Kashmir Publishing company New Delhi, 1995 Page 49.
2- Ibid, page 97.
3- Sufi, G.M.D., Kasmir, Vol.II, The University of the Punjab, Lahore,1948,Page 348.
4۔ حاجنی، محی الدین، پروفیسر، کاشرنثر چ کتاب، سرینگر، صفحہ۔45
5۔ حاجنی، محی الدین، پروفیسر، وولر کی ملر، شالیمار آرٹ پریس سرینگر، 1982، صفحہ۔128
6۔ مشعل سلطانپوری، کاشرنثر کی تامیر کار، کاشرڈیپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی سرینگر، 1982ء، صفحہ 37
7۔ بخاری، محمد یوسف، ڈاکٹر، کشمیری زبان وادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1989ء صفحہ 191۔
8۔ بخاری، محمد ضیاء الحق، سید، قرآن مجید، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، 1991، دیباچہ۔
9۔ حاجنی، محی الدین، پروفیسر، وولر کی ملر، شالیمار آرٹ پریس سرینگر، 1982، صفحہ۔135
10- Raina, Trilokinath, A History of Kashmiri Literature, Sahitya Akademi, New Delhi, 2002,page 162.
11- Ihsanoglu, Ekmeleddin, world Bibliography of Tranaslations of The meannings of the Holy Quran, Research centre for Islamic History, Art and Culture, Istandbul, 1986,page 281
12۔ حاجنی، محی الدین، پروفیسر، وولر کی ملر، شالیمار آرٹ پریس سرینگر، 1982، صفحہ۔130
13۔ خیال، غلام نبی، رہبر، اوتار کرشن، کاشرنثر، کاشرڈیپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی سرینگر، صفحہ 31۔
14۔ مشعل سلطانپوری، کاشرنثر کی تامیر کار، کاشرڈیپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی سرینگر، 1982ء، صفحہ 47
15۔ خیال، غلام نبی، رہبر، اوتار کرشن، کاشرنثر، کاشرڈیپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی سرینگر، صفحہ 31۔
16- Raina, Trilokinath, A History of Kashmiri Literature, Sahitya Akademi, NewDelhi, 2002,page 162.17
17۔ شاہ، یوسف، مولوی، بیان الفرقان المعروف تعلیم القرآن، جلد اول، علی محمد سنز سرینگر۔1973۔
18 مشعل سلطانپوری، کاشرنثر کی تامیر کار، کاشرڈیپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی سرینگر، 1982ء، صفحہ 218
19- Raina, Trilokinath, A History of Kashmiri Literature, Sahitya Akademi, New Delhi, 2002,page 163.
20 حاجنی، محی الدین، پروفیسر، وولر کی ملر، شالیمار آرٹ پریس سرینگر، 1982، صفحہ۔135
21۔ ایضاً 22۔ ایضاً، صفحہ 131
23 بخاری، محمد ضیاء الحق، سید، قرآن مجید، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، 1991، دیباچہ۔

قرآن مجید کا بلتی زبان میں ترجمہ اور ان کا جائزہ

شعیب اسماعیل بلغاری ☆

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی حقیقی کامیابی کے لیے رسول اللہ پر اتارا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں زندگی کی حرارت اور ہدایت کا نور دونوں یکجا ہیں۔ اس کی خوب صورتی دل اور آنکھ کو برابر متاثر کرتی ہے۔ اس کی روشنی سے دنیا و آخرت دونوں روشن ہوتے ہیں۔ اس کا فیض ہر پیاسے کو اس کی پیاس کے مطابق سیراب کرتا ہے۔ اس کی تعلیمات انسان کو اپنا مقام اور اللہ کی معرفت سے آگاہ کرتی ہیں اس طرح انسان کو معاشرے کا بہترین فرد بناتا ہے۔

قرآن شریعت اسلامیہ کا وہ چشمہ صافی ہے جو پوری انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی دولت بھی اس کی ہمسری نہیں کرسکتی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا''(۱)

قرآن مجید کا سننا سنانا' سیکھنا سکھانا' اس پر عمل کرنا اور کسی بھی حیثیت سے نشر و اشاعت کی خدمت سر انجام دینا' دنیا اور آخرت کی عظیم سعادت ہے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ''إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ'' (۲) (بیشک یہ ''ذِکر'' ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں)

قرآن ہر لحاظ سے سراپا اعجاز ہے۔ اس کا ہر پہلو اتنا دلربا ہے کہ اپنے پڑھنے والے کو مسحور کر دیتا ہے۔ یہی وجہ تھی جب قرآن کو نزول ہوا تو اپنی جاذبیت سے نوع انسان کے ہر سنجیدہ طبقہ اور

☆ غواڑی بلتستان، مرکز المودہ ڈی جی خان۔

ذہین افراد کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس میں ہرگز مبالغہ نہیں ہے کہ جتنا قرآن مجید پر لکھا گای ہے اُتنا کسی اور کتاب پر یا کسی موضوع پر نہیں لکھا گیا۔

لکھنے والوں میں اپنے' بیگانے' محقق' متعصب' ادیب اور فلسفی سب شامل ہیں۔ الغرض سب نے اس قرآن کی خدمت کی اور ہر ایک نے اس کی خدمت کو باعث فخر سمجھا اور اس سمندر کی گہرائی میں جانے کی کوشش کی۔ ہر ایک نے ہمت کے مطابق اس کے انمول موتیوں سے اپنی جھولیاں بھریں اور اس گلستان سے گل چینی کرتے کرتے عمریں گزار دیں' پھر بھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہم نے اس کے تمام موتی اور پھول چن لیے ہیں بلکہ سب نے بے تامل یہ اعتراف کیا۔

دامانِ نگاہ تنگ وگلِ حُسنِ تو بسیار
گل چینِ توازتنگی داماں گلہ دارد

یہ اعترافِ عجز ان کا ازراہ تواضع وانکسار نہ تھا بلکہ حقیقت کا اظہار تھا اور وہ مجبور تھے کہ اس روشن حقیقت کا اظہار کریں۔ (۳)

ہر عہد میں ملت اسلامیہ کے ذہین وفطین افراد نے جو رُوشن دماغ وروشن ضمیر تھے، اپنی استطاعت' صلاحیت' استعداد اور ماحولی تقاضوں کے مطابق قرآن مجید کی خدمت کی۔

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا۔ عربی کا اپنا ادب ہے' فصاحت وبلاغت کا اپنا معیار ہے اس کے مجازات' استعارات اور امثال ہیں۔ مفردات کے اشتقاق اور جملوں کی ترتیب کے الگ قواعد ہیں۔ اس کا دامن الفاظ کی کثرت سے معمور ہے اور قواعد اشتقاق نے تو اس میں اتنی وسعت پیدا کر دی ہے کہ دنیا کی کوئی بھی ترقی یافتہ زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

برصغیر میں قرآن مجید کے تراجم کی ابتداد کنی اور ہندی زبانوں کے ناموں سے معروف ہوئے۔ 1087ھ میں عبدالصمد بن نواب عبدالوہاب خان (1089ھ) نے چار جلدوں میں قرآن مجید کا دکنی زبان میں ترجمہ وتفسیر لکھی۔ فورٹ ولیم (Fort valium) کے پرنسپل ڈاکٹر جان گلگرسٹ (1841ء Gilgrist) کی سربراہی میں علماء کی ایک جماعت جس میں امانت اللہ شیدا' میر بہادر علی' کاظم علی'

غوث علی اور مولوی فضل اللہ وغیرہ شامل تھے۔ اردو زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔(۴)

اس مختصر سے مقالہ میں ان تمام تراجم کا جائزہ لینے کی گنجائش نہیں' تاہم معروف مترجمین کا ذکر نہ کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ معروف سکالر ڈاکٹر احمد خان نے قرآن مجید کے اردو تراجم کا جائزہ لیتے ہوئے ایک ہزار سے زائد تراجم کا ذکر کیا ہے۔(۵)

ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین نے قرآن مجید کے (سترھویں صدی سے بیسویں صدی تک کے) تراجم پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔(۶)

برصغیر کے معروف مترجمین میں سرفہرست شاہ ولی اللہ' شاہ عبد القادر' شاہ رفیع الدین' شاہ مراد اللہ انصاری' مرزا حیرت دہلوی' سید امیر علی' مولانا وحید الزمان' مولوی انشاء اللہ' عبداللہ چکڑالوی' احمد رضا خان بریلوی' نعیم الدین مراد آبادی' سید حسن بہاری' ڈاکٹر ابو الفضل مرزا' خواجہ احمد دین امرتسری' اشرف علی تھانوی' محمود الحسن دیو بندی' سید احمد حسن دہلوی' ڈپٹی نذیر احمد' ابو الکلام آزاد' سید ابو الاعلیٰ مودودی' امین اصلاحی' مولوی فیروز الدین' محمد جوناگڑھی' غلام وارث' پیر کرم شاہ الازہری' محمد حنیف ندوی' حامد حسن بلگرامی' مولانا ثناء اللہ امرتسری' حافظ محمد لکھوی' فتح محمد جالندھری' ڈاکٹر نصیر احمد ناصر' خواجہ حسن نظامی' عبد الماجد دریا آبادی' سرسید احمد خان' غلام احمد پرویز' مفتی محمد شفیع' مسعود احمد' عبد الرحمٰن کیلانی' حافظ صلاح الدین یوسف اور حافظ عبد السلام بھٹوی کے نام شامل ہیں۔ ان میں قادیانی' ہندو اور عیسائی مترجمین کو مقالہ کی طوالت اور مسلم عقائد کی رو سے لائق اعتنا نہیں سمجھا، اس لیے ان کا ذکر یہاں نہیں کیا ہے۔ ابنائے برصغیر نے قومی زبان کے علاوہ اپنی مادری وعلاقائی زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمے کیے ہیں۔

ان میں سے ایک زبان ''بلتی'' ہے۔ یہ زبان پاکستان کے شمال مغربی علاقہ بلتستان میں بولی جاتی ہے۔ بلتی زبان تبتی زبان کی مغربی شاخ ہے جس کا تعلق سائنوتبتن (Sino-tibetan) کے تبتو برمن (Tibeto-Burman) خاندان سے ہے۔ یہ زبان بلتستان کے علاوہ پوریگ' لداخ' تبت' سکم' بھوٹان' شمالی نیپال اور چین کے چار صوبے گانسو' یُن نن' چھینگائی اور سچھو ان میں اسی زبان کی مختلف

بولیاں بولی جاتی ہیں۔(۷)

بلتستان کے صدر مقام سکردو میں ستمبر 2002ء میں ایک ثقافتی میلہ (سلک روڈ فیسٹیول) منعقد کیا گیا جس میں چائنا سے بھی لوگ شریک تھے ان کے تاثرات خود میں نے سنے ہیں' انھوں نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ بلتی اور چائنا کے گنتی ایک سے بیس تک ایک جیسے ہیں۔

اس زبان کے تاریخ دیکھیں تو اس کا بانی تبت کے ساتویں صدی عیسوی کے نامور بادشاہ ''سرونگ سین گمپو'' (Srontsan-Gampo) کے وزیر ''انو'' (Anu) نظر آتا ہے۔

بادشاہ سرونگ سین گمپو (Srontsan Gampo) نے اپنے وزیر انو (Anu) اور اپنے بیٹے کے ساتھ دانشوروں کی ایک ٹیم فن تحریر کا مطالعہ کرنے کے لیے ہندوستان بھیج دیا۔ انھوں نے سنسکرت زبان وعلوم کے مطالعے کے بعد تبتی زبان کے لیے اس کے تقاضوں کے مطابق ایک رسم الخط ایجاد کیا جو تیس (30) حروف اور چار اعرابی علامات پر مشتمل ہے اور بائیں سے دائیں کو لکھا جاتا ہے۔(۸)

یہ رسم الخط بلتستان میں اشاعت اسلام تک رائج رہا لیکن چودھویں صدی عیسوی میں اشاعت اسلام کے بعد بلتستان کا تبت سے روحانی اور مذہبی رابطہ منقطع ہو گیا جس نے لسانی تعلق کو بھی متاثر کیا۔ یہیں سے بلتی زبان نے تبتی گھرانے سے علیحدہ ہو کر اپنے الگ تشخیص کی جانب سفر کرنا شروع کیا۔ بدھ مت کی مذہبی اصطلاحات کی جگہ عربی اور فارسی اصطلاحات نے لے لی۔ اس تبدیلی نے بلتی میں بعض نئی آوازوں کو بھی جنم دیا جس کی وجہ سے اس وقت تک رائج اس کا اپنا رسم الخط متروک ہو گیا۔ مزید یہ کہ بدھ مت کی یادگار سمجھ کر مسلمان آبادی کی دلچسپی اس سے اٹھ گئی' یوں اس طرز تحریر کو بالکل بھلا ہی دیا گیا۔(۹)

بلتی زبان کی اصل رسم الخط متروک ہونے کے بعد بلتی شاعری کی تدوین کے لیے فارسی رسم الخط کو بروئے کار لایا جاتا رہا کیونکہ لین دین کی تحریریں' معاہدے' وثیقے' خطوط اور دیگر دستاویزات فارسی زبان ہی میں لکھی جاتی تھیں۔ اس لیے بلتی میں نظموں کے علاوہ اور کچھ لکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ دوسری طرف فارسی رسم الخط کا دامن بلتی زبان میں موجود ساری آوازوں کو ضبط تحریر میں لانے کی

وسعت نہیں رکھتا لیکن اس مسئلے کی طرف کسی نے توجہ نہ دی بلکہ یہ نامکمل صورت میں ہی بلتی کے لیے تقریباً چھ صدیوں تک رائج رہا۔(۱۰)

بلتستان کی ایک ادبی تنظیم ''حلقہ علم وادب'' جس میں بلتستان کے نمایاں اہل علم (جناب یوسف حسین آبادی، راجہ محمد علی شاہ صبا، محمد قاسم نسیم اور محمد حسن حسرت وغیرہ) شامل تھے 1990 کی ایک میٹنگ میں فارسی رسم الخط میں سات متقارب نئے حروف کے اضافے کے ساتھ اسے بلتی زبان کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیا گیا۔(۱۱) اس کے بعد کی مطبوعات میں یہ نئے حروف استعمال ہو رہے ہیں۔اس طرح قرآن مجید کا یہ ترجمہ بلتی زبان کا پہلا نثری مجموعہ بھی ہے۔(۱۲)

ترجمے میں موجودہ رائج زبان استعمال کی گئی ہے، قدامت پسندی اور جدت پسندی کی درمیانی راہ اختیار کی گئی ہے۔بلتی زبان کے وہ قدیم الفاظ جو متروک ہو کر عام لوگوں کے لیے ناقابل فہم ہو چکے ہیں ان کے استعمال سے احتراز کیا گیا ہے۔دیگر زبانوں کے وہ الفاظ جو بلتی متبادر ہو کر اس کا حصہ بن چکے ہیں انہیں ترجمے میں استعمال کیا گیا ہے۔(۱۳)

بلتستان کے مختلف وادیوں کے مختلف لہجے ہیں ان میں سے سکردو کے لہجے کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے جبکہ دیگر وادیوں کے لہجوں کو بھی مختلف مقامات پر جگہ دی گئی ہے۔(۱۴)

قرآن مجید کا یہ ترجمہ سادہ عام فہم اور سلیس بلتی زبان میں ہے، مترجم لکھتے ہیں ''ترجمے کی عبارت کو تحت لفظی کی بے جان سی عبارت کے بجائے عربی الفاظ کی رعایت کے ساتھ بامحاورہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ کلام پاک کی تاثیر قاری کی روح تک پہنچ سکے۔زبان اور بیان کو بالغانہ اور معیاری رکھنے پر خاص توجہ دی گئی ہے۔''(۱۵)

بعض مقامات پر عربی لفظ کو ترجمے میں استعمال کیا گیا ہے جس کا ترجمہ حاشیہ میں دیا گیا ہے، جس کی وجہ مترجم یہ بتاتے ہیں ''جن مقامات پر متن کے عربی لفظ کو ترجمے میں مجبوراً استعمال کرنا پڑا ہے وہاں حاشیے پر اس کے لغوی معنی درج کیے گئے ہیں۔''(۱۶)

مصنف کا تعلق اہل تشیع سے ہے، اس لیے اختلافی مقامات پر اپنے مسلک کے مطابق ترجمے کو

حاشیہ میں جگہ دی ہے مترجم خود لکھتے ہیں ''اختلافی مقامات پر متبادل ترجمے کو بھی حاشیے میں بالتفصیل دیا گیا ہے۔''(۱۷)

اس ترجمے کو لکھنے کا سبب مصنف کی قرآن سے ذاتی دلچسپی اور لگاؤ تھا۔ مصنف لکھتے ہیں: ''تقریباً چھ سو سالوں سے بلتستان کی ساری آبادی مسلمانوں چلی آرہی ہے اور مذہبی علماء کی بہتات رہی ہے لیکن اس مقدس کتاب کا بلتی زبان میں ترجمہ موجود نہ تھا۔ جبکہ انجیل کا بلتی میں ترجمہ ہوا تھا حالانکہ بلتستانیوں میں عیسائی مذہب کا ایک بھی پیرو موجود نہ تھا۔''(۱۸)

مترجم نے 1966ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اس کے بعد قرآن کے ساتھ خصوصی لگاؤ پیدا ہوا گیا تھا اور وہ سوچتے تھے کہ ''میرے اور میرے خالق کے درمیان رابطے کی اس مقدس کتاب میں موجود ہزاروں آیتوں میں میرے لیے ہدایت ورہبری کی پیاری پیاری باتیں ہوں گی جنہیں سمجھنے کے لیے مجھے عربی پڑھنی چاہئے۔''(۱۹)

مترجم نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے 1973ء تک کا عرصہ صرف' نحو' منطق' معانی وبیان' اصول فقہ' فقہ' حدیث وغیرہ کی تحصیل میں گزارا' اسی دوران مقامی نامور علماء میں شیخ محمد سعید کھر گرونگ' شیخ احمد علی گنگوپی سکردو اور ایران کے شیخ محمد سلطانی' شیخ جعفر' شیخ علی اسلامی اور شیخ آیت اللہ شاہ آبادی کے ہاں زانوے تلمذتہ کیا۔(۲۰)

تحصیل علم کے دوران انھوں نے ارادہ کیا کہ قرآن مجید کا بلتی زبان میں ترجمہ کرلیں۔ اسی جستجو میں لگے رہے اور اس ترجمے کی تیاری کے سلسلے میں انہوں مختلف مکاتب فکر کی تفاسیر اور علوم قرآن کا گہرا مطالعہ کیا' وہ لکھتے ہیں ''اس (1973ء، 1992ء) دوران مختلف مکاتب فکر کی تفاسیر' قرآنی لغات' قرآنی تاریخ' اردو' فارسی اور انگریزی تراجم کا بار بار بغور مطالعہ کیا۔ ترجمہ کسی بھی زبان کا ہو دوسری زبان میں دشوار ہوتا ہے۔''(۲۱)

قرآن مجید کے بلتی ترجمہ کو 12 مئی 1992ء میں مکمل کرلیا اور اگست 1993ء تک نظر ثانی کی گئی۔ نومبر 1993ء کو کمپوزنگ اور کتابت مکمل کرلی۔ 25 اپریل 1994ء کو مسودہ پروف ریڈنگ کے مرحلے

سے گزر کر طباعت کے لیے تیار ہو گیا۔ مترجم ایک خاص مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے انھوں نے مسودہ دیگر مکاتب فکر کے علماء کو پیش کیا تو ان علماء کرام نے ان کے کام پر اطمینان کا اظہار کیا' اسے سراہا اور اس کی تصدیق کی۔ اس طرح بلتی زبان میں قرآن کا یہ پہلا ترجمہ ایران سے چھپے ہوئے قرآن کریم کے متن کے ساتھ 1995ء میں منظر عام پر آیا۔ (۲۲) جلدوں اور 1208 صفحات پر مشتمل ہے۔ اللھم انفعنا وارفعنا بالقرآن العظیم

❀❀❀❀

حواشی وحوالہ جات

۱۔ المائدۃ:۳۔

۲۔ الحجر:۹۔

۳۔ الازہری، پیر کرم، ضیاء القرآن (ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۵ء)۱/۹ مقدمہ۔

۴۔ صلاح الدین یوسف، معانی القرآن (دارالسلام، لاہور) مقدمہ از عبدالجبار شاکر۔

۵۔ دیکھئے: احمد خان، ڈاکٹر، قرآن مجید کے اردو تراجم کا جائزہ مطبوعہ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۶۔ قدیمی کتب خانہ کراچی سے چھپ چکی ہے۔

۷۔ حسین آبادی، محمد یوسف......، بلتی قاعدہ (مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 2004ء) ص ۷ (دیباچہ)

۸۔ حسین آبادی، محمد یوسف، ترجمہ قرآن، (ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی، راولپنڈی، طبع اول 1995ء) عرض مترجم۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ یوسف حسین آبادی......، بلتی قاعدہ (مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 2004ء) ص ۷ (دیباچہ)

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ حسین آبادی، محمد یوسف ترجمہ قرآن، عرض مترجم۔

۱۳۔ ایضاً۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ ایضاً۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ ایضاً۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ ایضاً۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ ایضاً: فقیر محمد، مولانا، عالمی زبانوں میں تراجم قرآن (نوید پبلشرز، لاہور 2001ء) ص 79۔

قرآن کریم کے غیر عربی زبانوں میں ابتدائی تراجم

ڈاکٹر محمد سلیم اسماعیل ☆

قرآن مجید اسلامی تعلیمات کا بنیادی ماخذ اور روزِ اول سے ہی مسلمانوں اور غیر مسلموں کی توجہ کا انتہائی مرکز رہا ہے۔ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا۔ اس کے اولین مخاطب عرب تھے، بعد ازاں اسلام جہاں جہاں پہنچا قرآن مجید نے اپنی، یعنی عربی زبان کی سیادت کو تسلیم کروایا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نو مسلم اقوام عالم نے عربی زبان کو بہت سراہا اور اسے مذہبی لحاظ سے اپنی زبان کے برابر حیثیت عطا کی۔ دعوت اسلامی کی تکمیل کے لیے قرآنی مفہوم کی اہمیت و ضرورت کو محسوس کیا جانے لگا اور ارشادِ نبویؐ کے اس قول مبارک: بلّغو عنّی وَ لَو آیة (۱) سے اس مقصد کو تقویت پہنچی اور قرآنی تراجم کی تحریک بڑی وسعت رفتاری سے آگے بڑھی۔ قرآن مجید کے ابتدائی ترجموں کے بارے میں یہ بیان کرنا بے جا نہ ہوگا کہ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کے غیر عربی زبانوں میں تراجم کو ناجائز تصور کیا جاتا تھا۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل قرآن مجید کی غیر عربی زبان میں قرأت کو ناجائز تصور کرتے تھے۔ (۲)

علامہ سرخسیؒ اپنی کتاب المبسوط میں لکھتے ہیں کہ امام العصر ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ/ ۷۶۷م) نے نماز میں قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی ہے اور یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے، تو بعد میں انہوں نے بلا وجہ ترجمہ قرآن مجید کو نماز میں ادا کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۳) ابو بکر محمد بن جعفر النرشخی (م ۳۴۸ھ/ ۹۵۹ء) نے تاریخ بخاری میں لکھا ہے کہ اہل بخارا ابتدائے اسلام میں عربی زبان نہ جاننے کی وجہ

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

سے اپنی نمازوں میں فارسی ترجمہ کریم پڑھا کرتے تھے۔ (۴)

امام بخاری (م ۲۵۵ھ/ ۸۶۹م) نے الجامع الصحیح میں حضرت ابوھریرہؓ سے روایت بیان کی ہے کہ اہل کتاب عبرانی میں تورات کو پڑھتے تھے اور عربی زبان میں اس کی تفسیر بیان کرتے تھے۔ (۵)

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ترجمہ القرآن کے حوالے سے یہ لکھا گیا: ''قرآن مجید کا فارسی یا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنا درست نہیں کہ قرات اس انداز سے کی جائے جس سے اس کا اعجاز برقرار رہے، اس میں شبہ نہیں کہ ترجمہ میں اعجاز باقی نہیں رہتا اور عربی کے علاوہ باقی زبانوں میں وہ بات نہیں پائی جاتی جو عربی کی خصوصیت ہے۔ (٦)

ترجمہ قرآن مجید کے جواز کے سلسلے میں درج ذیل دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں:

۱: آنحضرت ﷺ سے بہت سی روایات بیان کی جاتی ہیں جن سے دیگر اقوام کی زبانوں کو سیکھنے کی ترغیب ملتی ہے۔ مثلاً آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی اور سریانی سیکھنے کا حکم دیا اور بہت کم وقت میں وہ ان دونوں زبانوں میں ماہر ہو گئے۔ (۷) آنحضرت ﷺ نے پڑوسی سلطنتوں کے سربراہان کو جو دعوتی خطوط لکھے، ان میں اکثر قرآنی آیات ہوتی تھیں جن کے ترجمے یا ترجمانی کے ذریعے متعلقہ زبان میں سربراہِ مملکت کو ان آیات کریم کے مفہوم کو سمجھایا گیا۔ (۸)

اس حوالے سے ابن قیّم الجوزی نے زادالمعاد میں لکھا:

وقیل ان عمر بن امیه الذی حمل کتاب النبی الی النجاشی قرات علیه بلسان فهمه الملك و ذکر النبی فی کتابه الی المقوقس قوله تعالی: ﴿ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْ اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ. ﴾

(آل عمران : ۲۳)

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عمر بن امیہ جونہی آنحضور علیہ الصلاۃ والسلام کے قاصد کی حیثیت سے

گیا، اس نے نجاشی کے سامنے نامہ مبارک کو اس کی زبان میں پڑھ کر سنایا اور آنحضرت ﷺ نے مقوقس کی طرف اپنے خط میں سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۲۳ لکھی: "اے اہل کتاب ہمارے اور تمہارے درمیان جو برابری کی بات ہے اس کی طرف آؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو نہ ایک دوسرے کو اپنا رب قرار دیں۔"(۹)

یہ بات قرین قیاس ہے کہ آنحضرت رضی اللہ عنہم کے نامہ مبارک لانے والے قاصد کے ہاتھوں ان حکمرانوں یا درباری ترجمانوں کے ہاتھوں ان خطوط کے ترجمے کیے گئے۔ جب دحیہ کلبی نے، آپ ﷺ کا نامہ مبارک بوزنطی حکمران ہرقل کو پہنچایا تو اس نے ترجمان سے اس خط کو پڑھنے کا حکم دیا۔ (۱۰)

علامہ سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں لکھا کہ حضرت سلمانؓ فارسی صحابی رسول ﷺ نے اہل فارس کے مطالبہ پر بسم اللہ اور سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ (۱۱)

ڈاکٹر محمود بداوی رقمطراز ہیں:

"بعض محققین نے قرآن مجید کے غیر عربی زبانوں میں ترجمہ کے جواز میں علامہ سرخسی کی بیان کردہ اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت سلمانؓ فارسی نے اپنے ہم وطنوں کے لیے بسم اللہ اور سورۃ فاتحہ کا ترجمہ فارسی میں کیا اور وہ اس فارسی ترجمہ قرآن کو اپنی نمازوں میں ادا کیا کرتے تھے"(۱۲)

اس بات کو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں یوں بیان کیا گیا ہے:

" A persion al translation is said to have been made during the time of orthodox caliphs by Salman al-farsi. (13)"

ابتدائی تراجم کی تحریک بارے Halet Eren اور Ismet Binark اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں:

"It seems that the translation of the Holy Quran was a matter of serious consideration from the early period of islam, Non Arab Muslims felt the need of an explanation of the Quran in language other than Arabic." (14).

عبدالمنعم اپنی کتاب میں اس بات کی تصدیق اپنے ان الفاظ سے کرتے ہیں:

"واما العرب فیحسون الشدیدة الترجمه لیفهمو القرآن و یعتبرو به و

یحیط علماً من معارف شئی فی الامور الدنیویة و الاخرویة ، والعلمیة . " (۱۵)

ابو بکر محمد بن جعفر النرشخی نے لکھا کہ اہل بخارا ابتدائے اسلام میں عربی زبان نہ جاننے کی وجہ سے فارسی ترجمہ قرآن کو اپنی نمازوں میں ادا کرتے تھے۔ (۱۶)

مختصرا یہ کہ ترجمہ قرآن مجید کے اغراض و مقاصد کے ضمن میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے جن میں مسلم علما کی اکثریت شامل ہے قرآن کریم کے ترجمے صرف اس لیے کیے کہ وہ اس کار خیر سے اللہ تعالی کی رضا چاہتے تھے، مثلا شاہ عبدالقادر دہلوی جو شاہ ولی اللہ کے بیٹے ہیں انہوں نے اپنا اردو ترجمہ قرآن مکمل کرنے کے بعد یہ شعر لکھا:

روز قیامت ہر کسی با خویش دار نامہ ای

من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآن در بغل

(قیامت کے دن ہر کسی کے پاس اپنا نامہ اعمال ہوگا، میں بھی تفسیر قرآن بغل میں لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔ (۱۷)

مولانا محمد اسلم جیراجپوری اپنی کتاب تاریخ القرآن میں لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کی یہی خواہش رہی کہ جو قومیں اسلام میں داخل ہوں وہ قرآن کو اس کی اصلی زبان یعنی عربی ہی میں پڑھیں، چنانچہ موحدین کی سلطنت کے زمانے میں جن کا تسلط الجزائر سے اندلس تک تھا، جب قرآن کا ترجمہ بربری زبان میں کیا گیا تو وہاں کے علما نے سختی سے اس کی مخالفت کی اور غیر عربی میں اس کی تعلیم کو ناجائز قرار دیا۔ آخر کار وہ ترجمہ فنا کر دیا گیا۔ لیکن ائمہ اسلام نے اس میں تکلیف اور نقصان دیکھ کر قرآن کے ترجمہ کی اجازت دے دی، چنانچہ شیخ سعدی شیرازی نے (م ۶۹۱ ھ) میں فارسی میں ترجمہ کیا اسی دوران ترکی زبان میں بھی قرآن کے ترجمے ہوئے۔" (۱۸)

مولانا اشرف علی تھانوی اپنے اردو ترجمہ قرآن کے مقدمے میں رقمطراز ہیں:

> ”بعض لوگوں نے محض تجارت کی غرض و نہایت بے احتیاطی سے قرآن کے ترجمے شائع کرنا شروع کیے، جن میں بکثرت مضامین خلاف قواعد شرعیہ ہیں جن سے عام مسلمانوں کو بہت مضرت پہنچی ہے۔“ (۱۹)

کچھ لوگوں نے محض تعصب کی بنا پر اس خیر عظیم کے ترجمے کیے اور پھر ان کے جواب میں مسلم علما نے بھی ترجمے کیے۔ ایک ہی زبان میں کئی ترجمے ہونے کی وجہ سے لسانی ارتقاء تطور ہوا ہے کہ کسی بھی زبان کے نئے تقاضوں کے مطابق نئے ترجمہ قرآن کی ضرورت پوری کرنے کے لیے نئے ترجمے کیے گئے۔

عصر حاضر میں قرآن مجید کے دوسری زبانوں میں ترجمے کرنے کے جواز پر علما کا اتفاق ہے ،لیکن اس میں حد درجہ کی احتیاط ہونی چاہیے، اس لیے کہ قرآن کریم کے ترجمے بد نیتی اور اسلام دشمنی کی بنا پر بھی کیے جانے لگے ہیں ۔(۲۰)

قرآن پاک کے ایشیا، افریقہ، یورپ کی زبانوں میں ترجمے کیے جا چکے ہیں۔ ماہر علوم القرآن ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق چودھویں صدی کے ربع چہارم میں دنیا کی سو سے زائد زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ ہو چکا تھا (۲۱)

روزنامہ ”نوائے وقت“ کی ایک خبر میں انیس زبانوں میں قرآن پاک کے ترجمہ کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

> ”مسلم ورلڈ لیگ نے قرآن پاک کا انیس زبانوں میں ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا جس میں جاپان، افریقی ملکوں اور جنوب مشرقی ایشیائی اور یورپی زبانیں شامل ہیں۔ موریطانیہ میں ایک سنٹر قائم کیا گیا جس میں فرانسیسی ، انگریزی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے ہو رہے ہیں، یوگنڈا کی مقامی زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ ہو چکا ہے۔“ (۲۲)

ذیل میں ان تمام زبانوں کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے پیش کی جاتی ہے جن میں قرآن کریم کے ترجمے ہو چکے ہیں ان میں

اردو،	ارگونی،	ارمنی،	اسامی،	اسپرنتو،	آسٹریا،	افریقی،	البانی،

انگریزی،	ایھارک،	بربر،	برلن،	برمی،	بروہی،	بگنی،	بلغاری،
بلوچی،	بوھیمی،	بنگالی،	پرتگالی،	پشتو،	پوٹھوہاری،	پولش	پنجابی،
تامل،	تلنگی،	ترکی،	تیلگو،	ٹیملی،	جاپانی،	جاوی	جرمن،
چینی،	حبشی ،	ڈنملکی،	سرائیکی،	سواحلی،	سوڈانی،	سویدی	سندھی،
سنسکر،	سنھالی،	سربوی،	شامی،	فارسی،	فلپائینی،	نش	کریول،
کردش،	کشمیری،	کوین،	گجراتی،	ورکھی،	لاطینی،	مربیہ	کاسری،
ملائے،	ملیالم،	مراٹھی،	میسری،	نارویں،	ہسپانوی،	ہولندی	ھوسا،
ہنری،	ہنگری،	یوگنڈا،	یونانی،	یوربا،			

اب تمام زبانوں میں صرف ابتدائی ترجموں کے بارے میں معلومات باہم پہنچاتے ہیں۔

(ا) اردو:......اردو ابتدا میں اردو زبان کو ہندی زبان کہا جاتا، تھا جیسا کہ شاہ عبدالقادر دہلوی نے اپنے ترجمہ قرآن کو ہندی یعنی اردو میں مکمل کرنے کے بعد لکھا: ''اس بندہ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت بڑے شاہ ولی اللہ عبدالرحیم کے بیٹے سب حدیثیں جاننے والے، ہندوستان کے رہنے والے، فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں۔ اس طرح عاجز نے ہندی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے، الحمدللہ یہ آرزو ۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء میں مکمل ہوئی۔'' (۲۳)

صالحہ عبدالحکیم شرف الدین اپنی کتاب میں لکھتی ہیں:

''کشمیر کے راجہ مہروک نے ۲۷۰ھ/ ۸۸۲ء میں منصورہ (سندھ) کے حاکم امیر عبداللہ بن عمر کو لکھا کہ میرے پاس ایک آدمی بھیج دیا جائے جو اسلامی شریعت کے احکام ہندی زبان میں بیان کر سکے۔ امیر عبداللہ نے ایک مسلمان عالم کو، جو ہندوستان کی مختلف زبانیں جانتا تھا، اس راجہ کے پاس چند سال ٹھہر کر، راجہ کو پورے طور پر اسلام سے واقف بنادے، راجہ

نے اس سے خواہش کی کہ ہندی زبان میں میرے لیے قرآن تفسیر کرے سورۃ یس تک یہ تفسیر مکمل ہوئی۔'' (۲۴)

اردو زبان میں قرآن مجید کے ابتدائی تراجم کے بارے اختلاف ہے۔عبدالصمد صارم اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں:

'' اردو میں پہلا ترجمہ مولوی عزیزاللہ ہمرنگ اورنگ آبادی (دکن) کا ہے، اس کا نام ''چراغ ابدی'' ہے یہ قرآن پاک کے تیسویں پارے کا ترجمہ ہے، ۱۲۲۱ھ کو کیا گیا (۲۵)

''سب سے پہلا اردو زبان میں مکمل ترجمہ قرآن حکیم محمد شریف کا ہے، لیکن یہ ترجمہ قرآن شائع نہ ہو سکا۔'' (۲۶)

محمود بداوی ہندوستانی زبانوں میں قرآن کریم کے اولین ترجمہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

'' اردو جو ہندوستان کی ایک اہم زبان ہے اور اسے پاک و ہند کے بعض لوگ بولتے ہیں، میں سب سے پہلے اردو ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی نے ۱۷۹۰ء میں کیا۔'' (۲۷)

برصغیر پاک و ہند کی سرزمین میں قرآن مجید کا سب سے پہلا قدیم ترین ترجمہ قرآن ابتدائی دور کی یادگار ہے۔مشہور سیاح بزرگ بن شہریار نے عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز والی منصورہ کے بھیجے ہوئے آدمی عالم دین نے راجہ مھروک کے کہنے پر ۲۷۰ھ/۸۸۴ء میں کیا۔

(۲) آسٹریا:......آسٹریا زبان میں زوما بردگدیوں نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا اس پر تاریخ طباعت مذکور نہیں ہے۔دوسرا ترجمہ گرسون نامی شخص نے کیا۔

(۳) ڈنمارکی:......ڈنمارک کی زبان میں پڈرسن نے ۱۹۱۹ء میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔اور ۱۹۳۱ء میں گول نامی آدمی نے ترجمہ قرآن ڈنمارکی میں کیا۔(۲۸)

(۴) فرانسیسی:......فرانسیسی زبان میں قرآن کریم کے کافی تعداد میں ترجمے کیے گئے۔ابتدائی دور کے ترجمے یہ ہیں:

۱۲۴۸ء میں ایم اینڈ روڈ رائر نے قرآن کریم کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔۱۷۵۲ء اور ۱۸۲۹ء

میں موسیون گارساں کا ترجمہ قرآن منظر عام پر آیا۔(فرانسیسی میں سب سے معروف ترجمہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ہے)۔

(۵) جرمنی:...... جرمن زبان میں قرآن مجید کے ترجموں کا آغاز مشہور مصلح مارٹن لوتھر (پروٹسٹنٹ مذہب) نے کیا۔ اس کے بعد شویگر، تھیوڈور آرنلڈ سی بوائسن کریگل، فریڈرک، دوکروٹ وغیرہ نے جرمن زبان میں قرآن کریم کے ترجمے کیے گئے۔

(۶) برمی:...... برمی زبان میں ایک ترجمہ قرآن کا ذکر کیا گیا ہے، جو احمد اللہ نے کیا۔ دوسرا ترجمہ رحمت اللہ، مبلغ اسلام، جمیعۃ علمائی، برما، رنگون نے کیا۔

(۷) بلوچی:...... بلوچی زبان میں ایک ترجمہ کا ذکر کیا گیا ہے

(۸) بوہیمین:...... بوہیمین زبان میں دو ترجمہ قرآن کا ذکر ملتا ہے، وس لے (Vaslay) نے ۱۹۴۵ء کو بروگ کے شہر سے قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔

(۹) پشتو:...... پشتو میں چودہ تراجم قرآن کا ذکر ملتا ہے، سب سے پہلا ترجمہ قرآن مراد علی نے ۱۸۶۷ء کو مکمل کیا اور یہ ترجمہ قرآن ۱۹۰۶ء کو لاہور سے شائع ہوا۔

(۱۰) ہندی:...... ہندی زبان میں سب سے پہلا ترجمہ احمد شاہ نے کیا۔

(۱۱) بنگالی:...... بنگالی زبان میں شاہ رفیع الدین کے اردو ترجمہ قرآن کو بنگالی زبان میں ۱۳۴۹ھ کو منتقل کیا گیا۔ یہ سب سے پہلا ترجمہ قرآن ہے۔(۲۹)

(۱۲) سریانی:...... سریانی زبان میں سب سے پہلا ترجمہ قرآن غیر مسلموں کے ہاتھوں ہوا۔ یہ ترجمہ قرآن مخطوط کی صورت میں مانچسٹر لائبریری انگلستان میں پڑا ہوا ہے۔ استاد مانکانا کے مطابق اس ترجمہ قرآن کو بار صلیبی جو کہ حجاج بن یوسف کا ہم عصر تھا، نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں مکمل کیا۔

(۱۳) عبریانی:...... عبریانی زبان میں ترجمہ قرآن کے حوالے سے دائرہ معارف یہود میں ذکر کیا گیا ہے کہ بودلین (Bodellian) لائبریری آکسفرڈ، انگلستان میں ۱۲۲۱ نمبر کے تحت قرآن کریم کے بعض اجزا کا ترجمہ موجود ہے۔ باقاعدہ عبرانی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ یعقوب بن اسرائیل

حاخام زنتی (Zante) نے ۱۲۳۷ء میں لاطینی سے عبرانی زبان میں کیا۔ اس کے بعد ھرمان ریکسد وف (reexendorf) (Hermann) نے ۱۸۵۷ء کو عبرانی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ اور یہ ترجمہ قرآن لیزنگ سے شائع ہوا۔

(۱۴) جاوی:...... جاوی زبان میں ترجمہ قرآن ۱۹۱۳ء میں ایک آدمی جو اپنے آپ کو خادم سلطان ترکی کہلاتا تھا کے ہاتھوں ہوا۔

(۱۵) ترکی :...... ترکی زبان میں پہلا ترجمہ قرآن ابراہیم حلیمی نے کیا۔ اسی طرح دوسرا ترکی زبان میں ترجمہ قرآن ایک آدمی جس کا نام خیا تھارالکھا ہوا ہے.

(۱۶) سویدی:...... ایک ترجمہ قرآن سویدی زبان میں ۱۸۷۴ء میں ہوا۔ جس کے مترجم کا نام موجود نہیں ہے۔ ایک اور ترجمہ قرآن تورمنبرج (G.G Tobberg) نے سویدی زبان میں کیا۔

(۱۷) اسپانی:...... تیرھویں صدی عیسوی میں طیب ابراھیم نے سورہ اسرائیل کا ترجمہ اسپانی زبان میں کیا۔ یہ ترجمہ قرآن فرانسیسی سے بوناونیتوراسا (Bonna ventura saw) نے اسپانی زبان میں کیا۔

(۱۸) ہولندی:...... ہولندی زبان میں شوگیر (Schwegger) کے ترجمہ قرآن سے کیا گیا اور یہ ترجمہ ۱۶۴۱ء میں ہمبرگ سے شائع ہوا۔ اس کے بعد جلاما کر (J. H. G laremher) نے رایہ فرانسیسی کے ترجمہ قرآن پر اعتماد کرتے ہوئے ترجمہ کیا۔ اور یہ ترجمہ ہولندی زبان میں ۱۲۵۸ء میں لندن سے شائع ہوا۔ اس کے بعد یہی ترجمہ دوبارہ یعنی ۱۲۵۸ھ اور ۱۷۳۴ء میں شائع ہوا۔

(۱۹) روسی: ...... روسی زبان میں ۱۷۷۲ء میں ایک ترجمہ قرآن منظر عام پر آیا۔ یہ ترجمہ قرآن لینگرادشہر سے شائع ہوا۔

(۲۱) اطالوی:...... ۱۵۳۷ء میں انڈریا اراوبین (Ander Arivaben) نے لاطینی زبان میں • کیے ہوئے ترجمہ قرآن کی مدد سے اطالوی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد اکیلو فاراکسی (Aquilis Fracassi) نے ۱۹۱۳ء میں قرآن کریم کا اطالوی زبان میں ترجمہ قرآن کیا۔ اس کے

علاوہ اطالوی زبان میں انتیس تراجم کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں اہم انڈریا اراوبین ہے۔

(۲۱) ھنگری: ......ھنگری زبان میں سید احمد ابوالفضل نے ایک ترجمہ قرآن کا ذکر کیا ہے جو زوُما ایرگڈن (Zyedmay eretgeden) نے ۱۸۵۳ء کو کیا۔

(۲۲) آرغونی: ......ایک ترجمہ قرآن آرغونی زبان میں بھی ہوا۔

(۲۳) یوگوسلاویہ: ......یوگوسلاویہ زبان میں سات ترجموں کی تعداد احمد ابولفضل نے بتائی ہے (۳۰)

(۲۴) البانی: ......البانی زبان میں ایک ترجمہ قرآن ایک مسلمان جس نے اپنا نام الف میم قاف بیان کیا ہے، نے کیا۔

(۲۵) انڈو چائینا: ......انڈوچائینا کی زبان میں احمد شاہ کو نیوز نے ۱۹۱۸ء کو قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔

(۲۶) ارمنی: ......ارمنی زبان میں امیر چنگیز نے ۱۹۰۹ء میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا جو دو مرتبہ شائع ہوا۔ ۱۹۱۱ء میں سواتر نے قرآن کریم کا ترجمہ ارمنی زبان میں کیا۔

(۲۷) پولش: ......پولش زبان میں تین تراجم قرآنی کا ذکر ملتا ہے۔

(۲۸) حبشی: ......حبشی زبان میں ایک ترجمہ قرآن کا ذکر ملتا ہے۔

(۲۹) ڈچ: ......ڈچ زبان میں پانچ تراجم قرآنی کا ذکر ملتا ہے۔

(۳۰) روسی: ......روسی زبان میں چھ ترجموں کا ذکر ملتا ہے۔

(۳۱) سرائیکی: ......سرائیکی زبان میں ایک ترجمہ قرآن کا ذکر ملتا ہے۔

(۳۲) سربین: ......سربین زبان میں دو تراجم قرآنی کا ذکر ملتا ہے۔

(۳۳) سندھی: ......سندھی زبان میں چھ تراجم قرآنی کا ذکر ہے۔

(۳۴) سنسکرت: ......سنسکرت زبان میں دو تراجم قرآنی کا ذکر ملتا ہے۔

(۳۵) سواحلی: ......سواحلی زبان میں چار تراجم قرآنی کا ذکر ملتا ہے۔

(۳۶) کنٹری:......کنٹری زبان میں ایک ترجمہ قرآن کا ذکر ملتا ہے

(۳۷) گجراتی:......گجراتی زبان میں نو ترجموں کا ذکر ملتا ہے۔

(۳۸) گورمکھی:......گورمکھی زبان میں دو ترجموں کا ذکر ملتا ہے۔

(۳۹) مالئی:......مالئی زبان میں ایک ترجمہ قرآن کا ذکر ملتا ہے۔

(۴۰) مرہٹی:......مرہٹی زبان میں ایک ترجمہ قرآن کا بیان ہے۔

(۴۱) مکاسری:......مکاسری زبان میں دو ترجموں کا ذکر ملتا ہے۔

(۴۲) ملیالم:......ملیالم زبان میں دو ترجموں کا ذکر ملتا ہے۔

(۴۳) ہوسی:......ہوسی زبان میں بھی ترجمہ قرآن ہو چکا ہے۔لیکن مترجم کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔

(۴۴) جاپانی:......جاپانی زبان میں سکا مولو(Sakamolo) نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا جو ٹوکیو سے شائع ہوا۔

(۴۵) چینی:......۱۹۲۷ء میں ایک غیر مسلم جے ایم راڈویل کے انگریزی ترجمہ کو چینی زبان میں منتقل کیا۔مسلمانوں نے اس کی خریداری کی ممانعت کی۔اس کے بعد ایک یہودی عالم نے مولوی محمد علی لاہوری کے انگریزی ترجمہ قرآن کی مدد سے چینی زبان میں ترجمہ کیا اس کی بھی مسلم علما کی طرف سے ممانعت کی گئی۔

۱۹۳۳ء میں دو جید مسلم علما نے چینی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا جو قابل اعتماد اور بہترین ترجمہ تھا۔اس کے علاوہ چینی میں پاؤ چن چاک می (Chinchakome) نے ترجمہ قرآن کیا جو ۱۹۳۵ء کو شنگھائی سے شائع ہوا۔

(۴۶) پولش:......پولش زبان میں بوزیکیو (Buczackiago) نے قرآن کریم کا ترجمہ پولش زبان میں کیا جو ۱۸۵۸ء میں وارسا سے شائع ہوا۔

(۴۷) سواحلی:......۱۹۲۳ء کو عیسائی مشنری سوسائٹی نے قرآن کریم کا ترجمہ سواحلی زبان میں کیا

جس کا مقصد سواحلی باشندوں میں عیسائیت کا پرچار تھا۔اس کے جواب میں زنجبار کے مسلمانوں نے بھی ایک اور قرآن کریم کا ترجمہ کیا اور دوسرا میروی کی انجمن اسلامیہ کی طرف سے کیا۔

(۴۸)طیالم:......طیالم زبان میں ایس ان کرشن راؤ بی نے بھی ایک اور قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ اے اڈیٹر ماہ نامہ سہ گرو نے کیا۔

(۴۹)تلنگو:......تلنگی زبان میں ایک ترجمہ قرآن نارائن راؤ نے محمد علی لاہوری کے انگریزی ترجمہ کی مدد سے کیا دوسرا ترجمہ قرآن ونکٹا ٹرت نن نے تلنگو زبان میں کیا۔

(۵۰)مرہٹی:......مرہٹی زبان میں صوفی میر محمد یعقوب چشتی نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا جو بمبئی سے شائع ہوا۔

(۵۱)بنگالی:......بنگالی زبان میں سب سے پہلے غلام اکبر علی نے ترجمہ قرآن ۱۸۶۸ء میں مکمل کیا۔

(۵۲) گجراتی:......گجراتی زبان میں سب سے پہلا ترجمہ قرآن ۱۸۷۹ء میں عبدالغفار بن لقمان نے کیا جو بمبئی سے شائع ہوا۔

(۵۳) کشمیری:......کشمیری زبان میں سب سے پہلا ترجمہ قرآن محمد یحییٰ شاہ کا ہے جو ۱۸۸۷ء کو شائع ہوا۔

(۵۴)ہندی:......ہندی زبان میں پہلا ترجمہ قرآن راجہ مھروک کی فرمائش پر عبداللہ بن عمر(والی سندھ) کی طرف سے بھیجے گئے ایک عالم دین نے سورۃ یٰسین تک کیا۔لیکن پہلا باقاعدہ مکمل ترجمہ قرآن عزیز اللہ متلوی نے کیا۔

(۵۵) پنجابی:......پنجابی زبان میں ترجمہ قرآن کو پہلی مرتبہ حافظ مبارک اللہ نے ۱۸۷۰ء کو مکمل کیا۔

(۵۶)انگریزی:......انگریزی زبان میں جزوی تراجم کا سلسلہ تو ۱۵۱۵ء سے شروع ہو چکا تھا۔ لیکن مکمل ترجمہ قرآن الیگزینڈر راس نے ۱۶۴۸ء کو کیا۔

(۵۷) اسپرنتو:...... اسپرنتو بیسویں صدی کی نئی زبان ہے، جسے آجکل دنیا کے پندرہ کروڑ انسان
ی رابطہ کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اس نئی زبان میں قرآن مجید کے پیغام کو منتقل کرنے کا
ا علامہ مظہر عباسی کے سر ہے۔ جس نے ۱۹۵۲ء میں جامعہ عباسیہ (بہاولپور) میں تعلیم حاصل کی اور
ِ خیر عظیم کا ترجمہ اسپرنتو زبان میں کر کے گراں قدر خدمت سرانجام دی۔

(۵۸) سویڈش:...... سویڈش زبان میں کروسنس ٹولپ (Crusenstolpe) نے ۱۸۴۳ء میں
لا ترجمہ قرآن کیا اور اسٹاک ہالم سے شائع کروایا۔

(۵۹) ولندیزی:...... ولندیزی زبان میں پہلا قرآن کریم کا ترجمہ شویگر (Shweigger) نے
ن زبان میں کیا۔ اس قرآن کریم کے ترجمہ سے ولندیزی میں ترجمہ کیا جو ۱۶۴۱ کو ہمبرگ سے شائع
ا۔

مندرجہ بالا اعدا وشمار سے واضح ہوتا ہے کہ مشرقی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے سب سے
دہ ہوئے ان زبانوں میں فارسی اور اردو میں سب سے زیادہ تراجم منظر عام پر آئے۔

مولانا عبداللہ چھپروی میں البیان فی التراجم القرآن نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مراد
دی کا ایک قول نقل کیا ہے۔ ”جس زمانے میں ہندوستان میں بھاشا زبان جاری تھی اس وقت بھاشا
ں بھی قرآن کریم کا ترجمہ ہوا۔(۳۱)

اردو زبان میں تراجم کا آغاز دسویں صدی ہجری میں تفاسیر کے ساتھ ہوا، لیکن یہ سلسلہ چند
رتوں یا سیپاروں سے آگے نہ بڑھ سکا۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق اردو زبان میں عام طور پر قرآن کریم کا پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدین کا
دوسرا ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی کا قیاس کرتے ہیں۔ یہ دونوں ترجمے تیرھویں صدی ہجری کے ہیں۔

قرآن کریم کے اولین تراجم میں دوسرا ترجمہ راہب پطرس طرابلس نے ۱۱۴۳ء میں لاطینی
ن میں کیا۔ جو مغربی زبانوں میں کلام پاک کا پہلا ترجمہ ہے اور ۱۵۴۳ء میں باسل کے مقام
، شائع ہوا۔

تاریخی اعتبار سے افریقی زبانوں میں سب سے پہلا ترجمہ الجزائر کی بربری زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ ۱۲۲۷ء/ ۲۲۷ھ میں ہوا۔ مشرقی زبانوں میں فارسی زبان میں شیخ سعدی شیرازی نے ۲۹۱ ھ میں یعنی ساتویں صدی ھجری کے آخر میں ہوا۔ پہلی صدی ہجری کے آخر میں حجاج بن یوسف کے زمانے میں غیر مسلموں کی طرف سے Syriac سریانی زبان میں کیا گیا۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مطابق چینی زبان میں بھی قرآن کریم کا اسلام کے ابتدائی ایام میں ہوا۔ (۳۲)

❀❀❀❀

حوالہ جات وحواشی

(۱) الترمذی: محمد بن عیسیٰ السنن مصر، ج ۵، ص ۴۰ ، ۱۹۷۵ء۔

(۲) الشیرازی ابو اسحٰق ابراھیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی، المھذب فی فقہ مذہب الامام الشافعی، القاھرہ، مطبعہ، عیسی البابی الحلبی، ج:۱، ص:۷۳۔

(۳) سرخسی شمس الائمہ ، کتاب المبسوط بیروت، دارالمعرفۃ، ج:۱، ص:۳۷۔

(۴) النرشخی ، ابو بکر محمد بن جعفر: تاریخ بخاری، ترجمہ عبدالمجید بدوی اور نصر اللہ مبشر الطرازی، قاہرہ، دارالمعارف، ص: ۸۳، ۱۹۶۸ء۔

(۵) البخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح، (کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ، باب قول النبی ﷺ: "لا تسالوا اھل الکتاب عن شئی"؛ ج:۸، ص:۱۶۔

(۶) جامعہ پنجاب: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، ج: ق۔قرآن مجید، 1/16، ۵۴۰، ۱۳۹۸ھ، ۱۹۷۸ء

(۷) العسقلانی، شھاب الدین ابوالفضل احمد بن حجر: الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، مصر، ص ۵۶۱، ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰م۔

(۸) حمید اللہ، محمد: ڈاکٹر الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، بیروت، دارالارشاد، ص ۷۳، ۷۷، ۱۹۶۹م۔

(۹) ابن قیم الجوزیہ: زاد المعاد، بیروت موسسۃ الرسالہ، :۳ :۲۸۶۔

(۱۰) الزرقانی، عبدالعظیم، مناھل العرفان، بیروت، :۲ :۲ص ۵۱، ۵۲۔

(۱۱) السرخسی، شمس الائمہ: کتاب المبسوط، بیروت، دارالمعرفۃ، :۲ :۱، ص ۳۷۔

(۱۲) بداوی، محمود: دراسات فی اللغۃ والادب والحضارۃ، :۲، :۶۵۔

13- E. G. Brill: Encyclopedia of Islam: Leaden, Al-Kuran" v,14, p: 431

جامعہ پنجاب: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، (ق) ط:I، ج:۱۶، ص:۶۱۳

14-Esmet Binark and Halit Eren ́ é World Bibliograpghy of translations of the meanings of the Holy Quran Istambul, 1406/1986.

(۱۵) عبدالمنعم: تاریخ التفسیر۔

(۱۶) النرشخی ، ابو بکر محمد بن جعفر: تاریخ بخاری، ترجمہ ابن عبدالمجید بدوی ونصر اللہ مبشر الطرازی، مصر ۱۹۶۸ء دارالمعارف، س ۷۳۔

(۱۷) دہلوی،عبدالقادر: موضح القرآن،لاہور،(افتتاحیہ)۔

(۱۸) جیراجپوری،محمد اسلم: تاریخ القرآن، جامع ملیہ دہلی،۱۳۴۱ھ ص:۱۰۹

(۱۹) تھانوی، اشرف علی تھانوی، بیان القرآن (اردو ترجمہ قرآن) تاج کمپنی لاہور

(۲۰) جامعہ پنجاب: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ج:۱، ۱۳۹۸، ۱۹۷۸م، ط:I، ص: ۵۷۷۔

(۲۱) ڈاکٹر قمر رئیس: ترجمہ کا فن اور روایت: لاہور، تاج پبلشنگ، ص: ۳۸۔

مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہوں: تاریخ القرآن، عبدالصمد صارم، لاہور، ادارہ علمیہ، ص ۲۴۸، ۱۹۶۳م، ضمیر نیازی: کلام پاک کے اولین تراجم و تفاسیر، مطبوعہ نوائے ادب اکتوبر ۱۹۷۵ء (اردو جریدہ)۔

الحسنی، عبدالحی: الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند، معارف العوارف فی انواع العلوم و المعارف، دمشق، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۲م،

الزرقانی، مناھل العرفان: بیروت، داراحیاء التراث العربی، ج:۲، ص:۱۵۹۔

(۲۲) روزنامہ "نوائے وقت": پاکستان، راولپنڈی ایڈیشن، ۲۵ جون ۱۹۸۱ء۔

(۲۳) دہلوی، عبدالقادر، موضح القرآن، افتتاحیہ، تاج کمپنی۔

(۲۴) صالحہ عبدالحکیم شرف الدین: قرآن حکیم کے اردو تراجم، کراچی، بحوالہ عجائب الھند، بزرگ بن شہریار، مطبوعہ لائیڈن۔

(۲۵) صارم، عبدالصمد: تاریخ القرآن: ۶۵۔

(۲۶) جامعہ پنجاب: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:۱۶۔

(۲۷) ربداوی، محمود: دراسات فی اللغۃ والادب والحضارۃ، ص: ۶۵۔

(۲۸) صارم، عبدالصمد تاریخ القرآن: لاہور، مکتبہ معین الادب، ۱۹۸۵ء

(۲۹) عبدالصارم: تاریخ القرآن، لاہور، مکتبہ بعض الادب، ط:۷، ۱۹۸۵ء۔

(۳۰) ادارہ البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ: مجلۃ البحوث الاسلامیۃ، ریاض " انتشار ترجمات معانی القرآن الکریم فی مشرق العالم ومغربہ " از سیّد ابوالفضل عوض اللہ، عدد: ۳۰، مطبعۃ: الرئاسۃ العامۃ، ۱۳۱۱ھ۔

(۳۱) چھپروی، عبداللہ: البیان فی التراجم القرآن، کلکتہ، مطبوعہ اردو پریس، ۱۳۴۲ھ۔

32- E-J-5.Brill^J é Encyclopedia of Islam,Al- Quran Lieden, V^J é 14, P-431 W-T, Arnold

❁❁❁❁

رابطة الأدب الإسلامي العالمية
INTERNATIONAL LEAGUE OF ISLAMIC LITERATURE

HEC

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

مقالاتِ قرآن کانفرنس

پہلی سہ روزہ قرآن کانفرنس

(منعقدہ 4 تا 6 اپریل 2008ء)

مرتبین

پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان

ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

ڈائریکٹر سیرت چیئر و چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ



اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

کلیہ علوم اسلامیہ

دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

مقالاتِ قرآن کانفرنس

پہلی سہ روزہ قرآن کانفرنس

(منعقدہ 4 تا 6 اپریل 2008ء)

جلد دوم

مرتبین

پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان
ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
ڈائریکٹر سیرت چیئر و چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ

زیر اہتمام

کلیہ علوم اسلامیہ

دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

اشاعت .... اول 2009ء

تعداد 750

ناشر .... دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

زیراہتمام .... کلیہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

فہرست مقالہ جات

❁❁❁❁

قرآن کریم کا ایک مخلوط ترجمہ

ڈاکٹر حافظ عبدالقدیر ☆

قرآن کریم رب کائنات کا اپنے بندوں سے وہ آخری خطاب ہے جو اُس نے خاتم النبیین آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے سے فرمایا' بظاہر قرآن ایک کتاب ہے حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جسے ایک نام سے نہیں پکارا جاسکتا' اس کی صفات لامتناہی ہیں' اس کتاب کی عجب کیفیت ہے' یہ ہر ایک دل پر جلوہ فگن اور ہر ایک دماغ پر ضوء فشاں ہے' اس کی حلاوتیں ہر وجدان پر گھر کرتی ہیں' عامۃ الناس کیلیے یہ کتاب وعظ ونصیحت ہے' اصحاب علم کے لیے یہ خزینہ علوم ومعارف ہے' راہیان طریق دانش کیلیے کتاب حکمت ہے' اہل دل کے لیے گنجینہ اسرار ہے' حقائق سے روگردانی کرنے والوں کیلیے براہین قاطعہ اور دلائل باہرہ کا اَنمول خزانہ ہے اور متلاشیان حق کیلیے کتاب رشد وہدایت ہے.(۱)

قرآن کریم گلہائے رنگا رنگ کا ایسا حسین وجمیل گلدستہ ہے جس کی ہر آیت کریمہ اپنی بوقلمونی میں یکتا وبے مثل ہے .اس کی شستگی الفاظ' ان کی ترتیب' بیان کی خصوصیات' آیات کا غیر معمولی آغاز اور اختتام' الفاظ کی روانی' واقعات کا بیان' اسلوب نصیحت' الغرض جس پہلو سے بھی اسے دیکھیں حسین امتزاج کا نظارہ اور کیف و وجد کا اثر جدا ملتا ہے' علماء تفسیر وترجمہ نے اپنی عمریں اس گلدستہ کی بہار آفرینی میں صرف کردیں'(۲) لیکن جس طرح انسان اللہ کے حضور خود کو عاجز ودرماندہ پاتا ہے اُسی طرح اسے کلام الٰہی کے سامنے اپنی بے بسی کا شدید احساس ہوتا ہے' قرآن کے اَلفاظ وآیات اتنے

☆ لیکچرار شعبہ عربی، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور.

جامع، وسیع المعنی اور زور بیان سے اس قدر بھر پور ہیں کہ کسی بھی زبان میں ان کے ترجمہ یا ترجمانی کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا، الفاظ و آیات کی مفصل تفسیر تو کی جا سکتی ہے لیکن ان کے معانی کے ہمہ جہت پہلوؤں کا احاطہ انتہائی مشکل ہے، مختصر الفاظ میں قرآنی آیات کا جامع، تمام پہلوؤں پر حاوی اور قرآن کے انداز میں ایسا مؤثر اور مکمل ترجمہ کرنا کہ اس میں قرآن کا زور بیان بھی منتقل ہو ناممکن نہیں تو اس کے قریب تر ہے، اس کے باوجود راہیان طریق عزم و ہمت اور وارثان علم نبوت نے اپنے اپنے انداز میں یہ مشکل گھاٹی سر کرنے کی کوشش کی ہے(۳) اور قرآن کے اَبدی اور حیات بخش پیغام کو خلوص دل اور اپنی اعلیٰ علمی استعداد کے ساتھ قارئین تک منتقل کیا ہے، یہی سبب ہے کہ ہر ترجمہ قرآن کا اپنا رنگ اور اپنی خوشبو ہے جو قرآن کے متوالوں کے مشام جاں کو معطر کر رہی ہے۔(۴)

برصغیر پاک و ہند میں قرآن کریم کے اردو تراجم کی ابتداء سے عام طور پر دو طرح کے تراجم رائج ہیں: ایک تحت اللفظ تراجم اور دوسرے بامحاورہ، ان دونوں اسالیب کی افادیت مسلمہ ہے۔ تحت اللفظ تراجم کی خاصیت یہ ہے کہ ان میں ہر لفظ کا ترجمہ اس کے تحت ذکر کر دیا جاتا ہے، اس قسم کے تراجم کی عبارت غیر مربوط ہوتی ہے اور اسی بناء پر قاری کے قلب و نظر پر کچھ زیادہ گہرے اثرات مرتب نہیں کرتی، بالفاظ دگر جیسا قرآن کا اسلوب طاقتور ہے ترجمہ اتنی طاقت سے اس کی ترجمانی نہیں کر رہا ہوتا(۵) بقول مولانا سید مودودی:

> ''پہلی چیز جو ایک لفظی ترجمہ کو پڑھتے وقت محسوس ہوتی ہے وہ روانی عبارت، زور بیان، بلاغت زبان اور تاثیر کلام کا فقدان ہے، قرآن کی سطروں کے نیچے آدمی کو ایک ایسی بے جان عبارت ملتی ہے جسے پڑھ کر نہ اس کی روح وجد میں آتی ہے نہ اس کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں نہ اسکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں نہ اسکے جذبات میں کوئی طوفان برپا ہوتا ہے نہ اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز عقل و فکر کو تسخیر کرتی ہوئی قلب و جگر تک اترتی چلی جا رہی ہے، اس طرح کا کوئی تاثر رونما ہونا تو درکنار ترجمے کو پڑھتے وقت تو بسا اوقات آدمی یہ سوچتا رہ جاتا ہے کہ کیا واقعی یہی وہ کتاب ہے جس کی نظیر لانے کے لیے دنیا بھر کو

چیلنج کیا گیا تھا۔''(٦)

البتہ اس اسلوب کا یہ فائدہ ضرور ہے کہ قاری کو قرآن کے ہر لفظ کا معنی ذہن نشین ہو جاتا ہے اور قرآن کریم کی تلاوت کے دوران میں جب وہ کلمہ دوبارہ اُس کی نظر سے گذرتا ہے تو اُسے اُس کا اندازہ ہو جاتا ہے' وہ بآسانی اُس کا مفہوم سمجھ جاتا ہے اور یوں اُس میں قرآن فہمی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔(٧)

قرآن کریم کے اردو تراجم کا دوسرا اسلوب اس کا بامحاورہ ترجمہ کرنا ہے' اس اسلوب میں مترجم کے پیش نظر قرآنی مفاہیم ومعانی کا زیادہ بہتر طور پر ابلاغ وتفہیم ہوتی ہے' اسی بناء پر مترجم اُلفاظ کا ترجمہ نمبر ا تحت اللفظ نہیں کرتا ہے نمبر ۲ وہ اردو زبان کے محاورہ کا دھیان رکھتے ہوے اپنی بات کو یا قرآن کے معنی کو قاری تک پہنچانے کیلئے اپنا زور بیان وقلم صرف کرتا ہے اس قسم کے تراجم کا قاری قرآن کے الفاظ کا معنی تو نہیں جان سکتا کہ اس لفظ کا کیا معنی ہے لیکن وہ قرآن کے مفہوم اور اسکے مقصد کو سمجھنے میں زیادہ آسانی محسوس کرتا ہے .(٨) اس قسم کے ترجمہ کرنے والے پر لازم ہوتا ہے کہ اُسے عربی زبان پر مکمل عبور کے ساتھ ساتھ اردو زبان پر بھی مکمل دسترس ہو۔

ان دونوں اسالیب سے ہٹ کر کچھ علماء ترجمہ نے یہ کوشش کی کہ انہوں نے تحت اللفظ ترجمہ کے قریب رہتے ہوے اُسے زیادہ آسان اور سلیس بنانے کی کوشش کی' انہیں تراجم میں سے ایک زیر نظر ترجمہ قرآن کریم ہے جو مولانا شبیر اُحمد رحمہ اللہ نے کیا۔

مترجم کا مختصر تعارف

مولانا سید شبیر احمد ۲۰ اکتوبر کو آگرہ (یو پی) میں پیدا ہوئے' ۱۹۳۴ میں لاہور کے ایک معروف دینی مدرسہ حزب الأحناف سے ۱۴ سال کی عمر میں درس نظامی کی تکمیل کی' بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات عربی فاضل' منشی فاضل' اور ادیب فاضل پاس کیے' پھر اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے اور تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے' اس کے ساتھ ساتھ ۱۹۴۷ میں ادارہ تعلیم نسواں قائم کیا جہاں خواتین کو مشرقی زبانوں' اقبالیات اور دیگر علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔

قیام پاکستان کے بعد علامہ محمد اسد (۹) کی سربراہی میں حکومت پاکستان کے قائم کردہ محکمہ احیاء ملت اسلامیہ میں بحیثیت ریسرچ سکالر کام کرتے رہے' محکمہ کی بندش کے بعد کچھ عرصہ کاروبار بھی کیا' ۱۹۵۵ء سے ۱۹۷۰ء تک شدید علالت کی بناء پر صاحب فراش رہے' بعد ازاں سعودی ثقافتی قونصل خانہ لاہور میں تقریباً دس برس تک مختلف علمی خدمات سرانجام دیں' ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۶ء تک ادارہ معارف اسلامی سے منسلک رہے' ۱۹۸۸ء میں دو رنگوں میں اس ترجمہ قرآن حکیم کا آغاز کیا جو ۱۹۹۳ء میں تکمیل کو پہنچا' علاوہ ازیں انہوں نے درس قرآن حکیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا' اس کے علاوہ مندرجہ ذیل عربی کتب کے تراجم بھی کیے۔

اللؤلؤ والمرجان	فؤاد عبدالباقی
تعریف عام بدین الاسلام (اسلام کا عام فہم تعارف)	شیخ علي طنطاوی
ھل نحن مسلمون (کیا ہم مسلمان ہیں)	محمد قطب شہید
خصائص التصور الاسلامی ومقوماتہ (اسلامی نظریہ کی خصوصیات اور اصول)	محمد قطب شہید
کتاب التوحید	شیخ محمد بن عبدالوھاب
کتاب العقاید	امام حسن البناء شہید
الاسلام بین جھل أبناءہ وعجز علماءہ (مسلمانوں کی بے خبری اور علماء کی بے بسی)	شیخ عبدالقادر عودہ شہید
فقہ النساء	عطیہ خمیس

۱۹۹۱ء میں بانی کی حیثیت سے قرآن آسان تحریک کی بنیاد رکھی' ۲۰۰۰ء تک تاحیات صدر کی حیثیت سے اس تحریک کو چلاتے رہے' اور ۲۰ جنوری ۲۰۰۱ء میں خالق حقیقی سے جا ملے۔(۱۰)

خصائص

زیر بحث ترجمہ اس لحاظ سے باقی تراجم سے منفرد ہے کہ یہ ترجمہ مولانا شبیر صاحب نے خود نہیں کیا بلکہ متعدد علماء کے تراجم لیکر اُن میں سے جو انہیں آسان اور قرآنی اُلفاظ کے قریب تر نظر آیا کو اختیار فرمالیا۔

مولانا اس بارے میں رقم طراز ہیں:

''اس صورت حال کے پیش نظر ایک مدت سے کچھ احباب کا تقاضا تھا کہ طالبین قرآن مجید کیلیے کوئی ایسا ترجمہ مرتب ہو جائے جس سے وہ قرآن کے مطالب ومفاہیم کو تفہیم اور ترجمانی کے انداز میں پوری طرح سمجھ بھی سکیں' یہ بھی معلوم ہوتا جائے کہ عربی کے کس لفظ کے کیا معنی ہیں' اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اندازہ ہوتا جائے کہ عربی الفاظ کی ترتیب وترکیب کے انداز سے یہ معنی ومفہوم پیدا ہوتا ہے۔''(۱۱)

اس اعتبار سے یہ ایک منفرد کوشش ہے کہ یہ بہت سے تراجم کا خلاصہ اور اُن کا لب لباب ہے' ہم اسے مجمع التراجم کہہ سکتے ہیں. مولانا نے اردو زبان میں پہلے سے موجود آٹھ مستند تراجم کو سامنے رکھتے ہوے اُن میں سے "یسروا ولا تعسروا" کے اُصول پر عمل پیرا ہو کر ہر آیت کے قریب تر معنی اور آسان تر مفہوم کو لیا ہے' (۱۲) اور وہ تراجم مندرجہ ذیل اُصحاب کے ہیں.

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ (۱۳)

شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ (۱۴)

شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ (۱۵)

مولانا سید اُبوالأعلی مودودی رحمۃ اللہ علیہ (۱۶)

مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ (۱۷)

علامہ وحید الزمان رحمۃ اللہ علیہ (۱۸)

مولانا اشرف علي تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹)

مولانا شبیر احمد نے ترجمہ کرتے وقت اس بات کا دھیان رکھا کہ مندرجہ بالا تراجم میں سے جو ترجمہ انہیں موقع کی مناسبت سے قرآنی متن کے قریب تر نظر آیا' اور جس میں زیادہ ابلاغ پایا جاتا تھا اس کو اختیار کیا' چنانچہ اس ترجمہ میں مولانا اصلاحی کی لغت وانشاء کی سطوت ہے تو سید مودودی کی سادگی وروانی زبان کے حسن وادب کی چاشنی اور مولانا اُشرف علی تھانوی کی سلاست زبان وفصاحت

وصحت بیان ہے، الغرض اس میں کامل ابلاغ ہے، کہیں پیچیدگی نہیں، کوئی تعقید نہیں، بلکہ یوں کہیے کہ فصاحت وبلاغت کا نمونہ ہے.

اس ترجمہ میں مولانا نے یہ جدت بھی کی ہے کہ اس کی طباعت میں انہوں نے دو رنگوں کا استعمال کیا ہے سرخ اور نیلا، اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان دونوں رنگوں میں وہ لوگ بھی بآسانی تمیز کر سکتے ہیں جو Clour Blind ہوتے ہیں، اور مختلف رنگوں میں فرق نہیں کر پاتے. اس ترجمہ میں رنگوں کی ترتیب کچھ یوں رکھی گئی ہے کہ قرآنی آیات کے متن کا جتنا حصہ سرخ رنگ سے لکھا گیا ہے اُس کے سامنے اُس کا ترجمہ بھی سرخ رنگ سے لکھا گیا ہے اور جس حصے کو نیلے رنگ سے لکھا گیا ہے اُس کا ترجمہ بھی نیلے رنگ میں تحریر کیا گیا ہے تاکہ قاری کیلئے اُس لفظ کو سمجھنے میں آسانی رہے. مزید برآں نیلے اور سرخ رنگ کا امتزاج آنکھوں کو اور دیکھنے والوں کو بھلا لگتا ہے، وجہ شادابی قلب ہے اور "تسر الناظرین" کی عملی تفسیر دکھائی دیتا ہے.(۲۰)

اس ترجمہ کے lay out میں بھی انہوں نے یہ کاوش کی ہے کہ ایک کالم میں متن اور دوسرے کالم میں ترجمہ لکھا ہے. عام طور پر قرآنی تراجم میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ایک سطر میں جبکہ اس کا ترجمہ اس کے نیچے دوسری سطر میں تحریر کیا جاتا ہے، اور یوں عربی اردو عربی کا تسلسل جاری رہتا ہے. اس ترجمہ قرآن میں اس اسلوب سے ہٹ کر یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ ہر صفحہ کو دو کالموں میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں سے پہلے کالم میں قرآنی آیات جبکہ اُس کے مقابل دوسرے کالم میں قرآنی آیت کے سامنے اُس کا ترجمہ تحریر کیا گیا ہے. اور یوں اس اسلوب سے قاری کیلئے آسانی ہوگئی ہے کہ اگر وہ صرف قرآنی متن کی تلاوت کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ بغیر کسی انقطاع کے اسے جاری رکھ سکتا ہے، اور اگر وہ صرف ترجمہ پڑھنا چاہتا ہے تو یہ بھی اُس کیلئے ممکن ہے. اسی طرح اگر وہ دونوں چیزوں کا متلاشی ہے تو یہ دونوں بھی اس کیلیے ممکن ہیں. مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۳ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

واذا قیل لھم امنوا	اور جب کہا جاتا ہے اُن سے کہ ایمان لاؤ

كماامن الناس قالوا	جس طرح ایمان لائے اور لوگ تو کہتے ہیں
أنؤمن كما امن	کہ کیا ایمان لائیں ہم جس طرح ایمان لائے
السفهاء ألا انهم هم	بیوقوف، خبردار حقیقت میں یہی لوگ ہیں
السفهاء ولكن لا يعلمون (۲۱)	بیوقوف، لیکن جانتے نہیں

(قرآنی متن میں جن اَلفاظ کو Bold اور ITALIC کیا گیا ہے یہ اَلفاظ سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں جبکہ باقی اَلفاظ نیلے رنگ میں ہیں)

اس ترجمہ میں یہ بھی کاوش کی گئی ہے کہ ہر سورت کے شروع میں اس کی آیات و رکوع کی تعداد، اور قرآن کریم میں ترتیب کے اعتبار سے اس کے نمبر کے ساتھ ساتھ اسکی ترتیب نزولی بھی ذکر کی گئی ہے، اسی طرح یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، مثلاً سورۃ العلق کی ابتداء میں بتایا گیا ہے کہ یہ سورہ مکی ہے، اسکی ۱۹ آیات، ایک رکوع اور موجودہ قرآنی ترتیب کے اعتبار سے اسکا نمبر ۹۶ ہے جبکہ ترتیب نزولی کے اعتبار سے یہ قرآن کی پہلی سورت ہے۔(۲۲)

اس ترجمہ کو صاحب ترجمہ نے نہ تو کلی طور پر لفظی ترجمہ رکھا ہے اور نہ ہی بامحاورہ ترجمانی کی ہے۔ بلکہ یہ ترجمہ لفظی ترجمہ کے قریب رہتے ہوئے اُسے سلیس اور قابل فہم بنانے کی ایک کاوش ہے۔ چونکہ اردو کا اسلوب عربی کے اسلوب سے نسبتاً مختلف ہے اسی بناء پر ہمیں جا بجا ترجمہ میں قوسین کا استعمال دکھائی دیتا ہے، تاکہ قاری کو پتہ چل سکے کہ اس جگہ کوئی لفظ محذوف ہے یا قرینے سے معنی پیدا ہوتا ہے، مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر:۲

"ذلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين"

کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

"یہ اللہ کی کتاب ہے نہیں کوئی شک اس (کے کتاب الٰہی ہونے) میں، ہدایت ہے (اللہ سے) ڈرنے والوں کیلئے۔"(۲۳)

اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۸

"صم بکم عمی فھم لا یرجعون ."

کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

''بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں لہذا یہ (اب) نہ لوٹیں گے (سیدھے راستے کی طرف)''(۲۴)

اسی طرح مولانا نے ایسے عربی کلمات جو قرآن کریم میں بطور جمع استعمال ہوئے ہیں لیکن چونکہ اردو زبان میں اُن کا جمع میں ترجمہ کرنے سے انسانی ذہن میں شکوک وشبہات جنم لے سکتے تھے' کو ترجمہ کرتے وقت واحد رکھا ہے مثلاً سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر۲۲ میں **"فلا تجعلوا لله أندادا وأنتم تعلمون"** کا ترجمہ یوں کیا ہے''پس نہ ٹھہراؤ اللہ کا ہمسر کسی کو''(۲۵) **"أنداد"** ند کی جمع ہے' اگر لفظی ترجمہ کیا جاتا تو معنی ہوتا تم اللہ کے بہت سے شریک نہ ٹھہراؤ' کوئی کہہ سکتا تھا کہ اللہ کے زیادہ شریک ٹھہرانا تو منع ہیں البتہ ایک دو کی گنجائش ہے' اس احتمال کے بطلان کی خاطر مولانا نے جمع کا ترجمہ واحد میں کیا ہے۔

اسی طرح عربی زبان کے ایسے کلمات جو اردو زبان میں بھی بعینہ مستعمل ہیں' اور عربی سے اردو میں منتقلی کے وقت ان کے مفہوم میں کوئی تغیر وتبدل واقع نہیں ہوا مولانا نے اُن کے ترجمے کی کوشش نہیں کی ہے کہ جو خود مشکل پسندی کی طرف ایک قدم ہے' چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے سورۃ الفاتحہ کی آیت نمبر:۳ **"ملك يوم الدين"** میں مالک کا ترجمہ مالک ہی رکھا ہے اور ترجمہ یوں کیا ہے:''مالک روز جزا کا''(۲۶)

اسی طرح **"الحمد لله رب العلمين"** میں رب کا ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ رب ہی رہنے دیا گیا ہے' ترجمہ یوں ہے:''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو رب ہے سب جہانوں کا''(۲۷) اسی طرح دوسرے کلمات ہیں مثلاً: جنت جہنم دین وغیرہ۔

اسی طرح عربی زبان کے بعض کلمات ایسے ہیں کہ عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے سے اُن کا مفہوم مکمل طور پر منتقل نہیں ہوتا اس لیے مولانا نے ان کلمات کا ترجمہ کرتے وقت عربی اُلفاظ کو ہی ترجمہ

میں اختیار کیا ہے' چنانچہ "عذاب عظیم" کا ترجمہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر: ۷ "ختم الله علی قلوبهم وعلی سمعهم وعلی ابصارهم غشاوة ولهم عذاب عظیم" میں عذاب عظیم ہی کیا ہے۔ترجمہ یوں ہے: "مہر لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر (پڑ گیا ہے) پردہ' اور اُن کیلئے ہے عذاب عظیم۔" (۲۸)

اسی طرح سورہ فجر کی آیت نمبر: ۲۷ میں "یا أیتها النفس المطمئنة" کا ترجمہ یوں ہے: "اے نفس مطمئنہ" (۲۹)

چونکہ یہ ترجمہ جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا مکمل طور پر لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ اَلفاظ کے قریب تر ہے اسی لیے ایسی نحوی تراکیب کہ جن میں عربی اور اردو کا اسلوب مختلف ہے صاحب ترجمہ نے اردو تراکیب کا دھیان رکھا ہے. مثلاً اردو زبان میں مضاف الیہ عربی زبان کے برعکس مضاف پر مقدم ہوتا ہے اسی لیے مولانا نے ترجمہ کرتے وقت اردو اسلوب کا ہی التزام کیا ہے. مثال کے طور پر سورۃ مریم کی آیت نمبر ۵۴: "واذکر فی الکتاب اسماعیل إنه کان صادق الوعد وکان رسولا نبیا" میں "صادق الوعد" کا ترجمہ کیا ہے: "وعدے کا سچا۔" (۳۰)

اسی طرح مرکب توصیفی میں اردو زبان میں عربی کے برعکس چونکہ صفت پہلے آتی ہے اسی لیے ترجمہ کرتے وقت صفت کا ترجمہ پہلے کیا گیا ہے مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰:

"فی قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا ولهم عذاب ألیم بما کانوا یکذبون."

میں "عذاب ألیم" کا ترجمہ کیا گیا ہے: "دردناک عذاب۔" (۳۱)

اسی طرح جار مجرور میں بھی اگرچہ عربی زبان میں جار پہلے اور مجرور بعد میں آتا ہے لیکن مولانا نے اردو ترکیب کو مدنظر رکھتے ہوئے مجرور کا ترجمہ پہلے اور جار کا ترجمہ بعد میں کیا ہے مثلاً سورۃ الناس کی آیت نمبر ۶ میں "من الجنة" کا ترجمہ کیا ہے: "وہ جنوں میں سے ہو۔" اس جملے میں من حرف جار کا ترجمہ بعد میں ہے. (۳۲)

ترجمہ قرآن کی بابت بعض امور کی نشاندہی وتجاویز

کلام الٰہی کا ترجمہ ایک عظیم الشان اور تھکا دینے والا صبر آزما کام ہے' اس کیلیے برس ہا برس کی محنت درکار ہوتی ہے اور آنکھوں سے پانی کی جگہ خون بہانے کی ضرورت پڑتی ہے' ہم جانتے ہیں کہ ہر ذی شان کام کی انجام دہی میں کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ بھول چوک' اور غلطی کا احتمال رہتا ہے' اور انسان تو نام ہی بھول چوک کا ہے' البتہ یہ بھول چوک اُس کام کی علمی اہمیت اور افادیت کو کم نہیں کرتی' چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ چونکہ مولانا کے پیش نظر ترجمہ کو آسان سے آسان تر بنانا تھا اس لیے مولانا نے مذکورہ بالا تراجم میں سے جس ترجمہ کو عربی نص کے قریب تر پایا اُس کو ذکر فرمایا ہے. اسی بناء پر بعض مقامات پر ہمیں نظر آتا ہے کہ مولانا نے مقدمہ میں ترجمہ کے جن خصائص کا اظہار فرمایا ہے اُن کا ترجمہ میں التزام کم ہے' مثال کے طور پر بعض جگہوں پر موصوف صفت کے ترجمہ میں اردو ترکیب کا دھیان نہیں رکھا گیا مثلاً سورہ فاتحہ کی آیت نمبر ۵ "اھدنا الصراط المستقیم" میں آپ نے ترجمہ کیا ہے: ''دکھا ہم کو راستہ سیدھا۔''(۳۳) حالانکہ مولانا نے جو اصول مقدمہ میں وضع فرمائے ہیں اُن کے مطابق اس آیت کا ترجمہ ہونا چاہیے تھا: ''دکھا ہمیں سیدھا راستہ'' اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵ میں "ولهم فيها أزواج مطهرة" کا ترجمہ کیا ہے: ''وہاں بیویاں ہوں گی پاکیزہ۔''(۳۴) حالانکہ ترجمہ ہونا چاہیے تھا: ''وہاں اُن کیلیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی'' اسی طرح سورۃ التین کی آیت نمبر:۳ "وهذا البلد الأمين" کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''اور اس شہر امن والے کی''(۳۵). جبکہ ترجمہ یوں ہونا چاہیے: ''اور اس اُمن والے شہر کی۔''

اسی طرح ایک ہی ترکیب کا ترجمہ کرتے وقت کہیں موصوف کا ترجمہ پہلے اور کہیں صفت کا ترجمہ پہلے کیا ہے' مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۰۴ میں "وللكفرين عذاب أليم" کا ترجمہ کیا ہے: ''اور کافروں کی لیے ہے عذاب دردناک''(۳۶) جبکہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۷۴ اور ۱۷۸ میں "عذاب أليم" کا ترجمہ کیا ہے: ''دردناک عذاب۔''(۳۷)

اسی طرح قرآن کے بعض کلمات کو مولانا نے اردو میں ترجمہ نہیں کیا ہے حالانکہ وہ عربی کلمات اردو میں رائج اور مستعمل نہیں ہیں' مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۶۵ "ولقد علمتم الذين اعتدوا منكم في

السبت" کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''اور البتہ خوب جانتے ہو تم ان لوگوں کا قصہ جنہوں نے توڑا تھا تم میں سے سبت کا قانون'' (۳۸) زیادہ بہتر ہوتا اگر مولانا ''سبت'' کا ترجمہ کر دیتے کیونکہ یہ کلمہ اردو میں مستعمل نہیں ہے۔

اسی طرح بعض جگہوں پر زیادہ مناسب تھا کہ کچھ تشریحی کلمات کو مولانا اپنی عادت کے مطابق بین القوسین رکھتے لیکن مولانا نے ایسا نہیں کیا ہے مثلاً سورۃ الإخلاص کی آیت نمبر ۲ میں "الله الصمد" کا ترجمہ مولانا نے کیا ہے: ''اللہ بے نیاز ہے سب اس کے محتاج۔'' (۳۹) زیادہ بہتر ہوتا اگر مولانا اس جملے ''سب اس کے محتاج'' کو بین القوسین رکھتے۔

اسی طرح قرآنی کلمات جو قرآن میں بارہا استعمال ہوئے ہیں ان کا مولانا نے بعض جگہ ترجمہ کیا ہے جبکہ بعض جگہ انہیں ویسے ہی رہنے دیا ہے زیادہ بہتر ہوتا اگر مولانا اس بارے میں ایک ہی طریقہ کار کا التزام فرماتے. مثلاً بنی اسرائیل کا کلمہ قرآن میں متعدد مقامات پر آیا ہے مولانا نے کہیں اس کا ترجمہ بنی اسرائیل کیا ہے (۴۰) اور کہیں اولاد یعقوب۔ (۴۱) اسی طرح سورۃ الانفطار کی آیت نمبر ۱۵ میں "یصلونها یوم الدین" کا ترجمہ مولانا نے کیا ہے: ''داخل ہوں گے وہ اس میں جزا وسزا کے دن'' (۴۲) دوسری جگہ سورہ الغاشیہ کی آیت نمبر ۴ میں "تصلی نارا حامیه" کا ترجمہ کیا ہے جھلس رہے ہوں گے وہ دہکتی آگ میں (۴۳) اور سورۃ الانشقاق کی آیت نمبر ۱۲ میں "ویصلی سعیرا" کا ترجمہ کیا ہے: ''اور جا پڑے گا دہکتی آگ میں'' (۴۴) زیادہ بہتر ہوتا اگر مولانا تمام کلمات (یصلونها' تصلی' یصلی) کا مذکورہ آیات میں ایک ترجمہ رکھتے' اور یوں ترجمہ میں یکسانیت برقرار رہتی۔

اسی طرح سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر ۳۸ میں "فإما یأتینکم منی هدی" کا ترجمہ یوں کیا ہے ''اب ہوگا یہ کہ ضرور آئے گی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت''، (۴۵) اس ترجمہ میں ''اب ہوگا یہ کہ ضرور آئے گی'' عبارت قرآنی متن سے مطابقت نہیں رکھتی' بہتر ہوتا کہ مولانا اس عبارت کو بین القوسین رکھتے۔

اسی طرح بعض جگہ پر قرآنی آیت کے شان نزول کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآنی الفاظ کے مفہوم کو

ترجمہ کی جگہ ذکر کیا گیا ہے' مثلاً سورۃ البروج کی آیت نمبر:١٠ "إن الذين فتنوا المؤمنين والمؤمنت" کا ترجمہ مولانا نے یہ کیا ہے:"بے شک وہ لوگ جنہوں نے آگ میں جلایا مؤمن مردوں اور عورتوں کو" (٤٦) کلمہ "فتنوا" کا معنی ہے جنہوں نے آزمائش میں ڈالا' چونکہ یہ آیت اُن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے بعض مسلم صحابہ کو جلا ڈالا تھا اس بات کی بناء پر مولانا نے "فتنوا" کا ترجمہ آگ میں جلانا کیا ہے۔ اسی طرح سورۃ القارعہ میں "القارعہ" کا معنی مولانا نے کیا ہے "وہ عظیم حادثہ" (٤٧) جو کہ اس لفظ کا معنی نہیں بنتا البتہ اس سے یہ مراد لیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ کی پروف ریڈنگ پر ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے مثلاً سورۃ فاتحہ کی آیات کی نمبرنگ نہیں کی گئی ہے(٤٨) اسی طرح المسجد الحرام کا ترجمہ کہیں مسجد حرام (٤٩) اور کہیں مسجد الحرام (٥٠) کیا گیا ہے۔

عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب حرف إذا ماضی سے پہلے آتا ہے تو وہ ماضی کے معنی کو مضارع یعنی مستقبل میں بدل دیتا ہے مولانا نے بعض جگہ پر اس اصول کی پیروی کی ہے جیسے سورۃ التکویر کی آیت نمبر:١ میں "إذا الشمس كورت" کا ترجمہ کیا ہے:"جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔"(٥١) اور سورۃ الانشقاق کی آیت نمبر:١ میں "إذا السماء انشقت" کا ترجمہ کیا ہے:"جب آسمان پھٹ جائے گا۔" (٥٢) لیکن سورۃ الانشراح کی آیت نمبر:٧ میں "فإذا فرغت فانصب" کا ترجمہ ماضی میں کیا ہے' اور وہ یوں کیا ہے:"پھر اب جب کہ فارغ ہو چکے ہو تم تو محنت کرو (فرائض نبوت میں)" (٥٣) جو کہ مناسب نہیں ہے۔

بہرحال اس مقالے میں جن باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ معمولی نوعیت کی ہیں' ہر بڑے کام میں کچھ نہ کچھ کمی ہمیشہ رہ ہی جاتی ہے' اور یہ کسی طور پر بھی اس علمی کام کی اہمیت وافادیت کو کم نہیں کرتی' یہی وجہ ہے یہ ترجمہ عامۃ الناس میں بہت مقبول ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين۔

❁❁❁❁

حواشی وحوالہ جات

۱- اُعوان، محمد اُکرم، مولانا، اُسرار التنزیل، چکوال، ادارہ نقشبندیہ اُویسیہ، بار چہارم، جولائی ۱۹۹۷ء، جلد نمبر ۱، ص: ح

۲- اُیضاً، ص: ک

۳- شبیر اُحمد، مولانا، قرآن حکیم، اردو ترجمہ، اٹھائیسواں ایڈیشن، اگست، ۲۰۰۵ء، قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ) لاہور، پیش لفظ، ص: ج

۴- میاں، افتخار الحسن، ترجمہ قرآن - قرآن فہمی کا ایک پہلو (تفسیر ضیاء القرآن کا خصوصی مطالعہ، مقالہ ضمن مجلة: فکر ونظر، خصوصی اشاعت، برصغیر میں مطالعہ قرآن، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، جلد نمبر ۳۶، شمارہ نمبر: ۳-۴، ۱۹۹۹ء، ص: ۳۲۱۔

۵- اُیضاً، ص: ۳۱۲

۶- مودودی، اُبو الاُعلیٰ، تفہیم القرآن، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، بارھواں ایڈیشن، نومبر ۱۹۷۴ء، جلد اُول، ص: ۷۔

۷- اُیضاً۔

۸- میاں، افتخار الحسن، مقالہ مذکور، ص: ۳۱۲

۹- دستور پاکستان کا پہلا خاکہ مرتب کرنے والے، نومسلم مفکر، مصنف، مبلغ جو جولائی ۱۹۰۰ء میں پولینڈ میں ایک یہودی ربی خاندان میں پیدا ہوئے، خاندانی روایات کے مطابق بچپن میں عبرانی اور آرامی زبانیں سیکھیں، ۱۹۲۶ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ نے فروری ۱۹۹۲ء میں وفات پائی اور ہسپانیہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے، آپ کی زیادہ مشہور کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

1- The Road To Mecca.

2- Islam at the crossroad.

۱۰- مولانا شبیر اُحمد رحمہ اللہ کے بیٹے صفدر صاحب سے انٹرویو۔

۱۱- شبیر اُحمد، مولانا، قرآن حکیم، اردو ترجمہ، پیش لفظ، ص: د

۱۲- اُیضاً، ص: ہ، و۔

۱۳- شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۶۷ھ میں پیدا ہوئے، آپ شاہ ولی اللہ کے تیسرے صاحبزادے ہیں، آپ پہلے شخص تھے جنھوں نے قرآن پاک کا بامحاورہ اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام موضح القرآن رکھا جو ۱۷۹۱ء بمطابق ۱۲۰۵ھ میں مکمل

ہوا' یہ ترجمہ مفصل اور محشی ہے اس لیے مطالب القرآن کو بھی اچھی طرح سے واضح کرتا ہے اور اردو کی ایک بلند پایہ تصنیف سمجھا جاتا ہے' آپ نے دہلی میں ۱۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے: فیروز سنز' اردو انسائیکلوپیڈیا' فیروز سنز' لاہور' تیسرا ایڈیشن' ۱۹۸۴ء' ص:۶۳۳۔

۱۴- آپ ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۱ء میں دیوبند کے ایک نامور عالم دین مولانا ذوالفقار علی کے ہاں پیدا ہوئے' جب مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے دیوبند میں مدرسہ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو قائم کیا تو مولانا محمود اس کے پہلے شاگرد تھے۔ ۱۳۳۵ء کے آغاز میں آپ کو گرفتار کر کے مالٹا بھجوا دیا گیا' ۱۹۳۸ء میں رہا ہوئے' مالٹا کی اسیری کے دوران قرآن کا ترجمہ مکمل کیا اور اس پر سورہ مائدہ تک حواشی لکھے' جبکہ باقی پر مولانا سید شبیر احمد عثمانی نے حواشی لکھے' آپ نے ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو دیوبند میں انتقال فرمایا۔ دیکھیے: قاسم محمود' سید' شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا' لاہور' الفیصل ناشران وتاجران کتب' آٹھواں ایڈیشن' اکتوبر ۲۰۰۵ء' جلد دوم' ص ۱۴۶۱ تا ۱۴۶۲)

۱۵- مفسر ومحدث اور شاہ ولی اللہ کے دوسرے صاحبزادے جو ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوئے' آپ عالم متبحر' درویش سیرت بزرگ اور بلند پایہ مفسر ومحدث تھے' قرآن پاک کا ترجمہ وتفسیر ان کی یادگار ہیں' آپ نے ۱۸۱۷ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ دیکھیے: فیروز سنز' اردو انسائیکلوپیڈیا' ص:۶۳۲۔

۱۶- جماعت اسلامی کے بانی اور امیر' اور روشن خیال عالم دین جو ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے' آپ اعلی درجے کے انشا پرداز' بلند پایہ مفکر' مقرر' عالم بزرگ ہیں' آپ نے متعدد دینی وسیاسی مسائل پر متعدد کتب لکھیں' آپ نے ۱۹۷۹ء میں وفات پائی۔ دیکھیے: فیروز سنز' اردو انسائیکلوپیڈیا' ص:۹۶۰)

۱۷- عالم دین اور ماہر قرآنیات جو بھارت کے صوبہ اتر پردیش کے ایک گاؤں بمہور' ضلع اعظم گڑھ میں ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے' دینی وعصری تعلیم مدرسۃ الاصلاح' سرائے میر سے حاصل کی' اسی مدرسہ کے حوالے سے اصلاحی کہلوائے' قیام پاکستان کے بعد لاہور آئے اور جماعت اسلامی کیلیے وقف ہو کر کام کیا' بعض اختلافات کی بناء پر ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی' علیحدگی کے بعد تفسیر لکھنے کا کام شروع کیا جو تقریبا ۲۳ برس کی محنت شاقہ کے بعد "تفسیر تدبر قرآن" کے نام سے ۹ جلدوں میں مکمل ہوئی' مولانا ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔ دیکھیے: قاسم محمود' سید' شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا' جلد اول' ص ۲۷۳ تا ۲۷۴) .

۱۸- عالم دین اور محدث جو ۱۷ رجب ۱۲۶۷ھ بمطابق ۱۸۵۰ء میں بمقام کانپور (صوبہ یوپی' ہندوستان) میں پیدا ہوئے اور ۲۵ شعبان ۱۳۳۸ھ بمطابق ۱۵ مئی ۱۹۲۰ء میں آصف نگر میں فوت ہوئے اور وقار آباد ضلع حیدر آباد دکن ہند میں مدفون ہوئے' آپ شاعر بھی تھے' اردو اور عربی دونوں میں آپ کے اشعار ملتے ھیں۔ آپ نادرہ روزگار تھے' مؤلفات کی تعداد ۱۰۰ کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے جن میں سے اہم موضحۃ القرآن (بامحاورہ ترجمہ قرآن مجید) تفسیر وحیدی' تبویب القرآن فی مضامین الفرقان' تیسیر الباری ترجمہ صحیح البخاری مع حواشی' راہ نجات وغیرہ ہیں' تفصیل کیلیے دیکھیے: عبد الحی' مولانا' نزہۃ الخواطر' دار ابن حزم' بیروت' بار اول: ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء' جلد ثالث' ص:۱۳۹۹۔ ونواب وحید الزمان' علامہ' تبویب

القرآن فی مضامین الفرقان' لاہور' نعمانی کتب خانہ' باراُول' ۱۹۸۳ء' جلداُول' ص:زتای۔

۱۹- مشہور عالم دین' حکیم الأمت' مجدد الملت جو ۱۸۶۳ء میں تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (بھارت) میں پیدا ہوئے' آپ کی تصانیف کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے' جن میں بہشتی زیور بہت زیادہ مشہور ہوا' لیکن آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن حکیم کا ترجمہ اور تفسیر (بارہ جلدوں میں) ہے' آپ نے ۱۹۴۳ء میں وفات پائی۔ دیکھیے: فیروز سنز' اردو انسائیکلوپیڈیا' ص:۸۶۔

۲۰- شبیر اُحمد' مولانا' قرآن حکیم' اردو ترجمہ' پیش لفظ' ص:و

۲۱- اُیضاً' ص:۵

۲۲- اُیضاً' ص:۱۰۶۶۔

۲۳- اُیضاً' ص:۳

۲۴- اُیضاً' ص:۵'۶

۲۵- اُیضاً' ص:۷

۲۶- اُیضاً' ص:۲

۲۷- اُیضاً' ص:۲

۲۸- اُیضاً' ص:۴

۲۹- اُیضاً' ص:۱۰۵۹۔

۳۰- اُیضاً' ص:۵۲۵

۳۱- اُیضاً' ص:۴

۳۲- اُیضاً' ص:۱۰۷۸۔

۳۳- اُیضاً' ص:۲۔

۳۴- اُیضاً' ص:۷۔

۳۵- شبیر اُحمد' مولانا' قرآن حکیم' اردو ترجمہ' ص:۱۰۶۵۔

۳۶- اُیضاً' ص:۲۶۔

۳۷- اُیضاً' ص:۲'۴۲'۴۳۔

۳۸- اُیضاً' ص:۱۶۔

۳۹- اُیضاً' ص:۱۰۷۷۔

۴۰- اُیضاً' ص:۲۰'۳۰'۶۴'۴۷۷'۹۷۰۔

۴۱- اُیضاً' ص:۱۱'۱۲۔

۴۲- أیضا' ص:۱۰۴۵

۴۳- أیضا' ص:۱۰۵۵۔

۴۴- أیضا' ص:۱۰۵۰

۴۵- أیضا' ص:۱۰

۴۶- أیضا' ص:۱۰۵۱'۱۰۵۲۔

۴۷- أیضا' ص:۱۰۷۱۔

۴۸- أیضا' ص:۲

۴۹- أیضا' ص:۳۵'۴۷۷۔

۵۰- أیضا' ص:۳۷۔

۵۱- أیضا' ص:۱۰۴۲۔

۵۲- أیضا' ص:۱۰۴۹۔

۵۳- أیضا' ص:۱۰۶۵۔

قرآن کریم کے چند غیر معروف اردو تراجم

﴿اجمالی تعارف﴾

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس ☆

ترجمہ کیا ہے؟ اس کی ماہیت وحقیقت بیان کرنے میں اہل علم مختلف آراء رکھتے ہیں لیکن تمام اہل علم میں اس کی اہمیت وافادیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔(۱) تاریخ اسلام میں فکر اسلامی کو دیگر تہذیبوں تک منتقل کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ''ترجمان'' کا تصور ضرور ملتا ہے۔(۲)

دنیا کی ہر زبان میں الفاظ دو پہلو رکھتے ہیں ایک تو وہ خاص معنی جس کے لیے ان کو وضع کیا گیا اور دوسرا اس لفظ کے اندر احساسات جذبات اور اس زبان کا کلچر۔ ترجمہ میں دقت یہ ہوتی ہے کہ معنی کی ادائیگی کے لیے ایک زبان کی جگہ دوسری زبان کا لفظ تو لے لیا جاتا ہے۔ مگر دیگر عناصر کو دوسری زبان کے لفظ میں سمیٹنے سے قاصر رہتے ہیں۔(۳) یہی وجہ ہے ترجمہ کو ایک مشکل فن سمجھا گیا۔ ایک زبان کے الفاظ کی تمام تر رعنائیاں یقیناً دوسری زبان میں منتقل نہیں کی جا سکتیں، مگر اپنے پیغام اور دعوت کی ترسیل کے لیے ترجمہ کو ایک ذریعہ ضرور بنایا جا سکتا ہے۔(۴)

اسلام کا پیغام پھیلا تو قرآن کے تراجم کا بھی آغاز ہوا۔ اردو زبان معرضِ وجود میں آئی تو برصغیر کے علما نے اردو تراجم کا آغاز کیا، سب سے پہلے شمالی ہند کے مولانا معظم نا بھوی نے ۱۷۱۹ء/۱۱۳۱ھ میں قرآن کریم کا اردو میں ترجمہ کیا، اگرچہ یہ مکمل نہ تھا۔(۵)

☆ صدر شعبہ علوم اسلامیہ جی سی یونیورسٹی لاہور

اس کے بعد قرآنی تعلیم کے فروغ اور حصول ثواب کے لیے مترجمین کی ایک طویل فہرست ہے۔ ہر مترجم نے اپنے فہم دین، ذوق، رجحانات کو پیش نظر رکھا۔ لسانی ارتقاء نے بھی نئے ترجموں کی ضرورت کی راہ کھولی۔ اہل علم نے مختلف تراجم کا تقابلی مطالعہ کیا اور ایک ترجمہ کی دوسرے پر فضلیت ثابت کرنے کے لیے زور علمی صرف کیا۔ قرآن کریم کے تراجم میں حسن و سلاست، باطل افکار اور الحادی وانحرافی نظریات کے رد کے لیے تو یہ رویہ درست ہے، مگر دوسرے مترجمین کو کم علم اور جاہل ثابت کرنا انتہائی نازیبا حرکت ہے۔ تاہم قرآنی تراجم کو قرآن کی طرح منزل من اللہ سمجھ کر کسی ایک ترجمہ کو حتمی اور آخری قرار دینا بھی غیر علمی اور غیر سنجیدہ رویہ ہے۔ قرآن عربی مبین میں نازل ہوا۔(۶) یہی آسمان کی دفتری زبان ہے۔(۷) اور اپنی ذاتی صلاحیتوں کی وجہ سے تمام زبانوں پر فوقیت رکھتی ہے۔(۸) جب غالب، اقبال اور شیکسپئر (Shakespeare) کی تخلیقات کو ان کی اصل روح کے مطابق اردو میں ڈھالنا ناممکن ہے تو ''عربی مبین'' کے حامل قرآن کو کما حقہ کس طرح اردو سمیت کسی بھی دوسری زبان میں منتقل کیا جا سکتا ہے، جب کہ اردو زبان کا لسانی ڈھانچہ بھی عربی سے مختلف ہو تو مشکل اور بڑھ جاتی ہے۔ علاوہ ازیں مترجمین کی مختلف مسالک سے وابستگی کے علاوہ اردو زبان پر عربی کے اثرات جن سے بعض اوقات ایک لفظ عربی میں مثبت معانی میں استعمال ہوتا ہے مگر اردو میں اس کو منفی سمجھا جاتا ہے۔ اور دیگر اثرات کی وجہ سے اردو کے ترجموں میں فرق ضرور ہے، مگر ہمیں صالح اور متقی صاحبان علم مترجمین کے اخلاص پر شک نہیں کرنا چاہیے۔ عربی تفسیروں کے بعض اختلافات بھی ترجموں پر اثر انداز ہوئے، آیات قرآنی میں معانی و مفاہیم کے تنوع کو بیچارہ کمزور مترجم کس طرح احاطہ الفاظ میں بیان کرسکتا ہے۔ اگر کوئی قرآن کا ترجمہ عربی میں بھی کرنا چاہے تو اس کے پاس بھی عجز ودرماندگی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔ دور حاضر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ علوم القرآن کے ایسے صالح اور متقی ماہرین کے سپرد ترجمہ قرآن کا کام کیا جائے جو مختلف زبانوں کے لسانی ڈھانچہ سے آگاہی رکھنے کے ساتھ ساتھ سائنس، معاشیات اور سیاسیات وغیرہ کی اصطلاحات سے بھی کامل واقفیت رکھتے ہوں۔ اس تگ ودو کے نتیجہ میں جو بھی کاوش سامنے آئے گی وہ، الفاظ قرآنی کی ترجمانی

اور تقسیم ہی ہوگی ترجمہ قرآن نہ ہوگا۔(۹) شاید اسی احتیاط کے پیش نظر ڈاکٹر محمد محسن خاں اور ڈاکٹر محمد تقی الدین الھلالی کے ترجمہ کا نام "Interpretation of the Meanings of the Noble Quran" رکھا گیا ہے۔ ان ساری مشکلات کے باوجود اردو مترجمین نے ترجمہ میں انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کیا۔ فنی اور معنوی اعتبار سے بہتر سے بہتر کاوش کی۔ لیکن یہ انسانی کاوش ہے جس میں بہتری کی گنجائش ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ خاندان ولی اللہ کا احسان یہ ہے کہ برصغیر میں ترجمہ قرآن کی روایت ڈالی مگر ساتھ یہ بھی کہ شاہ ولی اللہ نے المقدمۃ فی قوانین الترجمہ (۱۰) لکھ کر اس کام کے لیے بنیادی اصول وضع کیے۔ مگر لسانی ارتقاء کی وجہ سے قوانین ترجمہ کو از سرنو مرتب کرنے کی ضرورت ہے، بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ ہر مترجم ان بنیادی اصول وضوابط کو اپنے ترجمہ کے ساتھ شائع کرے جن کو اس نے ترجمہ کرتے ہوئے پیش نظر رکھا۔ ترجمہ کے سلسلہ میں چند اہم امور درج ذیل ہیں، جن کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۱۔ مترجم کے لیے ضروری کہ وہ جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہے اس زبان اور عربی لغت کے معانی وصیغہ سے آگاہ ہو۔

۲۔ اسے دونوں زبانوں کے اسالیب اور خصوصیات کا بھی پتہ ہو۔

۳۔ کسی آیت کے متعدد مطالب ہوں تو ان میں سے راجح مطلب کو اختیار کرے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کو پیش نظر رکھا جائے۔

۵۔ کوئی ایسا لفظ نہ استعمال کیا جائے جو بارگاہ الٰہی کے شایان شان نہ ہو۔

۶۔ مقام انبیاء علیہم السلام کی عظمت وتقدس کو ملحوظ رکھا جائے۔

۷۔ اسلام کے قطعی اور یقینی عقائد کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔(۱۱)

چار ایسے ترجمہ ہائے قرآن کا ذیل میں مختصر تعارف کروایا جا رہا ہے جو عوام الناس میں مقبول ومعروف نہیں۔

(۱) عرفان القرآن: سید محمد وجیہ السیما عرفانی:

سید محمد وجیہ السیما عرفانی ۱۴/۱۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان دینی علوم میں ایک معتبر حوالہ کی حیثیت رکھتا تھا، پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے فلسفہ کیا۔ درس نظامی کے اسباق بھی چند اساتذہ سے پڑھے۔ عربی، فارسی، فرانسیسی، اردو، پنجابی، سنسکرت، جرمن زبانوں میں کامل مہارت حاصل تھی، ریڈیو پاکستان کے شعبہ خبر میں بطور مترجم کام بھی کیا، دس سے زائد نثر اور شعر میں آپ کی کتب شائع ہو چکی ہیں۔

فن ترجمہ پر آپ کو کامل عبور حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے خدمت قرآن کا کام لینا تھا اس لیے مختلف زبانوں کے فن پاروں کو اردو میں منتقل کروایا۔ علاوہ ازیں چشتی سلسلہ سے نسبت و تعلق نے آپ کے لیے باطن قرآن کے دریچے وا کیے۔ (۱۲) یہی وجہ ہے کہ اس ترجمہ میں، ابلاغ کمال درجہ کا پایا جاتا ہے۔ علم بیان کے محاسن کو بھی ترجمہ میں سمونے کی سعی کی ہے ترجمہ کے لیے الفاظ کا انتخاب قاری کے ذہن پر خوشگوار اثر چھوڑتا ہے۔

عرفان القرآن (۱۳) کے چند امتیازات درج ذیل ہیں۔

اردو روزمرہ اور محاورہ میں معروف و معتبر اسلوب اپنایا چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

(i) تَبَّتْ يَدَا اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (لهب: ۱)

ترجمہ: ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور ابولہب مردہ باد۔''

اللہ جل شانہ نے ابولہب کی جس انداز میں مذمت کی اسے ''مردہ باد'' کہہ کر قارئین پر واضح کیا۔

(ii) الحمدلله (فاتحه: ۱)

''تعریف والی ہر بات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔''

حمد کے مفہوم کو اردو روزمرہ کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

(iii) الذين يومنون بالغيب (البقره: ۳)

''جو بن دیکھے پر ایمان رکھتے ہیں۔''

بالغیب کے مفہوم کو اعلیٰ اسلوب میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

بعض اوقات قاری قرآن کریم کا ترجمہ پڑھتے ہوئے کسی الجھن کا شکار ہو جاتا ہے، ایسے مقامات پر عرفان القرآن میں ترجمہ کا اسلوب اس طرح کا اختیار کیا گیا ہے کہ اشکال کا حل سامنے آ جائے۔

(i) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (فاتحه:۵)

چند تراجم ملاحظہ فرمائیں:

بتا دیجیے ہم کو رستہ سیدھا	(اشرف علی تھانوی)
ہم کو (دین کا) سیدھا رستہ دکھا	(ڈپٹی نذیر احمد)
دکھا ہم کو راستہ سیدھا	(سید شبیر احمد)
دکھا ہم کو راہ سیدھی	(شاہ رفیع الدین)
چلا ہم کو راہ سیدھی	(شاہ عبدالقادر)
دکھا ہم کو سیدھا راستہ	(عبدالعزیز خالد)
(ہمیشہ) ہمیں سیدھی راہ چلا	(علامہ احمد سعید کاظمی)
(ہم کو سیدھے راستے چلا	(فتح محمد جالندھری)

بعض اوقات یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم فاتحہ کی اس آیت کے تکرار کے باوجود صراط مستقیم پر نہیں، درج بالا تراجم سے یہ اشکال واضح نہیں ہوتا، عرفان القرآن کے ان الفاظ سے یہ الجھن دور ہو جاتی ہے۔

ہمیں سیدھے اور صحیح رستے پر لیے چل "لیے چل" نے اس مفہوم کو واضح کر دیا کہ اس وقت جو میں ہدایت پر ہوں اس میں ثابت قدمی اور دوام و استمرار کی طلب ہے۔

(ii) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقره:۲)

مولانا مودودی کا ترجمہ اس طرح ہے:

''یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لیے۔''

مولانا مفتی محمد شفیع نے مفہوم کو اس طرح ادا کرنے کی کوشش کی۔

''اس کتاب میں کوئی شک نہیں راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو۔''

عرفان القرآن میں اس مفہوم کو یوں ادا کیا گیا ہے:

''یہی وہ کتاب حق ہے کہ اس میں شک والی کوئی بات ہے ہی نہیں یہ ان پرہیزگاروں کی رہنما ہے جو''

☆ احترام رسول ﷺ کے اعتبار سے مترجم نے اس ترجمہ میں حد درجہ احتیاط کی ہے، آپ ﷺ کی ذات اقدس کے لیے ''تو'' اور ''تم'' جیسے الفاظ سے ترجمہ نہیں کیا کیونکہ عرف میں یہ الفاظ ادب واحترام کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

(i) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (اخلاص: ۱)

''یارسول اللہ آپ فرما دیجئے وہ اللہ ایک ہی ہے۔''

(ii) وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا(النصر: ۲)

''تو اے سرور دو عالم آپ دیکھیں گے کہ لوگ فوج درفوج اللہ کے دین میں شامل ہو رہے ہیں۔''

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی(الضحی: ۳)

''اے رسول برحق ﷺ آپ کے پروردگار نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا نہ ترش رو ہوا۔''

مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (القمر: ۲)

''اے سرور انبیاء ﷺ آپ اپنے پروردگار کی نعمت سے مجنون تو نہیں ہیں۔''

ترجمہ میں صلوۃ وسلام پورا لکھنا حضرت عرفانی کے تعلق بالرسول کا آئینہ دار ہے۔

بعض مقامات پر الفاظ کے مفہوم کو تفسیری انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے، ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ (الکوثر: ۱)

''یا رسول اللہؐ بے شک ہم نے آپ کو ہر ایک خیر و برکت کی انتہائی بہتات عطا فرمادی ہے۔''

(۲) انوار القرآن: مولانا عبدالحکیم شرف قادری

علامہ عبدالحکیم شرف قادری (۱۹۴۴ء-۲۰۰۷ء) ایک مایہ ناز مصنف، معروف مترجم اور کہنہ مشق مدرس کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔ مولانا سردار احمد، علامہ محمد اشرف سیالوی، علامہ عطا محمد بندیالوی، مفتی عبدالقیوم ہزاروی، مفتی محمد امین جیسے فاضل اساتذہ سے اکتساب علم کے بعد جامعہ نعیمیہ لاہور، دارالعلوم محمد یہ غوثیہ بھیرہ، جامعہ اسلامیہ ہری پور، اشاعت العلوم چکوال جیسے اہم مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیے آپ نے عربی، فارسی، اور اردو زبان میں آثار علمیہ چھوڑے ہیں، عربی کتابوں کو اردو زبان کا جامہ اس طرح پہناتے کہ وہ اصل تصنیف محسوس ہوتی۔ (۱۴)

علم و دانش کا یہ کوہ گراں، عجز وانکساری کا نمونہ تھا، انوار القرآن کی وجہ تالیف کا سبب خود ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''مجھے یہ زعم نہیں ہے کہ میں نے ترجمہ میں کوئی کمال دکھایا ہے، یا اس ترجمہ کی کوئی امتیازی خصوصیات ہیں، ایک دوست نے مجھ سے پوچھا کہ اتنے تراجم جو موجود ہیں تو اس ترجمے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے کہا: کوئی ضرورت نہیں میں تو اپنی ضرورت کے تحت لکھ رہا ہوں، دراصل میں خود بحیثیت ایک طالب علم اپنی بساط کے مطابق قرآن پاک کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں اور کسی قدر گہری نظر سے مطالعہ تب ہی ہوسکتا ہے جب اسے لکھا بھی جائے۔''

دوسری وجہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''فقیر ایک عرصہ سے سوچتا تھا کہ کائنات کی سب سے اہم کتاب قرآن پاک ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس نے خود اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ نقل متواتر سے

منقول ہو کر ہم تک پہنچا ہے اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم دوسری کتابیں پڑھتے ہیں اور ان پر ترجمہ، تحشیہ یا تشریح کی صورت میں کام کرتے ہیں، لیکن قرآن کریم جیسی کتاب کا ہم نظر غائر سے مطالعہ نہیں کرتے، کوئی فوت ہو جائے تو ایصال ثواب کے لیے اس کی تلاوت کر لیتے ہیں یا پھر دینی مدارس کے نصاب کا حصہ ہونے کی حیثیت سے پڑھ لیتے ہیں۔ بہر حال جتنی توجہ اس کتاب کو دینی چاہیے وہ ہم نہیں دیتے۔"(۱۵)

ترجمہ کا اسلوب اور معاون کتب:

اپنے اسلوب ترجمہ اور ماخذ کی وضاحت خود علامہ شرف قادری ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب راقم کو پہلی اور دوسری دفعہ (بلکہ اب تیسری دفعہ) حرمین شریفین حاضری کا موقع دیا تو دعائیں کرتا رہا کہ اے خالق و مالک تو مجھے اپنی کتاب کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔

کچھ عرصہ پہلے راقم نے قرآن پاک کا ترجمہ شروع کیا، اس کا طریقہ یہ رہا کہ پہلے چند مستند تراجم دیکھتا ہوں، اس سلسلے میں مختلف تراجم دیکھنے کا اتفاق ہوا، ضیاء القرآن کا بھی مطالعہ کرتا رہا ہوں، آخر میں چار بلکہ تین ترجمے رہ گئے جنہیں بالالتزام دیکھتا ہوں۔

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی — فتح الرحمٰن
(۲) امام احمد رضا بریلوی — کنز الایمان
(۳) علامہ سید احمد سعید کاظمی — البیان
(۴) ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی — فیوض القرآن

اس کے بعد عربی کی مختلف تفسیریں دیکھتا ہوں خاص طور پر جہاں واضح طور پر ترجمانی نہیں ہو پاتی، مثلاً:

(۱) تفسیر جلالین مع حاشیہ علامہ صاوی
(۲) تفسیر سمرقندی
(۳) تفسیر مظہری
(۴) تفسیر روح المعانی

(۵) تفسیر کبیر

(٦) تاویلات اہل السنۃ از امام ابو منصور ماتریدی

ترجمہ کی خصوصیات:

اس ترجمہ کی درج ذیل خصوصیات ہیں:

ترجمہ میں عظمت الوہیت اور انبیاء کرام خصوصاً حضور سید عالم ﷺ کی عظمت اور شان رفیع کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

☆ ترجمہ اردو اسلوب کے مطابق رواں دواں ہے تاکہ قاری کو مطلب کے سمجھنے میں آسانی رہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ(آل عمران/ ۹۳)

اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

''اے حبیب فرما دیجئے اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اس کی تلاوت کرو۔''

☆ یہ ترجمہ نہ تو لفظ بلفظ ہے اور نہ ہی لفظی ترجمہ ہے بلکہ تفسیری اور مرادی ترجمہ ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے: اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ دور آخر کے جمہور علماء اہل سنت فرماتے ہیں کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نہیں بلکہ چچا تھے، اس لیے ترجمہ ہی یوں کیا گیا ہے:

''جب انہوں نے اپنے چچا کو کہا۔''

☆ عموماً ضمیروں کا ترجمہ واضح نہیں ہوتا اور پڑھنے والے کو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ ضمیر کس طرف راجع ہے انوار القرآن میں اس کی وضاحت کی بھی کوشش کی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ(توبہ: ۹۴)

''یعتذرونَ'' کی ضمیر کس طرف راجع ہے، اِلَيْكُمْ کا خطاب کس سے ہے؟ اور کس جگہ سے لوٹ کر آنا مراد ہے، ترجمہ دیکھئے۔

''مسلمانو! جب تم (تبوک سے) لوٹ کر آؤ گے تو منافق تمہارے سامنے عذر پیش کریں

گے۔"

☆ وَعَدَ یَعِدُ وعدہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور وعید (دھمکی) کے معنی میں بھی آتا ہے، جب عذاب کے ساتھ "وعد" کا تذکرہ ہو تو اس کا ترجمہ دھمکی سے کیا ہے، مثلاً: مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ یہ دھمکی کب پوری ہوگئی؟

☆ اس ترجمہ میں مترجم نے موجودہ دور کے محاورہ کا لحاظ بھی رکھا۔ جیسے:

(i) لَآاَسْئَلُکُم عَلَیْهِ اَجْرًا

"میں تم سے تبلیغ دین کی فیس نہیں مانگتا۔"

(ii) وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا

"جب کہ میں بڑھاپے کی آخری اسٹیج تک پہنچ گیا ہوں۔"

(iii) وَاِذَا قِیْلَ لَهُم لَاتُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ (البقرہ: ۱۱)

"اور جب انہیں کہا جائے: "زمین میں دہشت گردی نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔"

فساد فی الارض کا ترجمہ "دہشت گردی" کرنے کی وضاحت آپ کے لخت جگر ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی نے یوں کی ہے۔

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ جب میرے سامنے آیا تو میں نے حضرت والد صاحب سے پوچھا "لاتفسدوا" کا معنی "دہشت گردی نہ کرو" کیسے ہوگا؟ تو فرمایا: ارشاد ربانی ہے:

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ، وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادِ .(البقرہ: ۲۰۵)

"اور جب وہ آپ کی مجلس سے رخصت ہوتا ہے تو زمین میں دہشت گردی کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے، کھیتی اور جانداروں کو ہلاک کرتا ہے اور اللہ دہشت گردی کو پسند نہیں فرماتا۔"(انوار القرآن)

حضرت والد صاحب نے فرمایا: اس آیت میں کھیتی اور جانداروں کی ہلاکت کو فساد سے تعبیر کیا گیا ہے اور دہشت گردی کیا ہوتی ہے؟ یہ بات سنتے ہی میرے ذہن میں بھی **"فساد فی الارض"** کا مفہوم واضح ہو گیا کیونکہ عصر حاضر میں ریاستی دہشت گردی کرنے والے اپنے عسکری جرائم کا اعتراف کرنے کی بجائے بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں "ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں" اور اپنے آپ کو اپنی ہی زبان سے مستعمر بھی کہتے ہیں، جبکہ محکوم ممالک کا خون چوسنے کے عمل کو استعمار کا نام دیتے ہیں۔

☆ انوار القرآن کے محاسن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سلاست کے لیے قرآنی عبارت اور الفاظ کو نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ قرآنی الفاظ کے قریب رہنے کی کوشش کی گئی ہے، درج ذیل آیت کے ترجمہ میں یہ کوشش واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے، ارشاد ربانی ہے:

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَایَغْشٰی.(النجم:١٦)

"جب سدرہ پر چھا رہا تھا وہ حسن جو چھا رہا تھا"۔

اس آیت مبارکہ کے ترجمہ میں "چھا رہا تھا" دو مرتبہ آیا ہے کیونکہ عربی عبارت میں "یغشی" بھی دو مرتبہ ہے، اس کے ترجمہ کو دوبار ذکر کرنے کی بجائے ایک مرتبہ ذکر کرنے پر بھی اکتفا کیا جا سکتا تھا، لیکن صاحب انوار القرآن بڑے اہتمام سے اس کا ترجمہ دو مرتبہ ہی لائے ہیں، قرآنی الفاظ کے اہتمام کی کوشش اس خوبصورتی سے کی گئی ہے کہ زبان و بیان کی چاشنی میں بھی کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی۔

☆ صاحب انوار القرآن کی زندگی کا بڑا حصہ تفسیر و حدیث اور دیگر عربی و اسلامی علوم پڑھانے میں گذرنے کے باعث آپ کی علم تفسیر، اصول تفسیر اور اصول ترجمۂ قرآن پر گہری نظر تھی، اور ان سارے علوم میں مہارت نے آپ کے ترجمۂ قرآن کو زیادہ معتبر اور مستند بنا دیا۔ آپ نے سورۃ فاتحہ کی آخری آیت کا جو ترجمہ کیا ہے اس سے علم نحو پر آپ کی گہری نظر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے یہ آیت اور اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ. (الفاتحہ:۷)

''جو نہ تو غضب کا نشانہ بنے اور نہ ہی گمراہ ہوئے۔''

اس ترجمہ پر حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہ ترجمہ اس لیے کیا گیا ہے کہ ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ بدل ہے ''الَّذِيْنَ'' سے معنی یہ ہے کہ جنہیں انعام دیا گیا ہے وہی لوگ ہیں جو غضب اور گمراہی سے محفوظ رہے (تفسیر بیضاوی صفحہ ۱۰) اور یہ جو ترجمہ کیا جاتا ہے کہ ''نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا'' وہ بھی صحیح ہے، اس میں مفہوم بیان کیا گیا ہے۔''

مندرجہ بالا سطور سے جہاں صاحب انوارالقرآن کی علم نحو پر گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے وہیں سابقہ تراجم کے لیے احترام کا عنصر بھی واضح طور پر دکھائی دے رہا ہے، اور یہ علامہ شرف کی وسعت نظری کی بہترین دلیل ہے۔

(۳) عمدۃ البیان: مفتی غلام سرور قادری

مفتی غلام سرور قادری ۱۹۳۹ء کو مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں نمایاں نام علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ صوبائی وزیر برائے مذہبی امور پنجاب بھی رہے ہیں۔ تصانیف کی تعداد ۵۵ سے زائد ہے۔ (۱۶) چند امتیازات ملاحظہ فرمائیں۔

☆ ترجمہ عمدۃ البیان بنیادی طور پر تفسیری ترجمہ ہے۔ اس لیے قوسین کا بکثرت استعمال کیا گیا ہے مثلاً

الم کے بعد قوسین میں لکھا ہے

''(اس کا مطلب اللہ و رسول ﷺ ہی جانیں)''

☆ اس ترجمہ کا اہم اور بنیادی امتیاز گرائمر کے اصولوں کی سختی سے پابندی بتایا گیا ہے۔ مفتی غلام سرور قادری نے اپنے ترجمہ کو گرائمر کے اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے جو تگ و دو کی اس کو محاسن عمدۃ البیان کے نام سے تحریر کیا ہے۔ جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ آپ نے اس پمفلٹ میں یہ بھی ذکر کیا کہ عموماً گرائمر پر بہت زیادہ توجہ نہ دینے سے دیگر تراجم میں بعض سقم رہ گئے

ہیں۔اس پمفلٹ سے گرائمر کوملحوظ خاطر رکھنے اور مفتی صاحب کے نزدیک دیگر علما کا اس پہلو کو نظرانداز کرنے کی چند مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔ واضح رہے کہ مفتی صاحب کی ان تمام آراء سے اتفاق ضروری نہیں۔

(i) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا ترجمہ عمدۃ البیان میں ہے۔

''(کہو) اللہ بے حد مہربان بہت رحم کرنے والے کے نام سے ہی (میرا شروع کرنا ہے)''

یہ ترجمہ کرنے کی وجوہ اور دیگر مترجمین کی اصلاح کرتے ہوئے مفتی صاحب نے لکھا ہے۔

(۱) ''بعض مترجمین نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تَشْرِيح (فاتحہ۔۱) کا ترجمہ ''اللہ کے نام سے شروع'' کرنے کی بجائے یوں کیا ''شروع اللہ کے نام سے'' اس طرح ترجمہ اللہ کے نام سے شروع نہ ہوا بلکہ لفظ ''شروع'' سے ہی شروع ہوا جو عربی گرائمر اور مقصد کے خلاف ہے ،کیونکہ مقصد یہ ہے کہ ابتدا اللہ ہی کے نام سے ہو الحمد للہ! علمائے اہلسنت کے تراجم میں اس نکتہ کا خیال رکھا گیا ہے حالانکہ دیگر مترجمین کے تراجم میں ایسا نہیں کیا گیا جبکہ اس نکتہ کا خیال نہ رکھنا عربی گرائمر کی خلاف ورزی ہے اور آداب خداوندی کے بھی خلاف ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے ادب کا یہی تقاضا ہے کہ ابتداء اس کی نام اقدس سے ہو اور بعض نے یوں ترجمہ کیا ''اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔'' اس ترجمہ میں دو غلطیاں کی گئی ہیں۔

(۲) ایک یہ کہ لفظ ''شروع'' درمیان میں لایا گیا ہے جبکہ اسے آخر میں لانا چاہیے ہم اپنے ترجمہ میں آخر میں لائے ہیں کیونکہ لفظ شروع کے درمیان میں لانے سے اسم مبارک ''اللّٰهِ'' موصوف اور اس کی صفت ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کے درمیان فاصلہ آجاتا ہے جو درست نہیں ہے اس لیے مفسرین نے لفظ ''شروع'' کو ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کے آخر میں مقدر قرار دیا ہے چنانچہ تفسیر مدارک شریف امام نسفی میں ہے۔

”وانما قدر المحذوف متاخرا (الی ان قال) فوجب ان یقصد الموحد معنی اختصاص اسم اللہ بالا ابتداء و ذالك بتقدیمه و تاخیر الفعل“یعنی شروع کرتا ہوں وغیرہ ایسا لفظ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ کے آخر میں محذوف تصور ہوگا تو ضروری ہے کہ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ کی ابتدا اور شروع اللہ کے نام سے ہو یعنی ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ میں ”ابتدی“ یا ”اشرع“ کو آخر میں مقدر مانا جائے گا اس لیے کہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ خاص ”اللہ“ کے نام سے ابتدا کرے اور ظاہر ہے کہ یہ ابتدا اللہ کے نام سے تب ہوگی جب اللہ کا نام شروع میں آئے اور لفظ ”ابتدئ“ یا لفظ ”اشرع“ یا اقرء آخر میں محذوف قرار دیا جائے (ملاحظہ ہو تفسیر مدارک ا۔۱۱) اس لیے ہم نے اپنے اس ترجمہ میں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ کا ترجمہ یوں کیا ہے ”اللہ بے حد مہربان بہت رحم کرنے والے کے نام سے شروع“ ہم لفظ شروع کو عربی گرائمر کے قاعدے کی رو سے آخر میں لائے ہیں۔

(۳) دوسری یہ غلطی کہ ”الرَّحْمٰنِ“ کا ترجمہ ”بڑا مہربان“ یا ”بہت مہربان“ کیا گیا ہے اور ”رَحِيْمِ“ کا ترجمہ ”بڑا رحم والا“ یا ”رحم والا“ کیا گیا جو عربی گرائمر کی رو سے درست نہیں ہے کیوں کہ ”الرَّحْمٰنِ“ اور ”رَحِيْمِ“ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں لیکن ”رَحْمٰنِ“ میں ”رَحِيْمِ“ کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے اس لیے ”رحمن“ اللہ کے سوا کسی اور کے لیے استعمال نہیں ہوسکتا یعنی ”الرَّحْمٰنِ“ صرف اللہ کو ہی کہیں گے یہ کسی اور کا نام نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی و مدارک میں ہے ”الرحمن ابلغ من الرحیم و فی الرحمن من المبالغة ما لیس فی الرحیم“ (جلد ا ص ۱۲) کہ رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے ”الرحمن خاص تسمية لانه لا یوصف به غیره“ کہ اَلرَّحْمٰنِ خاص اللہ کا نام ہے اسے کسی اور کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا اور رحیم، بھی مبالغہ ہے ”بہت رحم کرنے والا“ اس لیے ہم نے اپنے ترجمہ میں اس عربی گرائمر کے قاعدہ کے مطابق یہی ترجمہ لکھا ہے ”بے حد مہربان بہت رحم کرنے والا“ ایک غلطی یہ ہے کہ ”الرَّحْمٰنِ“ کا معنی ”نہایت مہربان“ کیا گیا ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ ”نہایت“ ایک

عربی لفظ ہے اگر چہ یہ اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ''حد'' کے ہیں چنانچہ المنجد میں ہے ''النھایۃ'' **غایۃ الشئی و آخرہ: اقصی ما یمکن ان یبلغہ**'' یعنی کسی شئی کی نہایت کا معنی اس کا انتہاء و آخر تک پہنچ جانا ہے جہاں تک وہ پہنچ سکتی ہے جس سے آگے ہونا اس کے لیے ممکن نہ ہو۔ اورلسان العرب میں ہے ''**النھایۃ حیث ینتھی الیہ الشئی**'' (۱۵۔۳۴۴) کہ نہایت حد کا نام ہے جہاں ایک چیز جا کر ختم ہو جائے۔ اور المصباح المنیر میں ہے ''**نھایۃ الشئی اقصاہ و آخرہ**'' (۶۲۹) کہ کسی شئی کی نہایت کا معنی ہے اس کا آخر کہ اس کے بعد آگے نہ ہو۔

جبکہ اللہ تعالیٰ ایک ایسا رحمت والا اور ایسا مہربان ہے کہ اس کی رحمت و مہربانی کی نہایت و انتہاء اور حد ہی نہیں ہے وہ خود بھی لامحدود ہے اور اس کی ہر صفت بھی لامحدود ہے چنانچہ منطق کی مشہور کتاب ''**سلم العلوم**'' میں ہے ''**لا یحد**'' کہ اللہ کی کوئی حد نہیں ہے اور یہ مسلم بات ہے کہ جیسا موصوف ہوتا ہے ویسی اس کی صفت ہوتی ہے۔ انسان ذات محدود ہے تو اس کی ہر صفت بھی محدود ہے اور اللہ تعالیٰ ذات لامحدود ہے۔ تو اس کی ہر صفت بھی لامحدود ہے۔ چنانچہ امام سید محمد بن محمد حسینی زبیدی مرتضیٰ متوفی ۱۲۰۵ھ اپنی کتاب اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین میں فرماتے ہیں ''**فان رحمۃ اللہ لا نھایۃ لھا و لا غایۃ**'' یعنی بلاشبہ اللہ کی رحمت کی نہ انتہا ہے نہ حد ہے۔ لہٰذا ''رحمن'' کا معنی نہایت مہربان کرنا درست نہ ہوا۔

(ii) فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (البقرہ: ۱۰)

مفتی صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''ان کے دلوں میں (منافقت کی) بیماری ہے۔''

اپنے اس ترجمہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض مترجمین حضرات ''فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ'' (البقرۃ۔۱۰) کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں ''ان کے دلوں میں بیماری تھی'' اور بعض نے یوں کیا ''ان کے دلوں میں روگ تھا'' یہ

''تھی'' یا ''تھا'' عربی گرائمر کی رو سے غلط ہے کیونکہ اس میں ''تھی'' یا ''تھا'' کا اضافہ کرنا منافقین کے نفاق کے مرض یا روگ کو ماضی کا واقعہ بنانا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت سے پہلے ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری موجود تھی لیکن یہ نزول کے وقت نہ تھی جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ نزول آیت کے وقت بھی ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری موجود تھی جس کا اس آیت میں اظہار کیا جا رہا ہے لہٰذا اس کا صحیح ترجمہ یوں ہوگا ''ان کے دلوں میں بیماری ہے یا روگ ہے'' جیسے ''فی الدار رجل'' کا صحیح معنی یوں ہوگا ''گھر میں ایک مرد ہے'' اس کا معنی یوں کرنا کہ ''گھر میں ایک مرد تھا'' گرائمر کی رو سے صحیح نہ ہوگا بلکہ غلط ہوگا۔

(iii) وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البقرہ:۲۵) کا ترجمہ اس طرح کیا ہے اور تم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے خوشخبری سنا دو اپنے اس ترجمہ کی وضاحت اور دیگر تراجم سے موازنہ کرتے ہوئے مفتی صاحب نے لکھا ہے۔

وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البقرہ:۲۵) کا ترجمہ فرمایا ''اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوش خبریاں سناؤ'' اور ایک اور صاحب نے یوں فرمایا ''اور بشارت دو ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے'' ان دونوں بزرگوں نے اس طرح بشارت دیے جانے والوں کے دو گروہ بنا دیے ایک ایمان والے اور دوسرے نیک عمل کرنے والے، حالانکہ یہ ایک ہی گروہ ہے ان کو الگ الگ دو گروہ کرنا ایک ایمان والے اور دوسرے نیک عمل والے گرائمر کی رو سے غلط ہے۔ کیونکہ عربی گرائمر کی رو سے ''اَلَّذِيْنَ'' اسم موصول ہے اور ''آمَنُوْا'' اور ''عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ'' یہ واسطہ واؤ عاطفہ، دونوں اسی اسم موصول کے صلے ہیں چونکہ دونوں صلوں کا موصول ایک ہے لہذا یہ گروہ ہی ایک قرار پاتا ہے تو اس کا صحیح ترجمہ ہوگا ''ان کو خوشخبری دیجئے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے''۔ (ملاحظہ ہو بلاغۃ القرآن الکریم فی الاعجاز ا۔۴۹ وتفسیر کبیر ا۔۱۲۶)

(iv) وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (آل عمران:۱۹۵)

''اورضرورضرورانہیں ان باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

اس ترجمہ کے گرائمر، لغت اور اعتقادات کے حوالہ سے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے مفتی صاحب نے لکھا ہے:

''وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ'' (آل عمران:۱۹۵) اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے ''اور انہیں یقیناً ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی'' یہ ترجمہ اہلسنت کے خلاف اور معتزلہ فرقہ کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ ابھی تک پیدا نہیں کی گئیں اس لیے وہ موجود نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن پیدا کرے گا۔ جنتیں بنائے گا جن میں نہریں بہتی ہوں گی، جبکہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ جنت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں اور ان کے نیچے یعنی ان کے باغوں کے درختوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ چنانچہ شرح عقائد میں ہے ''و هما ای الجنة والنار مخلوقتان الان موجودتان و زعم اکثر المعتزله بانهما انما تخلقان'' (شرح عقائد مع النبر اس:۳۴۰) یعنی جنت اور دوزخ دونوں پیدا کی چکی ہیں اور دونوں اس وقت موجود ہیں اور اکثر معتزلہ کا خیال ہے کہ وہ روز قیامت پیدا کی جائیں گی۔ لہذا مسلک حق اہلسنت کے مطابق ترجمہ یوں کرنا چاہیے ''نہریں بہتی ہیں۔''

بلا شبہ عمدۃ البیان میں گرائمر و بلاغت کے اصولوں پر بڑی توجہ دی گئی ہے۔ اعتقادی پہلو کو بھی نظر انداز نہ ہونے دیا۔ مگر اس حد تک مبالغہ کرنا کہ یہ اس صدی کا تجدیدی کارنامہ ہے مناسب نہیں اور خادم قرآن ایسے دعوے نہیں کیا کرتا۔

(۴) ترجمہ قرآن: نظر ثانی محمود الحسن عارف

ڈاکٹر محمود الحسن عارف ۱۹۵۴ میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی تکمیل جامعہ اشرفیہ سے اور جدید علوم کی جامعہ پنجاب لاہور سے کی۔

قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وتصنیفات کے موضوع پر علمی وتحقیقی کام کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے چیئرمین کی حیثیت سے ۱۹۹۵ء سے کام کر رہے ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

شیخ آفتاب احمد شیخ کی سربراہی میں اہل علم کی ایک جماعت کے تیار کردہ اس ترجمہ پر نظر ثانی کا کام ڈاکٹر محمود الحسن عارف نے کیا۔ اس ترجمہ کے امتیازات پر روشنی ڈالتے ہوئے آفتاب احمد شیخ نے لکھا ہے:

> ''ادارہ علم القرآن نے جو دینی کتب کی اشاعت کا ایک قدیم ادارہ ہے اس بابرکت سلسلہ کو آگے بڑھایا ہے۔ اور اہل علم کی ایک جماعت نے متن قرآن کو سامنے رکھ کر قرآن حکیم کے تراجم سے استفادہ کرتے ہوئے ایک نیا ترجمہ ترتیب دیا ہے۔ یہ ترجمہ نہ تو مکمل طور پر پابند ترجمہ ہے اور نہ ہی مکمل طور پر آزاد۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ ہر لفظ کا ترجمہ اس لفظ کی ترتیب کے مطابق آئے اور اس سے جملے کا مفہوم بھی واضح ہو جائے۔ ہم نے اس ترجمہ قرآن سے عام لوگوں کا استفادہ بڑھانے کے لیے رنگوں کا استعمال بھی کیا ہے۔ ہر آیت میں موجود الفاظ کا ترجمہ اسی رنگ میں سامنے دیا گیا ہے۔ قابل ذکر بات اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اردو کے آسان اور عام مستعمل الفاظ کے ساتھ ساتھ جملے کی سادگی، سلاست اور عام فہمی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔'' (۱۷)

اس ترجمہ میں یہ امتیاز بھی ہے کہ ہر پارہ کے شروع میں پارہ کا تعارف دیا گیا ہے جبکہ عموماً سورتوں کے آغاز میں تعارف کا رواج ہے۔

ترجمہ میں عموماً قرآنی اصطلاحات کو بغیر ترجمہ کے نقل کیا ہے اور حاشیہ میں مفہوم کی وضاحت کر دی ہے۔ سورۃ الکوثر کی پہلی آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے ''بے شک ہم نے آپ کو عطا کیا (اے محمد) الکوثر'' اور پھر کوثر کی وضاحت حاشیہ میں کی ہے۔

❀❀❀❀

حوالہ جات/حواشی

(۱) ملاحظہ فرمائیے

مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، ترجمے کا فن، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۷/تحسین فراقی، عبدالماجد دریا آبادی احوال و آثار، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۹۳، ص ۲۴۰۱-۲۵۵

(۲) درج ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیں

(i) عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: كان اهل الكتاب يقرؤون التوراة بالعبرانية، ويفسرونها بالعربية لاهل الاسلام، فقال رسول اللهﷺ لاتصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم

صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قولوا امنا بالله وما انزل الينا، رقم الحديث ۴۴۸۵

(ii) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب ترجمہ الاحکام وھل یجوز ترجمان واحد

If common words like glass, bus, lorry, tram, railway train, ticket, cricket, football, and squash cannot be Indianised, how could multi-layered, technical words and phrases reflecting human feelings be replaced with the appropriate ones?

As per the theory of human communication, words are an abstract symbol of certain objects, actions, perceptins or feelings. Words in one language can find their equivalents in another language, but every word ahs a historical, cultural and social background. The sociology of language depends upon many facts . Moral values, cultural heritage and interaction with other communities enrich a language. The examples of English and Urdu are not too divergent.

The history of languages and their promotion is a dynamic record of events. Except a few languages, no language in the world has ever been suppressed exhaustively. The reason is that a language is a collective creation and suffers decline or progress according to its social and economic requirements.

(شیخ عزیز کا Passage to India کے عنوان سے مضمون)

ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی کا درج ذیل اقتباس ترجمہ کی اہمیت کے سلسلہ میں اس کی افادیت کے تصور کو واضح کرتا ہے۔ مکاتیب نبوت کے حوالہ سے وہ لکھتے ہیں:

''آں حضرتﷺ کے عمل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ اسلامی دعوت کو روئے زمین کے گوشے

گوشے میں پھیلانے کے لیے مناسب وسائل و ذرائع اختیار کریں۔ اس کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ جن قوموں تک وہ اسلام کی دعوت پہنچانا اور اس کے احکام و مبادی سے انہیں روشناس کرانا چاہتے ہیں ان کی زبانیں سیکھیں۔ ہم نے دیکھا کہ آں حضرت ﷺ نے ایک ہی دن میں چھ صحابہ کو مختلف سلاطین اور امراء کے پاس اپنے مکاتیب دیکر بھیجا۔ اس میں سے ہر صحابی اس قوم کی زبان اچھی طرح جانتا تھا جس کی طرف اسے بھیجا گیا۔

(البوطی، ڈاکٹر محمد سعید رمضان، فقہ السیرۃ النبویۃ، مترجم ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، نشریات لاہور ۲۰۰۷، ص:۴۷۴)

دعوت کے سلسلہ میں ترجمہ کی افادیت کو مفسرین نے سورہ ابراہیم کی آیت:۴

وما ارسلنا من رسول الابلسان قومه ليبين لهم

کے تحت بیان کیا ہے۔ لغت کے معروف امام زمخشری لکھتے ہیں:

قلت: لا يخلو إما أن ينزل بجميع الألسنة أوبواحد منها، فلا حاجة إلى نزوله بجميع الألسنة، لأن الترجمة تنوب عن ذلك وتكفى التطويل، فبقى أن ينزل بلسان واحد، فكان أولى الألسنة لسان قوم الرسول، لانهم أقرب إليه، فإذا فهموا عنه وتبينوه وتنوقل عنهم وانتشر قامت التراجم ببيانه وتفهيمه، كما ترى الحال وتشاهدها من نيابة التراجم فى كل أمة من أمم العجم، مع مافى ذلك من اتفاق أهل البلاد المتباعدة، والأقطار المتنازحة، (۱)

(الزمخشری، محمودبن عمر، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل، تحقيق مصطفى حسين احمد)

معروف مفسر امام قرطبی نے لکھا ہے:

لأن كل من ترجم له ماجاء به النبى صلى الله عليه وسلم ترجمة يفهمها لزمته الحجة

(القرطبی، محمدبن احمد الانصاری، الجامع لاحكام القرآن، داراحياء التراث العربی، ۱۹۸۵، جلد۹، ص: ۳۴۰)

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا کہ جب آپ کی قوم اچھی طرح سمجھ لے تو دوسری قوموں کو ترجموں کے ذریعے وہ احکام پہنچادیے جائیں (خزائن العرفان ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور سورہ ابراہیم، حاشیہ: ۱۱، ص:۴۶۰)

مفتی احمد یار خان نعیمی اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

''اپنی قوم کو بلاواسطہ اور دوسروں کو علما کے ترجموں کے ذریعہ سے، چنانچہ آج تمام دنیا میں علما تبلیغ فرمارہے ہیں، یہ حضور ہی کی تبلیغ ہے

احمد یار خاں نعیمی، مفتی، نور العرفان، حاشیہ:۲، ص:۴۰۷

محمد علی الصابونی نے ''ترجمہ'' کی جو تعریف کی اس میں بھی دعوتی پہلو کا عنصر بین السطور موجود ہے۔ وہ لکھتے میں

''ترجمة القرآن معناها نقل القرآن الى لغات اجنبية أخرى غير اللغة العربية وطبع هذه الترجمة فى

نسخ لیطلع علیها من لایعرف اللغة العربیة (لغة القرآن) ویفهم مراد اللہ عزوجل من کتابه العزیز بواسطة هذه الترجمة "(البتیان فی علوم القرآن ص:۲۰۵)

ترجمہ القرآن، کا مطلب ہے قرآن کریم غیر عربی زبانوں میں منتقل کرنا، ان تراجم کو شائع کرنا تاکہ عربی سے ناآشنا لوگ اس ترجمہ کی وساطت سے کتاب عزیز کے معانی سمجھیں اور اللہ تعالیٰ کی مراد کو جانیں۔

(۵) منہاج ترجمہ وتفسیر، ص:۲۰ ......البتہ مکمل اردو ترجمہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو ۱۲۰۵ھ میں منظر عام پر آیا

(۶)

(۷) معارف القرآن جلد ۵، ص:۲۱۴

(۸) عربی زبان اور اس کی اہمیت وعظمت اور وسعت لسانی کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ ایضاً ص:۲۱۲-۲۱۶

(۹) عبدالماجد دریا آبادی کا یہ کہنا بالکل درست ہے

Of all great works the Holy Quran is perhaps the least translatable

(Darya badi, Abdul Majid, Translation of the Holy quran, Taj company Karachi, 1957 Preface P.ix)

Pickthall نے بھی ایسی ہی رائے پیش کی ہے

The Book is here rendered almost literally and every effort has been made to choose befitting language. But the resolt is not the Glorious Quran, that initable symphony, the every sounds of which nove man to terars and ecstasy. It is only an attempt to present the meaning of the Quran- and peradventvre something of the charm- in English

Translators Foreword P.J é3

(۱۰) منہاج ترجمہ وتفسیر، ص:۳۳ (۱۱) اصول ترجمہ قرآن کریم، ص:۱۸-۲۲

(۱۲) احوال حیات کے لیے ملاحظہ فرمایئے محمد حبیب کا غیر مطبوعہ مقالہ

المکانة الادبیة لترجمة معانی القرآن الکریم للشیخ السید محمد وجیه السیما عرفانی

(۱۳) واضح رہے کہ عرفان القرآن کے نام سے ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔ مگر زیر تبصرہ ترجمہ اس ترجمہ سے پہلے شائع ہو چکا تھا۔

(۱۴) احوال وآثار کے لیے ملاحظہ فرمائیں

(i) محسن اہلسنت از محمد عبدالستار طاہر (ii) تذکار شرف از محمد عبدالستار طاہر

(iii) شرف ملت نمبر (مدیر) محمد اسلم شہزاد

(۱۵) جناب علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب نے اپنے ترجمہ کے متعلق معلومات ۱۸/اکتوبر ۲۰۰۶ء/۲۴ رمضان ۱۴۲۷ھ کو راقم کے لیے لکھی تھیں۔ یہ قلمی صورت میں میرے پاس محفوظ ہیں۔

(۱۶) الشرف اکتوبر ۲۰۰۷ء،ص ۱۰۷

(۱۷) حالات زندگی کے لیے ملاحظہ فرمائیں حافظ احسان احمد قاضی کا تحریر کردہ ''تعارف مصنف'' جو مفتی صاحب کی کتاب ''شدید غصہ کی طلاق کا شرعی حکم'' کی ابتداء میں ہے۔

(۱۸) ابتدائیہ ترجمہ قرآن مطبوعہ ادارہ علم القرآن۔

مآخذ و مراجع

☆ اسلم شہزاد، (مدیر) شرف ملت نمبر، لاہور اکتوبر ۲۰۰۷

☆ سعود عالم قاسمی، ڈاکٹر، منہاج ترجمہ وتفسیر، فاران اکیڈمی، علی گڑھ، انڈیا ۲۰۰۲ء

☆ شرف قادری، عبدالحکیم، اصول ترجمہ قرآن کریم، رضا اکیڈمی لاہور ۱۹۹۶

☆ شرف قادری، انوار القرآن (غیر مطبوعہ)

☆ الصابونی، محمد علی، التبیان فی علوم القرآن۔ المکتبہ الحقانیۃ، پشاور ۱۹۸۱

☆ طاہر، محمد عبدالستار، محسن اہلسنت، رضا دارالاشاعت لاہور ۱۹۹ء

☆ طاہر، محمد عبدالستار، تذکار شرف، الممتاز پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۹ء

☆ عبدالحکیم شرف الدین، صالحہؒ ڈاکٹر، قرآن کریم کے اردو تراجم قدیمی کتب خانہ کراچی۔

☆ عارف محمود الحسن ڈاکٹر، (نگران) ترجمہ قرآن، ادارہ علم القرآن لاہور، ۲۰۰۲

☆ عرفانی، سید وجیہ السیما، عرفان القرآن، سندر شریف لاہور

☆ غلام سرور قادری، مفتی، عمدۃ البیان فی ترجمۃ القرآن، عمدۃ البیان پبلشرز لاہور، ۲۰۰۷

☆ غلام سرور قادری، مفتی، محاسن عمدۃ البیان (غیر مطبوعہ)

☆ فراقی، ڈاکٹر تحسین، عبدالماجد دریابادی احوال وآثار، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۳

☆ محمد حبیب، المکافۃ الادبیۃ لترجمۃ معانی القرآن الکریم للشیخ السید محمد وجیہ السیما عرفانی، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے پنجاب یونیورسٹی لاہور شعبہ عربی، زیر نگرانی، ڈاکٹر خالق داد ملک

☆ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۸۹

☆ محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۳۹۹ء

☆ مجید اللہ قادری، کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا پاکستان ۱۹۹۹ء

☆ مودودی، مولانا، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۲

❀❀❀❀

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قرآنی خدمت
مقصد و منہج

آسیہ کریم ☆

اس حقیقت کے اعتراف میں کسی کو انکار نہیں کہ برِّصغیر میں ترجمۂ قرآن کی طرح ڈالنے والے شاہ ولی اللہ تھے۔ ان کے فارسی ترجمہ وتفسیر کے بعد ان کے بیٹوں نے قرآنِ مجید کے اردو تراجم کیے اور بعد میں ایک سلسلہ چل نکلا کہ برِّصغیر کی تقریباً ہر قابلِ ذکر زبان میں قرآنِ مجید کا ترجمہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام براہِ راست بندوں تک پہنچا۔

شاہ ولی اللہ کا دور ...... برِّصغیر کی تاریخ کا بڑا ہی پر آشوب دور تھا۔ دن بدن بگڑتے حالات میں مستقبل کے اندیشوں نے ہر حساس ذہن کو مسلسل اضطراب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ شاہ ولی اللہ کا تعلق ایسے خاندان سے تھا جہاں ہند کی اسلامی سلطنت کے تحفظ و استحکام کے لیے تلوار اُٹھانے کی روایت موجود رہی تھی۔ (۱) ملکی سیاسی حالات پر ان کی نظر بڑی گہری تھی۔ امراء وسلاطین کو لکھے جانے والے ان کے خطوط ......اور احمد شاہ ابدالی کو دعوت، کہ وہ مرہٹوں کے استیصال کے لیے ہند کا قصد کرے، ان کے سیاسی معاملات میں فعّال کردار کی نشان دہی کرتے ہیں۔ (۲)

شاہ ولی اللہ کے اس رجحان کو تقویت اور مہمیز حرمین شریفین کے سفر سے بھی ملی تھی جہاں ان کا قیام ایک سال سے زیادہ رہا۔ وہاں عالمِ اسلام کے مختلف خطوں سے آنے والے علماء وشیوخ سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں ......اور جہاں شاہ صاحبؒ نے ان سے استفادہ کیا وہاں ان شیوخ نے بھی شاہ صاحبؒ

☆ ریسرچ سکالر شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

سے اخذ واکتساب کیا اور اس کا اعتراف بھی......۔(۳)

کچھ اس بین المِلّی رابطے سے حاصل ہونے والی عالمِ اسلام کے حالات کی معلومات تھیں اور کچھ قیامِ حرمین کے دوران نصیب ہونے والی وارداتِ قلب (جن کا تذکرہ ''فیوض الحرمین'' میں کیا ہے) ......جنہوں نے شاہ ولی اللہ کے قلبی اضطراب میں اضافہ کیا...... اور جب وہ ۱۱۴۵ھ میں وطن واپس لوٹے تو سب سے بڑھ کر جو متاع ساتھ لائے، وہ اسی ''دردِ بے بہا'' کی تھی اور کچھ کر گزرنے کا عزم۔

ع اک اضطرابِ مسلسل، غیاب ہو کہ حضور
میں خود کہوں تو مری داستان دراز نہیں(۴)

ایک عالمِ ربّانی کی چشمِ بینا مستقبل کے ہندوستان کے نہ صرف سیاسی نظام کو تلپھٹ ہوتے دیکھ رہی تھی...... بلکہ اس خطّے کے مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے دینی، معاشی اور تمدنی حالات پر اس انقلاب کے اثرات کی پیش بینی بھی کر رہی تھی۔ مسلمان اس خطے میں تقریباً ہزار سالہ حکمرانی کا طویل دور گزارنے کے باوجود اقلیت ہی تھے۔ اور اب وہ دور گزر چکا تھا کہ ان کی قوت وشوکت کے باعث غیر مسلم بھی ان کے طور طریقوں کی تقلید میں فخر محسوس کرتے تھے۔ زوالِ سلطنت کے ساتھ احساسِ تفاخر تو ایک طرف، دینی معتقدات پر اعتماد ویقین بھی خطرے میں تھا۔(۵)

عوام تو عوام، علومِ دینی کے نمائندے اور ''ماہرین'' بھی اولین مصادرِ شریعت، قرآن وحدیث سے ناواقف تھے۔ مدارسِ دینیہ، جن کے فارغ التحصیل عوام کی دینی راہنمائی کے ذمہ دار ہیں، شاہ صاحبؒ کے بقول ''علومِ آلیہ'' میں وقت برباد کر رہے تھے۔(۶) اور عوام مقامی ہندوانہ رسوم ورواج کا شکار ہو رہے تھے یا دین کے نام پر اوہام وخرافات کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ صوفیاء، امراء، عساکر، تاجر اور صناع، غرض مسلمانوں کے تقریباً ہر طبقے کی زندگی اور معاملات میں اسلام کے بنیادی اصولوں سے انحراف بڑھتا جا رہا تھا۔(۷)

ان ہمہ جہت مسائل کا حل صرف قرآن حکیم کے پاس ہی مل سکتا تھا۔ انسانوں کے عقائد اعمال

اور اخلاق کی اصلاح بیک وقت اس کے پروگرام میں شامل ہیں۔

قرآن ......نسخۂ شفاء:

اپنے زمانہ طالب علمی میں شاہ ولی اللہ نے جس طریقے سے قرآن کی تعلیم حاصل کی وہ اس کے ہمیشہ معترف رہے۔ مدرسۂ رحیمیہ کا نصاب، جو خود ان کے والد گرامی کا مقرر کردہ تھا، اس میں قرآنِ حکیم کا مطالعہ خاص اہمیت رکھتا تھا۔ مروجہ طریقوں سے ہٹ کر یہ طریقِ تدریس خاص قرآن سے طالب علم کا تعلق قائم کرتا تھا۔ اسی طرزِ تدریس سے انہیں تفسیری مباحث میں الجھنے کے بجائے معانی قرآن پر تدبر کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ بقول ان کے ''میں مدرسہ میں کئی بار شانِ نزول اور معانی قرآنِ عظیم میں تدبر اور دیگر تفاسیر کے مطالعہ کے ساتھ والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ طریقہ میرے لیے فتحِ عظیم کا سبب بنا۔'' (۸)

یہ فتحِ عظیم کیا تھی۔ جس نے ان پر قرآن حکیم کے عظیم الشان علوم کا دروازہ کھولا۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر فرماتے ہیں۔

''اس بندۂ ضعیف پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن میں سب سے عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ اس نے مجھے فہمِ قرآن کی توفیق عطا فرمائی۔ اور نبی کریمؐ کے احسانات اس کم ترین پر بہت سے ہیں جن میں سے سب سے بڑا احسان قرآن حکیم کی تبلیغ ہے۔ نبی کریمؐ نے قرآن کی تبلیغ قرنِ اول کو فرمائی۔ انہوں نے قرنِ ثانی تک پہنچایا۔ اس طرح درجہ بدرجہ اس خاکسار کو بھی اس کی روایت و درایت سے حصہ ملا۔'' (۹)

اس فہمِ قرآن اور فریضۂ تبلیغ کے شعور نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ مطالبِ قرآن تک عام لوگوں کی رسائی کو ممکن بنانے کی کوشش کریں۔

نزولِ قرآن کے تین مقاصد:

نزولِ قرآن کے مقاصد ان کے ذہن میں واضح اور متعین تھے۔ الفوز الکبیر میں انہوں نے صراحت کے ساتھ لکھا:

''یہ امر طے شدہ ہے کہ قرآن صرف لوگوں کے نفوس کی تہذیب، اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی اصلاح کے لیے نازل ہوا ہے۔...... آیاتِ مخاصمہ کے نزول کا سبب لوگوں کے عقائدِ باطلہ، آیاتِ احکام کے نزول کا سبب لوگوں کے فاسد اعمال اور ان کے درمیان مظالم کا رواجِ عام ہے اور آیاتِ تذکیر کے نزول کا سبب یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی طرف سے بے توجہی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے انعامات، تعذیبی سانحات، موت اور مابعد موت کے حالات کی طرف سے لاپرواہی برتتے تھے۔''(۱۰)

ان کی انگلیاں حالات کی نبض پر تھیں۔ مسلمانوں کا قرآن سے عمومی تعلق سطحی اور روایتی تھا۔ شاہ صاحبؒ نے قرآن سے حقیقی تعلق کی طرف توجہ مبذول کروائی اور بڑی دلسوزی سے فرمایا:

''اگر تم انصاف سے کام لو تو نزول قرآن کا اصل فائدہ یہ ہے کہ اس سے نصیحت اور اس کی ہدایت سے راہنمائی حاصل کی جائے۔ قرآن کا صرف تلفظ مقصود نہیں اگرچہ وہ بھی غنیمت ہے۔ مسلمانوں نے یہ کیا شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ قرآن کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس شخص کو کیا حلاوت نصیب ہو سکتی ہے جو قرآن کے معانی کو نہیں سمجھتا۔''(۱۱)

ترجمۂ قرآن:

شاہ ولی اللہ کا سلیس اور اس زمانے کی متعارف زبان، فارسی میں قرآنِ مجید کا ترجمہ اور مختصر حواشی، جس کا نام انہوں نے ''فتح الرحمٰن'' رکھا، عامۃ المسلمین کو ''قرآن کا مفہوم سمجھانے'' اور ''حلاوتِ ایمان'' سے آشنا کروانے کے لیے تھا۔ اس ترجمہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگ قرآن کی طرف متوجہ ہوں۔ اس کو پڑھیں، سمجھیں اور اس کے مطابق اپنی زندگی درست کریں۔ فاسد خیالات، غلط قسم کے رسوم و اوہام اور بُرے اخلاق، جو ان میں رائج ہو چکے ہیں، ان کا ازالہ ہو۔ چنانچہ وہ اس مقصد کو بڑے واضح الفاظ میں مقدمہ فتح الرحمٰن میں بیان کرتے ہیں۔

''اس کتاب (فتح الرحمٰن) کا مرتبہ متن قرآن اور فارسی کے مختصر رسائل پڑھنے کے بعد ہے تا کہ فارسی ان کی سمجھ میں بے تکلف آ جائے۔ خاص طور پر اہلِ حرفہ اور سپاہیوں کے بچوں کے لیے، جو علومِ

عربیہ کو پورا پڑھنے کی توقع نہیں رکھتے۔ سنِ تمیز کے پہلے ہی مرحلہ میں اس کتاب کی ان کو تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کے اندر پہلی چیز جو داخل ہو، وہ کتاب اللہ کے معانی ہوں اور ان کی سلامتی فطرت ہاتھ سے نہ جائے۔ ملحدوں کے اقوال، جو کہ صوفیوں کے لبادے میں پنہاں ہو کر دنیا کو گمراہ کرتے ہیں، ان کو فریفتہ نہ کریں۔ خام معقولیوں کی ہرزہ سرائی اور واہیات ہندوؤں کی بکواس ان کے لوحِ سینہ کو ملوث نہ کرے۔ پھر وہ لوگ، جو عمر کا ایک بڑا حصہ گزار دینے کے بعد توبہ کی توفیق پاتے ہیں مگر اسلامی علوم حاصل نہیں کر پاتے، یہ کتاب ان کو پڑھانی چاہیے تاکہ وہ قرآن کی تلاوت میں حلاوت پائیں اور اس کتاب کا فائدہ عام مسلمانوں کے حق میں متوقع ہے۔ ان شاء اللّٰہ تعالیٰ العظیم۔" (۱۲)

ان کا یقین تھا کہ قرآن کا مطالعہ اور اس کا فہم، اگرچہ کتنا ہی سادہ کیوں نہ ہو، انسان کی اخلاقی اصلاح اور تہذیبِ نفس کے لیے اکسیرِ کامل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات محض ذہانت، قوتِ مطالعہ اور قیاس پر مبنی نہ تھی، "بلکہ ایک ایسی بدیہی حقیقت تھی جس پر قرآنِ مجید خود شاہد اور نہ صرف عہدِ بعثت کی تاریخ، بلکہ اسلام کی پوری تاریخِ دعوت اور سرگزشتِ اصلاح وتجدید گواہ ہے۔" (۱۳)

الفوز الکبیر میں وہ کئی مقامات پر اس کا اظہار فرماتے ہیں۔ مثلاً:

"یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ قرآن مجید تمام لوگوں کی تہذیب اور اصلاحِ نفوس کے لیے نازل ہوا ہے۔ اس میں عربی اور عجمی، شہری اور دیہاتی کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔" (۱۴)

مزید فرماتے ہیں:

"جب قرآن کی تلاوت کرنے بیٹھو تو یہ ہرگز مت سمجھو کہ سب کچھ کسی ایسی قوم سے خطاب ہے جو کسی زمانے میں موجود تھی اور اب فنا ہو گئی ہے۔ رسول اکرمؐ کی یہ حدیث سامنے رکھو کہ تم بھی گزشتہ لوگوں کے راستہ پر چلو گے۔ اور یقین کرو، آج دین میں کوئی آفت ایسی نہیں ہے جس کا نمونہ پہلے ہی سے موجود نہ ہو۔ لہٰذا جو باتیں کل کہی گئی تھیں، ان کی حقیقت آج بھی اسی طرح موجود ہے۔ تفسیرِ قرآن کا اصل مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اصل

اصول اور ان کے حقیقی مقاصد کو بیان کیا جائے ورنہ ان حکایاتِ پارینہ کے دہرانے سے کچھ حاصل نہیں ہے۔'' (۱۵)

تعلیمات قرآنی کی تزکیہ وتربیت اخلاق کے باب میں اثر آفرینی کے وہ اتنے قائل ہیں کہ ''اعجاز القرآن'' کی بحث میں اہم ترین وجہ اعجاز اسی کو قرار دیتے ہیں۔ الفوز الکبیر میں فرماتے ہیں:

''اب تک اعجاز قرآن کی جن وجوہات کا تذکرہ ہوتا رہا ان کا تعلق یا تو قرآن کے اسلوب سے تھا یا اس کی معجزانہ طاقت سے، لیکن ان کے علاوہ بھی ایک وجہ ہے۔ اور وہ ایسی وجہ ہے جسے سوائے ان لوگوں کے، جو شریعت کے اسرار ورموز کے سمجھنے کا سلیقہ رکھتے ہیں، کوئی اور سمجھ ہی نہیں سکتا۔ وہ چیز خود قرآنِ مجید کا نفسِ مضمون اور اس میں بیان کیے جانے والے مطالب ہیں۔ ان کی گہرائی اور گیرائی، ان کی ہمہ گیری اور ان کی نا قابلِ مقابلہ قطعیت بجائے خود اس کی بہت بڑی دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور بندوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے نازل کیا گیا ہے۔...... ایک ماہرِ فن اور کامل طبیب، جب فنِ طب کی مشہور ترین کتاب، ''قانون'' کا مطالعہ کرتا ہے اور اس میں بیان کیے جانے والے اسباب وعلاماتِ مرض کے ماہرانہ تجزیہ کو دیکھتا ہے۔ دواؤں کی تفصیل اور ان کے خواص سے متعلق بحثوں پر نظر ڈالتا ہے تو وہ اس فیصلہ کے لیے مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کتاب کا مؤلف کوئی انتہائی ماہر اور کامل طبیب ہے، لیکن ایک عامی یا غیر طبیب اس کی قدر وقیمت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ یہی حال قرآن مجید کے مطالب کی عظمت شناسی کا بھی ہے۔ ایک عامی، یا ایسا شخص جس میں حقائق کے ادراک کی صلاحیت نہیں ہے، قرآن کی عظمت کا احساس نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف جب ایک ماہر کامل، جو اسرارِ شریعت کا عالم ہے، وہ چونکہ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اصلاحِ نفس اور تہذیبِ اخلاق کے لیے سیکھنا اور سکھانا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا جب وہ قرآن کو دیکھتا ہے اور اس کے مطالب پر غور کرتا ہے تو فوراً سمجھ لیتا ہے کہ یہ مطالب معیارِ کمال کی اس بلندی پر ہیں جہاں تک رسائی انسان کے لیے ناممکن

ہے۔ لہٰذا وہ قرآن کے اعجاز اور اس کے من جانب اللہ ہونے کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔'' (۱۶)

گویا تہذیبِ اخلاق کی انتہائی متوازن تعلیم و تلقین اس کتابِ ہدایت کا اہم اور نمایاں ترین معجزہ ہے۔ اگرچہ اس کا اُسلوب، اس کی فصاحت و بلاغت، اس کا ادبی حسن، اس کا طرزِ اظہار اور اس کے اندازِ بیان کی سادگی و پرُکاری، سبھی وجوہِ اعجاز ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ (۱۷)

مطالعۂ قرآن اور علومِ تفسیر:

نزولِ قرآن کا دور سادگی کا دور تھا اور قرآن انہیں لوگوں کے محاورے میں نازل ہوا تھا جو اس کے اولین مخاطب تھے۔ وہ اس کا سادہ مفہوم بہ سہولت اخذ کر لیتے اور عمل میں لے آتے۔(۱۸) اس سے زیادہ کی ضرورت عام طور پر محسوس نہ کی جاتی۔(۱۹) وقت کے ساتھ اسلامی قلمرو کا دائرہ پھیلتا گیا اور عجمی اقوام دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ ان کے لیے عربی زبان اجنبی تھی اور قرآن کے مفہوم اور معانی تک پہنچنے کے لیے وہ تفسیر کے محتاج تھے۔(۲۰) چنانچہ وہ علمِ تفسیر، جو ابتدا میں سادہ تھا اور الفاظ کی مختصر اور عام طور پر لغوی تشریح تک محدود، (۲۱) ہوتے ہوتے اس میں اتنی وسعت آ گئی کہ ہر فکر اور ہر خیال کے لوگ اپنے اپنے نقطۂ نظر سے قرآن کی تفسیر کرنے لگے۔ احکام، لغت، ادب، فلسفہ اور کلام، غرض ہر نقطۂ نظر سے تفسیریں لکھی گئیں۔ تفسیرِ قرآن کے ان تمام طریقوں سے شاہ ولی اللہ واقف تھے۔ الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں:

''تفسیر کا میدان بڑا وسیع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مسلمان قرآن مجید کو سمجھنا اور اس کے مسائل میں غور کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر قرآن میں دلچسپی لینے والوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن ان تمام لوگوں نے ایک ہی حیثیت سے قرآن کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ ہر شخص نے اپنے اپنے ذوق اور رجحانِ طبع کے مطابق ایک نیا راستہ اختیار کیا ہے اور اپنی جودتِ طبع اور قوتِ بیان کی انتہائی طاقت کے ساتھ دادِ سخن دینے کی کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے دوسرے لوگوں کی

تائید وحمایت کا فریضہ بھی سرانجام دیا ہے۔اس وجہ سے فنِ تفسیر میں اتنی وسعت پیدا ہوگئی ہے کہ اس کا بیان کرنا مشکل ہوگیا ہے، بلکہ کتبِ تفسیر کے مطالعہ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بیان کرنا تو بڑی بات ہے، سب کا شمار کرنا بھی ناممکن ہے۔...... کچھ لوگوں نے قرآن مجید کی ان تمام تفسیروں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔اس سلسلہ میں بعض لوگوں نے عربی میں کتابیں لکھی ہیں اور بعض نے فارسی میں۔ کچھ لوگوں نے اختصار ملحوظ رکھا ہے اور کچھ لوگوں نے وضاحت اور تفصیل سے کام لیا ہے۔ان تمام کوششوں کی وجہ سے فنِ تفسیر کو اور بھی وسعت حاصل ہوگئی ہے۔...... جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، تفسیرِ قرآن کی یہ تمام قسمیں میری نگاہ میں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ میں ان تمام قسموں کے اصول اور ان کے اکثر و بیشتر فروع سے بھی واقف ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ ان تمام قسموں میں، میں نے آزادانہ طور پر مجتہدانہ تلاش وتحقیق سے بھی کام لیا ہے۔لہٰذا میری حیثیت ان تمام اقسام میں ایک مجتہد اور محقق کی بھی ہے۔ یہاں تک فنِ تفسیر کی ان قسموں کا ذکر تھا جو روایتاً ہم تک پہنچی ہیں۔لیکن ان کے علاوہ تفسیرِ قرآن کی دو تین اقسام ایسی ہیں جو مجھے براہِ راست مبدأ فیض کی جانب سے عطا ہوئی ہیں۔ اگر سچ پوچھیے تو ان فنون میں مجھے مبدأ فیض ہی سے تلمذ حاصل ہے۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے جس کا شکر ادا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

ع ولو انّ لی فی کلّ منبت شعرة

لسانا لما استو فیت واجب حمده (۲۲)

براہِ راست مطالعۂ قرآن کی تجویز:

علومِ دینیہ میں اپنے انتہائی بلند مقام اور علمِ تفسیر میں اتنے گہرے فہم وادراک کے باوجود جناب شاہ ولی اللہ دینی مدارس کے طلبہ، ناخواندہ بزرگوں، عام مسلمانوں حتی کہ بچوں کے لیے بھی متنِ قرآن کو ترجمہ کے ساتھ براہِ راست اور اولین مطالعہ کے لیے تجویز کرتے ہیں (۲۳) بظاہر یہ بات عجیب لگتی

ہے۔لیکن اس کی کئی اہم وجوہات تھیں۔

اولاً:

یہ کہ قرآن کلام الٰہی ہے۔شاہ صاحبؒ کے بقول ان الفاظ کا اپنا ایک تأثر ہے۔''جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے گفتگو کے لیے انسانی لب ولہجہ اختیار کرنا چاہا تو ان الفاظ کو منتخب فرمایا۔'' (۲۴) تہذیبِ نفس اور تربیتِ اخلاق کی پہلی منزل کسی کلام کا دل پر پڑنے والا تأثر ہے۔اس ضمن میں قرآن کے مضامین کے علاوہ الفاظ کا دروبست بھی معجزانہ حیثیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

''قرآن حکیم نے کہیں غیر معیاری لفظ استعمال نہیں فرمایا۔قرآن مجید میں وہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو زبان پر بہت رواں ہیں اور بہت آسانی سے دلوں میں اُتر جانے والے ہیں۔اس اعتبار سے قرآن کی قوتِ تاثیر معجزہ ہے۔کسی اور کتاب میں یہ خاصیت نہیں پائی جاتی۔'' (۲۵)

خود قرآنِ مجید میں تلاوتِ آیات کے اس تأثر کا ذکر کیا گیا ہے کہ اہلِ ایمان جب اسے پڑھتے ہیں تو شدتِ تأثر ان کے چہروں، جلد اور آنکھوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور دل نرم پڑ جاتے ہیں۔(۲۶)

ثانیاً:

دوسری بات یہ تھی کہ تفسیر کی بحثوں میں لوگ، جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر میں بیان فرمایا، اپنے فن اور ذوق کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے بہت دور نکل گئے اور قرآن کا اصل مدعا فراموش کر بیٹھے۔الفوز الکبیر میں ہی ایک عارف کا قول نقل کرتے ہیں:

''جب سے لوگوں نے علمِ تجوید سیکھا ہے۔تلاوتِ قرآن میں خشوع وخضوع ختم ہو گیا ہے اور جب سے قرآن کے مفسرین نے قرآن کی تفسیر میں باریک نکات اور بعید ترین امکانات کا تذکرہ شروع کیا ہے، علمِ تفسیر تقریباً ختم ہو گیا ہے۔'' (۲۷)

ظاہر ہے، قرآن کا مقصود تفسیر برائے تفسیر نہیں ہے۔ تزکیۂ نفوس اور تربیتِ اخلاق کے مقصد کا حصول قرآن کے سادہ معانی و مفاہیم سے بھی ممکن ہے پھر کیوں نہ اس سادہ طریقے کو اختیار کیا جائے۔ ڈاکٹر سعیدہ اقبال نے شاہ ولی اللہ کے اسی فکری رجحان کی وضاحت کی ہے:

"His first principle is simple one. Religious knowledge is not a paradox. It is basically for the guidance of the common man. Hence as far as possible (and the possibility is stretchable to a very great extent) take the literal, common sense meaning of the Quran and refrain from interpretation. The people have become so interested and absorbed in interpretations and in analyzing the allegories and similies of the Quran that the real purpose of the language i.e. of guidance, of reformation and purification of individuals and society, is totally overshadowed...As a teacher of the Quran in his father's school, he practically experienced that the intent of the language of the Quran is lost sight of and the people have become busy in a game of words and equivocations." (۲۸)

اور شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے انتہائی سادہ الفاظ اور دل نشین انداز میں اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

''بتانے والے بہتیرا بتائیں، جیسا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ بتایا ہے، ویسا کوئی نہیں بتا سکتا۔ اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے، کسی کے کلام میں نہیں۔'' (۲۹)

خود جناب شاہ ولی اللہ قرآن کے نزول کا خاص مقصد بھی یہی بیان فرماتے ہیں کہ تربیتِ نفوس کے لیے قرآن کے اپنے اندر جو مضامین بیان کردہ ہیں، وہ تفسیروں کے محتاج نہیں۔ تعلیم، تربیت، تزکیہ، تذکیر، ہر سامان یہ کتابِ ہدایت خود ہی فراہم کرتی ہے۔ غفلت اور مادی مشغولیات کے پردے ہٹاتی اور انسانوں کو راہ یاب کرتی ہے۔

تفہیماتِ الٰہیہ میں فرماتے ہیں:

''علّمنی ربّی جلّ جلاله...... انّ الإیمان الحقیقی ودیعة فی کل نسمة بحسب الفطرة ولکنّ النّاس استولیٰ علیهم سرور عالم التّخلیط فانزل الله القرآن لتنقهربه طباعهم فمنه ما هو تشنیع بالمسلمات عند الجمهور و تنویه لمّها و منه ما هو ترهیب و ترغیب و منه الآیات

العظمیٰ و بیان النعم الکبریٰ و منه توکید الدعویٰ بذکر اللّٰه سبحانه فیها والتوکیل الیه و منه بیان القصص النافعة والحالات المر قفة و منه بیان العادات الفا سدة و قبحها ومنه ردّ التحریفات و منه التمثیل و منه بیان صفاته تعالیٰ المبا ئنة عن الناسوت فهٰذا هو نظام الطبیعی لمضامین الاٰیات۔" (۳۰)

ثالثاً:

ایک مبتدی کے لیے تفسیروں سے صرف نظر کرتے ہوئے خالص قرآن کی طرف شاہ ولی اللہ کی دعوت کی تیسری اہم وجہ تفسیرِ قرآن کرتے وقت مفسرین کا شانِ نزول کی تلاش کا رجحان تھا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے بقول:

''اس رجحان سے دو بڑی خرابیاں پیدا ہوگئیں ہیں۔ قرآنی تعلیمات کی عالم گیر اور ازلی وابدی نوعیت کے عقیدے میں فرق آگیا ہے، کیونکہ اگر کسی تعلیم کو بعض مخصوص واقعات کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے تو اس کا اطلاق محدود ہو جاتا ہے۔ پھر تفصیلات دریافت کرنے کی خواہش نے بعض اوقات غیر تاریخی قصے، کہانیاں اور روایتیں پیدا کر دیں، جیسی کہ واقدی جیسے ضعیف اور ناقابل اعتماد راویوں کے بیانات میں داخل ہوگئی ہیں۔ شاہ ولی اللہ کسی تعلیم کا مطالعہ اس کے تاریخی پس منظر کے ساتھ کرنے کی اہمیت سے بے خبر نہیں تھے، مگر انہوں نے اس طریقے کو اختیار کرنے میں اعتدال پر زور دیا اور ان لوگوں پر نکتہ چینی کی جو اس بنیادی حقیقت کو نظر انداز کرنے پر مائل ہیں کہ قرآن کو ازلی وابدی اقدار اور عالم گیر راہنمائی کا خزانہ بنانا مقصود تھا۔'' (۳۱)

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے بھی شاہ صاحبؒ کی پیروی میں مفسرین کے اس عام رجحان کو ناپسند کیا ہے اور اس باب میں حضرت شاہ ولی اللہ نے جو خاص خدمت انجام دی اس کا تذکرہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

''ہمارے مفسرین کا یہ حال ہے کہ آپ جس تفسیر کو اٹھا کر دیکھیں گے، ہر آیت کے متعلق

ایک جزئی واقعہ مذکور ہوگا۔ مثلاً: یہ آیت ابوجہل کے حق میں ہے۔ یہ آیت عبداللہ بن ابی منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت میں اُتری۔ اس آیت میں اہلِ بیت کے فضائل کا بیان ہے۔غرضیکہ قرآن کی آیات کو مخصوص اشخاص اور واقعات سے مختص کر دینے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آپ اساتذہ اور طلبہ کو انہی جزئی چیزوں میں غور کرتا ہوا پائیں گے۔......قرآنِ عظیم کو عملاً آیاتِ احکام تک محدود کر دینے اور اس کی آیات کو عمومی مطالب کی بجائے جزئی واقعات سے مختص کرنے کا اثر یہ ہوا کہ قرآن بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی زندگی میں مؤثر نہ رہا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ہماری تمام عملی سرگرمیوں میں مشعلِ ہدایت بنتا لیکن ہوا یہ کہ وہ محض پڑھنے پڑھانے تک محدود ہو کر رہ گیا۔''......شاہ صاحبؒ نے الفوز الکبیر کی ابتدا میں اس غلطی کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ آیاتِ احکام کے سلسلے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اجتماعی طور پر عام بنی نوع انسان میں جو بداخلاقیاں اور بداعمالیاں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں، ان آیات کا سببِ نزول ان کو سمجھنا چاہیے۔ یہاں کسی زمانے اور قوم کی تخصیص نہیں۔عرب ہوں یا عجم، آج کا زمانہ ہو یا کوئی پہلے کا گزرا ہوا دور، جہاں بھی یہ خرابیاں پیدا ہوں گی، قرآن کی ان آیات کا انطباق ان پر ہوگا۔ اس ضمن میں الفوز الکبیر کی عبارت ملاحظہ ہو۔ ''تحقیق شدہ امر یہ ہے کہ جہاں بھی بُرے اعمال اور ظلم کا وجود ہوگا۔ وہ ان آیات کا سببِ نزول سمجھا جائے گا۔'' (۳۲)

رابعاً:

چوتھی اور اہم وجہ خالص مطالعہ قرآن اور صرف ترجمے سے گزارنے کی ان کی یہ دلیل تھی کہ قرآن مشکل نہیں، آسان کتاب ہے:

''لوگوں میں یہ غلط فہمی عام تھی، اور تسلیم شدہ سمجھی جاتی تھی کہ قرآن مجید اخص الخواص طبقہ کے مطالعہ، غور وفکر اور فہم و تفہیم کی کتاب ہے۔ اس کا سمجھنا ایک درجن سے زیادہ علوم پر موقوف ہے۔ اس کو عوام میں لانا، عوام کو براہِ راست اس کے مطالب سے واقفیت پیدا

کرنے اور اس سے ہدایت اور روشنی حاصل کرنے کی دعوت دینا سخت خطرناک، ایک بڑی گمراہی اور فتنہ کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے اور عوام میں ذہنی انتشار، خود رائی اور علماء سے بے نیازی بلکہ بغاوت اور سرکشی کی دعوت دینا ہے۔'' (۳۳)

اس موقع پر سید ابوالحسن علی ندویؒ شاہ ولی اللہؒ سے منسوب ایک رسالہ ''تحفۃ الموحدین'' کا تذکرہ کرتے ہیں، جو ان کے نام اور نسبت سے طبع ہوا ہے، اگرچہ شاہ ولی اللہ کے قدیم تذکروں اور فہرست تالیفات میں اس کا نام شامل نہیں ہے۔ ندوی صاحب کے بقول، ''اس لیے جزم و وثوق سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ شاہ صاحبؒ کے قلم سے ہے، البتہ جو مضمون آگے حوالہ دیا جا رہا ہے وہ اس طرزِ خیال کی صحیح ترجمانی ہے جو عام طور پر پھیلا ہوا تھا اور اس میں اس کا جواب شافی بھی موجود ہے۔'' (۳۴)

''بعض لوگ کہہ بیٹھتے ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بہت سے علم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہوا ہو۔ اپنے زمانے کا علاّمہ ہو۔'' ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾

(الجمعة. ۶۲:۲)

یعنی رسول خدا ﷺ بھی اُمی اور آپ کے اصحاب بزرگوار بھی پڑھے نہ تھے مگر جب رسول خدا نے اپنے اصحابؓ کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں، تو وہ ان کو سن کر ہر قسم کی برائی اور بگاڑ سے پاک صاف ہو گئے۔ پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن و حدیث نہیں سمجھ سکتا اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا تو صحابہ کرامؓ برائی اور عیبوں سے کیسے پاک صاف ہو گئے۔ اس قوم پر سخت افسوس ہے جو ''صِد را'' سمجھنے اور ''قاموس'' جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر قرآن و حدیث سمجھنے میں محض اپنے آپ کو نادان ظاہر کرتے ہیں اور بعض یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ کی برکت اور صحابہؓ کے دل کی سلامت کہاں سے لائیں جو قرآن و حدیث کے معانی بخوبی سمجھ سکیں۔ ان کے جواب

میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔...... ﴿ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ (الجمعہ ۶۲:۳) یعنی پچھلے لوگ، خواہ پڑھے ہوئے ہوں یا ان پڑھ، مگر جب وہ مسلمان ہوں اور اصحابؓ کے طریقے کی پیروی کا ارادہ کریں اور قرآن و حدیث کو سنیں تو انہیں بھی پاک کرنے کے لیے یہی قرآن و حدیث کافی ہو سکتے ہیں۔ اور فرماتا ہے:...... ﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ (القمر ۵۴:۲۲) یہ کیسے آسان ہو سکتی ہے کہ "کافیہ" پڑھنے والے اور "شافیہ" جاننے والے تو اس کے معنی سمجھنے سے عجز ظاہر کرتے اور عرب کے بدّو لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک جگہ یوں فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ ﴾ (محمد ۴۷:۲۴)

پس اگر قرآن مجید آسان نہ ہو تو اس میں فکر کیسے کیا جائے۔ ﴿ اَمْ عَلٰى قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ (محمد ۴۷:۲۴) یعنی باوجود یکہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی کیسی گمراہی ہے۔ قرآن کے فکر میں زور نہیں لگاتے۔" (۳۵)

اسی لیے شاہ ولی اللہ کا خیال تھا کہ بہت باریکیوں میں جائے بغیر قرآن کا سادہ مفہوم اخذ کر لینا عوام و خواص کے لیے یکساں آسان ہے۔ فتح الرحمٰن کے دیباچہ میں ترجمہ قرآن کی وجہ یہی بیان کرتے ہیں کہ سب لوگ اس پیغامِ الٰہی کو سمجھ سکیں:

> "یہ زمانہ جس میں ہم لوگ موجود ہیں اور یہ ملک، جس کے ہم باشندے ہیں، اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ ترجمۂ قرآن سلیس اور بامحاورہ فارسی میں (بغیر اظہارِ فضیلت وعبارت آرائی کے اور متعلق بحثوں اور توجیہات کے ذکر کے) کیا جائے تاکہ عوام و خواص یکساں سمجھ سکیں اور چھوٹے بڑے سبھی معانی قرآن کا ادراک کر سکیں۔ اس لیے اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور اس کے لیے مجبور کیا گیا۔" (۳۶)

پڑھے لکھے لوگ تو متنِ قرآن اور ترجمہ کا مطالعہ خود کر سکتے ہیں، شاہ صاحبؒ نے ان پڑھ لوگوں کے لیے بھی تجویز کیا کہ وہ اگر پڑھ نہ سکیں تو روزانہ کچھ حصہ پڑھوا کر سن لیں۔ یہ "تجویز" اتنی اہم تھی کہ انہوں نے اسے اپنے وصیت نامے میں اولین وصیت کے طور پر درج کیا، لکھتے ہیں:

''اعتقاد و عمل میں قرآن وسنت سے وابستہ رہو۔ ان دونوں کا کچھ حصہ ہر روز پڑھو اور اگر پڑھ نہیں سکتے تو ان دونوں کا ایک ایک ورق ہر روز پڑھوا کر سنو۔'' (۳۷)

رجوع الی القرآن کی تحریک:

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ترجمۂ قرآن سے قرآن مجید کی تبلیغ عام کے راستے کی رکاوٹیں دور ہو گئیں۔ ترجمے کے ساتھ انہوں نے مختصر حواشی بھی لکھے۔ لکھنے پڑھنے کی اس خدمت کے علاوہ اہم ترین خدمت رجوع الی القرآن کی تحریک کا آغاز تھا۔

مولانا محمد سالم قاسمی ان کی اس خدمت کا تذکرہ تفصیل سے کرتے ہیں:

''شاہ صاحب کی قرآنی خدمات بڑی وقیع اور بے نظیر ہیں۔ انہوں نے اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لیے نہیں بلکہ کتابِ ہدایت کی ترویج و اشاعت کے لئے اور امت کو ازسرِ نو قرآن کی بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لیے جامع اور منصوبہ بند طریقے پر کام کا آغاز کیا۔ یہ شاہ صاحبؒ ہی کی تحریک اور رہنمائی تھی کہ ان کے جلیل القدر صاحبزادوں نے پہلی مرتبہ اردو زبان میں قرآنِ کریم کے ترجمے کا فریضہ انجام دیا۔ الفضل للمتقدم. یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ شاہ صاحب نے ہندوستان میں ملتِ اسلامیہ کی اصلاح کے لیے بالخصوص اور عام انسانوں کی فلاح کے لیے بالعموم جو تحریک برپا کی وہ قرآنی تحریک تھی جو قرآن فہمی سے شروع ہوئی اور جہاد بالسّیف تک بسیط ہو گئی۔ گویا شاہ صاحبؒ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ وہ تحریکِ قرآن کے داعی اور مبلّغ تھے......سماجی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس مہم کے تین نمایاں پہلو ہیں۔ ایک تو مہلک رسوم و رواج اور مشرکانہ عقائد و خیالات کی عام وبا کے لیے قرآن کو مؤثر علاج کی حیثیت سے متعارف کروانا...... دوسرے قانون اور شریعت کی اساس اور سرچشمۂ اوّل کی حیثیت سے قرآن کو پیش کرنا کہ زندگی کے تفصیلی معاملات میں وہی مرجع اور قولِ فیصل قرار پائے۔...... تیسرے یہ احساس پیدا کرنا کہ جب لوگ قرآن کی طرف رجوع کریں گے تو ان کی علمی، ذہنی اور فکری سطح بھی حسبِ استفادہ بلند ہوتی چلی

جائے گی اور علم وفکر کا منبع ان کے ہاتھ آجائے گا۔'' (۳۸)

مختصراً ان کی یہ تحریک فکری اور علمی میدانوں میں تو کامیاب ہوئی ہی، جس کا ثبوت ان کے صاحبزادوں کے تراجمِ قرآن ہیں اور جن کے بعد برّصغیر میں دوسرے لوگوں کو بھی ایسی قرآنی خدمات کا حوصلہ ہوا۔ (۳۹) اسی طرح عوامی سطح پر فہم قرآن کا ذوق پیدا کرنے کے لیے درسِ قرآن کا سلسلہ جو قائم ہوا، وہ بھی جناب شاہ ولی اللہ کے خاندان ہی سے شروع ہوا۔ شاہ عبدالعزیزؒ اس کے بانی تھے۔ (۴۰) لیکن اس تحریک نے عملی طور پر جو سب سے بڑی کامیابی حاصل کی، وہ یہ تھی کہ شاہ صاحب نے برِّصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اپنے جاندار استدلال سے یہ اصول تسلیم کر والیا کہ قرآن کا مقصود اگر تہذیبِ نفس اور تربیتِ اخلاق ہے تو اسے براہِ راست مطالعے کے لیے عوام کے سامنے پیش کرنا ہی درست لائحہ عمل ہے۔ ان کی اس کامیابی کا اعتراف برّصغیر کی فکری تاریخ پر نظر رکھنے والے ہر شخص کو ہے۔

❀❀❀❀

حواشی وحوالہ جات

(۱) سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں: ''شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا خاندانی تعلق جس قبیلے اور نسل سے تھا، علم و تصوف کے ساتھ اس خاندان کے لوگ فوجی کاروبار میں بھی یگانۂ روزگار تھے۔ بلکہ شاہ عبدالرحیمؒ سے پہلے تو شاہ صاحبؒ کے خاندان میں علم و تصوف کی محض ثانوی حیثیت تھی، اصلی کام اس خانوادے کا جہاد ہی تھا۔ (تذکرۂ شاہ ولی اللہ، ص ۵۰)

(۲) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص ۴۲-۶۷

(۳) شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے محبوب استاد شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی کا تذکرہ انفاس العارفین میں تفصیل سے کیا ہے۔ (ص ۱۹۸-۲۰۰) انہوں نے شاہ صاحبؒ کو حدیث میں جو سند عطا کی اس میں لکھا "انه ليسند عني اللفظ و كنت اصحّح منه المعنٰى." (نزہۃ الخواطر ۶/۴۰۴، تذکرۂ علمائے ہند، ص ۵۴۲)

(۴) کلیاتِ اقبال، ص ۲۶۵

(۵) نجیب الدولہ کے نام اپنے ایک خط میں شاہ صاحبؒ نے اس خدشے کا اظہار یوں کیا تھا۔ ''اگر غلبۂ کفر معاذ اللہ اسی انداز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے اور تھوڑا ہی زمانہ گزرے گا کہ یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائے گی جو اسلام اور غیر اسلام میں تمیز نہ کر سکے گی۔'' (شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص ۲۲-۲۳)

(۶) التفہیماتِ الالٰہیۃ میں بڑے سخت الفاظ میں لکھتے ہیں:

" واقول لطبلة العلم ايها السّفهاء المسمون انفسكم بالعلماء اشتغلتم بعلوم اليونانيين و بالصرف والنحو والمعانی وظننتم ان هذا هو العلم۔ انما العلم اٰية محكمة من كتاب اللّٰه ......أو سنّة قائمة من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ......كان مرضى الحق ان تشتغلوا بكتاب اللّٰه و سنة رسوله ......وان لا تشتغلوا بالعلوم الآ لية الّا بانّها الة لا بأنّها امور مستقلّة۔"(۱/ ۲۱٤-۲۱۵)

(۷) التفہیمات الالٰہیۃ، ۱/۲۱۵-۲۱۹

(۸) انفاس العارفین، ص ۱۹۴

(۹) مقدمہ الفوز الکبیر، ص ۹

(۱۰) الفوز الکبیر، ص ۱۳

(۱۱) مقدمہ فتح الرحمٰن

(۱۲) مقدمہ فتح الرحمٰن

(۱۳) تاریخ دعوت وعزیمت، ۱۴۰/۵

(۱۴) الفوز الکبیر،ص ۴۱

(۱۵) الفوز الکبیر،ص ۴۰،۴۱

(۱۶) الفوز الکبیر،ص ۱۳۷

(۱۷) الفوز الکبیر،ص ۱۳۴ تا ۱۳۶

(۱۸) الاتقان فی علوم القرآن، ۴۹۲/۲

(۱۹) امام ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں۔ ''امام ابو عبید قاسم بن سلام حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر تھے کہ پڑھا۔ و فا کھة و ابا۔ پھر کہنے لگے۔ فا کھة تو ہم جانتے ہیں، یہ ابا کیا ہے؟ پھر کچھ سوچ کر کہنے لگے۔ اے عمر! خواہ مخواہ کی کرید اسی کو کہتے ہیں۔'' (مقدمہ اصول التفسیر / ۱۰۰، ۱۰۱)

(۲۰) الاتقان فی علوم القرآن، ۴۹۳/۲

(۲۱) الفوز الکبیر،ص ۵۵

(۲۲) الفوز الکبیر،ص ۱۴۰، ۱۴۱

(۲۳) وصیت نامہ، التفہیمات الالٰہیة، ۲۴۰/۲

(۲۴) الفوز الکبیر،ص ۱۲۳

(۲۵) محاضراتِ قرآنی،ص ۲۶۹

(۲۶) ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ (الانفال ۸:۲) ﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (الزمر ۲۹:۲۳) ﴿ وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ﴾ (المائدة ۵:۸۳)

(۲۷) الفوز الکبیر،ص ۴۵

(۲۸) Islamic Rationalism in the subcontinent. P-90

(۲۹) مقدمہ موضح القرآن

(۳۰) التفہیمات الالٰہیہ، ۱۲۲/۲، ۱۲۳

(۳۱) برِ عظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ،ص ۲۴۵

(۳۲) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ،ص ۴۶

(۳۳) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ،ص ۴۶

(۳۴) تاریخِ دعوت وعزیمت: ۵/۱۴۲

(۳۵) تحفۃ الموحدین، ص۶، ۷، ۸ ......نیز تقریباً انہیں الفاظ میں عام لوگوں، بلکہ ''علماء'' کی پھیلائی ہوئی اس غلط فہمی کا تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے تقویۃ الایمان کے دیباچے میں کیا ہے۔ص ۱۶-۱۸

(۳۶) مقدمہ فتح الرحمٰن

(۳۷) التفہیمات الالٰہیۃ، ۲/۲۴۰

(۳۸) شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر کا مطالعہ، ص۶۰

(۳۹) محاسن موضح القرآن، ص۱۳

(۴۰) محاضراتِ قرآنی، ص۲۱۹

مصادر و مراجع

☆ القرآن الحکیم

☆ ابن تیمیہؒ، احمد بن عبدالحلیم، شیخ الاسلام، مقدمہ اصول تفسیر، (ترجمہ مولانا عطاء اللہ حنیف) المکتبۃ السلفیہ، لاہور، ۱۹۶۳ء

☆ جلال الدین، سیوطیؒ، علی، حافظ جلال الدین محلیؒ، الاتقان فی علوم القرآن، مکتبۃ المعارف ریاض، ۱۹۷۴ء

☆ دہلوی، شاہ عبدالقادرؒ، موضح القرآن، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، س۔ن

☆ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند (فارسی)، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، س۔ن

☆ سندھی، عبیداللہ، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، المحمود اکیڈمی، لاہور، س۔ن

☆ شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ (ترجمہ) عزیز احمد صدیقی، مکتبہ جاء الحق، کراچی، ۲۰۰۰ء

☆ شاہ ولی اللہ محدث، دہلویؒ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، (ترجمہ سید محمد مہدی الحسنی، حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلویؒ)، قرآن محل، مولوی مسافر خانہ، کراچی، ۱۹۸۲ء

☆ شاہ ولی اللہ، محدث دہلویؒ، التفہیمات الالٰہیۃ، (مرتب مولوی محمد اسحاق نگینوی)، مقبول پریس دہلی، س۔ن

☆ شاہ ولی اللہ، محدث دہلویؒ، قطب الدین، فتح الرحمٰن، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، س۔ن

☆ شاہ ولی اللہ، محدث دہلویؒ، تحفۃ الموحدین، المکتبۃ السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور، س۔ن

☆ علامہ محمد اقبالؒ، ڈاکٹر، کلّیاتِ اقبال (مرتب) جاوید اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، مئی ۱۹۷۵ء

☆ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضراتِ قرآنی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء

☆ قاسمی، اخلاق حسین، مولانا، محاسن موضح القرآن، ذوالنورین اکیڈمی، بھیرہ، ۱۹۸۳ء

☆ قاسمی، محمد سالم، مولانا، شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر کا مطالعہ، المحمود اکیڈمی، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۸ء

☆ قریشی، اشتیاق حسینؒ، ڈاکٹر، برِعظیم پاک و ہند کی ملّتِ اسلامیہ، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۹۹ء

☆ گیلانی، مناظر احسنؒ، سید، تذکرۂ شاہ ولی اللہ، نوید پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۳ء

☆ محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۷ء

☆ مودودیؒ، ابوالاعلیٰ، سید، تجدید واحیائے دین، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء

☆ ندوی، عبدالحی الحسنیؒ، نزھۃ الخواطر، مطبع مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، ہند، ۱۹۵۷ء۔

☆ ندوی، ابوالحسن علیؒ، مولانا، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، س۔ن

☆ نظامی، خلیق احمدؒ، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، اردو بازار، لاہور، ۱۹۷۸ء

Saeeda Iqbal, Dr. Islamic Rationalism in the Subcontinent. Islamic Book Service - Urdu Bazar Lahore. 1984.

❁❁❁❁

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ (موضح قرآن) اور اس کی خصوصیات

ڈاکٹر عبدالحیٔ مدنی ☆

شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا تعارف اور علمی مقام

❀ نام ونسب:

شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین شہید بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قواذن بن قاضی قاسم بن کبیر عرف قاضی بدہا بن عبدالمالک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین المفتی عرف قاضی پران بن شیر ملک بن عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمرو الحاکم بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر الخطاب رضی اللہ عنہما۔(۱)

❀ پیدائش:

آپ کی پیدائش ۱۱۶۳ھ الموافق ۱۷۶۹ء میں دہلی میں ہوئی آپ شاہ ولی اللہ دہلوی کے تیسرے صاحبزادے تھے۔اور آپ کا شجرہ نسب ۳۴ پشت کے واسطے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

❀ تعلیم وتربیت:

شاہ صاحب کی ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد محترم کے ہاتھوں ہوئی جبکہ والد کی وفات کے بعد تکمیل علوم کی سعادت اپنے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے حاصل کی۔(۲)

☆ اسسٹنٹ پروفیسر این ای ڈی یونیورسٹی کراچی۔

جبکہ سلوک وتصوف میں آپ نے شیخ عبد العدل دہلوی رحمہ اللہ سے استفادہ کیا اور اردو زبان و ادب کے سلسلہ میں خواجہ میر درد کی صحبت بھی اختیار کی اور ان سے استفادہ کیا۔(۳)

❀ معروف تلامذہ:

شاہ عبد القادر رحمہ اللہ سے ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا، ان میں سے مشہور اور معروف شیخ عبد الحئی ہبۃ اللہ، شاہ اسماعیل شہید، شیخ فضل حق بن فضل امام خیر آبادی، مرزا حسن علی شافعی، شاہ محمد اسحاق اور دیگر علماء شامل ہیں۔(۴)

❀ اولاد:

شاہ صاحب کی صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی اور اس کی شادی شاہ صاحب نے اپنے بھتیجے مولوی مصطفیٰ صاحب سے کی جس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کی شادی شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ سے ہوئی۔ (۵)

❀ انتقال:

شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۲۳۰ھ الموافق ۱۸۱۴ء میں وفات پائی اور اپنے جد امجد شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہی دفن ہوئے۔

❀ علمی مقام:

خانوادہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی علمی خدمات اس اعتبار سے بے مثل و بے نظیر ہیں کہ یہ سب دور زوال میں کی گئی کاوشیں ہیں اور ہر فن میں تحقیقی کام پیش کیا گیا۔ اس خانوادہ میں سے شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے ترجمہ وحواشی کے علاوہ کوئی قابل ذکر تصنیفی، تالیفی خدمات نہیں ہیں تاہم شاہ صاحب کو صرف اسی ایک خدمت نے زندۂ جاوید کر دیا ہے۔

کسی بھی شخص کے علمی مقام کی گواہی اس کے تلامذہ دیتے ہیں شاہ صاحب کے تلامذہ نے برصغیر میں جو علمی خدمات سرانجام دیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ شاہ صاحب کا اردو ترجمہ قدیم اردو نثر کا ایک شاہکار ہے۔

شاہ صاحب کو قرآن سے گہرا شغف تھا جس کی وجہ سے آپ چالیس سال مسجد اکبر آبادی میں قرآن مجید کی تفہیم و تدریس میں مشغول رہے اور اسی زمانے میں آپ نے قرآن مجید کا مشہور و معروف اردو ترجمہ ''موضح قرآن'' لکھا جو آپ کے گہرے غور و فکر اور تدبر کو ظاہر کرتا ہے۔جس پر تحریر کردہ مختصر اور جامع حواشی فوائد کے اعتبار سے بے شمار تفاسیر پر بھاری ہیں۔

❀ اساسیات ترجمۂ قرآن:

قرآن مجید جو کہ لاریب وحیٔ الٰہی ہے، اس کے اعجاز کے شواہد خود اس کے باطن میں موجود ہیں اور جو رسول اللہ ﷺ کی باقی رہنے والی عظیم ترین نشانی جس کا ہر جملہ آیت یا نشانی کی حیثیت سے اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔اس دعوت کے پیش نظر بلند ارادوں کا حصول اور عالی مقاصد میں کامیابیاں ہیں، ان کے لیے اس کلام کو علو و رفعت کی چوٹیوں تک پہنچایا گیا اس حوالے سے چند اہم امور درج ذیل ہیں:

- معانی کی تکرار
- جملہ موضوعات کلام کے سلسلے میں فصاحت اور جملوں میں حسن تالیف۔
- تناقض اور خطاء سے صحیح و سالم ہونا۔
- معانی کا عمق جو گہرائی اور گیرائی سموئے ہوئے ہے۔
- غیبی خبروں کا ازحد بلیغ الفاظ میں مذکور ہونا جو کہ عدیم المثال ہے
- اس کا اعجاز اس کی روحانیت میں پنہاں ہے جو کہ علوم الٰہیہ اور دینی عقائد کے اصولوں، فضائل و آداب کے قوانین، سیاسی و تمدنی و اجتماعی ضوابط پر مشتمل ہونا۔

قرآن مجید کے مندرجہ بالا امور ایسے ہیں جو کہ ہر مترجم اور مفسر کو مدنظر رکھنا پڑتے ہیں تا کہ وہ قرآن مجید کا ترجمہ و حواشی اور تفسیر کرتے وقت اس کی روح کو نظر انداز نہ کرے اور تیسیر قرآن جیسا اہم فریضہ بخوبی ادا ہو سکے۔

چونکہ تمام افراد یکساں قابلیت و فہم کے مالک نہیں ہوتے اور ان کی استعداد و صلاحیتوں میں

تفاوت ہوتا ہے مزید برآں معاملہ جب کلام الٰہی کا ہو تو اس کی جامعیت، ہمہ گیری، بسط اور وسعت کو ترجمہ میں سمونا ایک ازحد مشکل امر ہے جس سے عہدہ براہ ہونا صرف اس شخص کے بس کی بات ہے جسے عربی لغت اور مقامی زبان پر مکمل عبور ہو۔

برصغیر میں اردو ترجمہ کی ابتدا:

اردو زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کی ابتدا بارہویں صدی ہجری میں ہوئی جس میں ایک ترجمہ ملتا ہے جو کہ قاضی محمد معظم سنبھلی نے ۱۱۳۱ھ میں کیا اور اس کے بعد دکنی اردو میں بھی ایک ترجمہ ملتا ہے جو کہ ۱۱۵۰ھ میں ہوا ہے۔لیکن یہ دونوں تراجم اور ان جیسی دیگر کاوشیں یا تو نامکمل تھیں یا ان کے ترجمہ میں خامیاں تھیں جس کی وجہ سے اردو زبان میں ایک ترجمہ کی کمی محسوس کی گئی چنانچہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا موضح قرآن سامنے آیا جسے عوام وخواص میں نہ صرف کہ قبولیت عام حاصل ہوئی بلکہ تمام مترجمین قرآن کے لیے مرجع ومصدر بھی ہے۔

موضح قرآن کے بارے میں علماء کے تاثرات:

* مشہور مؤرخ مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی مدیر ماہنامہ برہان دہلی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

شاہ عبدالقادد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن مجید جو کہ ''موضح قرآن'' کے نام سے مشہور ہے اب سے دو برس پہلے اس زمانے کی دلی کی ٹکسالی زبان میں کیا گیا ہے جس میں کثرت سے ایسے الفاظ،محاورات اور کہاوتیں ہیں جن کو عوام تو درکنار اردو زبان کے ادیب اور اہل قلم تک نہیں سمجھ سکتے۔(٦)

* ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب موضح قرآن کے بارے میں رقم طراز ہیں:

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ دوسرے ترجمہ کے مقابلے میں اس قدر بہتر اور افضل ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ہوتے ہوئے چند سال بعد دوسرے ترجمے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی۔(٧)

* شیخ الہند محمود الحسن اسیر مالٹا رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ترجمے کے بارے میں لکھتے

ہیں:

چنانچہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو بامحاورہ ترجمہ کے بانی و امام ہیں انہوں نے بامحاورہ ترجمہ کو اختیار فرمانے کی یہی وجہ بیان کی ہے، یعنی قرآن کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

اور مزید فرماتے ہیں کہ

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کمال ہے کہ بامحاورہ ترجمہ کا پورا پابند ہو کر پھر نظم و ترتیب، کلمات قرآن اور معانیٔ لغویہ کو اس حد تک نبھایا ہے کہ زیادہ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ ہم جیسوں کا ہرگز بس نہیں۔(۸)

* ڈپٹی نذیر احمد دھلوی شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

جب ایک خاندان کے ایک چھوڑ تین تین ترجمے لوگوں کو مل گئے ایک فارسی مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا اکٹھے دو اردو کے ایک شاہ عبدالقادر صاحب کا اور ایک شاہ رفیع الدین صاحب کا تو اب ہر ایک کو ترجمہ کا حوصلہ ہو گیا مگر خاندان شاہ ولی اللہ کے سوا کوئی شخص مترجم ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ وہ ہرگز مترجم نہیں بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے بیٹوں کے ترجموں کا مترجم ہے کہ انہی ترجموں میں اس نے ردوبدل، تقدیم و تاخیر کر کے جدید ترجمہ کا نام دے دیا۔(۹)

* مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا:

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی خدمت جس میں اردو زبان ہمیشہ ان کی احسان مند رہے گی یہ ہے کہ انہوں نے اس وقت قرآن مجید کا ترجمہ کیا جب زبان بالکل طفولیت کی حالت میں تھی اور نثر نویسی بھی پوری طرح شروع نہیں ہوئی تھی ایسا کام وہی لوگ کر سکتے تھے جو زبان ڈھالنے والے ہوتے ہیں۔(۱۰)

* مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ''موضح قرآن'' کے بارے میں کہا کرتے تھے:

میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ ''موضح قرآن'' لکھ چکے تو فارسی کا یہ شعر

تھوڑے تصرف کے ساتھ پڑھتے:

روز قیامت ہر کسے باخویش دارد نامہ — من نیز حاضر مے شوم تفسیر قرآن در بغل

حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کو ہمیشہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ کہ حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ دیکھو اور بعض مسائل جو تفسیر سے حاصل نہیں ہوتے وہ اس ترجمہ سے حل ہو جاتے ہیں۔(۱۱)

* تحریک پاکستان کے معروف راہنما سر سید احمد خان اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''آثار الصنادید'' میں لکھتے ہیں:

ان کا ترجمہ کلام اللہ کا، اردو لغات کے لئے ایک بڑی سند ہے۔(۱۲)

المختصر علماء کی ایک کثیر تعداد ''موضح قرآن'' کی تعریف میں رطب اللسان ہے یہ چند اقوال صرف بطور نمونہ رقم کیے جا رہے ہیں جس سے یہ اندازہ کیا جانا بہت آسان ہے کہ ''موضح قرآن'' کا اسلامی، علمی اور ادبی حلقوں میں کیا مقام ہے۔

موضح قرآن کے خواص کا جائزہ:

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کا ترجمہ آسان اردو زبان میں کیا جس کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک آسان فہم اور کسی بھی قسم کے حشو و زوائد، تصنع و تکلف سے پاک ترجمہ ہے جس میں ایک فطری سادگی پائی جاتی ہے جو کہ قاری پر گہرا اثر چھوڑتی ہے اور اس کے لئے قرآن فہمی بہت آسان ہو جاتی ہے اور اس کی روح تک پہنچنا ناممکن نہیں رہتا۔

''موضح قرآن'' میں شاہ صاحب کے تحریر شدہ مقدمے سے جو امور مستنبط کیے جا سکتے ہیں وہ مختصراً درج ذیل ہیں۔

☆ موضح قرآن لفظی ترجمہ نہیں ہے۔

☆ حسن مفہوم کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔

☆ ہندی ترکیب اور عربی ترکیب میں بعد ہونے کی وجہ سے لفظی ترجمہ قرآن کے حقیقی مفہوم کی

ادائیگی نہیں کر سکتا۔

☆ ترجمہ کے دوران عام تراکیب کا استعمال کیا گیا ہے تاکہ عام طبقہ بھی سمجھ سکے۔

☆ دین کی سمجھ بغیر استاد کے بہت مشکل ہے لہٰذا رہنما کے بغیر فہم قرآن بہت مشکل ہے بلکہ بعض مقامات پر ناممکن ہو جاتا ہے۔

☆ ترجمہ کے علاوہ بعض آیات پر حواشی بھی تحریر کیے گیے ہیں۔

موضح قرآن کے ترجمہ میں جو حسن بیان نظر آتا ہے وہ اردو زبان میں عدیم المثال ہے اس کی سلاست اور لطافت کا یہ عالم ہے رواں دواں اور آسان فہم ترجمہ کرتے وقت الفاظ کا حسن انتخاب ایسا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس سے بہتر لفظ ہو ہی نہیں سکتا۔ ''موضح قرآن'' کے محاسن کا پیش خدمت جائزہ درج ذیل موضوعات کے تحت کیا جائے گا۔ ان میں سے ہر موضوع کے تحت صرف چند منتخب قواعد کا مطالعہ کیا جائے گا کہ قید صفحات مکمل احاطہ کی قطعی اجازت نہیں دیتے لہٰذا سعی ناتمام یہ ہوگی کہ ان منتخبات کے ذریعے انصاف کر سکوں (ان شاء اللہ العزیز):

☆ موضح قرآن اور علم نحو

☆ موضح قرآن اور افعال کا ترجمہ

☆ موضح قرآن اور علم بلاغۃ

☆ موضح قرآن کے ادبی پہلو

☆ موضح قرآن کے علمی پہلو

☆ موضح قرآن اور مظاہر فطرت

☆ موضح قرآن اور علم نحو:

موضح قرآن کے ترجمہ کے دوران شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی آیات میں موجود علم نحو کے شواہد کا جس مناسب انداز میں ترجمہ کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے جو کہ انتہائی مؤثر اور بلیغ ہے اس میں جن قواعد کے تحت مطالعہ کیا جائے گا وہ درج ذیل ہیں:

قرآن مجید نے بعض اوقات اشیائے قریب کے لیے اشارہ بعید استعمال کیا ہے اور اسی طرح اشیائے بعید کے لیے اشارہ قریب استعمال ہوا ہے جس کا مطلب صرف اور صرف ان اشیائے کی بڑائی اوران کی اہمیت کے بیان کے لیے ایک مؤثر اسلوب ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے کہ

﴿ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ﴾ (۱۴)

ترجمہ: از شاہ صاحب: ''اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے''

اس آیت میں ایک غیر موجود چیز کے لیے قریب کا اشارہ استعمال کیا جا رہا ہے اور مقصد حکم الٰہی کی تاکید ہے جو کہ ترجمہ میں بھی اسی طرح موجود ہے۔

اور ایک دوسری آیت میں ہے کہ:

﴿ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ﴾ (۱۵)

ترجمہ از شاہ صاحب: یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے۔

اس میں بھی شاہ صاحب نے اسی امر کو مد نظر رکھتے ہوئے اشارۂ بعید کا ترجمہ اشارہ قریب کے ذریعے کیا ہے۔

شاہ صاحب آیت میں استعمال ہونے والے حروف جر کا جو ترجمہ کرتے ہیں وہ انھی کا خاصہ ہے کہ ترجمہ کو مناسب انداز میں قابل فہم بنانے کے لیے اور اردو قالب میں ڈھالنے کے لیے حروف جر کو مختلف معنی میں استعمال کرتے ہیں جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ﴾ (۱۶)

ترجمہ از شاہ صاحب: جو کوئی لایا نیکی اس کو ہے اس کے دس برابر۔

اس آیت میں دو حروف جر استعمال ہوئے ہیں ''حرف باء'' جس کے معنی ''مصاحبت'' کے ہیں اور ''حرف لام'' جس کے معنی ''تملیک'' کے ہیں۔ جبکہ شاہ صاحب نے جو ترجمہ کیا اس سے یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ جو کوئی بھی نیکی کے ساتھ آئے گا یا نیکی لے کر آئے گا، یعنی ایجاز اور اختصار کو مدنظر

رکھ کر عربی الفاظ کا بعینہ وہی بامحاورہ ترجمہ کیا جس میں فصاحت اور بلاغت کے عناصر موجود ہیں۔

اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ﴾ (۱۷)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور مدین کی طرف بھیجا اس کے بھائی شعیب کو بولا اے قوم! بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوا۔

تبصرہ: حرف جر لام کا پچھلی آیت میں ترجمہ کیا گیا تھا ''اس کو ہو'' جبکہ اس آیت کے سیاق وسباق کا مفہوم کو مدنظر رکھ کر ''کوئی نہیں تمہارا'' ترجمہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے کتنی دقت نظر سے ترجمہ کیا۔

قرآن مجید نے آیات میں استعمال ہونے والے مفاعیل کے ترجمہ میں جو بلاغت دکھائی ہے اس کا ترجمہ شاہ صاحب نے جس انداز میں کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

چنانچہ درج ذیل آیت میں ہے:

﴿ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴾ (۱۸)

ترجمہ از شاہ صاحب: کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر۔

آیت کے ترجمہ میں جس طرح عربی ترکیب کا خیال رکھا گیا ہے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے یا خود اصل کلام۔

عربی ترکیب کا ہندی ترکیب میں ایسا بامحاورہ ترجمہ کیا ہے کہ آیت کا اصل مفہوم بھی بیان ہو جاتا ہے اور آیت کا حسن بھی برقرار رہتا ہے۔

☆ موضح قرآن اور افعال کا ترجمہ:

قرآن مجید نے اپنی بات کہنے کے لیے کبھی افعال معروف کا ستعمال کیا تو کبھی مجہول کا۔ ان افعال کے ترجمہ میں شاہ صاحب نے معنوی بلاغت اور حکمت سے کام لیا ہے اس میں خیالات کی ندرت کے ساتھ کلمات کے ترجمہ میں بھی وہی حسن بدرجہ اتم نظر آتا ہے جیسا کہ درج ذیل مثال میں ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ (۱۹)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور اگر تجھ کو جھٹلا دیں تو جھٹلائے گئے کتنے رسول تجھ سے پہلے اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام۔

قواعد عربی زبان کے مطابق فعل کی اصل یہ ہے کہ وہ معروف استعمال ہو، لیکن بسا اوقات کلام میں مجہول بھی استعمال ہوتا ہے جس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، مثلاً: کبھی فاعل کو بطور حقارت ذکر نہیں کیا جاتا جیسا کہ مذکور بالا آیت میں فعل مجہول "کُذِبَتْ" کے ذریعے رسولوں پر واقع ظلم کو بیان کیا ہے اور اس کے بعد کا ترجمہ اس طرح کیا ''اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام'' اس طرح شاہ صاحب نے ترجمہ میں فعل متعدی بمعنی لازم کیا اور فعل مجہول کا ترجمہ معروف قرار دے کر کیا اس طرح قاری کا ذہن براہِ راست اس مفہوم تک پہنچتا ہے کہ تمام معاملات تمام اعمال برے اور اچھے بھلے سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں۔اور کبھی فاعل کے بیان سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور اصل مقصود مفعول کے بیان سے ہوتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے:

﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ (۲۰)

ترجمہ از شاہ صاحب: پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں

اس آیت میں اصل مقصد نماز ختم ہونے کا بیان ہے اس لیے فاعل کو حذف کیا گیا اور نمازی سے کوئی غرض نہیں تھی لہٰذا شاہ صاحب نے بھی ترجمہ کے دوران ترکیب لفظی اور قواعد کے ترجمہ میں اس کی اصل روح کو برقرار رکھا۔

☆ موضح قرآن اور علم بلاغۃ:

قرآن مجید جب نازل ہوا تو یہ کلام کے اعتبار سے ازحد فصیح اور اسلوب و معنی کے اعتبار سے بے حد بلیغ تھا اور اپنی اسی فصاحت و بلاغت کی بنا پر عربوں کو اس نے عاجز کر دیا تھا اور وہ سب اپنی تمام تر فصاحت و بلاغت کے باوجود اس کے معتقد ہو گئے تھے۔شعراء اس سے مبہوت ہو گئے تھے اور ان کی

شاعری خاموش ہوگئی تھی اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا ایک نرالا اظہار بیان، بلاغت، حسن بیان کا یکتا طرز ہے۔یہاں یہ بات مدنظر رہے کہ قرآن مجید نے جو تعلیمات پیش کی ہیں ان کا اسلوب بیان اس زمانے کے ادب کے اعتبار سے بالکل منفرد ہے لہٰذا اس انفرادیت کو قائم رکھنا کہ اصل مفہوم بھی قائم رہے اور بات بھی واضح ہو جائے یہ عنصر موضح قرآن میں بہتر انداز میں پایا جاتا ہے۔

اس اسلوب بیان کے بعض خصائص مختصراً درج ذیل ہیں:

☆ تاکید لفظی اور معنوی کا مناسب ترجمہ

☆ قرآن مجید میں ایجاز واختصار اور حذف

☆ قرآن مجید کے معانی کی تکرار اور شاہ صاحب کا حسن ترجمانی

☆ استعارات کا برموقع اور برمحل ترجمہ

☆ کلمات آیات کے ظاہری مفہوم کی حقیقی مفہوم سے مخالفت

☆ صنعت مشاکلت

☆ قرآن مجید میں بیان کردہ تشبیہات اور امثال کا ترجمہ

اس مختصر تحریر میں ان سب کا احاطہ تو ناممکن ہے لیکن چند کا تذکرہ درج ذیل ہے:

ا۔حروف تاکید کا استعمال:

قرآن مجید کی فضیلت سے وہی شخص آگاہ ہوسکتا ہے جو اس کے اسرار پر غور وفکر اور تدبر کرتا ہے تب اسے اسالیب قرآن سے آگاہی ہوتی ہے اور انہی اسالیب میں سے ایک اسلوب قرآن مجید میں حروف تاکید کا استعمال ہے جس پر قدرے اختصار کے ساتھ بات کی جائے گی۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے کہ:

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ ﴾ (۲۱)

ترجمہ از شاہ صاحب: اے ایمان والو! مشرک جو ہیں سو پلید ہیں،

حرف ''انما المشرکون'' کا ترجمہ ''مشرک جو ہیں'' کرکے آیت کے ترجمہ کو شاہ صاحب نے

تقدیم و تاخیر کے ذریعے جو بلاغت اور فصاحت بخشی ہے اس سے آیت کے اصل مفہوم میں تاکید پیدا ہوگئی اور ایک دوسری آیت میں بیان ہے کہ:

﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴾ (۲۲)

ترجمہ از شاہ صاحب: ''بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اسی کی بندگی کرو، یہ ہے سیدھی راہ''

اس آیت میں تاکید لفظی اور تاکید معنوی دونوں موجود ہیں جن کو شاہ صاحب نے ملحوظ خاطر رکھا ہے اور ترجمہ میں سلاست بیان ہے اور بطور خاص تاکید معنوی کے ترجمہ میں جو انداز اختیار کیا ہے وہ غور وفکر کا محتاج ہے اور ایجاز و برجستگی کے ساتھ مفہوم بھی قائم رہا۔

اسی طرح اور ایک مقام پر ہے:

﴿ ایاك نعبد و ایاك نستعین ﴾ (۲۳)

ترجمہ از شاہ صاحب: تجھی کو ہم بندگی کریں اور تجھی سے ہم مدد چاہیں

تبصرہ: ''اِیـــاك'' کا ترجمہ بالکل منفرد انداز میں کیا یعنی ''تجھی کو اور تجھی سے'' جس سے تاکید کا حقیقی مفہوم انتہائی جامع انداز میں بیان ہو گیا کہ دیگر مترجمین اس کا ترجمہ عمومی طور پر کرتے ہیں، جیسا کہ مرزا حیرت دہلوی نے اس کا ترجمہ کیا ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔'' یہ واضح رہے کہ مرزا حیرت دہلوی کا زمانہ شاہ صاحب کے زمانے سے کچھ بعد کا ہے۔

اب ان دونوں ترجمہ کے مابین جو فرق ہے وہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ شاہ صاحب کے ترجمے میں ایجاز کے ساتھ تاکید کا مفہوم بھی بدرجہ اتم ملتا ہے جبکہ مرزا صاحب کے ترجمہ میں ایجاز اور تاکید کا وہ معیار نہیں پایا جاتا۔حروف کا اس قدر رواں دواں ترجمہ شاہ صاحب پر ختم ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں ایجاز واختصار اور حذف:

ایجاز: ایجاز کی تعریف یہ ہے کہ کم سے کم ممکن الفاظ کے ساتھ معنی واضح طور پر بیان کر دینا پس ایسی مختصر عبارت جو زیادہ معانی دے وہ بلیغ کہلاتی ہے اور جس قدر الفاظ کم ہوں گے اور معنی زیادہ ہوں

گے اسی نسبت سے بلاغت کے مدارج میں اس قول کی قیمت اونچی ہوتی چلی جائے گی یہاں تک کہ وہ اعجاز کے مقام پر پہنچ جائے گا، پس قرآن مجید کی اس خوبی کو اگر اردو زبان کے کسی ترجمے میں دیکھنا ہو تو بلا تذبذب ''موضح قرآن'' کا نام زبان پر آتا ہے جس میں شاہ صاحب نے ایک ترکیب اور مختصر تراکیب کے ذریعے متعدد معانی پر دلالت قائم کی جن کی تشریح طویل ہو، چنانچہ درج ذیل آیت کے ترجمہ میں یہ لطافت ملاحظہ ہو۔

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَ أْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ ﴾ (۲۴)

ترجمہ از شاہ صاحب: خوب کر معاف کرنا، اور کہہ نیک کام کو، اور کنارہ کر جاھلوں سے۔

شاہ صاحب نے اس ترجمہ میں عربی متن کے ان تمام معانی کو سمو دیا جو آیت میں تھے کہ اخلاق کے تمام محاسن کو جمع کر دیا اختصار بھی اور جامعیت بھی۔

﴿ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ (۲۵)

ترجمہ از شاہ صاحب: اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنے بنائے کو اور چڑھ جاتا ایک پر ایک۔

اور ایک دوسرے مقام پر آیا ہے کہ

﴿ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ (۲٦)

ترجمہ از شاہ صاحب: اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوا اللہ کے دونوں خراب ہوتے۔

شاہ صاحب کے ترجمہ میں ملاحظہ کریں کہ عربی لفظ کے مقابلے میں ترجمہ میں ایک بھی لفظ زائد نہیں ہے مساوات کی اس سے بہترین مثال ممکن ہی نہیں ہے۔

حذف واختصار:

حذف کی مثال یہ ہے کہ مضاف کو حذف کر کے اس کی جگہ مضاف الیہ کو فعل دے دیا جائے جیسا کہ درج ذیل آیت میں دیا گیا ہے:

﴿ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا ﴾ (۲۷)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور پوچھ لے اس بستی سے جس میں ہم تھے۔

تمام مترجمین نے اس کا ترجمہ نہیں بلکہ تفسیر کی ہے، یعنی ترجمہ میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اور پوچھ لیں بستی والوں سے جبکہ شاہ صاحب نے قرآنی متن کی بلاغت کو قائم رکھتے ہوئے اسی طرح ترجمہ کیا کہ جو لفظ آیت میں حذف تھا یعنی مقدر تھا ترجمہ میں بھی اسی طرح اسے برقرار رکھا۔

علم البلاغۃ میں حذف کے اور بھی کئی اسباب ہیں جن میں سے صرف ایک کا تذکرہ مع مثال کیا گیا ہے دیگر وجوہات پر مبنی آیات کے ترجمے میں بھی شاہ صاحب نے اسی طرح بلاغت سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ اختصار کی مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ:

﴿ وَلَوْ اَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بل لله الامر جميعا ﴾ (۲۸)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلے اس سے پہاڑ، یا ٹکڑے ہووے اس سے زمین یا بولے اس سے مردے، بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہیں سب کام۔

شاہ صاحب نے اس میں اس بات کا خصوصی خیال رکھا کہ اس آیت میں ایسی بات کی گئی ہے جس کا جواب بھی موجود ہے، لیکن بغرض اختصار جواب حذف کر دیا گیا ہے جس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ وہ جواب بے حد معروف ہے اور ہر کوئی جانتا ہے: لہٰذا انھوں نے ترجمہ میں بھی اس امر کو برقرار رکھا اور جواب کو حذف ہی رکھا جس کی تقدیر "لکان ھذا القرآن" ہے۔

۳۔ قرآن مجید کے معانی کی تکرار اور شاہ صاحب کا حسن ترجمانی:

قصص میں تکرار زجر و وعید کے لیے یا موعظت کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے اور حجت قائم کرنے یا بعض عبارتوں میں نعمت کو بیان کرنے اور احسان جتانے یا نعمتیں عطا کرنے والے کی یاد اور شکر کے اقتضا کے لیے آئی ہے۔

یہ تکرار بعض اوقات کبھی ایک ہی موضوع سے تعلق رکھتی ہے اور بعض اوقات اس کے جزئیات

سے متعلق ہوتی ہے۔جیسا کہ سورۃ الرحمٰن میں "فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ" کی تکرار ہے، یا "قُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" کی تکرار ہے۔بعض اوقات آیت میں کسی بات کا تذکرہ موجود ہوتا ہے اسی بات کو کسی اور لفظ یا اسی لفظ کے اشتقاق سے واضح کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيْلًا ﴾ (۲۹)

جس کا ترجمہ شاہ صاحب نے کیا: اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔

ترجمہ میں بھی اس تکرار کو برقرار رکھا ہے لیکن اس طرح کہ یہ تکرار دل و دماغ پر بوجھ نہ بنے اور جو آیت کا مقصد تھا اس کو مختلف پیرائے میں بیان کیا۔اور کبھی تکرار ایک ہی معنی کے لیے لیکن الفاظ الگ الگ ہوتے ہیں۔تکرار کی مکمل صورتوں کا احاطہ اس مختصر تحریر میں ناممکن ہے لہٰذا ان چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

شاہ صاحب نے ایسی آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا کہ ایک ہی معنی کے گرد مختلف آیات جن میں لفظاً اور معناً مشابہت ہے اور فصاحت و بلاغت ہو کلام کو بار بار پیش کرنا یہ قرآن مجید کے اسرار ہیں۔

المختصر شاہ صاحب نے ایسی آیات کے ترجمے میں جو اسلوب استعمال کیا وہ اردو دان طبقے کے لیے قرآن فہمی میں بہت معاون اور ممد ثابت ہوا۔

۴۔استعارات کا برموقع اور برمحل ترجمہ:

استعارۃ کی تعریف یہ ہے کہ ایک کلمہ اپنے معروف معنی سے ہٹا کر ایک دوسرے جدید معنی میں استعمال کیا جائے جو کہ اصل لغت میں نہ پایا جاتا ہو لیکن یہ چیز اس صورت میں ہوگی کہ ان دونوں کے درمیان مشابہت کا تعلق ہو اور حکمت اس بات کی یہ ہے کہ ایک مخفی چیز کو ظاہر کرنا اور اس ظاہر چیز کی وضاحت کرنا جو لوگوں کے سامنے واضح نہ ہو۔قرآن مجید مختلف قسم کے استعاروں پر محتوی ہے جو اس کی بلاغت کا اظہار کرتے ہیں۔جیسا کہ سورۃ مریم کی ایک آیت میں سیدنا زکریا کی دعا کے آخر میں آتا ہے کہ "وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا" "ڈیک نکلی بوڑھاپے کی سر سے" شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ

میں بڑھاپے کی اس شدت کو بیان کرنے کے لیے ہندی ترکیب میں سے ایک لفظ استعمال کیا ''ڈیک'' جس کا مطلب بے بسی، کمزوری اور ارذل العمر کی کیفیات کا بیان ہے۔

اور ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالی ہے کہ

﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ﴾ (۳۰)

ترجمہ از شاہ صاحب: یوں نہیں، پر ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر، پھر وہ اس کا سر پھوڑتا ہے، پھر تب وہ سٹک جاتا ہے۔

شاہ صاحب نے اس آیت کے ترجمہ میں جو تعبیر بیانی اختیار کی ہے اس میں آیت کے دو لفظ ''قذف'' اور ''دمغ'' دونوں مستعار لفظ ہیں اور ان کے حقیقی معانی کو بیان کرنے کے لیے شاہ صاحب نے جو لفظ استعمال کیے وہ بھی ملاحظہ کریں ''پھینک مارنا'' اور ''سٹک جانا'' یہ دونوں اردو زبان میں اسی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں جس میں عربی کلمات استعمال ہوئے کیونکہ ایک امر تو متفق علیہ اور معروف ہے کہ قرآنی ترکیب کا ترجمہ بعینہٖ کرنا ناممکن العمل بات ہے، لیکن یہ کاوش ضرور ہے کہ قریب قریب مفہوم دیا جا سکے۔

جیسا کہ ایک اور مثال میں ہے کہ

﴿ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴾ (۳۱)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور صبح کی جب دم بھرے۔

اب دم بھرنے میں جو کیفیت پائی جاتی ہے کہ پہلے قدرتی فضا خوابیدہ اور پر سکون تھی نہ زندگی کے آثار اور نہ ہی حرکت لیکن جب صبح نمودار ہوئی تو کائنات بیدار ہو گئی اور دم بھرنے میں آہستہ آہستہ سانس نکالنے سے مشابہ ہے۔

۵۔ کلمات آیات کے ظاہری مفہوم کی حقیقی مفہوم سے مخالفت:

قرآن مجید نے بعض اوقات منفرد اسلوب استعمال کیا ہے کہ جو کلمات استعمال کیے ہیں ان کا مفہوم وہ نہیں ہے جو ان کلمات کے عمومی معانی ہیں بلکہ وہاں سیاق وسباق کے اعتبار سے ان کے معانی

کا تعین کیا جاتا ہے اور ایسی آیات کے ترجمہ میں شاہ صاحب نے ایسی تراکیب کا استعمال کیا ہے جس سے یہ شبہ ہی ختم ہو جاتا ہے کہ ان کلمات کا کیا مفہوم ہو سکتا ہے! جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُتِلَ الْخَرَّاصُوْنَ ﴾ (۳۲)

ترجمہ از شاہ صاحب: مارے گئے اٹکل دوڑانے والے۔

اور ایک دوسرے مقام پر ہے کہ

﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ ﴾ (۳۳)

ترجمہ از شاہ صاحب: مارا جائے آدمی کیسا ناشکرا ہے؟

ان آیات میں دعا ذم کے مفہوم میں ہے جس سے وقوع مراد نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے جن کلمات کا انتخاب کیا وہ جامع بھی ہیں اور مناسب بھی جیسا کہ پہلی آیت میں "خراصون" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اب اس کا مطلب جادو کرنے والے ہیں یا شاعر یا کاہن کے ہیں شاہ صاحب نے ان سب کو ایک لفظ میں واضح کر دیا کہ اٹکل دوڑانے والے۔

اردو زبان کے نشیب و فراز جاننے والے اس محاورے کا حقیقی مطلب جان سکتے ہیں کہ آیا اس سے خراصون کا مفہوم ادا ہوا یا نہیں۔

اور اسی کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ کسی فعل کی جزا کے لیے وہی لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن وہاں دونوں جگہ الگ الگ مطلب ہوتا ہے۔

جیسا کہ آیت میں ہے کہ

﴿ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ، اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ﴾ (۳۴)

ترجمہ از شاہ صاحب: ہم تو ہنسی کرتے ہیں اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے

یعنی ان کے استہزا کی جزا مراد ہے اور اس کی کثیر مثالیں مذکور ہیں جیسے خدع مکر، نیان وغیرہ۔

اور کبھی کلماتِ استفہام تقریری کے مفہوم میں آتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ

﴿ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (۳۵)

ترجمہ از شاہ صاحب: ''کہا تو نے لوگوں کو؟ کہ ٹھہراؤ مجھ کو اور میری ماں کو، دو معبود سوائے اللہ کے۔''

شاہ صاحب نے ترجمہ کے دوران کسی تکلف یا تصنع سے کام نہیں لیا اور سادہ اردو کے ذریعے اس مفہوم کو واضح کر دیا کہ اس آیت میں استفہام تقریری مفہوم میں ہے۔

۶۔ مشاکلت:

علم البدیع میں مشاکلت ایک صفت کے طور پر استعمال ہوتی ہے جس میں کلام کو ظاہری حسن سے آراستہ کیا جاتا ہے جس میں ایک ہی شکل وصورت اور ایک ہی مصدر و مادہ کے دو لفظ ساتھ ساتھ لیے جائیں اور دونوں لفظوں سے الگ الگ معنی اور مفہوم مراد لیے جائیں۔ جس کی مثال درج ذیل ہے:

﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ﴾ (۳۶)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور فریب کیا ان کافروں نے اور فریب کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔

شاہ صاحب نے دونوں ''مکر'' کا ترجمہ الگ الگ کلمات سے کیا جس سے آیت کا مفہوم مزید واضح ہو گیا بظاہر پہلے لفظ کا ترجمہ فریب سے کیا جانا اللہ تعالی کے حق میں مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن عمومی ترکیب کو مدنظر رکھا جائے تو یہی مناسب معلوم ہوتا ہے اس لیے مفسرین کہتے ہیں کہ ہر گناہ کی شکل وصورت اس گناہ کے ممثل اور اس جیسی ہوتی ہے اور ہر نیکی کا بدلہ اس نیکی کے ہم شکل ہوتا ہے۔

۷۔ قرآن مجید میں بیان کردہ تشبیہات اور امثال کا ترجمہ:

تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک چیز کی شرکت دوسری چیز کے ساتھ، کسی ایسے معنی میں جو ان دونوں کو باہم جمع کرتا ہے اور تشبیہ سے مقصود بات کو پر اثر اور واضح کرنا ہوتا ہے اور قرآن مجید میں مختلف قسم کی پر معنی تشبیہات وارد ہوئی ہیں جو معانی میں خوبصورتی پیدا کرتی ہیں اور دل میں قبولیت کے لیے

زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہیں:

جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے کہ

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (۳۷)

''ترجمہ از شاہ صاحب: کہاوت ان کی، جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی، کہاوت مکڑی کی، بنا لیا اس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر اگر ان کو سمجھ ہوتی۔''

شاہ صاحب نے اس تشبیہ میں ان معنوی امور کی وضاحت بھی اپنے ترجمہ میں کر دی جیسا کہ '' اوھـــن '' کا ترجمہ بودا سے کیا جس کا مطلب انتہا درجے کی کمزور چیز جو دیکھنے میں بھی اور حقیقت میں بھی کمزور ہو۔

چونکہ قرآن کے تشبیہات کے عناصر طبعی اشیا سے استخراج کیے ہوتے ہیں اس لیے وہ سامع پر کافی اثر انداز ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کا مکمل ادراک رکھتا ہے۔

قرآنِ مجید کے خصائص اسلوب میں مثالوں کا بیان کرنا بھی ہے۔عموماً یہ مثالیں نصیحت اور موعظت کے لیے، مضمون کو صراحت کے ساتھ سمجھانے کے لیے اور اس کو ذہن نشین کرنے کے لیے اور مقصود کو عقل سے قریب کرنے کے لیے ہوتی ہے تا کہ اس کا خاکہ محسوس صورت میں کھنچ جائے کیونکہ یہ دل کو مطمئن کرنے کے لیے اور ذہن میں بٹھا لینے کے لیے مناسب ہے۔اور قرآن مجید کی مثالیں دو قسم کی ہیں ظاہر اور مخفی۔

جس کی مثال ارشاد باری تعالی میں یوں ہے:

﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴾ (۳۸)

ترجمہ از شاہ صاحب:۔ ان کی مثال، جیسے ایک شخص نے سلگائی آگ، پھر جب روشن کیا

اس کے گرد کو، لے گیا اللہ ان کی روشنی اور چھوڑا ان کو اندھیروں میں نظر نہیں آتا۔

اور ایک دوسری مثال میں ہے کہ

﴿ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيطُوْا بِعِلْمِهٖ ﴾ (۳۹)

ترجمہ از شاہ صاحب: پر جھٹلانے لگے ہیں جس کے سمجھنے پر قابو نہ پایا۔

شاہ صاحب نے اس ترجمہ کے ذریعے آیت کا حقیقی مفہوم واضح کیا جو کہ ایک متداول مثال کی مانند ہے کہ جو شخص جس چیز سے ناواقف ہوتا ہے وہ اس کا مخالف ہوتا ہے۔

موضح قرآن کے ادبی پہلو:

موضح قرآن کی زبان ادبی اعتبار سے اردو زبان کے تمام تراجم پر فائق ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اسے تمام مکاتب فکر میں بلا تخصیص و تفریق قبولیت عام کا درجہ حاصل ہے کیونکہ دو سو سال گزرنے کے بعد بھی موضح قرآن کی زبان و بیان اسی طرح محسوس ہوتی ہے جیسا کہ آج کل کی کتب میں تصنیف و تالیف کے لیے زبان استعمال ہوتی ہے۔ اکثر علماء و ادباء حضرات موضح قرآن کو صرف اس لیے نہیں پڑھتے کہ یہ قرآن مجید کا ترجمہ ہے بلکہ اردو زبان کو سمجھنے کے لیے بھی اس کا مطالعہ کرتے ہیں شاہ صاحب نے جس طرح ہندی تراکیب اور محاورات کا مناسب استعمال کیا ہے اس سے تحریر کی بلاغت اور حسن بیان میں مزید اضافہ ہو گیا۔

قرآن مجید کے اردو تراجم میں شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا ترجمہ اس لیے بھی منفرد مقام کا حامل ہے کہ جس تعداد میں تحقیقی مقالہ جات اس کے بارے میں لکھے گئے اور ابھی تک لکھے جا رہے ہیں وہ شرف کسی اور ترجمۂ قرآن کو حاصل نہیں ہوا۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس ترجمہ سے قبل اردو ترجمہ کی ایسی کوئی مثال بھی موجود نہ تھی کہ جس سے شاہ صاحب نے مدد حاصل کی ہو ما سوائے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ کے جو کہ ان کے زیر مطالعہ رہا جیسا کہ موضح قرآن کے مقدمے میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اس اعتبار سے جتنی بھی ہندی تراکیب کا استعمال ہوا ہے وہ شاہ صاحب کی ادبی اجتہادات پر مشتمل ہے۔ جس کی مثال پیش کرنے سے اردو زبان قاصر ہے یہی وجہ ہے کہ اب جو

شخص بھی قرآن مجید کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے اس کے مطالعے میں سرفہرست موضح قرآن ہی ہوتا ہے جیسا کہ انگریزی زبان کے مترجم کے لیے ''اے جے آربرے یا مارماڈیوک پکھتال'' کا ترجمہ اہمیت رکھتا ہے یا فارسی دان طبقے کے لیے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ترجمہ کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے۔

اس حوالے سے ایک حیران کن امر جس سے شاہ صاحب کی دینی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے یہ کہ ان کے دل میں دین کی نشر واشاعت کی کتنی تڑپ تھی اس وقت اردو زبان میں ہندی کلمات اس قدر معروف نہ تھے بلکہ صرف ہندو مذہب کے جاننے والے ان کو استعمال کرتے تھے ان ہندی کلمات و تراکیب کے استعمال سے غالبا شاہ صاحب کے سامنے ایسا ہی کوئی مقصد رہا ہو گا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں یہ اصول تحریر کیا کہ:

''کسی غیر مسلم قوم پر دین حق کی تبلیغ اتمام حجت کی حد تک کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس قوم کی زبان میں اسلامی اصول پیش کیے جائیں تا کہ وہ سمجھیں اور اگر اس کا درجہ ابلاغ دین نہ ہو گا تو وہ قوم اصحاب الاعراف کی حیثیت میں ہو گی۔'' (۴۰)

اسی وجہ سے موضح قرآن میں بعض اوقات ٹھیٹھ ہندی تراکیب اور سنسکرت کے کلمات کا استعمال کیا۔ جبکہ ان مقامات پر سادہ اردو زبان کی تراکیب موجود تھیں لیکن ایک اعلیٰ مقصد کی غرض سے ان کا استعمال انتہائی مناسب ثابت ہوا۔

درج ذیل مثال ملاحظہ ہو:

﴿ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ﴾ (۴۱)

ترجمہ از شاہ صاحب: ''اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں سے جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر۔''

سٹک جانا سانپ کے نکل جانے سے بنا ہے سٹک چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں جو نہایت پھرتی سے کھسک جاتا ہے اور سٹک جانے میں زیادہ مبالغہ ہے بہ نسبت کھسک جانے کے۔

موضح قرآن کے کچھ ادبی پہلو مختصراً درج ذیل ہیں:

☆ موضح قرآن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اس میں تمام مستند تفسیری اور فقہی اقوال کو اس جامعیت سے اکٹھا کیا کہ آیت سے متعلق کوئی بھی پہلو نظر انداز نہیں ہوا بلکہ سب کا احاطہ ہو گیا جس سے جامعیت و وسعت پیدا ہو گئی

☆ گو کہ دیگر مترجمین نے بھی اپنے تراجم میں اردو محاورات کا استعمال کیا ہے لیکن جس انداز میں شاہ صاحب نے ان کا استعمال کیا وہ عدیم المثال ہے کہ دو سو سال گزرنے کے بعد بھی اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

☆ شاہ صاحب کے ترجمہ میں قاری کو کہیں بھی تصنع یا تکلف نظر نہیں آتا کہ یہ لفظ یہاں زوائد میں سے ہوسکتا ہے بلکہ حشو و زوائد کا قطعاً وجود نہیں ملتا بلکہ ہر لفظ برموقع اور برمحل معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اس جگہ سب سے زیادہ مناسب ہے۔

☆ مترادفات کے استعمال میں شاہ صاحب کو خصوصی ملکہ حاصل تھا کہ ایک ہی لفظ مختلف مقامات پر اس ترکیب سے استعمال کیا کہ ہر جگہ اس کا مفہوم آیت سے نزدیک تر معلوم ہوتا ہے اور اگر آیت میں مترادفات کا استعمال ہوا ہے تو ترجمہ میں بھی اسی شان کو برقرار رکھا گیا ہے جس سے شاہ صاحب کی ہر دو زبانوں پر دسترس ثابت ہوتی ہے۔

☆ ترجمہ کے دوران شاہ صاحب نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ کہیں بھی کوئی ایسی ترکیب نہ آجائے جو رکاکت لغوی کے زمرے میں شمار کی جاتی ہو اور کوئی بازاری لفظ اس میں شامل نہ ہو کیونکہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے بے شمار نازک مسائل انتہائی خوبصورت پیرائے میں بیان کیے شاہ صاحب نے بھی ترجمہ میں اس بات کو مدنظر رکھا اور ایسی کسی بھی ترکیب سے اجتناب کیا جس سے حلاوت زبان میں کوئی حرف نہ آئے۔

☆ شاہ صاحب نے موضح قرآن میں اس بات کا بطور خاص خیال رکھا ہے عام فہم ہندی ترکیب میں ترجمہ کے ساتھ کلمات آیات کے حقیقی مفاہیم کو بھی نظر انداز نہیں کیا اس باب میں بھی شاہ

صاحب کو تمام مترجمین پر فوقیت حاصل ہے لفظی ترجمہ کرنے والے مترجمین بھی آیات کے مفہوم کو کلی طور پر ادا کرنے سے قاصر رہے ۔اور اس حوالے سے شاہ صاحب نے جو منہج اختیار کیا تھا بعض مقامات پر عربی اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ انھی کلمات کو اردو ترکیب میں تحریر کر دیا غالباً اس سے یہ مقصود تھا کہ عجمی زبانوں میں ایسا کوئی لفظ نہیں جو ان اصطلاحات کا ترجمہ کر سکے۔

☆موضح قرآن کے علمی پہلو:

موضح قرآن میں شاہ صاحب نے ترجمہ کے دوران یہ اسلوب اختیار کیا کہ کسی بھی اصطلاح کے ترجمہ میں یا آیت میں بیان کردہ مسئلہ کے ترجمہ میں آپ نے اپنے پیش رو مترجمین اور مفسرین کی آراء سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے اجتھاد کی راہ اختیار کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو اللہ تعالی نے قرآن فہمی کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور اس میں آپ کو علماء میں خاص مقام حاصل ہے ۔ترجمہ میں بعض اوقات انتہائی مختصر فقروں میں وسیع مضامین اور مسائل کا حل بیان کر دیا جس سے شاہ صاحب کی کمال حکمت اور کلام وزبان و بیان پر عبور کا اندازہ ہوتا ہے اور اس حوالے سے بعض علماء جنھوں نے شاہ صاحب کے ترجمے پر کلام کیا ہے ان سب کی یہ رائے ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ اور حواشی میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ بہت سی تفاسیر پڑھ کر بھی حاصل نہیں ہوتا ۔اس میں شاہ صاحب نے حتی الامکان کوشش کی کہ موضح قرآن کو مختلف فلسفیانہ اور متکلمانہ بحوث سے پاک رکھا جائے ۔شاہ صاحب نے ان آیات کے ترجمہ میں بھی جس اجتھاد سے کام لیا ہے وہ حیران کن ہے کہ اس زمانہ میں ان حقائق کا کسی کو بھی علم نہ تھا جیسا کہ درج ذیل آیت سے معلوم ہوگا جس میں بلندی پر آکسیجن کی کمی کا بیان ہے۔

﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ ﴾ (۴۲)

ترجمہ از شاہ صاحب :سو جس کو اللہ چاہے کہ راہ دے کھول دے اس کا سینہ حکم برداری کو اور جس کو چاہے کہ راہ سے بھلا دے اس کا سینہ کر دے تنگ خفہ گویا زور سے چڑھتا ہے آسمان پر۔

شاہ صاحب نے ''ضیقاً'' کا ترجمہ تنگ کرنے کے بعد ''حرجا'' کا ترجمہ خفہ سے کیا جس کا مطلب خفیف اور ہلکا جس سے آسمان پر چڑھنے والے کی کیفیت سامنے آجاتی ہے کہ جس چیز کا وزن جتنا کم ہوگا وہ بلندی پر اتنی ہی زیادہ مشکلات کا شکار ہوگی سانس کی تنگی تو ہے ہی۔قرآن مجید نے اوپر چڑھنے والے کے لیے تنگی کے عوارض کا ذکر کیا ہے لہٰذا قرآن مجید کی اس آیت کے ترجمہ میں شاہ صاحب نے سائنس کے تجربات کی تصدیق بھی کر دی جن کی عملی تصدیق بہت بعد میں سائنس نے کی۔

اس حوالے سے چند نکات کا تذکرہ مختصراً درج ذیل ہے:

☆ شاہ صاحب نے آیات کے مابین ظاہری تعارض کو دور کرنے میں جو اسلوب اختیار کیا اس کے بعد کسی تفسیر کی ضرورت ہی نہیں باقی رہتی جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب کے ترجمہ میں تضاد و تخالف سے بالاتر ہو کر حقیقی مفاہیم کا بیان بھی شامل ہے۔

چند مثالیں درج ذیل ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ ﴾ (۴۳)

ترجمہ از شاہ صاحب: وہی ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر چڑھ گیا آسمان کو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمین بنائی گئی اور پھر آسمان کو بنایا گیا لیکن اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ

﴿ ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَاءُ بَنٰىهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴾ (۴۴)

ترجمہ از شاہ صاحب: کیا تم مشکل ہو بنانے یا آسمان؟ اس نے وہ بنایا اونچی کی اس کی بلندی پھر اس کو صاف کیا اور اندھیری رات اس کی اور کھول نکالی اس کی دھوپ اور زمین کو اس کے پیچھے صاف بچھایا۔

شاہ صاحب نے اس پر جو فائدہ لکھا اس سے کیفیت اختلاف رفع ہوگئی ہے لکھتے ہیں:

''سورۂ فصلت یعنی سجدہ میں آسمان کو پیچھے کہا یہاں زمین کو پیچھے سو یہاں آسمان کا بنانا ہے اونچا اور دن رات ٹھہرانا یہ شاید زمین سے پہلے ہو وہاں ان کو سات کرنا بانٹک پھر ہر ایک میں جدا دستور چلانا شاید زمین کے پیچھے ہو۔''

یعنی اس ظاہری تعارض کو اس طرح دور کیا کہ سب سے پہلے زمین کو تخلیق کیا لیکن اسے بچھایا نہیں پھر آسمان کی طرف متوجہ ہو کر دو دنوں میں اسے سات میں تقسیم کر دیا پھر زمین کو بچھایا اور اس میں پہاڑ کھڑے کر دیے اور دریا بہائے پس حقیقت میں زمین کی تخلیق آسمان سے قبل ہے لیکن بچھانے کا عمل آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا۔ایسی آیات کی ایک طویل فہرست ہے جن میں شاہ صاحب نے اپنی اجتھادی صلاحیتوں سے کام لے کر آیات کے مابین ظاہری تعارض کو دور کیا۔

موضح قرآن اور مظاہر فطرت:

ایک محتاط اندازے کے مطابق قرآن مجید کا چھٹا حصہ مظاہر فطرت پر دلالت کرتا ہے۔ان کائناتی سچائیوں کا تذکرہ رب العزت کی ذات لم یزل ولا یزال پر شھادت ہے۔ایسی آیات جن میں مظاہر فطرت کا بیان ہے چونکہ یہ خالص علمی اور فنی موضوع ہے لہٰذا قرآن مجید نے بھی اس کو مدنظر رکھ کر جو اصطلاحات استعمال کیں ان کا لغوی ترجمہ حقیقی مفہوم کو ادا نہیں کر پاتا جس کی بنا پر ان آیات کے مفہوم پر انحصار کرنا پڑتا ہے گو کہ ابھی تک ایسی کوئی جامع تحقیق سامنے نہیں آئی جس میں ان تمام اصطلاحات کا ترجمہ کیا گیا ہو کہ مظاہر فطرت کے حوالے سے جدید تحقیق اور اصطلاحات سائنسی انگریزی زبان میں ہیں۔

موضح قرآن جو کہ دو سو سال قبل کیا گیا ترجمہ ہے،شاہ صاحب نے ان آیات اور اصطلاحات کے ترجمہ کے لیے کیا اسلوب اختیار کیا ہے اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں جو کہ تخلیق آدم سے متعلق ہیں:

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ﴾ (۴۵)

ترجمہ از شاہ صاحب: وہی ہے جس نے بنایا تم کو خاک سے۔

اب اس آیت میں ''تراب'' کا ترجمہ شاہ صاحب نے ''خاک'' سے کیا جس کا مطلب بے جان مٹی ہے اور جدید سائنسی تحقیق بھی یہی ہے۔

﴿ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا ﴾ (۴۶)

ترجمہ از شاہ صاحب: اور وہی ہے جس نے بنایا ہے پانی سے آدمی۔

اور ایک مقام پر ارشاد ہے کہ

﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ طِيْنٍ ﴾ (۴۷)

ترجمہ از شاہ صاحب: وہی ہے جس نے بنایا تم کو مٹی سے۔

شاہ صاحب نے تراب اور طین کے ترجمے میں جو فرق کیا ہے وہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴾ (۴۸)

ترجمہ از شاہ صاحب: ہم ہی نے ان کو بنایا ایک گارے چپکتے سے۔

"طین لازب" کا ترجمہ شاہ صاحب نے ''چپکتے گارے'' سے کیا ہے۔

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴾ (۴۹)

ترجمہ از شاہ صاحب: بنایا ہے آدمی چُن لی مٹی سے۔

شاہ صاحب نے "سلٰلة من طين" کا ترجمہ ''چن لی مٹی سے'' سے کیا ہے جس سے یہ مطلب بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ''مٹی سے'' کا مفہوم ''مٹی کا خلاصہ'' ہی ہو سکتا ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر ہے:

﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴾ (۵۰)

ترجمہ از شاہ صاحب: بنایا آدمی کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا۔

شاہ صاحب نے ان آیات کے ترجمے میں جس اجتہاد سے کام لیا وہ اس اعتبار سے حیران کن ہے کہ تخلیق انسان کی بہت ساری کیفیات بیسویں صدی میں سامنے آئیں ہیں جبکہ کچھ مفسرین سے ان

اصطلاحات کے ترجمے اور تفسیر میں تسامحات بھی ہوئے جو کہ شاہ صاحب کے زمانے کے بعد سے تعلق رکھتے تھے۔

ارشاد باری تعالی ہے کہ

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَازَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَارِجَالاً كثيرا ونِسَاءً ﴾ (۵۱)

ترجمہ از شاہ صاحب: لوگ ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے بنایا تم کو ایک جان اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا اور بکھیرے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں۔

اس آیت میں چار ''کلمات'' قابل غور ہیں : نفس واحدة ،خلق منها زوجها ، بث،زوجها ،جن کا ترجمہ شاہ صاحب نے ''ایک جان''، ''اسی سے بنایا اس کا جوڑا''، ''بکھیرے'' ''جوڑا'' ان چاروں اردو کلمات کے مفاہیم عربی کلمات کی احسن ترجمانی کر رہے ہیں۔اور سائنسی نظریات کی تصدیق و تائید بھی ہو رہی ہے۔ ہر مرتبہ جب ایک نیا انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کی تخلیق کا آغاز ''نفس واحدة'' سے ہوتا ہے اور حیات کا یہ سلسلہ نسل در نسل چلا جا رہا ہے۔اور جمہور مترجمین اس کا اطلاق حضرت آدم علیہ السلام پر کرتے ہیں۔

''اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا'' سے ماہر جنینیات توارث کے قوانین کا اثبات کرتے ہیں کہ بہت سی اشیا انسان میں وراثتاً منتقل ہوتی ہیں۔

اور بث کا ترجمہ بکھیرے سے کیا کہ بث کے لغوی معانی کسی چیز کو منتشر کرنا ،پھیلا دینا ہیں اور بث کے ایک معنی کسی چھپی ہوئی چیز کو ظاہر کرنے کے بھی ہوتے ہیں (۵۲) اور لفظ زوج کا ترجمہ شاہ صاحب نے ''جوڑے'' سے کیا جبکہ یہ لفظ قرآن مجید میں کثیر المعانی استعمال ہوا ہے جس میں بیوی، شوہر،صنف اور جوڑا کے مفاہیم شامل ہیں۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو: ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ يَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمَاتٍ ثَلٰثٍ ﴾ (۵۳)

ترجمہ از شاہ صاحب: بناتا ہے تم کو ماں کے پیٹ میں، طرح پر طرح بنانا تین اندھیروں کے بیچ۔

اس آیت کے ترجمہ میں ''تین اندھیروں کے بیچ میں'' قابل غور ہے کہ ان تین اندھیروں سے کیا مراد ہے جبکہ شاہ صاحب نے بیچ میں کی ترکیب استعمال کر کے مزید بات کو واضح کر دیا کہ یہ تینوں اندھیرے ایک کے بعد ایک واقع ہیں جیسا کہ انھوں نے حواشی میں بھی لکھا ہے:

''ایک پیٹ، ایک رحم، ایک جھلی، وہ جھلی ساتھ نکلتی ہے۔'' ﴿۵۴﴾

اور جدید سائنس نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ تین اندھیروں سے کیا مراد ہے پہلا اندھیرا ماں کے پیٹ کی دیوار اور دوسرا اندھیرا رحم مادر کی دیوار اور تیسرا اندھیرا جھلیوں کے غلاف ہیں۔(۵۵)

☆موضح قرآن کا تنقیدی جائزہ:

شاہ صاحب کے ترجمہ کی عمومی کیفیت یہ ہے کہ اس کے مثبت پہلو بہت زیادہ ہیں لیکن چونکہ یہ ایک بشری کام تھا لہٰذا اس کے بعض مقامات پر کچھ ایسی آرا اور اقوال ہیں جو موضح قرآن اور شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے منہج سے مطابقت نہیں رکھتے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ موضح قرآن کا حصہ ہیں جس کی وجہ سے ان مقامات پر موضح قرآن کو سمجھنا از حد مشکل ہو جاتا ہیلہٰذا درج ذیل سطور کے ذریعے کوشش کی جائے گی کہ ان میں سے بعض مقامات میں سے چند کو واضح کیا جائے مکمل احاطہ اس مختصر تحریر میں بہت مشکل ہے:

۱: اسرائیلی روایات کا ذکر

۲: اجنبی اور قدیم الفاظ کا استعمال

۳: اغلاط سے پاک نسخہ عام نہ ہو سکا

۴: ضمائر کے استعمال میں اسلوب ایجاز

۵: ترجمہ میں آیات احکام میں حنفی مسلک کی تقلید

۱۔اسرائیلی روایات کا ذکر:

شاہ صاحب نے ترجمہ اور فوائد میں جو اسلوب اختیار کیا اس میں ان کے اجتھاد کا بہت عمل دخل تھا لیکن اس کے باوجود تفسیری کتب کے ذخیرے میں جو اسرائیلی روایات اور ضعیف اقوال موجود ہیں ان سے مکمل طور پر اجتناب نہ کر سکے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑے مفسرین نے یہ روایات اپنی کتب میں بیان کیں لیکن یہ کوئی صحت کی دلیل نہیں ہے اور گو کہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ علیہ نے موضح قرآن میں ان کمزور اور ضعیف روایات اور بالخصوص ایسی روایات جن پر علماء نے کلام کیا ہے ان سے احتیاط برتی ہے لیکن پھر بھی کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں شاہ صاحب ان غیر مستند آثار اور اقوال سے جان نہ چھڑا سکے وجہ غالباً ان کی شہرت ہوگی جن کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

ارشار باری تعالی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴾ (٥٦)

ترجمہ از شاہ صاحب: جو لوگ کھاتے ہیں سود نہ اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے جس کے حواس کھو دیئے جن نے لپٹ کر۔

اور ایک دیگر مقام پر ارشاد باری تعالی ہے کہ

﴿ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗ اِلَى الْهُدَى ﴾ (٥٧)

ترجمہ از شاہ صاحب: جیسے ایک شخص کو بھلا دیا جنوں نے جنگل میں بہکتا۔

ان دونوں آیات میں شاہ صاحب نے شیطان کا ترجمہ جن اور آسیب سے کیا جو سلف صالحین یا تفسیر منقول سے ثابت نہیں ہے بلکہ شیطان سے شیطان ہی مراد لیا گیا ہے جیسا کہ کتب تفسیر میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

تمام مفسرین نے شیطان کا ترجمہ ابلیس سے کیا ہے جو مخلوق خدا کو صراط مستقیم سے گمراہی کی طرف

راغب کرنے میں مصروف عمل ہے جس کے مارنے اور چھونے سے اس کا گمراہ ہونا مراد ہے اور برائی پر مبنی وساوس میں مبتلا کرنا ہے شاہ صاحب کا جن اور آسیب کے ذریعے ترجمہ کرنا ایک بہت بڑا تسامح تھا جس سے شاہ صاحب باوجود صحیح منہج کے احتیاط نہ کر سکے۔

۲۔اجنبی اور قدیم الفاظ کا استعمال:

شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ میں کچھ مقامات پر اجنبی اور غیر مانوس تراکیب کو بھی استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے اردو دان طبقہ کے لیے ان آیات کے سمجھنے اور مفاہیم کے تعین میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جس سے موضح قرآن کے عام فہم ہونے کا تاثر قائم نہ رہ سکا گو کہ اگر حقیقت پسندی سے جائزہ لیا جائے تو ان تراکیب کو اس زمانے کی فصیح اور ترقی یافتہ زبان کی نسبت سے اجنبی یا متروک نہیں کہا جا سکتا اور اس کیفیت کو سمجھنے کے لیے اردو زبان کی ترقی و ترویج کے مختلف ادوار کی تاریخ ممد و معاون ہے کیونکہ اردو زبان مختلف زبانوں اور مختلف خطوں میں پروان چڑھی لہٰذا بعض اوقات ایک علاقے کے کلمات دوسرے علاقے کے لیے اجنبی کہے جا سکتے ہیں اور اسی طرح ترقی کے مراحل طے کرنے کے بعد ان تراکیب کا استعمال ختم ہوتا گیا۔ان میں سے چند کلمات درج ذیل ہیں:

چیتو گے، الوپ ہو جانا، سین کرتے، الصمد کا ترجمہ نرا ادھار کیا ہے، اور کہیں کہیں شاہ صاحب نے اللہ تعالی کے لیے شخص کا لفظ استعمال کیا ہے جیسا کہ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۴ میں دیکھا جا سکتا ہے، مزید تفصیل کے لیے ممتاز عالم دین اخلاق حسین قاسمی صاحب کی کتاب ''محاسن موضح قرآن'' ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔(۵۸)

بعد میں ان کلمات اور تراکیب پر مختلف زمانوں میں کچھ علماء نے حواشی اور شروح بھی لکھی ہیں جس سے انھیں سمجھنے میں کچھ آسانی ہوئی ہے لیکن بہر حال جہاں مکمل ترجمہ میں آسان اور رواں دواں انداز اختیار کیا گیا ہے وہاں ان کا استعمال واقعی موضح قرآن کے قاری کے لیے مشکلات کا سبب بنتا ہے اور بعض جگہ شاہ صاحب نے خود ہندی یا اردو تراکیب وضع کیں جو بالکل اجنبی تھیں جس کی وجہ سے ان کے مفاہیم کے تعین میں شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

۳۔اغلاط سے پاک نسخہ عام نہ ہو سکا:

موضح قرآن کے حوالے سے ایک بہت بڑی مشکل یہ تھی کہ عمومی طور پر جو نسخہ جات معروف تھے ان میں کتابت کی بے پناہ غلطیاں تھیں اور بالخصوص سید عبد اللہ مرحوم کا نسخہ جس میں انھوں نے موضح قرآن کو آسان کرنے کی نیت سے جزوی ترامیم واصلاح سے بھی کام لیا یہ نسخہ بھی اغلاط سے بھرا ہوا تھا بلکہ بعض مقامات پر تو سید عبد اللہ سے موضح قرآن پر حواشی تحریر کرنے میں تسامحات بھی ہوئے۔

ایک دوسری وجہ یہ بنی کہ کوئی ایسا مقام جہاں پر آیت قرآنی گیرائی اور گہرائی کی متقاضی تھی وہاں شاہ صاحب نے انھی علمی کلمات کے ترجمے کے لیے جو الفاظ استعمال کیے وہ عام کاتب اور ناقل اپنی کم علمی کی وجہ سے نہ سمجھ سکے جس کی وجہ سے کتابت کی غلطیاں بھی رونما ہوئیں جس سے موضح قرآن کا حسن مسخ ہوا۔

۴۔ضمائر کے استعمال میں اسلوب ایجاز:

موضح قرآن میں شاہ صاحب نے ضمائر کے ترجمے کے لیے جو اسلوب اختیار کیا وہ اردو تو کجا دنیا کی تمام زبانوں میں ادباء نے استعمال نہیں کیا۔

شاہ صاحب نے ضمائر کے ترجمے میں بھی اسی ایجاز اور اختصار کے اسلوب کو مد نظر رکھا غالباً وہ یہ سمجھتے تھے کہ ضمائر کی تکرار جملے کے حسن کو ختم کر دیتی ہے اور مثالی ادبیت اس میں قائم نہیں رہتی اور ترجمہ حسن لطافت سے خالی ہو جاتا ہے چنانچہ ضمائر کے استعمال میں از حد محتاط رہتے تھے۔

جس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ تحریر میں ابہام پیدا ہو جاتا تھا جو کہ لغت میں ضعیف سمجھا جاتا ہے اور یہ وجہ ان دو بڑی وجوہات میں سے ایک وجہ تھی کہ علماء موضح قرآن پر حاشیہ لکھنے پر مجبور ہوئے۔

۵۔آیات احکام میں حنفی مسلک کی تقلید:

شاہ صاحب گو کہ ترجمے میں لغوی اجتہاد سے کام لے کر انتہائی خوبصورت تراکیب کے ذریعے قرآنی مفاہیم کو واضح کرتے رہے لیکن ایک سب سے بڑا اعتراض جو آپ پر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ شاہ صاحب جیسا صاحب بصیرت عام عقائد اور مسائل میں جہاں اپنی انفرادی عظمت کا ثبوت دیتا ہے

وہاں فقہی مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اجتہاد کے مکمل پابند نظر آتے ہیں اس تقلید کی وجہ سے موضح قرآن اوراس پر حواشی صرف ایک مسلک تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں جو شاہ صاحب جیسے جید عالم دین جن کی قرآنی تعلیمات پر اتنی گہری نظر ہو ان کے شایان شان نہ تھا۔

حواشی وحوالہ جات

ا: شاہ عبدالقادر کی قرآن فہمی ،محمد فاروق خان ایم اے،صفحہ نمبر ۷، اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور
۲: انوار الباری مجموعہ افادیات انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ جلد دوم صفحہ ۲۰۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
۳: لال قلعہ کی جھلک، ناصر نذیر صاحب فراق صفحہ ۶۳
۴: انوار الباری مجموعہ افادیات انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ جلد دوم صفحہ ۲۰۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
۵: شاہ عبدالقادر کی قرآن فہمی ،محمد فاروق خان ایم اے،صفحہ نمبر ۲۱، اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور
۶: ماہنامہ برہان دہلی ،سعید احمد صاحب اکبر آبادی، ماہ اگست ۱۹۷۷ء، دہلی انڈیا
۷: سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، جلد دوم، صفحہ نمبر ۱۷۲
۸: مقدمہ ترجمہ قرآن، شیخ الہند محمود الحسن، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء صفحہ نمبر ۲۷۱
۹: ترجمہ قرآن مع غرائب القرآن، از ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، صفحہ نمبر ۹، مطبعہ قاسمی دہلی
۱۰: مکاتیب ابوالکلام آزاد، ابوالکلام آزاد، اردو اکیڈمی کراچی سندھ، صفحہ نمبر ۱۹۷
۱۱: مقدمہ ترجمۂ قرآن مولانا احمد علی لاہوری، صفحہ نمبر ۶ مطبع انجمن خدام الدین، لاہور
۱۲: آثار الصنادید، سرسید احمد خان صفحہ ۳۶۲
۱۳: مقدمہ ترجمہ قرآن از مولانا احمد علی لاہوری، صفحہ نمبر ۵، مطبع انجمن خدام الدین، لاہور
۱۴: سورۃ البقرۃ/۳۵ ۱۵: سورۃ النساء/۷۰
۱۶: سورۃ الانعام/۱۶۰ ۱۷: سورۃ الاعراف/۸۵
۱۸: سورۃ عبس/۲۵ ۱۹: سورۃ الفاطر/۴
۲۰: سورۃ الجمعۃ/۱۰ ۲۱: سورۃ التوبہ/۲۸
۲۲: سورہ مریم/۳۶ ۲۳: سورۃ الفاتحۃ/۴
۲۴: سورۃ الاعراف/۱۹۹ ۲۵: سورۃ المومنون/۹۱
۲۶: سورۃ الانبیاء/۲۲ ۲۷: سورۃ یوسف/۸۲
۲۸: سورۃ الرعد/۳۱ ۲۹: سورۃ الفرقان/۳۲
۳۰: سورۃ الانبیاء/۱۸ ۳۱: سورۃ التکویر/۱۸

۳۲: سورۃ الذاریات/۱۰ ۳۳:سورۃ عبس/۱۷
۳۴: سورۃ البقرۃ/۱۴، ۱۵ ۳۵:سورۃ المائدۃ/۱۱۶
۳۶: سورۃ آل عمران/۵۴ ۳۷:سورۃ العنکبوت/۴۱
۳۸: سورۃ البقرۃ/۱۷ ۳۹:سورۃ یونس/۳۹
۴۰: حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ، باب طبقات الامت، جلد ا، صفحہ ۱۱۷
۴۱: سورۃ النور/آیت نمبر ۶۳ ۴۲:سورۃ الانعام/۱۲۵
۴۳: سورۃ البقرۃ/۲۹ ۴۴:سورۃ النازعات /آیات ۲۷ تا ۳۰
۴۵: سورۃ المؤمن/۶۷ ۴۶:سورۃ الفرقان/۵۴
۴۷: سورۃ الانعام/۲ ۴۸:سورۃ الصافات/۱۱
۴۹: سورۃ المؤمنون/۱۲ ۵۰:الرحمٰن/۱۴
۵۱: سورۃ النساء/۱
۵۲: مفردات القرآن، راغب اصفہانی، صفحہ نمبر ۱۰۸، دار القلم، دمشق
۵۳: سورۃ الزمر/۶
۵۴: موضح قرآن، شاہ عبد القادر، حاشیہ آیت نمبر ۶، سورۃ الزمر
۵۵: مظاہر فطرت اور قرآن، ڈاکٹر عبد الودود، صفحہ نمبر ۲۸۰، مطبعہ ۱۹۸۸، خالد پبلی کیشنز، لاہور
۵۶: سورۃ البقرۃ/۲۷۵
۵۷: سورۃ الانعام/۷۱
۵۸: محاسن موضح قرآن، اخلاق حسین قاسمی دہلوی، صفحہ نمبر ۵۱۵ تا ۵۲۳، ذوالنورین اکیڈمی بھیرہ، ضلع سرگودھا

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمہ قرآن کریم کا تحقیقی تجزیہ

حافظ زاہد علی ☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عرب میں ہوئی اور آپ پر جو کتاب ''قرآن'' کے نام سے نازل کی گئی، وہ بھی عربی زبان میں تھی۔ جوں جوں اسلام سرزمین عرب سے نکل کر دوسرے غیر عربی علاقوں میں داخل ہو،اتو وہاں کے علما نے قرآن حکیم کواپنی زبان میں ترجمہ کرنا ضروری سمجھا تا کہ عوام اور وہ لوگ بھی اس سے براہ راست مستفیض ہوسکیں جو عربی زبان سے نا آشنا ہیں۔ اسلام ایران میں داخل ہوا تو قرآن حکیم کا فارسی میں ترجمہ ہوا، اور جب اسلام ہندوستان میں داخل ہوا تو قرآن حکیم کے ترجمہ کا کام بھی ساتھ ہی شروع ہوگیا، تا کہ عوام النّاس اس کو سمجھ کر اپنے اعمال کو اس کے مطابق بنائیں۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اردو کو پہلے ''ہندی'' کہتے تھے۔ جب فارس کی زبان فارسی تھی تو ہندوستان کی زبان ہندی ہونی چاہیے۔ اردو کا نام اس زبان کو بعد میں دیا گیا ہے جب مختلف زبانوں کے الفاظ اس میں داخل کیے گئے۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے مشہور سیاح بزرگ ابن شہریار نے اپنے سفرنامہ ''عجائب الہند'' میں قرآن حکیم کے ایک ترجمہ کا ذکر کیا ہے جو کشمیر کے راجہ مہروک کے کہنے پر تیسری صدی ہجری کے اواخر میں ہندوستانی زبان میں کیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''کشمیر کے راجہ مہروک نے ۲۷۰ھ/۸۸۳ء میں منصورہ (سندھ) کے حاکم امیر عبداللہ بن عمر کو لکھا کہ میرے پاس ایک ایسا آدمی بھیج دیا جائے جو اسلامی شریعت کے احکام ہندی زبان میں بیان کر سکے۔ امیر عبداللہ نے ایک مسلمان عالم کو بھیجا جو ہندوستان کی مختلف

☆ لیکچرار شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور

زبانیں جانتا تھا۔ اس نے راجہ کے پاس چند سال ٹھیر کر راجہ کو پورے طور پر اسلام سے واقف بنا دیا۔ راجہ نے اس سے یہ خواہش کی کہ وہ ''ہندی'' زبان میں میرے لیے قرآن کی تفسیر کر دے۔ سورۃ یٰسین تک یہ تفسیر مکمل ہوگئی تھی۔'' (۱)

اسی طرح شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہؒ نے بھی ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں اپنے ترجمہ قرآن حکیم کے دیباچہ میں لکھا ہے:

''اس بندہ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت بڑے حضرت شاہ ولی اللہ عبدالرحیم کے بیٹے، سب حدیثیں جاننے والے، ہندوستان کے رہنے والے، فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں اسی طرح عاجز نے'' ہندی زبان'' میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے۔ الحمدللہ یہ آرزو ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں حاصل ہوئی۔''(۲)

ان دو اقتباسات سے مقصد یہ ہے کہ ایک تو اردو کو پہلے ہندی کہا جاتا تھا کیونکہ یہ ہندوستان کی زبان تھی اور دوسرے یہ کہ ہندوستان میں قرآن حکیم کا ہندی میں ترجمہ اسلام کے ہندوستان میں داخل ہونے کے وقت ہی سے شروع ہو گیا تھا، جن میں سے ایک ترجمہ وہ ہے جس کا ذکر ابن شہر یار نے راجہ مہروک کے حوالہ سے کیا ہے۔ ان سب ترجموں کا ذکر تو ہم نہیں کر سکتے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں قرآن حکیم کے کئی ترجموں کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ ان میں سے کچھ تراجم مطبوعہ ہیں اور کچھ تراجم کے مخطوطات مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

مغل بادشاہوں میں شاہ عالم بادشاہ ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء تا ۱۲۲۱ھ/ ۱۸۰۶ء کا عہد حکومت قرآن حکیم کے اردو ترجموں کے لیے قابل ذکر ہے۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے اپنے اردو ترجموں کا کام اسی زمانہ میں کیا۔

بادشاہ شاہ عالم کے ایما سے حکیم شریف خان ابن حاذق الملک حکیم محمد اکمل خان دہلوی (م: ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء) نے قرآن حکیم کے اردو ترجمہ کی تکمیل کی۔ یہ ترجمہ افسوس ہے کہ چھپا نہیں، لیکن

اس کا مخطوطہ ابھی شریفی خاندان میں محفوظ ہے، جس کا ذکر مقدمہ شرح خمیات حکیم شریف خان میں موجود ہے۔ مخطوطہ میں ترجمہ کے اختتام کا دن اور تاریخ تو ہے، لیکن سال نہیں لکھا ہوا۔ شاید حکیم محمد شریف خان مرحوم لکھنا بھول گئے ہوں، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ یہ ترجمہ اٹھارویں صدی کے اواخر میں پایۂ تکمیل کو پہنچا، اس لیے کہ حکیم محمد شریف خان کا انتقال انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں ہوا، یہ مخطوطہ کتب خانہ حکیم محمد احمد خان بمقام دہلی میں موجود ہے۔

اس ترجمہ قرآن کے بارے میں ڈاکٹر عبدالحق نے لکھا ہے:

''اس (ترجمہ) کی زبان شاہ عبدالقادر مرحوم کے ترجمے کے مقابلے میں زیادہ صاف ہے اور لفظی پابندی میں اتنی سختی نہیں کی گئی ہے۔ اردو زبان کی ترکیب کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ نیز شاہ صاحب کی طرح ہندی میں نہیں ہے۔''

ڈاکٹر عبدالحق کی اس رائے سے اہل علم نے بہت اختلاف کیا ہے، بلکہ بعض حضرات نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ پر تنقید کرنے میں دھاندلی سے کام لیا ہے۔ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ حکیم شریف خان صاحب کے ترجمہ سے کوئی دس سال پہلے لکھا گیا لیکن یہ ترجمہ نہایت شستہ اور فصیح ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمہ کا ایک ایک لفظ بڑی احتیاط سے انتخاب کیا گیا ہے۔ شریف خان صاحب کے ترجمے کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں۔ شاہ صاحب کے ترجمہ کا ایک ایک لفظ موتیوں کی طرح جڑا ہوا ہے، ان کے ترجمے کی زبان اور آج کل کی اردو میں بہت کم فرق ہے۔ شاہ صاحب کا سورۂ فاتحہ کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے ان کی زبان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

''سب تعریف اللہ کو ہے، جو صاحب سارے جہان کا، بہت مہربان نہایت رحم والا، مالک انصاف کے دن کا، تجھی کو ہم بندگی کریں اور تجھی سے ہم مدد چاہیں، چلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی، جن پر تو نے فضل کیا، نہ وہ جن پر غصہ ہوا، اور نہ بہکنے والے۔''

اس ترجمہ میں ایک اصطلاح بھی متروک نہیں، بلکہ یہ سب اصطلاحیں آج بھی استعمال ہوتی ہیں۔

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

ومن خصائصه:أنه اختار لغة بحذاء لغة قاربت بما حازت في العموم والخصوص والإطلاق والتقييد، حتى إنها لاتتجاوزعنها في مواردالاستعمال، وتلك موهبة إلهية وكرامة ربانية يختص بها من يشاء.(۳)

شاہ صاحب کے ترجمے کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے ایک لغت کو دوسری لغت کے مقابلے میں یوں رکھا کہ عموم وخصوص اور اطلاق وتقید میں وہ ایک دوسرے کے برابر ہو گئیں۔ یہاں تک کہ اس نے استعمال کیمقامات سے بھی تجاوز نہیں کیا، یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور کرامت ربانی ہے،وہ جسے چاہتا ہے اس کے ساتھ خاص کرتا ہے۔

شاہ عالم بادشاہ کے دور میں ایک اور اردو ترجمہ ۱۸۰۲ء/ ۱۲۱۸ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گل کرسٹ (م:۱۸۴۱) پرنسپل تھے۔ان کے حکم پر علما کی ایک کمیٹی نے مل کر اس ترجمے کا کام کیا۔مترجمین میں کاظم علی، امانت اللہ شیدا، میر بہادر علی، مولوی فضل اللہ اور غوث علی حافظ شامل تھے۔اس کے سرورق پر لکھا ہے۔''ترجمہ قرآن شریف بزبان ہندی''اور ایک مصرع لکھا ہے جس سے اس کی تاریخ ۱۲۱۸ھ نکلتی ہے۔مصرع یہ ہے۔

صراط المستقیم الحق ہے بالکل

اس ترجمہ کا آغاز ۱۲۱۸ھ میں ہوا اور ایک سال کی مدت میں، یعنی ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔اس ترجمہ کی زبان کافی آسان اور پیچیدگیوں سے مبرا ہے۔

اٹھارویں صدی کے غیر مطبوعہ ترجموں میں محمد باقر فضل اللہ خیر آبادی کا ترجمہ بھی ملتا ہے۔اس کا مخطوطہ حیدر آباد دکن میں نظام کالج کے پروفیسر حیدر حسین کی ملکیت ہے۔قرآنی متن کے نیچے سرخ روشنائی سے اردو میں یہ ترجمہ لکھا گیا ہے خط بہت عمدہ ہے۔زبان میں کوئی خاص خوبی نہیں۔لسانی لحاظ سے یہ ترجمہ متوسط درجہ کا ہے۔

اٹھارویں صدی کے ترجموں میں سے ایک، اور قابل ذکر ترجمہ شاہ مراد اللہ انصاری نقشبندی سنبھلی

کا ہے۔ انہوں نے اس کا نام ''تفسیر مرادیہ'' رکھا ہے۔ اس ترجمہ کی تکمیل کا سال ۱۱۸۴ھ/ ۱۷۷۰ء ہے۔ یہ ترجمہ اور تفسیر ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء ہو گی، کلکتہ میں طبع ہوا۔ پھر دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۴ء میں کلکتہ کے مطبع ستاریہ سے طبع ہوا۔ یہ تفسیر مرادیہ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ سے ۲۱ سال قبل لکھی گئی۔

اس ترجمے اور تفسیر کا اسلوب عام فہم اور سلیس ہے۔ آج سے قریباً اڑھائی سو سال قبل لکھا ہوا ترجمہ ادبی لحاظ سے کتنا شستہ ہے اس کا اندازہ سورہ فاتحہ کے ترجمہ سے لگایا جا سکتا ہے:

''سب تعریف اللہ کو ہے جو رب ہے سارے جہان کا، بہت مہربان، نہایت رحم والا، مالک انصاف کے دن کا، تجھی کو ہم بندگی کریں اور تجھی سے مدد چاہیں، چلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان کی جن پر تو نے فضل کیا نہ جن پر غضب ہوا اور بہکنے والے۔''

شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی کا یہ ترجمہ بامحاورہ بھی ہے اور اس میں متن کے الفاظ کی ترتیب کا پورا خیال بھی رکھا گیا ہے۔ ''الضَّآلِّیْن'' کا ترجمہ ''بہکنے والا'' کیا ہے۔ یہ ان کی علمیت کی دلیل ہے۔ آج کل کی طرح کے کیے کرائے ترجمے ان کے سامنے نہیں تھے، بلکہ ان کی انفرادی کوشش اور شخصی علمیت کا نتیجہ ہے۔

اس ترجمہ کے بارے میں مولانا محمد سالم قاسمی لکھتے ہیں:

''(یہ ترجمہ) زبان اٹھارویں صدی کے اواخر کی زبان کا اچھا اور مثالی نمونہ ہے۔ اس دور کی اردو نثر مقفّٰی اور مسجع ہوتی تھی مگر تفسیر مرادیہ کی زبان میں سادگی، سلاست اور روانی ہے۔ اردو نثر کا یہ بالکل ابتدائی دور تھا اور اس وقت تک اردو نثر میں صرف چند ہی کتابیں لکھی جا سکی تھیں۔''(۴)

ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی:

اسی دور میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے قرآن حکیم کا ترجمہ کیا، جو قدیم و جدید ترجموں میں ایک خاص مقام کا حامل ہے۔ ان کا ترجمہ قرآن حکیم کے اردو ترجموں میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ شاہ عبدالقادر کو قرآن حکیم سے ایک قلبی لگاؤ تھا اور انہوں نے برسہا برس اعتکاف کر کے قرآن

حکیم کا مطالعہ کیا۔ قرآن پر فکر و تدبر اور غور و خوض کیا۔ بتاتے ہیں کہ مسجد اکبر آبادی میں مسلسل چالیس سال وہ معتکف رہے اور اس عرصہ میں صرف قرآن پڑھتے، پڑھاتے اور اس پر غور و فکر فرماتے تھے۔ انہوں نے اپنے مطالعہ اور غور و فکر کا عطر ''موضح قرآن'' کی صورت میں آئندہ آنے والی نسلوں کے سامنے پیش کر دیا۔ ترجمہ اور تفسیر موضح قرآن مکمل کرنے کے بعد خود فرماتے تھے:

روز قیامت ہر کسے باخویش دارد نامۂ
من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآن در بغل

قرآنی علوم آپ کو اپنے باپ دادا سے ورثہ میں ملے تھے۔ خصوصی طور پر آپ کے والد ماجد امام العصر شاہ ولی اللہؒ نے قرآن حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تا کہ جو لوگ عربی میں قرآن حکیم کو سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتے وہ قرآن سے آشنا ہو سکیں۔ قرآن فہمی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ اس فن میں آپ کی تصانیف میں الفوز الکبیر، فتح الخبیر اور قرآن حکیم کے ترجمہ کا ایک مقدمہ شامل ہے۔ پھر سلیس اور متعارف فارسی زبان میں لوگوں کے لیے قرآن حکیم کا ترجمہ کیا جو ''فتح الرحمٰن'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس ترجمہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگ قرآن حکیم کی طرف متوجہ ہوں۔ اس کو پڑھیں، سمجھیں اور اس کے مطابق اپنی زندگی کے اعمال درست کریں۔ چنانچہ شاہ صاحب خود لکھتے ہیں:

''اس کتاب (فتح الرحمٰن) کا مرتبہ متن قرآن اور فارسی کے مختصر رسائل پڑھنے کے بعد ہے تا کہ فارسی ان کی سمجھ میں بے تکلف آ جائے، خاص طور پر سپاہیوں اور اہل حرفہ کے بچوں کے لیے جو کہ علوم عربیہ کو پورا کرنے کی توقع نہیں رکھتے۔ سن تمیز کے پہلے ہی مرحلہ میں اس کتاب کی ان کو تعلیم دینی چاہیے تا کہ ان کے اندر پہلی چیز جو داخل ہو وہ کتاب اللہ کے معانی ہوں اور ان کی سلامتی فطرت ہاتھ سے نہ جائے۔''(۵)

اپنی ایک اور کتاب الفوز الکبیر میں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''علم تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علوم مجھے بخشے گئے ہیں اور جن کی طرف ہم نے

اشارہ کیا ہے، انبیاء علیہم السلام کے قصوں کی تاویل ہے اور اس فقیر نے اس فن میں ایک رسالہ بنام ''تاویل الاحادیث'' لکھا ہے۔ نیز علوم وہبیہ میں سے ان پانچ علوم کی تنقیح ہے جن کے بارے میں قرآن حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے، جو تخصیص اور تفہیم وغیرہ کی جنس سے انداز کلام میں عربی عبارت کے مشابہ ہے، جس کو ہم نے ''فتح الرحمٰن فی ترجمة القرآن'' میں درج کیا ہے۔''(٦)

یہ ترجمہ شاہ ولی اللہؒ نے ۱۷۳۸ء/1/4۱۷۳۷ء میں کیا، یعنی حج بیت اللہ سے واپس آنے کے قریباً پانچ سال بعد۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اگر حضرت شاہ صاحبؒ ترجمہ قرآن کی یہ داغ بیل ڈال کر نہ جاتے تو قرآن حکیم عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے عوام کی دسترس سے باہر ہوتا اور عوام تو عوام ہیں انحطاط اور ناقدری کے اس زمانہ میں خود بہت سے ائمہ وخطباء کی آبرو کا تحفظ انہی ترجموں کی بدولت ہو رہا ہے۔ شاہ صاحبؒ کا نظریہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے جو بندے عربی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اپنے مالک و خالق سے براہ راست مخاطب بننے کی سعادت سے محروم ہیں، ان تراجم کی بدولت وہ بھی اپنے خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں اور اپنے رب کے کلام کو اپنی زبانوں میں پڑھ کر سمجھیں، اور جیسا کہ آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالقادرؒ نے لکھا ہے:

''بتانے والے بہتیرا بتائیں، جیسا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ بتایا ہے، ویسا کوئی نہیں بتا سکتا اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے کسی کے کلام میں نہیں۔''

شاہ ولی اللہؒ نے ترجمہ قرآن کے ضروری ہونے کو اپنے وصیت نامہ میں بھی درج فرمایا۔ چنانچہ آپ نے لکھا:

''قرآن عظیم درس گویند بآن صفت کہ صرف قرآں بخواند بغیر تفسیر ترجمہ گویند''

قرآن حکیم کا درس دینا چاہیے، اس طریقہ سے کہ صرف قرآن پڑھا جائے یعنی تفسیر کے بغیر متن قرآن اور ترجمہ پڑھایا جائے۔

قرآن حکیم کے ترجمہ کی یہ اہم خدمت جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے انجام دی۔ ان کے بعد ان کے

تین صاحبزادگان، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ نے بھی قرآن کی اس خدمت کی تکمیل کی ،جیسا کہ شاہ عبدالقادر نے موضح قرآن کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے زمانہ میں اردو عام طور پر لکھنے پڑھنے کی زبان نہیں تھی اس وجہ سے انہوں نے قرآن حکیم کا فارسی میں ترجمہ کیا اور ان کے بڑے صاحبزادے سراج الہند شاہ عبدالعزیز نے بھی فارسی زبان میں تفسیر عزیزی کے نام سے قرآن حکیم کا ترجمہ اور تفسیر لکھی۔ پھر جب اردو زبان نے قدم آگے بڑھایا تو پھر شاہ رفیع الدین نے لفظی ترجمہ اور شاہ عبدالقادرؒ نے بامحاورہ اردو میں قرآن حکیم کا ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ان دونوں حضرات کے بعد اس وقت تک قرآن حکیم کے جتنے بھی تراجم ہوئے ہیں یا آئندہ ہوں گے، اس سنت حسنہ کے تسنن کا سہرا کم از کم ہندوستان میں خاندان ولی اللّٰہی ہی کے سر بندھتا ہے۔ اس لحاظ سے ولی اللّٰہی خاندان ہندوستان میں ایک منفرد علمی خاندان ہے جس نے علم قرآن بلکہ علم نبوت کی مشعل کو اپنے خون جگر سے روشن کیا اور ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔'' کا محاورہ اس گھرانے پر صحیح صادق آتا ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خانؒ نے بالکل صحیح کہا ہے:

> ''شاہ ولی اللہ کا گھر ہندوستان میں علم دین کا گھر تھا۔ ان کے خاندان کے لوگ علوم عقلیہ ونقلیہ کے ہندوستان میں مشائخ تھے۔ اصحاب الصالحات اور ارباب الفضائل الباقیات تھے۔ ہندوستان کے کسی گوشہ میں کسی علمی گھرانہ نے علوم دینیہ کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی شاہ ولی اللہؒ کے گھرانہ نے کی ہے۔(۷)

شاہ عبدالقادر کی پیدائش ۱۱۶۸ھ/۱۷۵۳ء میں ہوئی۔ یہ شاہ ولی اللہ کے تیسرے بیٹے تھے۔ ان کا شجرۂ نسب چونتیسویں پشت پر سیدنا عمر بن خطابؓ تک پہنچتا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ اور برادر بزرگ شاہ عبدالعزیزؒ سے حاصل کی۔ قرآن، حدیث، فقہ میں مہارت تامہ پیدا کی اور تصوف وسلوک میں شاہ عبدالعدل دہلوی نقشبندیؒ کی تلمذی میں گیارہ سال رہے۔ کہتے ہیں کہ اردو زبان و ادب میں خواجہ میر درد سے استفادہ کیا۔ آپ نہایت متقی، پرہیزگار اور خالص مرد مومن تھے۔ طبیعت پر

تصوف کا رنگ غالب تھا۔ اولاد میں صرف ایک بیٹی تھی۔ قناعت و توکل کا یہ عالم تھا کہ اپنی زندگی ہی میں اپنی ساری جائیداد اپنے بھائیوں، اپنی بیٹی اور اپنی نواسی کے شوہر شاہ اسماعیل شہید کے نام کر دی۔ شاہ اسماعیل آپ کے شاگرد بھی تھے۔

شاہ عبدالقادر کو فلسفہ، منطق اور معقولات سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس وجہ سے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آپ معقولات سے یک قلم نا آشنا ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے امتحان لینے کی کوشش کی۔ جب بحث شروع ہوئی تو شاہ صاحب نے فلسفہ اور منطق کے وہ جوہر دکھائے کہ امتحان لینے والے شرمندہ ہو گئے۔ مخاطبین کو نادم دیکھ کر آپ نے فرمایا: ''تم یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقولات نہیں آتیں بلکہ ہم نے ان کو ناقص اور واہیات سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔'' (۸)

آپ کے بے شمار شاگرد تھے جن میں شاہ اسماعیل شہید، شیخ عبدالحی، ہیبت اللہ بڈھانوی، فضل حق خیر آبادی، شاہ محمد اسحاق، شاہ احمد سعید اور مرزا حسن علی شافعی مشہور ہیں۔

اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمہ قرآن نے آپ کو بھی آمادہ کیا کہ آپ اردو زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ کریں۔ ان کے زمانہ میں اردو ایک عام زبان ہو چکی تھی، لہٰذا ضروری تھا کہ اس زبان میں بھی قرآن حکیم کا ترجمہ ہو۔ آپ نے قرآن حکیم کا ترجمہ کرنے میں بڑی جرأت سے ایک نئی روش اختیار کی۔ جرأت اس لیے کہ اس سے قبل جب آپ کے والد ماجد نے فارسی زبان میں ترجمہ قرآن کیا تو اس وقت کے علما کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ مسلح ہو کر انہیں قتل کرنے کے لیے آ گئے کہ یہ قرآن حکیم کی بہت بڑی بے ادبی ہے۔ اس عظیم خدمت کے صلے میں آپ کو اپنی جان خطرے میں نظر آنے لگی اور آپ کو اپنی جان بچانے کے لیے کچھ عرصہ دہلی سے باہر جانا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے اردو زبان میں بامحاورہ قرآنی ترجمہ کی طرح ڈالی۔ ان کا ترجمہ اردو ادب کی شاہکار تصانیف میں سے ایک ہے۔ آج سے قریباً دو اڑھائی سو سال قبل اردو ادب کی نثر کے معیاری نمونہ کی بہترین مثال ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ عمر میں شاہ رفیع الدین اپنے بھائی شاہ عبدالقادر سے چار سال بڑے تھے، لیکن عموماً لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ شاہ رفیع الدین صاحب نے ترجمہ

قرآن شاہ عبدالقادر سے پہلے کیا تھا، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ شاہ عبدالقادر نے ترجمہ قرآن پہلے کیا اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب نے ترجمہ بعد میں کیا۔ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر کے فوائد ''موضح قرآن'' کے ساتھ کلکتہ کے ایک قدیم مطبع اسلامی پریس میں طبع ہوا۔ یہ دوجلدوں پر مشتمل تھا۔

عربی زبان میں جملے کی ترتیب اردو زبان سے بالکل مختلف ہے، جب ہم عربی کے کسی جملے کا لفظی ترجمہ کرنا چاہیں تو اردو میں جملہ کچھ بے ہنگم سا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مختصر ترین جملہ ہے ''جاء احمد'' اس کا لفظی ترجمہ ہے ''آیا احمد۔'' اور بامحاورہ ترجمہ ہے ''احمد آیا۔'' اس میں پہلا لفظ آخری ہو گیا اور آخری لفظ پہلا ہو گیا۔ اسی طرح جملہ جتنا طویل ہو گا، اتنا ہی اس کی اردو ترتیب میں منطق اور عقل دونوں سے کام لینا پڑتا ہے ورنہ مفہوم سمجھنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ نے اس بات کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا اور تحت اللفظ ترجمہ کی گرانی فہم کو محسوس کیا، چنانچہ انہوں نے بامحاورہ ترجمہ کی بنیاد ڈالی۔ قرآن حکیم کے بامحاورہ ترجمہ کو علما شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن شاہ عبدالقادر نے بڑی جرأت اور ہمت سے اس ذمہ داری کو نہایت خوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ان کا یہ بامحاورہ ترجمہ نہایت مستند، ثقہ اور صحیح ترجمہ ہے۔ لسانی اعتبار سے اس قدر عمدہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ دوسو سال قبل اتنا سادہ لیکن ادبی ترجمہ ظہور پذیر ہوا۔ اسلوب اتنا طبعی اور پراثر کہ زمانہ جدید کے بعض تراجم سے بہتر۔ اسلوب بیان کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الانعام کی یہ آیت:

﴿ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَآئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْساً إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِيْ إِيمَانِهَا خَيْراً قُلِ انتَظِرُوْا إِنَّا مُنتَظِرُوْنَ ﴾ (۹)

''کاہے کی راہ دیکھتے ہیں لوگ، مگر یہی کہ ان پر آویں فرشتے، یا آوے تیرا رب، یا آوے کوئی نشان تیرے رب کا؟ جس دن آوے گا ایک نشان تیرے رب کا، کام نہ آوے گا ایمان لانا کسی کا، جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی، تو کہہ،

راہ دیکھو، ہم بھی راہ دیکھتے ہیں۔''

ملاحظہ فرمائیں کہ مندرجہ بالا آیت کا کس سلاست اور آسانی سے ترجمہ کر دیا۔ یہ سہل ممتنع نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآن حکیم تحریر کی شکل میں نہیں، بلکہ تقریر یا خطاب کی شکل میں رسول اللہؐ پر نازل نہیں ہوا تھا۔قرآن حکیم کی اس روح کو شاہ عبدالقادرؒ نے کتنی خوبی سے قائم رکھا ہے۔ایک اور آیت کا ترجمہ مثال کے طور پر درج کیا جاتا ہے:

﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ﴾(۱۰)

''اللہ کشادکرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ، اور وہ ریجھے ہیں دنیا کی زندگی پر، اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے حساب میں مگر تھوڑا برتنا۔''

مندرجہ بالا ترجمہ میں ''فَرِحُوْا'' کا ترجمہ ''ریجھے'' کیا ہے۔ یہاں لفظ ریجھے نہایت برمحل اور موزوں ہے۔ یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر کی عبقریت اور علمیت کا مکمل ثبوت ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ جب قرآن حکیم کے ترجمہ سے فارغ ہوئے تو لوگوں کے اصرار پر قرآن حکیم کے حواشی لکھنا شروع کیے۔ یہ فوائد یا مختصر تفسیر ہے۔ اس کا تاریخی نام ''موضع قرآن'' ہے جس سے سن ہجری ۱۲۰۵ھ نکلتا ہے۔ اس وقت سن عیسوی ۱۷۹۰ء تھا۔بعض حضرات اس مختصر تفسیر کو ''موضح القرآن'' لکھتے ہیں جو کہ غلط ہے، صحیح ''موضح قرآن'' ہے کیونکہ اسی سے تاریخ یعنی ۱۲۰۵ھ نکلتی ہے۔

یہ ترجمہ پہلی مرتبہ سید عبداللہ بن سید بہادر علی نے دہلی کے مطبع احمدی میں طبع کروایا تھا۔ اس ایڈیشن میں طباعت کی تاریخ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد اس کا دوسرا یڈیشن ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ یہ دو جلدوں پر مشتمل تھا۔ پہلی جلد سورۃ الفاتحہ سے سورۃ الکہف تک اور دوسری جلد سورۂ مریم سے سورۃ الناس تک ہے۔ ''موضع قرآن'' کے ساتھ پہلی مرتبہ دہلی کے مطبع احمدی میں ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء میں یہ ترجمہ طبع ہوا۔

ترجمہ کی سلاست اور شاندار اسلوب نے لوگوں کو بہت متاثر کیا۔ چنانچہ اس ترجمہ کا پشتو زبان

میں ترجمہ مولانا فتح اللہ قندھاری نائب مفتی ریاست بھوپال نے کیا اور ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء میں بھوپال کے مطبع اسکندری سے طبع کروایا۔ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ اور تفسیر کے متعدد ایڈیشن برصغیر پاک و ہند میں طبع ہو چکے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ اس میں تاج کمپنی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ انہوں نے مختلف ایڈیشن مختلف حجم میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ طبع کیے۔

یہ اس ترجمہ کی خوبی اور حسن اسلوب تھا کہ اس ترجمہ کے قریباً ۱۲۰ سال بعد دارالعلوم دیوبند کے ایک فرزند اور ولی اللہی بزرگ یعنی شاہ ولی اللہ کے صحیح جانشین حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہند نے جیل کی چار دیواری میں بیٹھ کر شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالقادر وغیرہ کی اس سنت کو جاری رکھا۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک روز شیخ الہند محمود حسنؒ نے فرمایا کہ ہم نے مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں، یہ الفاظ جونہی آپ کے منہ سے نکلے سارے حاضرین ہمہ تن گوش ہو گئے کہ اس استاذ العلما درویش نے ۸۰ سال علما کو درس دینے کے بعد آخری عمر میں جو دو سبق سیکھے ہیں، وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا:

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور و خوض کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؟ اس کے دو سبب معلوم ہوے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا اور دوسرا آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن حکیم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کیے جائیں، اور بڑوں کو عوامی درس کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے، اور قرآنی تعلیم پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

"نباض امت نے ملت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی باقی ایام زندگی میں

ضعف اور علالت اور ہجوم مشاغل کے باوجود اس کے لیے سعی پیہم فرمائی۔ بذات خود درس قرآن شروع کرایا جس میں تمام علمائے شہر اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے علما بھی شریک ہوتے تھے اور عوام بھی۔'' (۱۲)

اس ترجمہ سے متاثر ہو کر اور ان جذبات کے تحت جو حضرت مفتی شفیع صاحب کی زبان سے آپ سن چکے ہیں، حضرت شیخ الہند نے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمہ کو سامنے رکھ کر اپنا ترجمہ لکھا۔ وہ شاہ صاحب کے ترجمہ سے بے حد متاثر تھے۔ دراصل شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ ہے ہی قابل ہزار ستائش کہ مولانا محمود حسنؒ جیسے جید عالم اس کے مداح تھے۔ انہوں نے شاہ صاحب کے اس ترجمہ کے بارے میں جو کچھ مدح سرائی کی ہے، اس کے چند اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

''ترجمہ میں اختصار و سہولت اور الفاظ قرآنی کی لفظی اور معنوی موافقت، اور صرف لغوی معنی پر بس نہیں، بلکہ معنی مرادی اور غرض اصلی کا ہر موقع پر بہت لحاظ رکھتے ہیں اور ترجمہ میں کبھی ایسا لفظ لاتے ہیں جس کی وجہ سے اگر کسی قسم کا اجمال اور اشکال ہو تو زائل ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایک لفظ کا ترجمہ ایک جگہ کچھ فرماتے ہیں اور دوسری جگہ کچھ، حالانکہ لغوی معنی اس لفظ کے ایک ہی ہیں، مگر ہر مقام کے مناسب جدا جدا عنوان سے بیان فرماتے ہیں۔''

مولانا محمود حسنؒ مزید فرماتے ہیں:

''ترجمہ موصوف جملہ تراجم میں ممتاز اور مفید تر نظر آتا ہے اور بنظر فہم و انصاف اس کا مستحق ہے کہ سہل ممتنع کے ساتھ ملقب ہو۔ یہ حضرت ممدوح کا کمال ہے کہ ہر موقع پر جملہ امور پیش نظر رہتے ہیں، اور ترجمہ میں حسب حاجت ان کی رعایت کرتے ہیں ،اور اسی کے مطابق الفاظ بھی ان کو بسہولت مل جاتے ہیں۔ گویا محاورات و لغات اردو بھی سب سامنے رہتے ہیں جس کو مناسب سمجھا بے تکلف لے لیا اور اس پر ترجمہ اپنے محدود احاطہ سے ایک

قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ شاہ عبدالقادر جو بامحاورہ ترجمہ کے بانی اور امام ہیں، یہی وجہ ہے جو اسلاف ممدوحین کے بعد اس زمانے میں جس نے اس میدان میں قدم رکھا اس نے جناب شاہ صاحب ممدوح کا اتباع کیا اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کو اختیار کیا جس پر کسی کا شعر یاد آتا ہے:

ہر مرغ کہ پرد بہ تمنائے اسیری
اول بشگوں کرد طواف قفس ما

حضرت شیخ الہندؒ اس بارے میں مزید فرماتے ہیں:

''اور یہ امر بھی خوب معلوم ہو گیا کہ جیسے حضرت شاہ رفیع الدینؒ کا یہ کمال ہے کہ تحت لفظی ترجمہ کا التزام کر کے ایک ضروری حد تک سہولت اور مطلب خیزی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ایسے ہی حضرت مولانا عبدالقادرؒ کا یہ کمال ہے کہ بامحاورہ ترجمہ کا پورا پابند ہو کر پھر نظم و ترتیب کلمات قرآن اور معانی لغویہ کو اس حد تک بنایا ہے کہ زیادہ کہتے ہوئے تو ڈرتا ہوں مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ ہم جیسوں کا ہرگز کام نہیں۔ اگر ہم ان کے کلام کی خوبیوں کو اور ان اغراض اور اشارات کو جو ان کے سیدھے سادھے مختصر الفاظ میں ہیں، سمجھ جائیں تو ہم جیسوں کے فخر کے لیے یہ امر بھی کافی ہے۔''

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمہ کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحب ترتیب قرآنی کا بہت خیال رکھتے ہیں اور اصل اور ترجمہ کی مطابقت میں بہت زیادہ سعی فرماتے ہیں، مگر چونکہ ترجمہ بامحاورہ کا التزام کیا ہے، اس لیے بضرورت توضیح و تسہیل بعض مواقع میں تقدیم و تاخیر لازم ہے، مگر جیسا کہ آٹے میں نمک۔ یہ نہیں کہ آخر کا ترجمہ اول اور اول کا آخر ہو جائے۔ الغرض فصل بعید سے احتراز رکھتے ہیں الا ماشاء اللہ۔ کسی خاص ضرورت کے وقت میں دو تین کلموں کا فصل ہو جائے اور وہ بھی نادر کالمعدوم۔ دیکھیے عربی زبان میں مضاف کو مقدم ذکر کرتے ہیں اور اردو کا محاورہ یہ ہے کہ

مضاف الیہ کو مقدم کرتے ہیں، شاہ صاحب کے ترجمہ میں اس قسم کی مثالیں کثرت سے ملیں گی مثلاً "عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ" کا بامحاورہ ترجمہ کریں گے تو "ان کے دل پر اور ان کے کان پر اور ان کی آنکھوں پر" کیا جائے گا اور ترجمہ تحت لفظی میں "اوپر دلوں ان کے کے، اور اوپر کانوں ان کے کے، اور اوپر آنکھوں ان کے کے" کہنا پڑے گا، مگر سب جانتے ہیں کہ ایسے اختلاف جتنے بھی ہوں ان میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ضروری ہیں، بامحاورہ ترجمہ کرنے والے کو اس سے مفر نہیں، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کی احتیاط قابل تحسین اور لائق قدر ہیں کہ اس پر بھی ہر جگہ مضاف الیہ کو مقدم نہیں کرتے بلکہ جہاں ترجمہ میں ذرا گنجائش مل جاتی ہے وہاں اتنے قلیل تغیر کو بھی پسند نہیں کرتے، ترتیب قرآنی کو بھی اختیار فرماتے ہیں۔ دیکھو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن" میں چونکہ رب العالمین مضاف مضاف الیہ مل کر صفت واقع ہوے ہیں، اس کے ترجمہ میں یہ گنجائش نکل آئی کہ ترجمہ محاورہ کے خلاف بھی نہ ہو اور کلام الٰہی کی ترتیب بھی باقی رہے، اس لیے "رَبِّ الْعَالَمِيْن" کا ترجمہ اصلی ترتیب پر رکھا اور "مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن" بھی صفت واقع ہوا ہے مگر اس میں دو اضافتیں مجتمع ہیں، اول اضافت میں اصلی ترتیب باقی رکھنے کی گنجائش ہے دوسری اضافت میں نہیں، اس لیے ترجمے میں "مالک" کا ترجمہ اصل کے موافق مقدم رکھا اور "یوم" کے ترجمے کو محاورہ اردو کے موافق "دین" سے مؤخر کر دیا، چنانچہ سب پر ظاہر ہے، اس میں کسی کو تردد نہیں، صرف توضیح اور تسہیل کی غرض سے ہم نے عرض کر دیا، لیکن بعض مقامات ایسے بھی ہیں کہ وہاں محاورۂ اردو کے ساتھ ترتیب قرآن کا لحاظ رکھنا دشوار ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان مقامات میں بھی اپنی غائر اور باریک بین نظر سے ایسا اسلوب اختیار فرماتے ہیں کہ محاورہ کی پابندی کے ساتھ ترتیب بھی باقی رہے، یا فرق آئے تو خفیف ولطیف۔

بعینہ یہی حال فعل اور فاعل اور مفعول اور جمیع متعلقات فعل کا، اور صفت موصوف، حال تمیز وغیرہ

کا کہ اکثر مواقع میں ترتیب کی موافقت فرماتے ہیں اور بہت سے مواقع میں اسی تغیر لطیف مذکورہ بالا سے کام لیتے ہیں۔

اور سنیئے، حروف روابط جن کو حروف جر بھی کہتے ہیں جیسے ل، ب، علیٰ، الیٰ، من، عن، فی بہت کثرت سے مستعمل ہیں، مگر کلام عرب میں یہ حروف ہمیشہ اپنے معمول پر مقدم ہوتے ہیں اور ہمارے محاورہ میں علی العموم مؤخر بولے جاتے ہیں مگر شاذ و نادر، لیکن ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ ان کا مؤخر ہونا ضروری ہے۔ ہماری زبان میں ان کو مقدم لانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں جیسے مِنْ اور عَنْ۔ سب کو معلوم ہے کہ "مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ" کے ترجمے میں اردو زبان کے اندر ممکن نہیں کہ "من" کا ترجمہ مقدم ہو سکے اور ترتیب قرآنی کی موافقت کی جا سکے۔ ایسے ہی "لَاتَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ" کے ترجمہ میں کوئی صورت نہیں کہ "عَنْ" کا ترجمہ نفس کے ترجمہ سے مقدم ہو سکے۔ اسی وجہ سے تحت لفظی ترجمہ میں بھی یہ تغیر گوارا کرنا ہوتا ہے، اور اس میں کسی کو تامّل نہیں ہوسکتا، اور بعض ایسے ہیں کہ ان کو مقدم کرنا تو درست ہے مگر محاورہ کے خلاف ہے۔ سو تحت لفظی ترجمہ میں ان کو نظم قرآنی کے موافق مقدم لا سکتے ہیں، مگر با محاورہ ترجمہ کے لیے ان کو بھی مؤخر کرنا ضروری ہوگا جیسے علیٰ، الیٰ وغیرہ حروف مذکورہ دیکھئے "خَتَمَ اللّٰهُ عَلیٰ قُلُوْبِهِمْ" کے تحت لفظی ترجمہ میں "مہر کر دی اللہ نے اوپر دلوں ان کے کے" کہنا مناسب ہوگا، اور با محاورہ ترجمہ میں "مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر" کہنا ٹھیک سمجھا جائے گا۔ پہلی صورت میں لفظ اپنی اصلی ترتیب پر رہا۔ دوسری صورت میں تھوڑا سا بقدر ضرورت اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ اسی پر دیگر حروف کو قیاس فرما لیجیے۔ سو اول تو یہ حروف فی نفسہ غیر مستقل اور دوسروں کے تابع ہیں۔ ان کا تقدم تاخر چنداں قابل اعتبار نہیں۔ دوسرے بے وجہ نہیں بلکہ ضرورت اور حاجت اور نفع کی وجہ سے کرنا ہوا۔ تیسرے اتنا لطیف و خفیف کہ ترجمہ تحت لفظی میں بھی بعض مواقع میں قابل قبول اور ضروری سمجھا جاتا ہے، ان سب کے بعد پھر وہی بات ہے جو پہلے عرض کر چکا ہوں، یعنی جہاں کچھ گنجائش نکل آئی ہے وہاں حضرت شاہ صاحب اس خفیف قابل قبول تغیر کو بھی چھوڑ کر اعلیٰ ترتیب کو قائم رکھتے ہیں اور ایسا ترجمہ کرتے ہیں جو ترتیب قرآنی کی پابندی کے ساتھ محاورہ کے بھی مخالف نہ ہونے پائے۔ اس کی مثالیں حروف مذکورہ کے متعلق جگہ جگہ موجود ہیں، مثلاً

"إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ" کا ترجمہ فرمایا ہے ''مگر انہی پر جن کے دل پگھلے ہیں۔'' یعنی اللہ سے ڈرتے ہیں اور عاجزی کرتے ہیں، دیکھ لیجئے لفظ "علیٰ" کے ترجمہ کو مقدم رکھا ''خاشعین'' پر اور محاورہ کے مخالف بھی نہ ہوا۔(۱۴)

حضرت شیخ الہندؒ اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ کی خوبیوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے کیونکہ اس ترجمہ کی خوبیوں کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بسا اوقات ایک لفظ کا ترجمہ ایک جگہ کچھ فرماتے ہیں اور دوسری جگہ کچھ، گویا وہ ہر مقام کے مناسب جدا جدا عنوان سے ترجمہ فرماتے ہیں جس سے قرآنی مراد سمجھنے میں بڑی آسانی رہتی ہے۔ اسی آسانی کی وجہ سے وہ کبھی ایجابی مضمون کو سلبی عنوان سے ادا کرتے ہیں، اور اکثر مواقع میں نفی اور استثنا کا جدا جدا ترجمہ کرتے ہیں، بلکہ حصر جو اس سے مقصود ہے اس کو مختصر ہلکے لفظوں میں محاورہ کے موافق بیان کر جاتے ہیں۔ آپ نے چھوٹے بڑے کئی فوائد کی طرف ہر موقع پر پوری توجہ فرمائی ہے اور ترجمہ میں ہر موقع پر اس کا پورا پورا اہتمام کیا ہے، اس وجہ سے یہ ترجمہ تمام تراجم میں ممتاز اور مفید نظر آتا ہے اور اس کو سہل ممتنع کہا جا سکتا ہے۔ **بارك الله في حسناته و أفاض علينا من بركاته.**

یہ بات نہایت قابل قدر ہے کہ حضرات مفسرین اور شراح حدیث کے مبسوط وطویل ارشادات کا خلاصہ اس ترجمہ اور تفسیر میں چند الفاظ میں سمجھا دیا گیا ہے۔ اس کی مثالیں ان کے ترجمہ میں جگہ جگہ ملتی ہیں۔ "بِسْمِ اللّٰہ" کا ترجمہ محاورہ کے مطابق کیا جس میں توضیح اور اختصار دونوں کی بقدر مناسب رعایت رکھی گئی ہے۔ اس سے بہتر اور خوبصورت ترجمہ اردو زبان میں سمجھ میں نہیں آتا۔ اور رحمان اور رحیم جو مبالغہ کے صیغے ہیں، ان کے مبالغہ کو بھی ترجمہ میں ظاہر فرما دیا اور ایک لطیف اشارہ بھی ان کے فرق مراتب کی طرف بھی کر دیا، اس کے بعد سورۃ فاتحہ میں بھی رحمٰن اور رحیم کا ترجمہ ایسا ہی کیا گیا۔ "یوم الدین" کا ترجمہ تمام حضرات نے ''روز جزا'' یا ''دن جزا کا'' کیا ہے، مگر حضرت شاہ صاحب نے صاف لکھ دیا ہے کہ میں نے عوام کی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اور عوام کی زبان میں جزا کا دن مستعمل

نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اہل لغت اور مفسرین نے ''دین'' کے معنی جزا اور حساب دونوں بیان کیے ہیں۔ اس وجہ سے غالباً حضرت شاہ صاحب نے جزا کے بدلے ''انصاف'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے کیونکہ یہ عوام میں زیادہ مستعمل ہے، چنانچہ اس ایک لفظ میں جزا اور حساب دونوں آ گئے۔

''**اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم**'' میں تمام حضرات نے لفظ ہدایت سے کیا ہے کیونکہ ہدایت کا لفظ عربی اور فارسی وغیرہ میں عام استعمال ہوتا ہے اور کبھی ہدایت کا ترجمہ ''راستہ دکھانے'' اور راہ نمائی کے ساتھ کرتے ہیں۔ لیکن حضرت شاہ صاحب ''ہدایت'' کا ترجمہ اپنی ہی زبان میں فرماتے ہیں، الا ماشاء اللہ، لیکن ہر موقع پر اس بات کا لحاظ بھی فرماتے ہیں کہ ''ہدایت'' کے کون سے معنی اس موقع کے مناسب ہیں، کیونکہ ''ہدایت'' کے معنی لغت عرب میں دو ہیں۔ ایک صرف راستہ دکھلا دینا اور دوسرے مقصود تک پہنچا دینا۔ اول معنی کو ''اراءت'' اور دوسرے کو ''ایصال'' کہتے ہیں۔ اس لیے دوسرے مترجمین نے ''**اِهْـدِنَـا**'' کا ترجمہ ''دکھا ہم کو'' فرمایا ہے، جب کہ حضرت شاہ صاحب ''چلا ہم کو'' فرماتے ہیں۔ جس سے ''ایصال'' کی طرف اشارہ کرنا مفہوم ہوتا ہے۔ اسی طرح ''**هُـدًى لِّـلْمُتَّقِيْن**'' کا ترجمہ دوسرے حضرات نے ترجمہ میں ''رہنما'' یا ''راہ دکھائی ہے'' فرمایا ہے جب کہ شاہ صاحب نے ''راہ بتلائی ہے'' فرمایا ہے۔ چونکہ ''**اِهْـدِنَـا**'' میں ''ہدایت'' حق تعالیٰ کی صفت ہے، لہٰذا وہاں چلانے کا لفظ لائے ہیں اور اس موقع پر ''ہدایت'' قرآن کی صفت ہے، اس لیے ترجمہ ''راہ بتانے'' کا لفظ بیان کیا ہے۔ ورنہ دونوں جگہ مقصود ایصال کی طرف اشارہ کرنا معلوم ہوتا ہے۔ **فرحمه الله مادق نظره وادق الفاظه۔**

''متقین'' میں تقویٰ کا ترجمہ سب حضرات نے ''پرہیز گاری' کیا ہے، لیکن حضرات مفسرین نے اس پر ایک اشکال یہ وارد کیا کہ ہدایت کے محتاج تو گمراہ ہیں نہ کہ متقی، اس لیے ''**هُدًى لِّلضَّآلِّيْن**'' فرمانا چاہیے تھا۔ بعض حضرات نے ''**متّقین**'' کے معنی ''**صَـائِرِيْنَ إِلَى التَّقْوٰى**'' کے لے کر جواب دیا۔ حضرت شاہ صاحب کی طبع لطیف اور باریک بین نظر اس طرف گئی کہ تقویٰ کا ترجمہ ''ڈر'' اور ''خوف'' کے ساتھ کرنا پسند فرمایا جو تقویٰ کے اصلی اور لغوی معنی ہیں اور ''**مُتَّقِيْن**'' سے وہ لوگ مراد لیے، جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے، اس

لیے "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْن" کا ظاہر اور معروف ترجمہ یعنی "راہ دکھائی ہے پرہیز گاروں کو" اس کو چھوڑ کر "راہ بتلائی ہے ڈر والوں کو" اختیار کیا جس سے مذکورہ بالا شبہ کا خود بخود ازالہ ہو گیا۔

"يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ" کے ترجمہ میں اگر "ایمان لائے ہیں ساتھ غیب کے" یا "غیب پر" کہا جائے تو بہت صحیح اور ظاہر کے موافق ترجمہ ہے۔ لیکن اس پر کئی اشکال وارد ہوتے ہیں، مگر شاہ صاحب نے جو ترجمہ کیا اس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ آپ نے ترجمہ فرمایا: "یقین کرتے ہیں، بن دیکھے۔" اس سے ایک تو ایمان کے معنی متعین ہو گئے، یعنی یقین اور دوسرے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غیب کے معنی ہیں کہ جن چیزوں کو انہوں نے نہیں دیکھا، ان کے علم اور ادراک سے غائب ہیں، جیسے جہنم، جنت، پل صراط، وزن اعمال وغیرہ، سو وہ لوگ ان سب چیزوں کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے یقین کرتے ہیں۔ اس مطلب اور ترجمہ سے تمام اشکال دور ہو جاتے ہیں جو حضرات مفسرین نے بیان کیے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ پر یہ تبصرہ قریباً ۱۹۲۰ء میں لکھا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تحت اللفظ ترجمہ کا نہ صرف رواج تھا، بلکہ عام علما کا یہ عقیدہ تھا کہ ترتیب الفاظ قرآن کو ترجمہ میں بھی بدلنا ایک نہایت غلط بات ہے، اس لیے ترجمہ کرنے والے حضرات کی اکثر و بیشتر یہی کوشش ہوتی تھی کہ جہاں تک ہو سکے ہر عربی لفظ کا ترجمہ اسی کے نیچے مترادف اردو لفظ میں کیا جائے۔ شاہ عبدالقادر نے بڑی جرأت سے ترتیب الفاظ قرآنی کے ترجمے میں کچھ ردوبدل معنی کے لحاظ سے کیا ہے۔ اسی لیے ان کے ترجمہ کو پہلا بامحاورہ ترجمہ کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ ایک ممتاز عالم دین، مجدد اور مترجم قرآن تھے، لہٰذا ان کی شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کی مدلل اور جامع طریقے سے تعریف کرنا شاہ عبدالقادر کی عربی دانی، عرفان علوم قرآن اور اردو زبان پر عبور اور ان کی بے پناہ علمیت اور فکر کی نزاکت کا ثبوت ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ شاہ صاحب کے ترجمہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"شاہ عبدالقادر کے ترجمے اور حواشی کی خوبی کا اصلی اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس نے خود

قرآن حکیم کو سمجھنے کی تھوڑی بہت کوشش کی ہے۔''

سرسید احمد خان جنہوں نے خود بھی قرآن حکیم کا ترجمہ کیا ہے، اپنی کتاب ''آثار الصنادید'' میں حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کا ترجمہ کلام اللہ کا، اردو لغات کے لیے ایک بڑی سند ہے۔''(۱۵)

علامہ انور کشمیریؒ اپنے شاگردوں کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ شاہ صاحب کا ترجمہ دیکھو اور بعض مسائل جو تفسیر سے حل نہیں ہوتے وہ اس ترجمے سے حل ہو جاتے ہیں۔(۱۶)

ڈاکٹر مولوی عبدالحق، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے ترجموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شاہ عبدالقادر کے ترجمے میں اس قدر پابندی نہیں کی گئی، بلکہ وہ مفہوم کی صحت اور لفظ کے حسن کو برقرار رکھنے کے علاوہ اردو زبان کے روزمرہ اور محاورہ کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ دوسری خوبی ان کے ترجمہ میں ایجاز کی ہے، یعنی وہ ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو کم سے کم الفاظ میں مفہوم صحت کے ساتھ ادا ہو جائے۔ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ دوسرے ترجموں کے مقابلہ میں اس قدر بہتر اور افضل ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ہوتے ہوئے چند سالوں بعد دوسرے ترجموں کی ضرورت کیوں سمجھی گئی۔''

اس اقتباس میں مولوی عبدالحق بابائے اردو نے شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی جو تعریف کی ہے وہ بالکل درست ہے، لیکن مولوی عبدالحق کا یہ اعتراض سمجھ میں نہیں آیا کہ ان کے ترجمہ کے چند سال بعد قرآن کے اردو ترجمے کیوں کیے گئے۔ کیا ڈاکٹر صاحب کو یہ نہیں معلوم کہ علم کی کوئی انتہاء نہیں ہے

شاہ صاحبؒ ترجمہ وتفسیر ''موضح قرآن'' مکمل کرنے کے بعد خود فرمایا کرتے تھے:

روز قیامت ہر کسے باخویش دارد نامۂ من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآں در بغل

وكانت وفاته يوم الأربعاء لتسع عشرة خلون من رجب سنة ثلاثين ومائتين وألف بدهلي فدفن عندوالده، وكان الشيخ عبدالعزيز ورفيع الدين لاتزال بقيد الحياة، فكان يوم موته من أنحس الأيام عليهما وكانا يقولان عند دفنه:

((إنا لاندفن الإنسان بل ندفن العلم والعرفان)) (۱۷)

''ان کی وفات بروز بدھ ۱۹ رجب ۱۲۳۰ھ کو دہلی میں ہوئی اور اپنے والد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ اس موقع پر شیخ عبدالعزیز اور شیخ رفیع الدین باقاعدہ حیات تھے ان کی وفات کا دن ان دونوں حضرات کے لیے انتہائی منحوس دن تھا ان کے دفن کے موقع پر ان حضرات نے فرمایا تھا:

ہم نے انسان کو دفن نہیں کیا، بلکہ علم وعرفان کو دفن کیا ہے۔''

❀❀❀❀

مراجع ومصادر

1- عجائب الہند، مطبوعہ لائیڈن: ص۲

2- دیباچہ قرآن کریم: ص۵

3- نزہۃ الخواطر: ۷/ ۳۲۷

4- تذکرہ تراجم قرآنی: ص ۱۹۔۲۰، مطبوعہ دیوبند

5- فتح الرحمٰن مقدمہ

6- الفوز الکبیر: ص۱۲۰، برحاشیہ سفر السعادت

7- ابجد العلوم: ۳/ ۲۴۳

8- شاہ عبدالقادر کی قرآن فہمی، فاروق احمد خان: ص۱۴

9- الانعام: ۱۵۸

10- الرعد: ۲۶

11- قرآن حکیم کے اردو تراجم: ص۱۷۵

12- وحدت امت: ص۵۱

13- مقدمہ، موضح الفرقان: ص۴

14- قرآن حکیم کے اردو تراجم: ص۱۷۱

15- آثار الصنادید: ص۲۶۲

16- مقدمہ ترجمہ قرآن مولانا احمد علیؒ

17- نزہۃ الخواطر: ۷/ ۳۲۸

❀❀❀❀

مولانا ابوالکلام کے ترجمۂ قرآن کا اسلوب (تجزیہ)

سمیع اللہ زبیری ☆

قیس سا پھر نہ اٹھا بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

قرآن کریم ساری انسانیت کے لیے پیغام ربانی ہے اور آسمانی کتابوں کی آخری کڑی بھی، جو بندوں کا رشتہ معبود حقیقی سے جوڑتی ہے اور سابقہ کتب سے اپنے اٹوٹ تعلق کو لحظہ بھر کے لیے فراموش نہیں کرتی۔

ہندوستان کی کسی خاص زبان میں قرآن مجید کا قدیم ترین ترجمہ ۲۷۰ھ/۸۸۳ میں ایک ہندو راجہ کی فرمائش پر کیا گیا، مترجم ایک ہفت زبان عراقی تھا جس کو سندھی اور قرب و جوار کی دوسری زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ''عجائب الہند'' میں بزرگ بن شہریار نے اس پورے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مولانا عبدالقادر دہلوی کے ترجمہ سے دو برس پیشتر بھاشا میں نہایت عمدہ ترجمہ قرآن شریف کا ہوا جس کا نسخہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی نے دیکھا تھا۔ (۱)

مولانا عبدالقادر کا ترجمہ ۱۲۰۵ھ میں تکمیل کو پہنچا جس کی زبان پرانی ہونے کے باوجود آج تک اپنی تاثیر وخوابی تعبیر میں اپنی مثال آپ ہے۔ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی نے خاص فرمائش کے تحت قرآن کا درس لفظ بلفظ ترجمہ کرکے دیا اور درس لینے والے نے اسے بکمال احتیاط قلم بند کر کے شاہ صاحب کو دکھایا اس طرح لفظی ترجمہ کا ایک کامل نمونہ ہاتھ آیا۔ اردو زبان کی مشاطگی جب فورٹ ولیم

☆ لیکچرر شعبہ عربی، فیکلٹی آف عربک اینڈ اسلامک سٹڈیز، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

کالج کے ارباب حل وعقد نے حسب ضرورت شروع کی تو ترجمۂ قرآن کا اہتمام بھی کیا گیا جس کی طباعت واشاعت نہیں ہوسکی۔ اس کا ایک نسخہ جو غالباً اصل مسودہ ہے ایشیا تک سوسائٹی کلکتہ کے ذخیرہ مخطوطات اردو میں محفوظ ہے۔ انیسویں صدی کے درمیانی عرصہ میں مولوی لطف اللہ بنگالی نے ایک تفسیر اٹک اردو میں لکھی تھی۔ یہ نواب صدیق حسن خاں کے سن رسیدہ معاصرین میں تھے۔ ان کا مستقل قیام لکھنؤ میں تھا۔ (۲)

۱۸۷۹ء میں سرسید احمد خان نے اپنی تفسیر نگاری کا سلسلہ شروع کیا جو ''سورۃ النحل'' سے آگے نہ بڑھ سکا ابتدائی چودہ پاروں کی تفسیر لکھی اور چھاپی جاچکی تھی کہ مصنف کا پیمانۂ زندگی لبریز ہوگیا۔ انہوں نے اپنے خاص نظریات کے تحت قرآن کے ترجمہ وتفسیر کی داغ بیل ڈالی جس میں زبان وبیان کی سادگی اور روانی بہ نسبتِ سابق قابلِ تعریف حد تک پائی جاتی ہے لیکن اصل مضمون کے سلسلہ میں توازن برقرار نہیں رہا۔ ڈپٹی نذیر احمد نے سرسید سے عام بدگمانی کے پیش نظر محسوس کیا کہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے ایک شان دار ترجمہ قرآن پیش کرنے کی گنجائش باقی ہے' لہٰذا انہوں نے اپنی قادر الکلامی وتدبر قرآن کا جوہر شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی قدامت کا بہانہ نکال کر دکھایا۔ چنانچہ ان کا ترجمہ ۱۳۱۴ھ میں طبع ہو کر مخصوص حلقہ میں مقبول بھی ہوا لیکن تمام تر احتیاط کے باوجود سرسید کے خیالات کی تہ نشین جھلکیاں، معاصر ناقدین کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکیں اور وہ قبول عالم اس ترجمہ کو حاصل نہ ہوسکا جس کی توقع خود ترجمہ نگار کو تھی۔ نواب صدیق حسن خاں نے جو ہندوستان کے عربی فارسی نگار مصنفین کے زمرہ میں صف اوّل کے صاحبِ قلم ہیں اردو میں بھی تفسیر نگاری کا اہتمام کیا۔ ۱۳۰۲ھ بمطابق ۱۸۸۵ء میں اس تفسیر کو لکھنا شروع کیا۔ جیسا کہ اس کے تاریخی نام ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' سے ظاہر ہے' انہوں نے اپنے ترجمہ کی بنیاد شاہ عبدالقادر کے ترجمہ پر رکھی اور تفسیر میں اپنی مفصل تفسیر ''فتح البیان'' کے ضروری مضامین کو سلیس اردو کے قالب میں ڈھال دیا۔ سورۃ الحج پارہ نمبر ۱۷ تک یہ تفسیر ''مطبع صدیقی لاہور'' سے شائع ہوسکی تھی کہ نواب صاحب کا انتقال ہوگیا اور اس کا تکملہ مولانا ذوالفقار احمد نقوی نے' جو نواب صاحب کے خاص تلامذہ میں تھے' لکھ کر شائع کیا۔ البتہ آخری دو

پاروں کی تفسیر بھی خود نواب صاحب ہی کر کے ۱۳۱۰ھ سے بہت پہلے طبع کرا چکے تھے۔ غرض انیسویں صدی کے اواخر تک متعدد نئے تجربات ترجمانی' قرآن وتفسیر نگاری کے میدان میں ہو چکے تھے' جن کا اثر مثبت یا منفی بیسویں صدی کے مترجم ومفسر پر ناگزیر تھا کہ مرتب ہو۔

برصغیر کے دور غلامی میں دیکھا جائے تو بڑے بڑے ذی علم، ذہین و ذکی اور بیدار دماغ اہل علم پیدا ہوئے۔ مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی، مولانا محمد مظہرؒ نانوتوی، شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ، شبلی نعمانیؒ، سید سلیمان ندویؒ، مفتی کفایت اللہؒ، مولانا سید محمد علیؒ، مونگیری اور دوسرے علمائے عظام اور انہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں بڑی اہم علمی، دینی اور تعلیمی خدمات انجام دیں۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد بھی اسی دور غلامی کی یادگار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذہن رسا اور دینی بصیرت سے نوازا تھا۔ دین کی خدمت کا جذبہ بے پناہ رکھتے تھے۔

مولانا نے نثری خدمات کی ابتدا ۱۹۰۱ء میں ''المصباح'' جاری کر کے کی' بعد میں ندوہ کی حمایت میں چھوٹے چھوٹے رسائل قلم بند کیے۔ ۱۹۰۱ء میں ''اعلانِ حق'' کی اشاعت ہوئی' جس کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ کسی سنجیدہ اور تجربہ کار شخص کی تحریر ہے۔

اسی کے ساتھ مولانا آزاد کے مضامین احسن الاخبار، مخزن، تحفہ احمدیہ ایڈورڈ گزٹ، خدنگ نظر وغیرہ مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے جس کی وجہ سے مولانا پڑھے لکھے حلقہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ ماہنامہ ''لسان الصدق'' شائع ہوا تو مولانا کی فکر میں گہرائی اور قلم میں پختگی آ چکی تھی، اب وہ محض لکھنے کے لیے نہیں لکھ رہے تھے بلکہ حصولِ مقاصد کے لیے قلم اٹھا رہے تھے۔ اس دور کے مضامین میں انہوں نے نہایت سادہ زبان استعمال کی ہے۔ اس میں آزاد کے مختلف موضوعات سے متعلق مضامین کے ساتھ ساتھ، کتابوں پر تبصرے بھی شائع ہوئے، جو ان کے تنقیدی شعور کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ ان میں ''حیات جاوید'' پر تبصرہ نے بڑی شہرت پائی جس کی وجہ سے اہل نظر کی نگاہیں آزاد کی طرف اٹھنے لگیں۔

آزاد کی وہ تحریریں جو ''الندوہ'' میں شائع ہوئی ہیں زیادہ گرانقدر ہیں۔ ان میں وہ مولانا شبلی سے

متاثر معلوم ہوتے ہیں۔یہیں سے ان کی نثری تحریریں عالمانہ انداز اختیار کرنے لگتی ہیں۔اس زمانے میں مولانا نے دوسرے چھوٹے چھوٹے رسائل بھی قلم بند کیے لیکن چونکہ وہ وقتی ضرورت سے لکھے گئے تھے اس لیے اب ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔

لیکن جب ۱۹۱۲ء میں'' الہلال'' جاری ہوا اور اس میں مولانا کی زیادہ سے زیادہ تحریریں شائع ہونے لگیں تو نثر کی زبان اچانک تبدیل ہوکر''الہلالی'' بن گئی ۔جس پر عربی و فارسی کے اثرات نمایاں ہوتے تھے ۔اس کے باوجود وہ روکھی، پھیکی اور بوجھل نہیں تھی بلکہ بڑی رواں دواں، پر وقار اور شکوہ تھی ۔مولانا کی خطابتی،ادعاتی اور انانیتی طرز نگارش نے اس میں ایک خاص کیفیت اور تاثیر پیدا کردی تھی ۔اس کی ایک خاص خوبی یہ تھی کہ مولانا قرآن کی آیتوں کو جگہ جگہ اپنی تحریروں میں استعمال کرنے لگے تھے تا کہ اپنی بات کو باوقار انداز سے سمجھا سکیں۔چنانچہ یہ بات''الہلال'' کے سلسلہ میں عام طور سے کہی جاتی ہے کہ مولانا آزاد نے پہلی بار قرآن کو روز مرہ زندگی میں استعمال کرنے کا راستہ بتایا اور فیض یاب ہونے کے سلیقہ سے آگاہ کیا، الہلال اور البلاغ دورِ ثانی کی زبان تقریباً ایک جیسی رہی۔ان رسائل نے اگر چہ گہرے اثرات اپنے دور پر چھوڑے لیکن ان کی زبان قابلِ تقلید نہ بن سکی۔ یہ تو کچھ مولانا آزاد اور ان کے ساتھیوں کی کرامت تھی جو الہلال اردو استعمال کرنے پر قدرت رکھتے تھے اور مولانا آزاد کا فیض تھا کہ انہوں نے صحافت کی عام زبان کو عالمانہ وقار اور ادبی شان عطا کی۔ بلاشبہ آج کہا جا سکتا ہے کہ الہلال (دور اوّل) کو بند ہوئے صدی ہونے کو ہے ۔لیکن اردو کو اس پایہ کا ہفتہ وار آج تک نصیب نہیں ہوا۔اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''مجھ کو تمام دنیا کی طرح معلوم ہے کہ صبر وتحمل اور ضبط وحزم بہر حال غیظ وغضب اور عجلت وبے صبری سے بہتر ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تسامح ورواداری اور نرمی ولینت کی انسانی قلوب پر حکومت ہے اور سختی وخشونت انسان کی ملکوتی فضائل کی فہرست میں داخل نہیں۔ میں نے قرآن کریم میں پڑھا ہے کہ جب ایک داعی حریت اور مجاہد فی سبیل الحق کو خدا نے مصر کے شخصی فرمان رواں کے پاس بھیجا تھا تو کہا تھا کہ ''وقولا له قولا لینا''میں دنیا کے

اس سب سے بڑے شخص کی نسبت بھی سن چکا ہوں جس کو کہا گیا تھا ''فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك'' (۱)

''تذکرہ'' مولانا آزاد کی پہلی مستقل کتاب ہے جو انہوں نے اگرچہ نہایت بے ترتیبی اور بے سکونی کی حالت میں لکھی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے اسلاف کے حالات کو بہتر صورت میں اور اچھے مقصد کے لیے جمع کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس کی حیثیت یقیناً خودنوشت سوانح حیات کی نہیں ہوسکتی لیکن جدید تذکروں میں وہ ضرور شمار کی جاسکتی ہے، جس کے پس پردہ خود مولانا کے افکار وخیالات، جذبات واحساسات، رغبت ونفرت اور اربابِ صدق وصفا کے لیے احترام وعقیدت ہے۔

اس کا اسلوب کہیں کہیں خطیبانہ ہے اور پیرایہ بیان دل نشیں لیکن عربیت اور فارسیت کی زیادتی نے کبھی کبھی اور کہیں کہیں اس کی دلکشی اور شیرینی مجروح کردی ہے۔

''الہلال'' کو مولانا آزاد نے دعوت کی حیثیت دی ہے۔ یہ کتاب بھی مولانا کے اسی جذبہ دعوت کو تسکین پہنچاتی ہے۔ اس کے ذریعہ انہوں نے علمائے حق کے عظیم کردار، اعمال اور عزائم پیش کر کے ان کی راہ کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔

۱۹۱۲ء میں جب مولانا ابوالکلام آزاد نے ''الہلال'' جاری کیا تھا تو اس وقت انہوں نے محسوس کیا کہ لوگ قرآن کو اس کی حقیقی شکل اور نوعیت میں جاننا چاہتے ہیں لیکن انہیں اس وقت کوئی تدبیر نظر نہیں آئی۔

پھر ۱۹۱۴ء ۱۹۱۵ء میں ان سے سوال کیا گیا کہ ''قرآن کی تعلیم کے لیے کیا کیا جائے۔'' تو وہ اس کا جواب نہیں دے سکے لیکن اسی وقت سے اس سوال نے انہیں فکر مند کردیا تھا۔ چنانچہ پہلی بار انہوں نے ''البلاغ'' کے صفحات پر ترجمہ، تفسیر اور مقدمہ تفسیر کا اعلان کیا۔ مولانا آزاد کا خیال تھا کہ قرآن کی عام تعلیم کے لیے ترجمہ کافی ہوگا، مطالعہ کے لیے تفسیر ضرورت پوری کرے گی اور اہل علم ونظر کے لیے مقدمہ مفید ہوگا۔

مگر بار بار نظر بند کیے جانے اور خانہ تلاشی کے مرحلوں، ترجمان القرآن کے مسودوں کی ضبطی اور

بربادی کی وجہ سے مولانا آزاد کو اگرچہ نئی آزمائشوں سے گزرنا پڑا لیکن قرآن فہمی کے لیے ترجمہ اور تفسیر کی جو خواہش تھی وہ کسی حالت میں کم نہیں ہوئی۔ چنانچہ وہ اس کی پہلی جلد ستمبر ۱۹۳۱ء میں وہ شائع کرنے میں کامیاب ہوگئے۔(۲)

آزاد اپنی زندگی میں شیخ ابن تیمیہ، ابن القیم اور اس دور کے دوسرے علماء سے کافی متاثر تھے۔ اخیر دور کے حضرت شاہ ولی اللہؒ سے آپ کو بے پناہ محبت وعقیدت تھی، آپ نے ان کی تمام کتابوں کا بغور مطالعہ کیا تھا اور آپ نے اہل ملک کو جس طرح جگانے کے لیے آواز دی تھی، مولانا آزاد پر اس کا گہرا اثر تھا۔''الہلال'' و''البلاغ'' نکال کر آپ نے بھی قوم وملک کو جھنجھوڑ دیا تھا اور علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دلوں میں صور پھونک دیا تھا۔ جس سے یہ بیدار ہونے پر مجبور ہوگئے تھے۔(۱)

انگریزی حکومت نے اسی پاداش میں آپ کو''رانچی''میں نظر بند کر دیا تھا۔(۲) اس موقع کو مولانا نے اپنے لیے غنیمت جانا اور ترجمۂ قرآن کا جو ارادہ چلا آ رہا تھا اس کو پورا کرنے کا عزم فرمالیا۔ اس سے پہلے اس پر بہت کچھ کام کر چکے تھے۔ یہاں پورا وقت اپنے اسی کام کی تکمیل پر صرف کیا۔ اس سے پہلے تمام تراجم پر نظر ڈال چکے تھے اور عربی وفارسی کی تمام تفسیریں دیکھ چکے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کے لیے پہلے کافی تیاری کی تھی، پھر ترجمہ کا کام شروع کیا تھا تاکہ جو لکھا جائے پوری بصیرت اور ذمہ داری سے لکھا جائے۔ خود لکھتے ہیں:

> ''کامل ستائیس برس سے قرآن کریم میرے شب وروز کے فکر ونظر کا موضوع رہا ہے۔ اس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام' ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کیے ہیں کتب تفاسیر کا جتنا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گذر چکا ہے اور علومِ قرآن کے مباحث کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف سے ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔(۳)

پھر ذہن میں یہ بات بھی مرکوز تھی کہ مسلمانوں کی بیداری میں قرآن پاک سے جتنا کام ہوسکتا ہے وہ دوسری کتابوں سے ممکن نہیں۔ ہزار لکھا جائے اور بولا جائے لیکن قرآن پاک میں جو تاثیر قدرت نے دے رکھی ہے وہ کسی کو حاصل نہیں۔ اس طرف بھی ان جملوں میں اشارہ فرمایا:

''میرا یقین ہے کہ مسلمانوں کی زندگی اوران کی سعادت کے لیے سرچشمۂ حیات قرآنی انبعاث ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ اس سے فہم وبصیرت کا دروازہ ان پر کھل جائے۔'' (۴)

مولانا مرحوم نے اس ترجمہ کا نقشہ کلکتہ میں تیار کیا تھا مگر زیادہ توجہ اس وقت ہوئی جب 1916ء میں آپ رانچی تشریف لائے اور قانونی مجبوری کی وجہ سے مسلسل چار سال رہنا پڑا، یعنی 1919ء تک۔(۵)

ترجمہ کی زبان ہلکی پھلکی اور رواں دواں رکھی کہ ہر شخص پڑھ کر آسانی سے سمجھ لے۔ الفاظ سے زیادہ معانی پر نگاہ رکھی کہ جو ترجمہ ہو اسلاف کے ترجمہ کے مطابق ہو اور قرآن کا صحیح مفہوم واضح ہوتا ہو۔ خود تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے یہ مطلب اسی سادہ طریقے پر بیان کر دیا ہے جو قرآن کے بیان وخطاب کا طریقہ ہے۔''

ترجمہ کر کے اس کا تجربہ کر لیا کرتے تھے کہ اردو پڑھنے والے اس کو روانی سے پڑھ سکیں گے یا نہیں' اس کے ساتھ پڑھ کر سمجھ بھی لیں گے یا نہیں، گویا مخاطب کی پوری رعایت پیش نظر تھی۔'' البلاغ والہلال'' کا جو طرز تھا ''ترجمان القرآن'' کا طرز بالکل اس سے الگ تھا۔ مولانا نے لکھا ہے:

''میں نے تجربہ کے لیے سورۂ بقرہ کا مجرّد ترجمہ ایک پندرہ برس کے لڑکے کو دیا جو اردو کی آسان کتابیں آسانی سے پڑھ لیتا تھا۔ پھر ہر موقع پر سوالات کر کے جانچا جہاں تک مطلب سمجھ لینے کا تعلق ہے۔ وہ ایک مقام پر بھی نہیں اٹکا اور تمام سوالوں کا جواب دیتا رہا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ برائے ترجمہ نہیں ہے، بلکہ منشا یہ ہے کہ عوام وخواص پڑھیں اور پڑھ کر سمجھیں اور سلاست ایسی ہو کہ معمولی اردو خوان بھی پڑھ لے اور عام فہم بھی ایسا ہو کہ غیر معمولی

اور عام مسلمان بھی سمجھ لے اور کسی کو دقت محسوس نہ ہو۔(۱)

مولانا غلام رسول مہر نے لکھا ہے:

''میری اردو مطبوعات میں ''ترجمان القرآن'' پہلی کتاب ہے جسے لوگوں نے اس ذوق اور عشق کے ساتھ خریدا اور پڑھا ہو۔''(۲)

بلکہ یہ بھی لکھا ہے:

کوئی وجہ نہیں کہ ''ترجمان القرآن'' کافی مقبول عام وخاص نہ ہوا ہو اور ہر پڑھے لکھے نے اس کو پسند نہ کیا ہو اور اس کو دیکھنے اور پڑھنے کی خواہش نہ کی ہو اور جیسے ہو سکا حاصل کر کے نہ پڑھا ہو مگر کچھ عرصہ کے بعد ہندوستان میں سیاسی سرگرمیاں تیز ہوگئیں۔ جب اس کی دوسری جلد بھی شائع ہو چکی تھی پہلی جلد تو سورۃ البقرہ سے لے کر سورۃ الانعام تک مشتمل تھی اور دوسری جلد سورۃ الاعراف سے لے کر سورۃ المؤمنون تک تھی۔ ترجمہ بھی تشریحی نوٹ بھی پہلی جلد کی 1930ء میں اشاعت ہوئی تھی اور دوسری جلد 1936ء میں شائع ہوئی تھی۔(۳)

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری سمجھا کہ اس کے ساتھ مختصر ترجمہ اور تشریحی نوٹ بھی ہوں تا کہ پڑھنے والے کو اگر کہیں کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آئے تو وہ اس کی مدد سے اپنا اشکال حل کر کے یا جو مفہوم اس کے ذہن میں آئے اس نوٹ سے مقابلہ کر کے دیکھ لے اس نے جو سمجھا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔

مولانا آزاد نے خود لکھا ہے:

''کام کی نوعیت کا اندازہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کے جس قدر اردو و فارسی ترجمے موجود ہیں سب سامنے رکھ لیے جائیں۔ نیز قدیم تفسیر سے بھی چند مقبول و مستند تفسیریں اٹھا لی جائیں۔ پھر کم از کم ایک سورت کا ترجمہ ''ترجمان القرآن'' میں نکال کر ایک ایک آیت کے ترجمے اور شرح کا ان سب سے مقابلہ کیا جائے اور پوری دقیقہ سنجی کے ساتھ دیکھا جائے کہ کون سی بات وہاں کس شکل اور نوعیت میں آئی ہے اور یہاں اس نے کون سی نوعیت اختیار کر لی ہے۔(۲)

مولانا نے اس اعتماد ویقین کے ساتھ اپنا ترجمہ اور تشریحی نوٹ لکھا ہے۔ مولانا اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ عوام اتنی محنت نہیں کر پائیں گے اور نہ اہل علم اس ذوق کے متحمل ہوں گے، صرف پڑھ کر گزر جائیں گے۔ بہت کم علماء اور اہلِ علم ایسے ہوں گے جن کی نظر وسیع ہوگی اور ترجمہ وتفسیر سے دلچسپی رکھتے ہوں گے۔ چنانچہ یہ لکھا:

''بہر حال زمانہ اس کا اندازہ شناس ہو یا نہ ہو، مگر مؤلف نے زمانہ کی حالت کا پوری طرح اندازہ کر لیا ہے اور اول دن سے اس پر قانع ہے جو طلب ہے وہ استفادہ وعمل کی ہے اعتراف تحسین کی نہیں۔'' (۳)

............مصنف اپنی محنت وکاوش جس حد تک کر سکتا ہے' اسی کا مکلّف ہے۔ باقی کلمات مدح و تحسین اس سے عام طور پر مؤلفین بے نیاز ہی ہوتے ہیں۔ مصنف کا کام تمام ضروری چیزوں کو سامنے فراہم کرنا ہے۔ عمل کرنا اور فائدہ اٹھانا، پڑھنے والوں اور اہلِ دل کا کام ہے............ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ حضرات اہل علم جو واقعی قرآن پاک کا ذوق رکھتے ہیں، مولانا آزاد کی تفسیر وترجمہ سے بہت زیادہ خوش ہوئے' ان کے لیے دعائیں کیں اور دوسرے مسلمانوں کو اس کے پڑھنے پر متوجہ کیا۔ چنانچہ لوگوں نے بہت ذوق وشوق سے اسے خریدا بھی اور پڑھا بھی۔

جہاں تحسین ہو وہاں تنقید کا دروازہ بند نہیں کیا جاسکتا۔ کچھ لوگوں نے تنقید برائے تنقید کا مذہب اپناتے ہوئے مولانا کے خلاف دشنام طرازی کی ہے تاہم مولانا اخلاق حسین قاسمی نے کتاب ''مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت'' لکھ کر ہر ایک حاسدانہ مخالفت کا تذکرہ کیا ہے اور پھر ''ترجمان القرآن'' کی عبارت نقل کر کے اس کی تردید فرمائی۔ یہ حصہ اسی کتاب میں پڑھنے کے لائق ہے۔ اہل علم کو اگر واقعی غلط پروپیگنڈے سے کوئی تشویش پیدا ہوگئی ہو تو ان کو ''قرآنی بصیرت'' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ مثلاً: ایک گمراہ کن پروپیکنڈہ یہ تھا کہ ''مولانا عقیدۂ توحید کو کافی سمجھتے تھے اسی وجہ سے نبوت ورسالت کی بحث نہیں کی حالانکہ ''**اياك نعبد**'' کی تشریح میں مولانا کی یہ سطریں موجود ہیں۔ لکھتے ہیں:

''اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی حکم جو قرار دیا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ "أشهد أن لا إله

إلاّ اللّٰه وأشهدأن محمداً عبده ورسوله" اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے ٹھیک اسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا بھی اعتراف ہے۔غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ صرف اس لیے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی اور درجۂ رسالت اعتقاد اسلام کی اصل واساس بن جائے۔کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کے ساتھ پیغمبر اسلامی کی بندگی اور رسالت کا بھی اقرار نہ کرے"(۱)

آزاد کے ترجمہ قرآن کی فنی حیثیت:

آزاد شناسوں نے "ترجمان القرآن" کے سلسلے میں اس سوال پر بحث کی ہے کہ آیا یہ محض قرآن کا ترجمہ ہے یا اسے تفسیر بھی کہا جاسکتا ہے۔

غلام رسول مہر نے اسے ترجمہ وتفسیر کے مابین کی ایک درمیانی شے قرار دیا ہے۔(۲)

ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد اسے مفصل ترجمہ اور مجمل تفسیر تسلیم کرتے ہیں۔(۳)

مولانا آزاد نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

"ترجمان القرآن" کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس کی تمام خصوصیات کا اصلی محل اس کا ترجمہ اور ترجمے کا اسلوب ہے۔اگر اس پر نظر رہے گی تو پوری کتاب پر نظر رہے گی۔ اور یہی خزینہ ہے جس میں کتاب کی تمام خصوصیات مدفون ہیں۔..................جس قدر غور وتدبر سے ترجمے کا مطالعہ کیا جائے گا اسی قدر قرآن حکیم کے حقائق اپنی اصلی طلعت وزیبائی میں نقاب ہوتے جائیں گے۔ترجمے کے بعد کتاب کا دوسرا محل تدبر نوٹ ہیں.......... ان کی ہر سطر تفسیر کے ایک (پورے) صفحے بلکہ بعض حالتوں میں ایک پورے مقالے کی قائم مقام ہے۔ اکثر مقامات میں ایسا ہوا ہے کہ معارف ومباحث کا ایک پورا دفتر دماغ میں پھیل رہا تھا،مگر نوکِ قلم پر پہنچا تو ایک سطر یا ایک جملہ بن کر رہ گیا..........."(۴)

''ترجمان القرآن'' کے متعلق آزاد نے دبے الفاظ میں انکساری کا جو دعویٰ کیا ہے اس سے قرآنیات میں اس کتاب کا مقام متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ آزاد کا بیان ہے:

''ترجمان القرآن'' سے قبل قرآن مجید کے متعدد اردو تراجم موجود تھے۔(۱)

''قرآن کریم کے آٹھویں پارے کے دوسرے رکوع کی ابتدائی تین آیات (سورۃ الانعام آیات نمبر ۱۳۰ تا ۱۳۲) کے ترجمے کا تقابلی موازنہ کرنے پر یہ حقیقت بہ خوبی بے نقاب ہوگئی کہ مولانا آزاد کا ترجمہ دوسرے تراجم کے مقابلے میں سب سے زیادہ بہتر واضح اور مؤثر ہے۔(۲)

مولانا سید اختر علی تلہری نے ''ترجمان القرآن'' پر ایک مفصل مقالہ لکھ کر کتاب کی علمی قدر و قیمت کا اعتراف کرتے ہوئے مؤلف کی صلاحیتوں کو سراہا ہے۔(۳)

''ترجمان القرآن'' کے دیباچے میں آزاد نے اپنے فہم قرآن کے بنیادی تصور پر بھی گفتگو کی ہے۔ ان کے نزدیک قرآن فہمی اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں جس اعلیٰ معیار پر تھی اسے بعد کے مفسرین قائم نہ رکھ سکے۔ لہٰذا قرآن شناسی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے معانی ومفاہیم کے قدیم ترین سرچشموں تک رسائی حاصل کریں اور بعد کے مفسرین نے قرآن کے مطالب کے بیان میں لفظی گورکھ دھندوں اور قیاس آرئیوں سے کام لے کر اس کے مفہوم پر جو نقابیں ڈال دی ہیں ان کو دور کر دیا جائے۔(۴)

اور مولانا آزاد نے ''ترجمان القرآن'' کے تفسیری حاشیوں میں جگہ جگہ ان نقابوں کو دور کر کے حقائق قرآنی کی رونمائی فرمائی ہے۔ اصحاب کہف کے واقعے میں اصل حقائق پر سے مولانا نے جس طرح پردے اٹھائے ہیں یا اسی سورت میں ذوالقرنین کی شخصیت کے تعین میں جو بحث کی ہے اس سے یقیناً قرآن فہمی کے نئے دروازے وا ہوئے ہیں۔(۵)

''ترجمان القرآن'' کے مقدمے میں بہ لحاظ نزول سورۂ الحمد کی اولیت کے ثبوت میں جو بحث کی گئی ہے اور اس سلسلے میں جس طریقے اور سلیقے سے روایات کی تطبیق کی گئی ہے وہ بھی آزاد کی قرآن فہمی پر دال ہے اُمّ الکتاب۔(۶)

تحریر دامن وقت میں تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ اس باب میں ''ترجمان القرآن'' کا دامن

مثالوں سے پُر ہے۔

اسلوبیاتی محاسن:

''ترجمان القرآن'' کا ترجمہ اور تشریحی نوٹ یہ واقعہ ہے کہ بہت ہی جان دار اور مؤثر ہیں۔ مولانا کے طرز تحریر پر ممتاز اردو دان پروفیسر رشید احمد صدیقی نے بہت اچھا تبصرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مولانا نے لکھنے کا انداز، لب ولہجہ اور مواد کلام پاک سے لیا جو ان کے مزاج کے مطابق تھا مولانا پہلے اور آخری شخص ہیں جنھوں نے براہِ راست قرآن کو اپنے اسلوب کا سرچشمہ بنایا۔ وہی انداز بیان اور زور کلام اور وعید وتہدید کے تازیبے، جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ پہاڑوں پر رعشہ سیماب طاری کر دیتا ہے۔مولانا کی تحریروں میں وہ نرمی اور نوازش نہ ملے گی جو پیغمبروں کی دعوت میں ملتی ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں۔ مولانا کی طبیعت پیغمبروں کی دعوت میں ملتی ہے۔مولانا کی طبیعت پیغمبری کے رول سے اتنی سازگار نہ تھی جتنی خدائی رول سے، خدا پیغمبروں کی طرح انسانوں میں گھلا ملا نہیں ملتا، اس لیے کہ پیغمبروں کی طرح وہ انسانوں میں سے نہیں ہوتا۔''(۱)

مولانا جہاں دنیاوی سیاست سے تعلق رکھتے تھے،اس سے کچھ زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے شغف رکھتے تھے، اپنے مسلمان ہونے پر ان کو فخر تھا۔رام گڑھ میں کانگریس کیا جلاس ۱۹۴۰ء کی صدارت کرتے ہوئے مولانا نے جو خطبہ پڑھا تھا۔اس میں برملا فرمایا تھا:

''میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں۔ اسلام کی تیرہ سو سال کی شان دار روایتیں میرے ورثہ میں آئی ہیں۔ میں تیاری نہیں کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں۔''(۲)

مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا ہے:

''بڑی بات یہ ہے کہ ہندسرکار اور ہندو اہل حکومت سے اتنا گہرا اور ہمہ وقتی تعلق رکھنے کے

باوجود اکثریت سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے اور کسی موقع پر اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے نہ شرمائے۔'' (۳)

ہندوستان جیسے محکوم ملک میں مولانا آزاد شرعی تنظیم قیام امارت کے بڑے حامیوں میں تھے اپنے خطبہ صدارت میں انہوں نے کہا تھا:

''امیر وامارت نہ ہونے کی وجہ سے ایک بڑا مفسدہ یہ رونما ہوا کہ ہندوستان سے قضائے شرعی اور قاضی شریعت کا سلسلہ ختم ہوگیا کیونکہ یہ سلسلہ امارت اور امیر کے قیام پر موقوف ہے۔'' (خطبہ صدارت جمعیۃ علماء، لاہور)

''ترجمان القرآن'' میں زکوٰۃ کی جہاں بحث آتی ہے اِس میں آپ نے امارت کا مسئلہ ذکر فرمایا ہے لکھتے ہیں:

''تاتاریوں کے غلبہ کے بعد مسلمانوں میں جہاں خیال پیدا ہوا کہ زکوٰۃ اپنے طور پر مسلمان خرچ کرڈالے.......... مگر ساتھ ہی فقہاء نے اس پر بھی زور دیا ہے کہ جن ملکوں میں اسلامی حکومت قائم نہیں رہی ہے اور اعادہ حالت فوراً ممکن نہیں، وہاں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ کسی اہل مسلمان کو امیر مقرر کرلیں، تاکہ اسلامی زندگی کا نظام قائم رہے، معدوم نہ ہوجائے۔ اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمعہ ترک نہیں کردیا گیا جس کا قیام امام وسلطان کی موجودگی پر موقوف تھا تو زکوٰۃ کا نظام کیوں ترک کردیا جائے؟ کس نے مسلمانوں کے ہاتھ اس سے باندھ دیئے تھے کہ اپنے اسلامی معاملات کے لیے ایک امیر منتخب کرلیں، یا ایک مرکزی بیت المال پر متفق ہوجائیں........... اسلام نے اجتماعی زندگی کا پورا نقشہ بنایا تھا، جہاں اِس کے چند خانے بگڑے سمجھ لو پورا نقشہ بگڑ گیا۔''

عرض یہ کرنا ہے کہ مولانا خود بھی مسلمان تھے اور پوری ملت اسلامیہ کا درد رکھتے تھے اور اسلامی نظام کو کسی حال میں فراموش کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

کوئی شبہ نہیں کہ مولانا آزاد قرآن کا ترجمہ اور تشریحی نوٹ لکھ کر مسلمانوں میں زندگی لانے کے

لیے کوشاں تھے اور انہیں خواب غفلت سے چونکانا چاہتے تھے اور یہ طے ہے کہ مسلمانوں کی ہی بیداری اور راست روی سے سارے جہاں کے انسانوں میں بیداری اور راست روی قدرت آتی ہے جب تک یہ امت راہ راست پر نہیں آتی دنیا کا نظام درست نہیں ہوسکتا۔ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور وہ بالکل محفوظ ہے۔

ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''قرآن کا یہی اسلوب تخاطب جو تعقل اور وجدان کی حسین آمیزش سے قارئین کے دل ودماغ کو مسخر کرتا ہے۔ مولانا کے ترجموں اور تفسیری حاشیوں میں بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ یہ اندازِ بیان مولانا کے رگ وریشہ میں اس حد تک سرایت کر گیا تھا کہ ان کے قلم سے نکلا ہوا ہر جملہ قرآنی طرز بیان کا عکس لیے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ پہلے ہمارے وجدان کو متاثر کرتے ہیں اور پھر ہمارے دل کے دروازے سے داخل ہوکر ہمارے دماغ تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کو منور کر دیتے ہیں......''(۱)

''ترجمان القرآن'' مولانا آزاد کی نثر کے اسلوبیاتی مطالعے میں بھی ایک نئی منزل کی نشان دہی کی تھی۔ اس کتاب میں آزاد نے اس سادہ وپُر اثر اسلوبِ نگارش سے کام لیا ہے جو آیاتِ قرآنی سے سادگی میں ہم آہنگ محسوس ہوتا ہے۔ مولانا کی ابتدائی تحریروں میں کہیں کہیں سہل نگاری کا رجحان مل ضرور جاتا ہے مگر یہ قدرے دبا دبا رہتا ہے۔(۲)

''الہلال'' ''البلاغ'' اور ''تذکرے'' میں آزاد نے جس اسلوب کو برتا وہ سہل نگاری سے زیادہ ادبی مرصع کاری، جوش وخروش اور الفاظ کی گھن گرج کے رجحان سے معمو ہے۔ اسلوبِ آزاد میں سہل نگاری کا رجحان ''ترجمان القرآن'' میں پہلی بار بھر پور طور پر نمودار ہوتا ہے۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ آزاد قرآن فہمی کو عام بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ صاف، سلیس اور سہل اسلوب برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ بعد کو اسلوب کی اسی سلاست نے ''غبارِ خاطر'' کے اوراق کو بھی حسن عطا کیا۔

مولانا آزاد نے قرآن مجید کے مطالعے میں اس درجہ انہماک سے کام لیا کہ ان کی تحریروں اور

تقریروں کے مواد اور اسلوب دونوں ہی قرآنی اسلوب سے متاثر ہوگئے۔ مواد واسلوب میں اتحاد واشتراک کا یہ حسین سنجوگ مولانا کی تقریروں اور تحریروں کے مواد اور اسلوب دونوں ہی قرآنی اسلوب سے متاثر ہوگئے۔ مواد واسلوب دونوں ہی قرآنی اسلوب سے متاثر ہوگئے۔ مواد واسلوب میں اتحاد واشتراک کا یہ حسین سنجوگ مولانا کی تقریروں اور تحریروں کو جس جلال و جما سے معمور کترا ہے۔ وہ ابو الکلام کو ایسے منفرد اسلوب کا مالک بنا دیتا ہے، جو صرف انہیں کا حصہ بن گیا۔ ابوالکلام کی نثر میں قرآنی لب ولہجہ کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے سجاد انصاری نے لکھا تھا: ''میرا عقیدہ ہے کہ اگر قرآن نازل نہ ہو چکا ہوتا تو ....مولانا ابوالکلام کی نثر اس کے لیے منتخب کی جاتی۔'' (۱)

''ترجمان القرآن'' آزاد کے ادبی سفر کی درمیانی منزل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی پہلی جلد ''ترجمان القرآن'' کے عنوان سے دفتر ترجمان قرآن دہلی سے پہلی بار ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ (۲)

غبار خاطر جو ترجمان کے بہت بعد پہلی بار مئی ۱۹۴۶ء میں چھپی تھی آزاد کے آخری اہم اردو کتاب مانی جاتی ہے۔ ''غبار خاطر'' میں کئی مقامات پر ''ترجمان القرآن'' کی عبارات ونکات کے نقوش صاف صاف نظر آتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ترجمان نے آزاد کی بعد کی کتاب ''غبار خاطر'' کو بھی متاثر کیا ہے۔ اس سلسلے میں صرف ایک مثال پیش ہے۔ ''ترجمان القرآن'' کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''جس دنیا میں سورج ہر روز چمکتا ہو، جس دنیا میں صبح ہر روز مسکراتی اور شام ہر روز پر وہ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں آسمان کی قندیلوں سے مزین اور جس کی چاندنی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہو، جس کی بہار سبزہ وگل سے لدی ہوئی اور جس کی فصلیں لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے گراں بار ہوں، جس دنیا میں روشنی اپنی چمک، رنگ، اپنی بوقلمونی، خوشبو، اپنی عطر بیزی اور موسیقی، اپنا نغمہ وآہنگ رکھتی ہو۔ کیا اس دنیا کا کوئی باشند آسایش حیات سے محروم اور نعمت معیشت سے محروم ہوسکتا ہے؟'' (۳)

''ترجمان القرآن'' کی اس خوش بیانی کی گونج ''غبار خاطر'' کی درج ذیل عبارت میں واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے:

''جس قید خانے میں صبح ہر روز مسکراتی ہو، جہاں شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں کبھی ستاروں کی قندیلوں سے جگمگانے لگتی ہوں کبھی چاندنی کی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہوں، جہاں دوپہر ہر روز چمکے، شفق ہر روز نکھرے، پرندے ہر صبح وشام چہکیں، اس قید خانہ ہونے پر بھی عیش ومسرت کے سامانوں سے خالی کیوں سمجھ لیا جائے؟''(۱)

مولانا ترجمان القرآن کا خاتمہ بھی تحریر کرنا چاہتے تھے۔ اپنے ہی الفاظ میں فرماتے ہیں:

''ترجمان القرآن کے خاتمہ میں قرآن کے فارسی، اردو اور یورپ کے تراجم پر تبصرہ کیا گیا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکے گا کہ اس مرحلے کی مشکلات کیا کیا تھی، اور وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے آج تک قرآن کے تراجم میں وضاحت اور دل نشینی پیدا نہ ہوسکی۔''(۲)

ہم مولانا آزاد کے امتیازی اسلوب کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

ترجمہ قرآن کے تین طریقے ہیں:

۱۔ پہلا طریقہ ٹھیٹھ ترجمہ کا ہے۔ جس کی نوبت درسی ضرورت کے تحت آتی ہے۔ اردو میں اس کا مکمل نمونہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا ترجمہ قرآن ہے۔

۲۔ دوسرا طریقہ بول چال کی ٹکسالی زبان میں ربط مضمون کا خیال رکھ کر ترجمہ کا ہے۔ اس کا قدیم معتبر نمونہ شاہ عبد القادر دہلویؒ کا ترجمہ موضح القرآن ہے اس قید کے ساتھ کہ شاہ صاحب کے دور میں عام فہم اور بامحاورہ زبان کا جو روپ تھا اس کو آئندہ کئی منزلوں سے گزر کر نکھرنا اور درجہ کمال تک پہنچنا تھا۔

۳۔ تیسرا طریقہ اردو زبان کے خدوخال کا پوری طرح نمایاں ہونے کے بعد کا ہے کہ بامحاورہ ورائج زبان میں معنی خیز ومطلب آمیز ترجمہ کیا جائے۔ یہ بنیادی طور پر دوسرے طریقہ کا ترقی یافتہ نمونہ ہے اس اضافی امتیاز کے ساتھ کہ اس میں مطلب آموز حصہ ربط مضمون کی ظاہری سطح سے نیچے اتر کر زیادہ گہرائیاں لیے ہوتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ اس کا پہلا عملی نمونہ ہے۔ اس میں قوسین

کا استعمال ہوتا اور جابجا حاشیوں کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ اسے خواہ آزاد ترجمہ کہیے یا آزاد ترجمانی۔

آزاد ترجمہ کی ایک سے زیادہ قسمیں مترجم کی وسعت نظر و تعمق فکر کے لحاظ سے ہوسکتی ہیں۔ لیکن ان میں اصل فرق، متن سے ترجمہ کی نزدیکی یا دوری کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے اس کا اندازہ ایک ہی نص قرآنی کے درج ذیل تراجم سے لگایا جاسکتا ہے۔

عربی زبان کے معیار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دنیا کے دور دراز گوشوں میں آغاز اسلام سے اب تک یکساں بلند رہا جس کا سب سے بڑا سبب قرآن پاک کی غیر متبدل زبان و بیان اور اس کے معانی و مطالب کا عالم گیر اثر و نفوذ ہے۔ ان قوموں سے قطع نظر، جن کی مادری زبان عربی، بے شمار ایسے مہمان ہیں جن کی مادری زبان کچھ اور ہے، لیکن کلام پاک کی تلاوت و ترتیل، اور وظائف کے التزام، مذہبی فرائض بجالانے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر روزانہ زندگی میں عربی فقروں کے زبان زد ہوتے رہنے سے عربی ان کی زندگی میں دخیل اور ان کے ذہنوں میں پیوست ہوگئی ہے۔ ان کے علاوہ مسلمانوں کے چھوٹے بڑے بے شمار عربی مدراس ہیں جہاں قدیم زمانے سے آج تک اس کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے۔ اب سے پہلے مسلمانوں کی علمی، تصنیفی اور ادبی زبان بھی عربی تھی۔ ایک حد تک فارسی کو بھی یہی درجہ حاصل ہے۔

یہاں عربی و فارسی زبان کی خوبیوں پر تفصیل سے گفتگو کرنا مقصود نہیں ہے۔ بتانا صرف اتنا ہے کہ عربی میں کلام پاک کا ہونا عربی زبان کی شہرت اور بقا کی ایسی ضمانت ہے جس کو زوال نہیں اور اس زبان کا صحیح عمل دخل جہاں کہیں جس زبان اور قوم میں ملے گا ان میں حسب استعداد عربی زبان اور عرب قوم کی زبان اور توانائی بھی ملے گی۔

مولانا آزاد کا یہ کام دوسرے علمی ادبی کاموں میں دینی خدمات کے لحاظ سے افضلیت رکھتا ہے۔ اگرچہ حالات نے اس کام کو مکمل ہونے نہیں دیا لیکن بلاشبہ اس کی دینی، علمی اور ادبی حیثیت برابر رہے گی۔ اس میں مولانا آزاد نے بعض ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جن سے عام مفسرین سرسری گزر

ہیں۔ مولانا نے انہیں وضاحت سے دلائل کے ساتھ دلنشیں انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس سے ان کے مطالعہ کی وسعت اور دقت نظر کا ثبوت ملتا ہے۔

جہاں تک ترجمہ کا تعلق ہے چونکہ مولانا عربی فارسی میں بڑی اچھی صلاحیت کے مالک تھا، اس لیے وہ اس کام سے نہایت خوش اسلوبی سے عہدہ برآ ہوئے ہیں، انہوں نے ترجمہ کو محض لفظی ترجمہ رہنے نہیں دیا ہے اس میں وہ انداز اختیار کیا ہے کہ قاری کو مطالب تک پہنچنے میں آسانی ہوتی ہے اسلوب عالمانہ، زبان شستہ اور عام فہم لیکن پروقار استعمال کی گئی ہے۔ ملاحظہ کیجیے تفسیر سورۂ فاتحہ میں سورت کی اہمیت اور خصوصیت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے، اس لیے ''فاتحۂ الکتاب'' کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ جو بات زیادہ اہم ہوتی ہے قدرتی طور پر پہلی اور نمایاں جگہ پاتی ہے یہ سورت قرآن کی تمام سورتوں میں خاص اہمیت رکھتی تھی، اس لیے قدرتی طور پر اس کی موزوں جگہ قرآن کے پہلے صفحہ ہی میں قرار پائی۔''(۱)

مولانا سعید اکبر آبادی کا یہ کہنا بجا ہے:

''مولانا ابو الکلام آزاد نے اردو ادب کے چمن میں حسن انشاوبیان کے جو پھول کھلائے ہیں یوں تو سب ہی سدا بہار ہیں لیکن مستقل تصنیف کی حیثیت سے قرآن مجید کی تفسیر ''ترجمان القرآن'' مولانا کی تمام علمی اور ادبی تحریروں میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ قلم کی توانائی، اجتہاد فکر، وسعت نظر و مطالعہ اور جذبہ تحقیق و تدقیق مولانا کی وہ خصوصیات ہیں جو ان کی ہر علمی و ادبی تحریر میں نظر آتی ہیں۔ لیکن مولانا کی یہ خصوصیات اس کتاب میں جابجا نمایاں ہیں۔''(۲)

ترجمان القرآن میں سے آیات بینات کے ترجمہ کے نمونے

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُونَ عَلَى النِّسَاءِ ﴾ (النساء: ۳۴)

ترجمہ: عورتیں مرد کے زیر اثر ہیں۔ (مسلمان عورت، ص: ۵۸، مکتبہ جمال، لاہور۔ طبع ۲۰۰۶ء)

﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ ﴾ (۳۷.۵۰)

ترجمہ: اور یقیناً اس میں اس شخص کے لیے نصیحت (آموزی کا درس عبرت موجود ہے جس کے پاس دل ہے۔ متوجہ ہو کر (اس کی طرف) کان رکھے۔

(بحوالہ مقام دعوت، ص: ۵۵۔ مکتبہ جمال، لاہور۔ مکتبہ ۲۰۰۶،)

قولہ: ﴿ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾

(شعراء: ۲۶. ۱۶۴)

ترجمہ: میں اپنی خدمتوں کا کوئی معاوضہ کم سے نہیں چاہتا، میری مزدوری کے اجر و معاوضہ کے حساب و کتاب کی جگہ رب العالمین ہے۔

(کتاب مقام دعوت، ص: ۵۴، مکتبہ جمال، ۲۰۰۶ء)

قولہ: ﴿ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا ﴾

ترجمہ: پھر (افسوس ان لوگوں کی حالت پر) ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ہو۔ یہ سمجھے بوجھے کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی .... ﴾

حقیقت میں نماز تمام بداخلاقیوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔ ص: ۷۵

قولہ: ﴿ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾

ترجمہ: ''اور اللہ کی راہ میں جان لڑادو اس راہ میں جان لڑا دینے کا جو حق ہے پوری طرح ادا کرو۔''

﴿ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ﴾

ترجمہ: ''لیکن پھر ان کے بعد ایسے ان کے ناخلف جانشیں ہوتے، جنہوں نے نماز کی حقیقت کھودی اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے سو قریب ہے کہ ان کی سرکشی ان کے آگے آئے۔''

﴿ یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ..... ﴾

ترجمہ: ''اور تم سے پوچھتے ہیں راہ حق میں خرچ کریں تو کیا خرچ کریں ان سے کہہ دو جس قدر (تمہاری ضروریات معیشت سے) فاضل ہو۔'' (ترجمان القرآن، ص:۲۱۸)

اوقات نماز:

قولہ : ﴿ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ ﴾

ترجمہ: (اے پیغمبر) نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک (یعنی فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء) کے وقتوں میں نیز صبح کی تلاوت قرآن یعنی صبح کی نماز) بلاشبہ تلاوت قرآن ایک ایسی چیز ہے جو خصوصیت کے ساتھ دیکھی جاتی ہے۔ (بحوالہ، حقیقت الصلوٰۃ، ص:۵۷)

قولہ : ﴿ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوٓا اٰلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ..... ﴾

ترجمہ: تو انہوں نے (آپس میں) کہا کہ اگر تم میں کچھ ہی ہمت ہے تو آؤ اس آدمی کو آگ میں ڈال کر جلا دیں اور ایسے معبودوں کا بول بالا کر دیں۔ (بحوالہ امر بالمعروف، ص: ۱۹۴۶، الہلال بک ایجنسی فاروق گنج، بیرون شیرانوالہ دروازہ، لاہور)

قولہ: ﴿ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾(۱۷.۳۵)

ترجمہ: جب کسی چیز کو تولو، تو ترازو کی ڈنڈی سیدھی رکھو (یعنی وزن میں دھوکا نہ ہو) یہی طریق خیر اور نیک انجام۔ (بحوالہ: امر بالمعروف، ص:۳۳)

﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ ﴾ الآية

ترجمہ: ''حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی اندھے پن میں پڑتا ہے تو آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں (جو سروں میں) دل اندھے ہو جائے میں جو سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں۔''

(قرآن:۲۲-۴۶)

قولہ : ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''بے شک ہم ہی نے اس دین حق وصداقت کی دعوت دنیا میں بھیجی اور ہم ہی ہیں

جو ہمیشہ اس کے محافظ و ناصر ہوں۔"

قولہ: ﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ......... ﴾

ترجمہ: "اور رحم کرنے والے خدا کے رحم طینی بندے وہی ہیں جو زمین پر نہایت فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔ اور جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو سلام کرکے الگ ہو جاتے ہیں۔" (الفرقان:۲۵-۴۵)

قولہ: ﴿ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ (۴۲.۳۸)

ترجمہ: "اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی سے کرو۔" (امر بالمعروف، ص:۵۰)

تفسیری میلان:

قولہ: ﴿ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِيْ..... ﴾

ترجمہ: "اپنے نفس کو الزام سے نہیں بچاتی بے شک میرا نفس برائی پر آمادہ کرنے والا ہے۔

امر بالمعروف، ۶۱۔ یہاں یہ اشارہ دیا کہ قول عزیز مصر کی بیوی کا ہے نہ کہ یوسف علیہ السلام، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ (امر بالمعروف ۱۵-۹، ص: ۹۵)

تعریف (الآیات):

قولہ: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ تَصَرِّفُ الْأَيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ......... ﴾

ترجمہ "دیکھو ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح پھیر پھیر کر مختلف صورتوں اور مختلف اُطراف ونتائج کے ساتھ بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ سمجھیں اور عقل وبصیرت استعمال کریں۔" (امر بالمعروف:۱۲۴-۶-۶۵)

بالکل، اللہ تعالیٰ نے قرآن فہمی کے باب میں انہیں خاص ملکہ عطا کیا، وہ زمانہ حاضر کی فکری تحریکوں کو بخوبی سمجھتے اور قرآن کو ہر زمانے کی پیچیدگیوں کا حل قرار دے کر انسانی معاشرے کو اس کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔ وہ قرآن کی ابدی دعوت پر نظام کائنات کی اساس رکھتے ہیں، ان پر بفضل ایزدی علم القرآن کے دروازے اس طرح کھلے ہیں کہ ان کے لیے کوئی سی راہ مسدود و منقطع نہیں، ان کی آواز قرآن کی آواز ہے۔"

راقم: ''مولانا کے ترجمہ وتفسیر میں بڑی خوبی کیا ہے؟ اور وہ کونسا پہلو ہے جو دوسرے تراجم وتفاسیر کے مقابلے میں منفرد ہے''

مولانا: ''ان کے ترجمہ وتفسیر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ قرآن ہی کی زبان میں خطاب کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے، ان کے الفاظ الوہیت اور نبوت کا جامہ پہنے ہوئے ہیں اور یہ صرف اللہ کی دیں ہے، دوسرے تراجم جو اب تک ہندوستان مَیں ہوئے ، وہ قرآن کے الفاظ میں لغوی وتحتانی ترجمہ ہیں، ان میں قرآن کے شکوہ کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ عربی الفاظ کا ترجمہ اردو الفاظ میں کیا گیا ہے، مطالب کی طاقت و پہنائی اوجھل ہوگئی ہے۔ آزاد کی تفسیر محض مقامی یا محض اسلامی نہیں، بین الاقوامی وبین الملی ہے، وہ الٰہیاتی زبان میں کائنات کو خطاب کرتے ہیں:

راقم: ''اب میں ان کا مقام کیا ہے''؟

مولانا: ''فی الواقعہ وہ ایک سحر طرز ادیب ہیں، ان کا قلم تلوار ہے، وہ قرن اوّل کے غزوات کی چہرہ کشائی کرتے اور عصر حاضر کی رزم گاہوں میں مسلمانوں کی فتح مندیاں ڈھونڈتے ہیں۔ ان کا اسلوب بیان بے مثال ہے آدمی ان کے الفاظ سے مسحور ہوتا اور مطالب میں ڈوب جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ نکتہ آفرینی کے اعتبار سے اس وقت ہندوستان بھر میں اپنی نظر نہیں رکھتے۔ قلم کی نزاکت اور قلم کی طاقت مید، فیاض نے ان کے لیے ارزاں کردی ہے۔''

راقم: ''ان کی زبان عوام کے لیے مشکل ہے۔''

مولانا: ''کوئی زبان مشکل نہیں۔''

''ترجمان القرآن'' وہ آئینہ ہے جس میں مولانا آزاد کی علمی ، دینی اور ادبی شخصیت پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ملتی ہے۔

قیس سا پھر نہ اٹھا بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

❁❁❁❁

ترجمہ قرآن کریم از مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا علمی جائزہ

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر ☆

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ:

حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ نے ایک نازک اور پرآشوب دور میں دین حق کی خدمت، اشاعت کتاب وسنت، کفروشرک کا قلع قمع کرنے، مسلمانوں میں علمی، سیاسی اور مذہبی اتحاد و یک جہتی کا احساس پیدا کرنے کے لیے ۱۸۶۸ء میں اس عالم فانی میں آنکھیں کھولیں۔ اُن کی پیدائش حریت پسندوں کے مشہور شہر امرتسر میں ہوئی۔(۱)

آپ کا تعلق کشمیری پنڈتوں کے منٹو خاندان سے تھا۔ اصل وطن کشمیر کا علاقہ ڈور تحصیل اِسلام آباد(انت ناگ) ضلع سرینگر تھا۔ آپ کے والد ماجد شیخ خضر جو پشمینہ کی تجارت کرتے تھے ۱۸۶۰ء میں ڈوگرہ راج کی ستم کاریوں سے تنگ آکر بغرض تجارت امرتسر چلے آئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔(۲)

سات سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ مولانا کے بڑے بھائی رفوگری کا کام کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو بھی اس فن سے روشناس کروایا۔ آپ نے محنت اور ہونہاری سے جلد ہی اس فن میں مہارت حاصل کر لی۔(۳)

مولانا کی زندگی میں انقلاب لانے والے اوران کی تعلیم وتعلم کی طرف رغبت دلانے والے ایک

☆ ڈائریکٹر، سیرت چیئر وچیئر مین شعبہ علومِ اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور۔

عالم تھے جو اپنا ایک قیمتی چغہ رفو کروانے کے لیے اُن کے پاس آئے۔ آپ نے چغہ مہارت کے ساتھ رفو کیا، وہ اس پر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے مولانا سے دینی باتیں چھیڑ لیں۔ مولانا امرتسریؒ کے معقول جوابات سن کر وہ عالم بہت زیادہ متاثر ہوئے تو انہوں نے مولانا سے پوچھا کہ آپ نے کہاں تک تعلیم حاصل کی؟ تو مولانا کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔

اس عالم کو جواب دیا کہ میں پڑھا لکھا تو نہیں ہوں۔ میری کم سنی میں ہی والدین فوت ہو چکے تھے اس لیے پڑھ نہیں سکا۔ انہوں نے فرمایا: تم بہت ذہین ہو، حصول علم کی صلاحیت بھی موجود ہے، اگر تم نے اپنے آپ کو دینی علوم سے مزین نہ کیا تو خود پہ ظلم کرو گے۔ یہ کہہ کر وہ تو چلے گئے لیکن اس نوجوان کے ذہن میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا ہو گیا۔ انہوں نے رفوگری کے ساتھ ساتھ ابتدائی کتابوں کا سبق مولانا احمد اللہؒ سے شروع کیا۔(۴) تھوڑے ہی عرصے میں خداداد ذہانت کی بنا پر شرح جامی، قطبی اور چند دیگر کتابیں پڑھ لیں۔ رفوگری کو ترک کر کے استاد پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ۱۸۸۹ء میں مولانا امرتسریؒ نے حدیث کی سند حاصل کر لی۔ پھر انہوں نے شیخ الکل حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کی شاگردی اختیار کی۔ پھر سہارنپور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں تحصیل علم کے لیے گئے اور وہاں سے سند حاصل کرنے کے بعد آپ دیوبند چلے آئے۔ اسی طرح انہوں نے ہندوستان میں مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے فیض حاصل کیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کو ہندوستان کے تین مدارس جو کہ تین مسالک، اہل حدیث، دیوبندی اور بریلوی مکتب فکر کے نمائندہ تھے، سے فارغ التحصیل ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ تعلیم سے فراغت پائی تو مولانا احمد اللہ امرتسریؒ نے انہیں مدرسہ تائید الاسلام میں صدر مدرس کی حیثیت سے بلا لیا(۵)۔ پھر ۱۸۹۸ء میں مدرسہ اسلامیہ مالیر کوٹلہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں بھی صدر مدرس کے فرائض سرانجام دیئے۔ ۱۹۰۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا(۶)۔

مولانا کے اندر قدرت کی طرف سے ہی مناظرے کی خداداد صلاحیت موجود تھی۔ انہیں جب رفوگری سے فرصت ملتی تو پادریوں، آریوں اور دیگر غیر مسلم سکالرز سے مذہبی گفتگو ومباحثے چھیڑ لیتے،

مدلل دلائل اور خوش بیانی سے اکثر حریف کو قائل کر لیتے (۷)۔

خود مولانا کا بیان ہے کہ ''میری طبیعت طالب علمی کے زمانے سے ہی مناظروں کی طرف مائل تھی، اس لیے تدریس کے علاوہ عیسائی، آریہ اور قادیانیوں کے علم الکلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ ہوا، بفضلہٖ تعالیٰ میں نے ان میں کافی واقفیت حاصل کر لی'' (۸)۔

حضرت مولانا امرتسریؒ تخلقوا باخلاق اللّٰہ کی سچی تصویر تھے۔ مخالف و موافق، دوست و دشمن کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آتے تھے۔ عفو و درگزر اور انتقام نہ لینا آپ کی اعلیٰ صفات میں شامل تھا۔ آپ مجلس کے آداب کا بہت زیادہ خیال کرتے تھے۔ آپ کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو اعلیٰ و ممتاز جگہ پر بیٹھنے کی کوشش نہ کرتے۔ اگر اہل مجلس آپ کو امتیازی جگہ پر بٹھانا چاہتے تو بھی عام طور پر انہیں کے ساتھ فرش پر بیٹھ جاتے۔ اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو عیادت کے لیے تشریف لے جاتے اور اگر کسی کی مالی حالت کمزور ہوتی تو اس کی بڑے پیارے انداز میں مدد فرما دیتے تھے (۹)۔

آریہ سماج نے مسلمانوں کے خلاف شدھی کی تحریک چلائی اور اپنی اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے انہوں نے ہندوستان میں ہندو دھرم کے پرچار کے لیے شاخیں کھول دیں۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو یا تو ہندو بنا لیا جائے یا پھر ختم کر دیا جائے۔ مولانا امرتسریؒ نے اس سلسلے میں ایک طرف کلکتہ، حیدر آباد دکن اور دوسری طرف مدراس تک کے دور دراز علاقوں کے سفر اختیار کیے اور اس تحریک کو ناکام کر دیا (۱۰)۔

مولانا ثناء اللہؒ ایک کثیر التصانیف عالم تھے۔ آپ کی علمی کاوشوں کی تفصیل یوں ہے۔

نمبر شمار	موضوعات	تعداد
۱۔	تفاسیر قرآن مجید و متعلقات	۷
۲۔	تردید عیسائیت	۶
۳۔	تردید آریہ	۳۲

۴۔	تردید قادیانیت	۳۶
۵۔	تردید مقلّدین جامدین	۱۱
۶۔	حمایت اہلحدیث	۵
۷۔	تنقیدی کتب	۱۰
۸۔	عامۃ المسلمین اور اسلامی کتب	۹
۹	علمی وادبی تصانیف	۱۵
	میزان جملہ کتب	۱۳۱

مولانا امرتسری کی تفسیری خدمات:

مختلف میدانوں میں بیک وقت کام کرنے کے ساتھ ساتھ اور مختلف فرقوں سے چومکھی لڑائی لڑنے کے ساتھ ساتھ مولانا تفسیر نویسی جیسی عظیم وجلیل دینی خدمت سے غافل نہ رہے بلکہ قرآن کی مختلف انداز سے باقاعدہ ۴ تفسیریں اردو وعربی میں لکھیں۔اس کے علاوہ علوم القرآن پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ جو چار تفسیریں لکھی ہیں۔ان میں دو عربی میں اور دو اردو زبان میں ہیں۔دو پایۂ تکمیل کو پہنچ کر بہت مقبول ہوئیں اور دو ناقص ہی رہ گئیں۔(۱۲)

ا۔تفسیر ثنائی (اُردو):

ہندوستان میں لکھیں گئی تفاسیر مسلمانوں کو قرآن سمجھنے میں مدد تو ضرور دیتی تھیں،لیکن یہ نہ سمجھاتی تھیں کہ ان کے دین وعقیدہ پر مذکورہ فرقوں کے اعتراضات کا جواب کسی طرح دیا جائے۔آریہ،عیسائی اور قادیانی کو لاجواب کس طرح کیا جائے۔

مولانا ثناء اللہ چونکہ مناظر اسلام تھے،ان کا مختلف فرقوں سے ہر وقت واسطہ رہتا تھا،اسلام کے دفاع میں ان سے چومکھی لڑائی لڑتے۔لہٰذا انہوں نے تفسیر ثنائی میں قاری کی قرآن فہمی کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی پورا پورا جواب فراہم کر دیا ہے کہ وہ مخالفین اسلام کا (منکرین حدیث،آریہ وعیسائی

وغیرہ) مسکت ومدلل جواب دے سکے اوران کی بھرپور گرفت کر سکے۔(۱۳)

تفسیر ثنائی آٹھ جلدوں میں متعدد بار شائع ہو کر کافی شہرت ومقبولیت حاصل کر چکی ہے۔اس کے مجموعی صفحات ۱۵۰۰ سے زائد ہیں، اس کا پہلا ایڈیشن، حسب ہدایت مولانا امرتسری ۱۳۱۳ھ میں امرتسر سے شائع ہوا۔

اس طرح ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء میں تفسیر ثنائی کی پہلی جلد منظر عام پر آئی اور ۲۹ رمضان ۱۳۴۹ھ/ ۸ فروری ۱۹۳۱ء کو اس تفسیر کی آخری جلد شائع ہو کر پایۂ تکمیل کو پہنچی۔اس تفسیر کو عوام وخواص دونوں میں بے حد قبول عام حاصل ہوا، یہ تفسیر مختصر مگر جامع ہے اور اس میں مناظرانہ ومتکلمانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔(۱۴)

۲۔تفسیر القرآن بکلام الرحمان (عربی):

آپ نے اس تفسیر میں قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید سے کی ہے ،بعض جگہ احادیث اور دوسری تفاسیر کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ دنیا بھر کے علماء نے اس تفسیر پر آپ کو خراج تحسین پیش کیا بعض مدارس نے اسے داخل نصاب کرلیا۔جامعۃ ازہر، قاہرہ کے نصاب میں بھی شامل رہی۔

۳۔آیاتِ متشابہات:

اس کتاب میں تفسیر کے آداب، اسالیب اور اصول وقواعد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۴۔ بیان القرآن علی علم البیان (عربی):

اسے آپ نے عربی ادب،علوم لسانیہ،صرف ونحو،لغت، معانی وبیان وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر لکھا۔ تفسیر کے شروع میں متعدد اصول وقواعد کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کی مثالیں قرآن سے دی گئی ہیں۔ تاہم یہ نادر تفسیر مکمل نہ ہو سکی۔

۵۔تفسیر بالرائے (اُردو):

۶۔بُرھان التفاسیر بجواب ''سلطان التفاسیر'':

یہ تفسیر پادری سلطان محمد پال کی سورۂ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے ابتدائی سولہ رکوع پر مشتمل تفسیر

''سلطان التفاسیر'' کا جواب ہے۔ جو مئی ۱۹۳۳ء تا مئی ۱۹۳۵ء اِکیاسی (۸۱) قسطوں میں مجلّہ ''اہل حدیث'' امرتسر میں شائع ہوتی رہی۔

۷۔ تشریح القرآن:

اس کتاب میں قرآن کریم کے چیدہ چیدہ مقامات کی بڑی عمدہ تشریح کی گئی ہے(۱۵)۔

مولانا امرتسریؒ ان تصنیفات کے علاوہ درس قرآن کا بھی اہتمام کرتے تھے جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں ''میں روزانہ نماز فجر کے بعد درسِ قرآن دیتا جو ایک گھنٹے تک جاری رہتا'' جس مسجد میں درس دیتے وہ مولانا کے رہائشی مکان کے سامنے تھی (۱۶)۔

مولانا فرماتے ہیں ''یوں تو میری سب تصنیفات قرآن ہی کی خدمت میں ہیں مگر خاص تفسیر نویسی سے بھی میں غافل نہیں رہا۔ روزانہ درس قرآن کے علاوہ پہلے میں نے تفسیر ثنائی غیر مسبوق طرز لکھی جو آٹھ جلدوں میں ختم ہو کر ملک میں شائع ہو چکی ہے'' (۱۷)۔

آپ فتویٰ دیتے ہوئے قرآن وسنت کو سامنے رکھتے تھے۔ اِن فتاویٰ پر مشتمل ''فتاویٰ ثنائیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ جو دو جلدوں میں مطبوع ہے۔ انہوں نے جماعت اہل حدیث کو منظّم کرنے کا سب سے پہلے پروگرام بنایا پھر اس کے بعد ہندوستان کے مختلف شہروں اور صوبوں میں اہل حدیث انجمنوں اور جماعتوں کے قیام کا بھی اہتمام کیا۔ مولانا ثناء اللہؒ امرتسری کی قیادت میں جمعیت علمائے ہند، مسلمانان ہند کی سیاسی راہنمائی کے لیے وجود میں آئی۔ مولانا ایک عرصہ تک ندوۃ العلماء کے بھی رکن رہے۔ وہ کبھی کبھی قومی مجلسوں میں بھی شرکت کرتے تھے، اسی طرح تقابل مذاہب کے سلسلہ میں کسی مجلس یا جلسہ کا اہتمام ہوتا تو وہ اس میں بھی شریک ہو جاتے (۱۸)۔

انگریز نے جب ہندوستان کو ہندوستانیوں کے حوالے کرنے کا اعلان کر دیا تو مولانا ثناء اللہؒ امرتسری نے ایسے ناسازگار حالات میں بھی رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے امن کمیٹیوں کے ساتھ پورا تعاون کیا۔ محلّہ محلّہ جا کر لوگوں کو پرامن رہنے کی تلقین کی۔ پھر ایسا وقت آ گیا کہ مسلمانوں کے خون سے بے مثال ہولی کھیلی گئی۔ ان ہنگامی حالات میں اجلاس ہوتے رہے۔ ایک جلسے میں مولانا اور ان کا

بیٹا شریک تھے کہ بم دھماکہ سے ان کا بیٹا شہید ہوگیا۔ وہ اپنے اس اکلوتے بیٹے کا خود جنازہ پڑھانے اور دفنانے کے بعد اور اپنا ایک بہت بڑا کتب خانہ ہندوستان میں ہی چھوڑ کر لاہور ہجرت کر آئے۔ بعد ازاں سرگودھا سکونت اختیار کر لی۔ ان کے امرتسر سے نکلنے کے بعد ان کے گھر بار اور کتب خانہ کو لوٹ کر آگ لگا دی گئی۔ مولانا پاکستان آ کر بھی تبلیغی مشن کو عملی جامہ پہناتے رہے۔ ۱۲ فروری ۱۹۴۸ء کو ان کے دائیں جانب پر فالج ہوا۔ حملہ اتنا شدید تھا کہ ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے (۱۹)۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ثنائی ترجمہ کا جائزہ:

پاک وہند میں قرآن حکیم کے اردو تراجم کے آغاز کار سے عام طور پر دو طرح کی ترتیب کے تراجم رائج ہوئے ایک قسم تحت اللفظ تراجم کی، دوسری قسم بامحاورہ تراجم کی ہے۔ دوسری قسم میں اسلوب کے ابلاغ کو اصل اہمیت حاصل ہوتی ہے اور قرآن حکیم کے پیغام کو اس کے زور بیان کے ساتھ اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کارفرما ہوتی ہے۔ تراجم میں سلاست وروانی کے باعث قاری کے لیے قرآن کا پیغام سمجھنا آسان ہوتا ہے، دوسری زبان میں تراجم کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے، تاہم ان بامحاورہ تراجم میں دشواری یہ ہوتی ہے کہ ان میں قرآن مجید کے الفاظ کہیں اور ان کا ترجمہ کہیں اور کیا جاتا ہے، جس سے قاری کے لیے یہ جاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ جن الفاظ کا ترجمہ پڑھ رہا ہے وہ الفاظ کیا ہیں؟ یہ دشواری تحت اللفظ تراجم کے قارئین کو پیش نہیں آتی۔ اس اسلوب کی نمائندہ تفاسیر میں بامحاورہ تراجم بھی دو طرح سے اختیار کیے گئے ہیں، ایک قرآن حکیم کے بین السطور درج ہوتے ہیں جیسے مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ مرحوم کے یہاں نظر آتا ہے (۲۰)۔

پہلی بار مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کا یہ ترجمہ قرآن، تفسیر ثنائی کے ساتھ سات جلدوں میں طبع ہوا (۲۱)۔ بعد ازاں مولانا داؤد راز مرحوم نے مولانا ثناء اللہ کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد صرف ترجمہ یکجا شکل میں مرتب کر کے شائع کرایا۔

مولانا تفسیر ثنائی کے مقدمہ کے اختتام پر ایک الگ فصل میں اس ترجمہ کے بارے فرماتے ہیں۔

''چونکہ میری غرض اصلی اس تحریر سے صرف یہ ہے کہ عوام اہل اسلام قرآن کریم کے مطالب سے واقف اور آگاہ ہوں، اس لیے میں نے ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ عربیہ کی پابندی نہیں کی یعنی یہ نہیں کہ جو لفظ پیچھے ہو اس کا ترجمہ بھی پیچھے کروں، بلکہ عربی محاورہ کو ہندی محاورہ میں لایا ہوں۔ اس امر کی بھی پابندی نہیں کی کہ جملہ اسمیہ کا ترجمہ جملہ اسمیہ میں ہی ادا کروں بلکہ مطلب اس کا جس جملہ میں باعتبار محاورۂ اُردو پایا، ادا کیا(۲۲)۔

حضرت مولانا امرتسریؒ نے اپنی تفسیر ثنائی میں یہ اسلوب بیان اختیار کیا کہ قرآن مجید کا بامحاورہ ترجمہ آیات قرآنیہ کے تحت تحریر فرمایا اور دوسرے کالم میں انہی آیات کی تفسیر کی اور سب کے نیچے حواشی کا اندراج فرمایا جن میں بیشتر مخالفین اسلام کے مسکت جوابات ہیں(۲۳)۔ جو طرز مولانا امرتسری نے تفسیر ثنائی میں اپنایا، اردو لکھی جانے والی تفاسیر میں نہیں پایا جاتا، بقول مولانا:

''میرا یہ طرز بیان پہلے اردو تفسیر میں نہیں آیا۔ جس نے اختیار کیا وہ میرے بعد غالباً دیکھ کر کیا ہے۔''(۲۴)

اِستفادۂ عوام کی خاطر اگرچہ کئی تراجم اور محشّٰی قرآن طبع ہو چکے ہیں لیکن ان میں سے بعض ترجمے اور حواشی قرون مشہود لہا بالخیر کی روشنی میں محل نظر ہیں۔ بعض تقلیدی جمود کا شکار ہیں اور بہت غلط عقیدہ پیش کرتے ہیں۔

جس طرح کہ اس آیت کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا گیا ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً ﴾(۲۵)

''(اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر ناظر)۔''(۲۶)

ایسا ترجمہ جب ایک سادہ دل انسان اپنے گھر میں پڑھے گا تو اس کے عقائد واعمال کا کیا حال ہوگا۔

جب کہ مولانا ثناء اللہؒ امرتسری کے ترجمے میں صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ کے عقائد واعمال کی عکاسی پائی جاتی ہے۔ اب مولانا امرتسریؒ کے ترجمے کے لغوی، ادبی اور ظرفی اعتبار سے مختلف پہلو زیر بحث لایا

جاتا ہے۔

لغوی ترجمے کی خصوصیات:

﴿ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَاO وَالْأَرْضِ وَمَا طَحٰهَاO وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا ﴾(۲۷)

مولانا امرتسریؒ نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ (اور قسم ہے آسمانوں کی اور جس نے اس کو بنایا ہے اور قسم ہے زمین کی اور جس نے اسے پھیلا دیا اور قسم ہے ہر نفس کی اور جس نے اسے ٹھیک کیا)۔(۲۸)

"ما" دو طرح کا ہوتا ہے۔ موصولہ اور مصدریہ اکثر مترجمین نے "ما" کو مصدری معنوں میں لیا ہے پھر اس کا ترجمہ یوں ہوگا۔ قسم، زمین اور اس کے بچھائے جانے کی قسم اور نفس اور اس کے ہموار کیے جانے کی قسم۔ لیکن یہ معنی اس لیے درست نہیں کہ ان تین آیات کے بعد اسی لحاظ سے یہ ترجمہ ہوگا "پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کردی۔"

جبکہ مولانا امرتسریؒ نے یہاں پر "ما" کو "من یا الذی" کے معنی میں لیا ہے وہ ان فقروں کا مطلب یہ لیتے ہیں جس نے آسمان کو قائم کیا جس نے زمین کو بچھایا اور جس نے نفس کو ہموار کیا۔ یہی مطلب درست ہے۔

ادبی ترجمہ:

﴿ لِإِيْلَافِ قُرَيْشٍ O إِيْلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِO ﴾(۲۹)

قریش کو سردی گرم کے سفر سے الفت رکھنے پر تعجب ہے۔(۳۰)

ایلاف سے پہلے جو لام آیا ہے یہ عربی محاورے کے مطابق تعجب کے معنی میں ہے مثلاً عرب کہتے ہیں لزیدو صنعنابه ہمارے نیک سلوک کے بعد زید نے جو رویہ اختیار کیا ہے اس پر ہمیں تعجب ہے۔ یہ رائے اخفش، کسائی اور فراء کی ہے، اسی رائے کو ابن جریر نے ترجیح دی ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ترجمہ اسی محاورہ کے مطابق کیا گیا ہے۔(۳۱)

﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّO ﴾(۳۲)

(جوش والے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور ٹوٹ چلے)(۳۳)

اس آیت کے معنی میں بعض مترجمین نے کوسنے اور بد دعا دینے کا مفہوم دیا ہے)۔

درحقیقت یہ کوئی کوسنا نہیں ہے جو اس کو دیا گیا ہو بلکہ ایک پیشگوئی ہے جس میں آئندہ پیش آنے والی بات کو ماضی کے صیغوں میں بیان کیا گیا ہے گویا اس کا ہونا ایسا یقینی ہے جیسے وہ ہو چکی اور فی الواقع آخر کار وہی کچھ ہوا جو اس سورۃ میں چند سال پہلے بیان کیا جا چکا۔

مولانا ثناء اللہؒ اس لحاظ سے منفرد ہیں انہوں نے ابی لہب کا معنی بجائے نام کے جوش والے سے کیا اور یوں اپنے ترجمہ میں ابولہب کو اس کی کنیت کے ساتھ نہیں لکھا۔

اسم ظرف:

﴿ وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ○عَيْناً يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾(۳۴)

(اور اس کی ملاوٹ تسنیم کے خالص پانی سے ہوگی۔ وہ ایک چشمہ ہوگا جس پر خدا کے مقرب بندے پانی پئیں گے)(۳۵)

مولانا امرتسریؒ کے ترجمے میں یکسانیت ہے یعنی انہوں نے لفظ "بھا" میں "ب" کو بطور ظرف (یعنی جگہ) کے معنی میں لیا ہے۔ مطلب یہ کہ ایسی جگہ جس پر (بیٹھ کر) پئیں گے جبکہ دیگر مترجمین نے اس "ب" کو بمعنی "سے" لیا ہے یعنی ایسی جگہ جس سے نکال نکال کر پئیں گے۔

گو یہاں پر دونوں طرح کے ترجمے درست ہیں مگر واضح رہے کہ ظرفیت کے لیے "ب" کا استعمال اَزروئے عربیت بہت معروف ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مے نوشی کے لوازم میں ایک لازمہ اس کا لب ہونا بھی ہے چنانچہ "ب" کو بطور ظرف لیتے ہوئے اس طرح کا ترجمہ کرنا (جس طرح مولانا ثناء اللہؒ نے کیا) اپنے اندر دُہرا حسن رکھتا ہے(۳۶)۔

اسی طرح ﴿ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴾ (۳۷) (قسم ہے غروب کے وقت کی روشنی کی)(۳۸)

مولانا ثناء اللہؒ کے اس ترجمے میں ایک نئی قدر مشترک ہے جبکہ شفق کا ترجمہ دیگر مترجمین نے شفق

ہی کیا، حالانکہ کے مترجم کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی الفاظ کا مناسب الفاظ میں ترجمہ ضرور کرے۔ واضح رہے اردو لغت میں شفق کے درج ذیل معنی ہیں۔

''سرخی جو طلوع آفتاب سے بیشتر صبح کو اور غروب آفتاب کے بعد شام کو نمودار ہوتی ہے'' مولانا امرتسریؒ نے قرآنی الفاظ کا مناسب الفاظ میں ترجمہ کیا ہے(۳۹)۔

اسلوب بدیع:

علماء معانی نے لکھا ہے اگرچہ فعل کی اصل یہ ہے کہ وہ معروف ہو لیکن کلام عرب میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فاعل کو حذف کر کے فعل مجہول استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے مختلف وجوہ واسباب ہوتے ہیں۔مثلاً............ فاعل اتنا مشہور ہوتا ہے کہ اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے ﴿ خُلِقَ الإِنسَانُ ضَعِيفاً ﴾ (۴۰) (انسان کی خلقت (عموماً) ضعیف ہے)(۴۱)

خداوند عالم کی ہستی بحیثیت خالق کے اتنی مشہور ہے کہ اسے ذکر میں نہیں لایا گیا اور مفعول (مخلوق) انسان کو نمایاں کرنے کے لیے صیغہ مجہول سے اکثر کا اعلان کر دیا گیا کہ انسان فطری طور پر کمزور ہے۔

یہاں مولانا امرتسریؒ نے قرآن کے مقصد کو اور زیادہ اُبھارنے کے لیے خلق جو متقدی ہے، اس کا ترجمہ فعل لازم کر دیا۔فعل لازم معروف ہوتا ہے، مجہول نہیں ہوتا، اس لیے مجہول کی بجائے معروف کا ترجمہ کرنا ضروری ہوگا۔

مولانا امرتسریؒ کا ترجمہ یہ ہے''کیونکہ انسان کی خلقت (عموماً) ضعیف ہے۔'' جو بات مقصد کے طور پر کہنا چاہتے ہیں وہ پوری طرح واضح ہوگئی اور ایک نظر میں یہ بات ذہن میں بیٹھ گئی کہ انسان ضعیف اور کمزور ہے۔

فعل مجہول لانے کی غرض کبھی یہ ہوتی ہے کہ فاعل کو برا سمجھے اور اسے حقیر قرار دینے کے لیے اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا جیسے ﴿ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الأُمُورُ ﴾ (۴۲) (اگر تیری تکذیب کرتے ہیں تو (کوئی بات نہیں) تجھ سے پہلے کئی

رسولوں کی تکذیب ہوئی اور سب کام خدا ہی کی طرف پھرتے ہیں)(۴۳)

یہاں "ترجع الامور" کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے"اور طرف اللہ کے پھیرے جاتے ہیں سب کام۔" قرآن کریم میں پھیرنے والے اور لوٹانے والے خدا کو مشہور ہونے کی وجہ سے ذکر میں نہیں لایا گیا تاکہ پڑھنے والے کا ذہن فوری طور پر مفعول (امور) کی طرف پہنچ جائے۔

مولانا امرتسریؒ نے اس مقصد کو اور زیادہ اُبھارنے کی خاطر فعل متعدی کو بمعنی لازم لیا اور مجہول کو معروف قرار دے کر ترجمہ کردیا"اور سب کام خدا ہی کی طرف پھرتے ہیں۔" اب قاری کے ذہن میں بطور مقصد بغیر کسی تاخیر کے اور بغیر کسی رکاوٹ کے یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ تمام معاملات تمام اعمال برے اور بھلے سب اللہ ہی کے حضور پھرتے ہیں۔ ﴿ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ ﴾ (۴۴)(اور ہر نفس کو اپنے فائدے کا لالچ ہے)(۴۵)

قرآن حکیم کو اس فقرہ میں اصل بات یہ بتانی ہے کہ انسان کو حرص وہوس چمٹی رہتی ہے کیونکہ یہ اس کی فطرت اور جبلت میں ڈالی گئی ہے، کی ضرورت ہیں۔

مولانا امرتسریؒ نے اپنے عام اسلوب کے مطابق "احضرت" فعل متعدی کو فعل لازم کے معنی میں لیا اور پھر فعل معروف کا ترجمہ کیا۔ مولانا امرتسریؒ کے ترجمہ کا مطلب یہ بنتا ہے کہ انسانی نفوس کے سامنے حرص حاضر رہتی ہے، کسی وقت غائب نہیں ہوتی۔

اس بلیغ قرآنی فقرہ کا اس سے بلیغ ترجمہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

مجازی معنی کی رعایت:

الف۔ کنایہ:

﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ﴾(۴۶)

(اور (یہاں یہ بھی خیال رہے کہ) نہ (تو بالکل) اپنے ہاتھوں کو گردن سے باندھ رکھا کرو(کہ کسی کو پھوٹی کوڑی نہ دو) نہ بالکل کھلا چھوڑ دیا کرو)(۴۷)۔

یہاں ہاتھ گردن سے باندھنا اور کھولنا کنایہ ہے۔ کنایہ قرآن مجید میں کثرت سے استعمال کیا گیا

ہے اور ترجمہ میں بھی اس بات کا خیال کرنا کلام الٰہی کے معجزانہ شان میں بلندی ہوتی ہے۔ کنایہ میں لفظ کے لازم معنی مراد ہوتے ہیں، اس کی مثال ﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً ﴾ (۴۸) (اور زمین پر اِتراتا ہوا نہ چلا کر) (۴۹)

یہاں اِتراتے ہوئے چلنے کا اشارہ تکبر کی طرف ہے، یعنی اِترانے کا کنایہ تکبر کے لیے استعمال کیا۔

ب۔ استعارہ:

استعارہ مختصر تشبیہ کا نام ہے۔ بعض دفعہ کمال مشابہت کی وجہ سے مشبہ کو عین مشبہ بہ قرار دیا جاتا ہے، یہی استعارہ ہے۔ جیسا کہ ﴿ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ ﴾(۵۰) (ہم نے چراغوں (یعنی ستاروں) کے ساتھ ورلے آسمان (آسمان دنیا) کو مزین کیا ہے) (۵۱)

یہاں ستاروں کو بطور استعارہ چراغوں سے تشبیہ دی ہے۔

ج۔ تشبیہ کا استعمال:

﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴾(۵۲)

(پھر وہ اپنی گھاٹی سے نہیں گزرا (یعنی فرائض ادا نہیں کیے)) (۵۳)

وہ گھاٹی "فك رقبة" غلاموں کی گردن آزاد کرانا ﴿ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴾ اور تکلیف کے زمانے میں قرابت دار یتیموں کو ﴿ يَتِيماً ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِيناً ذَا مَتْرَبَةٍ ﴾ (۵۴) (اور خاک نشین مسکینوں کو کھانا کھلانا) (۵۵)

یہاں چھڑانا گردن کا یا کھلانا بھوک کے دن میں۔ غلاموں کا آزاد کرنا، یہ سب کام انسانی نفس پر بہت شاق گزرتے ہیں۔ ان کاموں کو قرآن گھاٹی سے گزرنا قرار دے رہا ہے۔ گھاٹی لفظ یہاں پر مشکل کاموں کے لیے تشبیہہ ہے۔

تفسیری لطائف ومحاسن:

حروف تاکید، حرف قصر۔

مولانا امرتسریؒ حروف تاکید اور قصر کے ترجمے میں بڑا مؤثر اسلوب اختیار فرماتے ہیں۔

﴿ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾(۵۶)

(اور کافروں کا بول پست کردیا(وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے مقابلے میں بالکل ناکام رہے)اوراللہ کا بول ہمیشہ بالا ہے)(۵۷)

''وہی بلند ہے'' میں ہمیشگی کے معنی نہیں ہیں مگر مولانا کے ہاں ہمیشگی کا مفہوم ہے۔ان کا ترجمہ ہے، ''اللہ کا بول ہمیشہ بالا ہے'' یہ حصر کی مثال ہے۔

حرف تاکید کی مثال:

﴿ نَبِّءْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ (۵۸)((پس اے نبی!)تو میرے بندوں کو اطلاع دے میں بڑا ہی بخشنے والا،مہربان ہوں)(۵۹)

حرف تاکید ''انـــــیّ'' کا ترجمہ ''بڑا ہی'' کرکے آیت کے ترجمہ کو کتنا بلند اور فصیح کیا اور تاکیدی معنوں کو بھی برقرار رکھا۔﴿ وَ أَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيْمُ ﴾ (۶۰)(اور(یہ بھی بتلادے کہ)میرا عذاب بھی بڑا ہی دردناک ہے)(۶۱)

یہاں پر تاکیدی معنی ''أنّ'' کے بڑا ہی کر کے ترجمہ میں ایجاز بھی پیدا کیا اور ترجمہ میں برجستگی ہے۔

ضمیروں کا استعمال:

ضمیروں کے معاملے میں مولانا امرتسریؒ کا اسلوب خاص یہ ہے کہ ایجاز و اختصار کے پیش نظر ضرورت ضمائر کی تکرار ایک ہی آیت میں ترجمہ کو لطافت سے خالی کردیتی ہے۔

﴿ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُوْنَ ﴾(۶۲)

(اور جب تمھارے لیے ہم نے دریا کو پھاڑا پس تم کو(ڈوبنے سے)بچایا اور(تمھارے دشمن)فرعونیوں کو تمھارے دیکھتے ہی دیکھتے(اسی میں)غرق کردیا)(۶۳)

یہاں پر مولانا ثناء اللہ نے فــرقـنـا میں ضمیر کو ترجمہ میں ظاہر کیا پھر انـجیـنـا اور اغـرقـنـا میں ضمیر کو ظاہر نہیں کیا اگر وہ بار بار ''ہم'' کا ترجمہ کرتے تو ضمائر کی تکرار ترجمہ کی لطافت کو ختم کردیتی۔

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّور ﴾ (٦٤) (اور (سنو) جب ہم نے تم پر پہاڑ (کو) اونچا کھڑا کر کے تم سے وعدہ لیا (کہ تورات پر عمل کرنا)) (٦٥)

یہاں پر بھی اخذنا کی ضمیر کو ایک دفعہ "ھم" لفظ سے ظاہر کیا پھر رفعنا میں ضمیر کو ظاہر نہیں کیا جو اسلوب کے حسن کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔

حروف تمنی وترجی:

﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (٦٦) (تا کہ تم بچ جاؤ (گھبراؤ نہیں)) (٦٧)

البقرہ میں یہ آیت قرآن میں چھ جگہ آئی ہے۔

﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ (٦٨) (تا کہ تمھارا بھلا ہو) (٦٩)

تمام قرآن میں یہ فقرہ گیارہ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ (٧٠)

(تا کہ تم غور وفکر کرو (اور مضر سے بچ کر مفید کی طرف آؤ)) (٧١)۔

یہ فقرہ صرف دو جگہ آیا ہے۔

﴿ لَعَلَّهُم يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ (٧٢) (تا کہ وہ نصیحت پائیں) (٧٣)۔

تین جگہ آیا ہے۔

لعلّ کا ترجمہ تمام حضرات نے شاید کے معنی میں کیا ہے۔ شاید میں شک واحتمال کا مفہوم ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنا شک کے معنی پیدا کرتا ہے۔

اُمید اور آرزو وہ کرتا ہے جو مستقبل کی طرف سے بے خبر ہوتا ہے اور جس کو کسی چیز پر قدرت حاصل نہیں ہوتی جبکہ اللہ ہر شے پر قدرت کاملہ رکھتا ہے پھر اس کی طرف اظہار تمنا کے کیا معنی۔ (٧٤)

اللہ تعالیٰ کے کلام میں توقع اور امید کے الفاظ کیوں ہیں؟ وہ تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اوّل بات یہ کہ کلام الٰہی میں وہی محاورے اور بول چال کا وہی طریقہ استعمال کیا جو عام طور پر انسان سمجھتے اور بولتے ہیں۔ چونکہ شاید "لعل" کا ترجمہ کریں تو اس سے شک کا احتمال پیدا ہوتا ہے اس لیے

مولانا امرتسریؒ لعل کا ترجمہ تا کہ تحقیق کے معنی میں دیے ہیں جو ذہنوں کے ہر شک کو ختم کرتا ہے۔

صنعت مشاکلت:

حرف مکر کا استعمال:

﴿ وَمَكَرُواْ وَمَكَرَ اللّهُ وَاللّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْن ﴾ (۷۵) اور یہودیوں نے (مسیح کی ایذا کے لیے طرح طرح کے) مخفی داؤ کیے، خدا نے ان سے داؤ کیا، خدا سب داؤ کرنے والوں سے اچھا ہے۔(۷۶)

مولانا امرتسریؒ نے اس ترجمہ سے صنعت مشاکلت کی بڑی اچھی وضاحت پیش کی ہے۔انہوں نے مخفی داؤ کیے، خدا نے ان سے داؤ کیا۔اس کا مطلب طاقت کا اظہار ہے۔دشمنوں کو یہ بتانا ہے کہ وہ خدا کو عاجز اور مغلوب نہ سمجھیں، اس کے پاس جبر وقہر کی طاقت بھی بھر پور ہے۔ظاہر ہے کہ ایک چالاک دشمن کو اس کی چالاکیوں سے آگاہ کرنے اور اسے باز رکھنے کے لیے یہی انداز بیان مؤثر ہوسکتا ہے۔ ہر زبان میں اس طرح کا اسلوب مستعمل ہوتا ہے۔ یہاں پر مولانا نے مکر کا ترجمہ داؤ کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ نے اپنے اور اپنے دشمن کے لیے ایک ہی لفظ کا استعمال کیا تا کہ جیسا فعلاً انتقام لینا ہو ساتھ ہی قولاً (زبان سے) بھی انتقام لینا ظاہر ہو۔ ہمارے ہاں اردو میں ایسے ہی موقعوں پر ایسا انداز اختیار کیا جاتا ہے ''وہ بڑا چالاک بنتا ہے تو ہم بھی اس کم نہیں ہیں۔'' ''اس نے ہمیں دھوکہ دیا، ہم اسے سمجھیں گے۔''

کید کا استعمال:

﴿ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِيْنٌ ﴾ (۷۷) (ہم انہیں تھوڑی سی مہلت دے رہے ہیں ہمارا داؤ مضبوط ہے)(۷۸)

﴿ وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُم بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِيْنَ ﴾ (۷۹)(واللہ! میں تمھارے ان بتوں سے تمھارے جانے کے بعد ایک داؤ کروں گا)(۸۰)

﴿ وَأَنَّ اللّهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِيْنَ ﴾ (۸۱)

(اللہ کافروں کی تدبیریں چلنے نہ دے گا)(۸۲)

یہاں مولانا امرتسریؒ ان تمام آیات میں بلاتکلف کید کا ترجمہ داؤ کیا تاکہ اصل کلام میں صنعت مشاکلت کا جو زور بیان موجود ہے، وہی ترجمہ کے اندر بھی برقرار ہے۔

استہزا کا استعمال:

﴿ اللّٰهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ ﴾ (۸۳) (اللہ ان سے مسخری کرے گا)(۸۴)۔

منافقین کہتے ہیں۔

﴿ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُ وْنَ ﴾ (۸۵)

(مسلمانوں سے) تو ہم صرف مسخری کرتے رہتے ہیں)(۸۶)

اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا ''اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے'' اس جواب کا مطلب وہ ہے، جو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔

﴿ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ. الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهاً آخَرْ ﴾(۸۷)

(ٹھٹھے بازوں کو جو (محض حماقت سے) اللہ کے ساتھ اور معبود بناتے ہیں، ہم تیری طرف سے کافی ہیں)(۸۸)۔

ہنسی مذاق سے خدا تعالیٰ پاک ہے جس طرح مکر وفریب کے عمل سے پاک ہے لیکن وہ دشمنوں کے لفظوں میں ہی ان کا جواب دے رہا ہے کیونکہ اصل کلام میں صنعت مشاکلت ہے۔ مولانا ثناء اللہؒ نے اسی زور بیان کو برقرار رکھا۔

اصول محاورہ کی پابندی:

مولانا امرتسریؒ کہیں قرآن کے لفظی معنی کا خیال کرتے ہیں لیکن کبھی اس جگہ محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ مولانا امرتسریؒ نے مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ نہایت سادہ انداز میں بیان کرتے ہوئے اُردو کے محاورہ کی چاشنی کے ساتھ ادا کیا۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ ﴾(۸۹)

(اے مسلمانو! خدالگتی منصفانہ گواہی دیا کرو)(۹۰)

یہاں اردو محاورہ خدالگتی منصفانہ گواہی، سچی بات اور انصاف کی بات کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے انہوں نے اس محاورہ کو یہاں پر استعمال کیا ہے۔ ﴿ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ﴾ (۹۱) (ہماری نوشت سے کوئی باہر نہیں)(۹۲)

یہاں انہوں نے اردو محاورہ ''نوشت سے باہر ہونا'' کا استعمال کیا جو کہ تمام کچھ لکھے جانے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ انہوں نے نوشت سے باہر ہونے کے محاورہ کو بہت خوبصورت انداز میں اپنے ترجمہ میں بیان کیا ہے۔

﴿ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾(۹۳)

(اورتم اس کی آیات کی شیخیاں بگھارتے ہو)(۹۴)

شیخیاں بگھارنا کا محاورہ قرآن کریم کے تَسْتَكْبِرُون کے لغوی معنی کے قریب ہے جو کہ ترجمہ کے اجمال میں اضافہ کا باعث بنا ہے۔

﴿ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ﴾(۹۵) (اورآپس میں (بے جا) تنازع نہ کیا کرو، ورنہ تم پھسل جاؤ گے اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی)(۹۶)

یہاں پر مولانا امرتسریؒ نے قرآن مجید کی آیت تذهب ريحكم جو کہ عرب میں محاورہ کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، انہوں نے محاورہ کی ترکیب کو اردو محاورہ کی ترکیب میں بھی استعمال کیا ہے۔ عرب میں یہ تذهب ريح اس وقت بولا جاتا تھا جب معاملہ انسان کے ہاتھ میں نہ رہتا اور وہ بدحواس پھرتا اور کچھ نہ کر پاتا۔ اسی طرح اردو میں ہوا اُکھڑ جانے کا مطلب ہے۔

محکم اور متشابہ آیات کا مطلب:

﴿ الر آه كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ﴾(۹۷)

((سچ سمجھو کہ) اس کتاب کے احکام (مضبوط اور) محکم ہیں)(۹۸)

﴿ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ ﴾(۹۹)

(پھر جب صاف (اور بے لاگ) سورت نازل ہوتی ہے)(۱۰۰)

﴿ هُوَ الَّذِیْ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ﴾ (۱۰۱)

(اسی نے تیری طرف کتاب اُتاری ہے جس میں سے بعض احکام واضح ہیں، یہی ہیں اصل کتاب اور دوسرے کچھ ملے جلے ہیں (متشابہات))(۱۰۲)

مولانا امرتسریؒ کے پاس اُحْكِمَتْ اور مَحْكَمَات کا ترجمہ بالکل اچھوتا اور نرالا ہے یعنی مضبوط، صاف بے لاگ اور واضح کے ہیں اور متشابہات کے معنی متشابہ کے بجائے ملے جلے کے کیے ہیں۔ جو یہ مطلب دیتے ہیں قرآن مجید واضح آیات اور دوسری آیات کے ساتھ ملا جلا ہے جو مل کر ایک واضح اور پختہ مطلب دیتا ہے۔ معانی کے لحاظ سے اکثر آیات ملے جلے اور مطالب رکھتی ہیں۔ ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے یہی مراد مولانا امرتسری کے ترجمہ کی ہے۔

عصی اور نسی کا ظاہر تضاد برقرار رکھا:

﴿ وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى ﴾ (۱۰۳)

(اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی پس وہ بھٹک گیا)(۱۰۴)

﴿ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴾ (۱۰۵)

(پھر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کو مضبوط نہ پایا)(۱۰۶)

مولانا امرتسریؒ کے ترجمے میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ مختلف آیات کے درمیان سطحی نظر میں جو تضاد اور اختلاف ہوتا ہے وہ ترجمہ سے دور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ طٰہٰ میں حضرت آدم علیہ السلام کے ''درخت کھانے'' کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ''فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا'' (پھر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کو مضبوط نہ پایا) پھر اُس کے چند آیات بعد آیت نمبر ۱۲۱ میں کہا ''وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى (اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی پس وہ بھٹک گیا)۔ پہلی آیت میں قرآن نے حضرت آدم علیہ السلام کے اس فعل کو نسیان و بھول اور کمزوری قرار دیا ہے۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی صفائی ہے

اور فطری کمزوری کا اظہار ہے۔

دوسری آیت میں اس فعل کو عصیان اور غوایت کے سخت ترین الفاظ استعمال کیے۔ خدا تعالیٰ کے ہاں نسیان کے بعد آدم علیہ السلام کا فعل بھول بھی گویا عصیاں کے برابر تھی۔

حسنات الابرار سیئات المقربین کے مصداق عام لوگوں کی بھول بھی عام ہی ہوتی ہے، اس کے نتائج زیادہ خطرناک نہیں ہوتے۔ البتہ ذمہ دار لوگوں کی ذرا سی بھول اور معمولی لغزش بھی اثرات کے اعتبار سے بڑی بھاری ہے، یہ مقصد مولانا امرتسریؒ نے برقرار رکھا۔

حکمت کے معنی:

مولانا لغوی معنی کا بہت خیال کرتے ہیں۔

﴿ وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾(۱۰۷)

(تم کو پاک کرتا ہے اور تم کو کتاب (آسمانی) اور تہذیب (روحانی) سکھاتا ہے)۔(۱۰۸)

﴿ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَة ﴾(۱۰۹)

(جو تمھاری طرف کتاب اور تہذیب الحکمت اُتاری ہے)(۱۱۰)

﴿ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (۱۱۱)

(اور اللہ نے داؤد کو ملک دیا اور تہذیب سکھائی)(۱۱۲)

﴿ يُؤتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً ﴾ (۱۱۳)

(جس کو چاہے سمجھ دیتا ہے اور جسے سمجھ ملے (کہ میں خدا کا کہاں تک محتاج ہوں) تو اسے بہت سی بھلائی مل گئی)(۱۱۴)۔

قرآن میں کتاب کے ساتھ حکمت کا لفظ بولا گیا ہے اور متعدد موقعوں پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

لغت میں حکمت کے معنی مندرجہ ذیل ہیں۔

اس کا مادہ حکم ہے جس کے معنی متعدد ہیں حکم باب نصر سے فیصلہ دینا۔ واپس آنا، منع کرنا، باب کرم سے مصدر حکمۃً دانشمند ہونا۔ اسی سے حکم جمع احکام فیصلہ۔ دانائی قانون کے معنی میں آتا ہے حکمۃ

جمع حکم بمعنی انصاف، دانائی، کام کی درستگی اور تہذیب کے لیے آتا ہے۔(۱۱۵)۔

مولانا امرتسریؒ نے شروع سے آخر تک اس کا لحاظ رکھا ہے کہ لفظ حکمت کے ترجمہ میں اس کے لغوی معنی کی جھلک موجود رہے، بامحاورہ بھی رہے اور ساتھ یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ اللہ کے رسول کتاب الٰہی کے ساتھ جو باتیں بتاتے ہیں وہ تہذیب کے لحاظ سے نہایت ہی پختہ باتیں ہیں۔

﴿ یٰسٓ .وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ﴾ (۱۱۶)

(قسم ہے (اس الہامی کتاب) باحکمت قرآن کی)(۱۱۷)

﴿ الٓرٰ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ﴾ (۱۱۸)

(یہ سورت باحکمت کتاب کے حکم ہیں)(۱۱۹)

﴿ ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴾(۱۲۰)

(اے (محمد رسول اللہ ﷺ) یہ قصہ جو ہم تجھ کو سناتے ہیں (خدا کی) نشانیاں (ہیں) اور حکیمانہ نصیحت ہے)(۱۲۱)۔

حکیم کا لفظ جب کتاب کی صفت واقع ہوتا ہے تو اس موقع پر مولانا امرتسریؒ نے اس کا ترجمہ باحکمت اور حکیمانہ نصیحت کا کیا ہے۔

مفعول مطلق:

مفعول مطلق تاکید فعل کے لیے آتا ہے جس کی وجہ سے معنی میں ایک بہت خوبصورت تنوع پیدا ہوتا ہے جب کہ مولانا امرتسریؒ کے ترجمہ میں مفعول مطلق کا ترجمہ تاکیدی معنوں میں نہیں ہے اگر شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ میں دیکھا جائے تو وہ مفعول مطلق کا ترجمہ اتنے خوبصورت انداز میں کرتے ہیں جو معنی میں بہت خوبصورت تنوع پیدا کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

﴿ فَالزَّاجِرَاتِ زَجْراً ﴾(۱۲۲) (قسم ہے سخت زجر کرنے والوں کی)(۱۲۳)۔

شاہ عبدالقادر محدث کا ترجمہ: (قسم ہے ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر)(۱۲۴)۔

﴿ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ ﴾(۱۲۵) (ہاں! ان میں سے کوئی کسی بات کو اُچک لے)(۱۲۶)۔

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ: (مگر جو اُچک لایا جھپ سے)(۱۲۷)۔

﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴾ (۱۲۸)

(کیا تو دیکھتا نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر مسلط کر رکھا ہے وہ ان کو (برائیوں پر) اُکساتے ہیں)(۱۲۹)۔

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ: (تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیطان منکروں پر؟ اُچھالتے ہیں ان کو اُبھار کر)(۱۳۰)۔

﴿ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّاباً ﴾(۱۳۱) (اور کھلی تکذیب کرتے ہیں)(۱۳۲)۔

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ: (اور جھٹلائیں ہماری آیتیں مکر کر)(۱۳۳)

ہم اُردو کے چند مقبول تراجم میں سے چند آیات کے تراجم پیش کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان کے مترجمین نے مفہوم کو اصل روح کے ساتھ کس حد تک اپنے ترجمے میں منتقل کیا ہے۔آغاز ﴿ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ (۱۳۴) کے تراجم کے تقابل سے کرتے ہیں:

۱۔ مولانا مودودیؒ اس کا ترجمہ فرماتے ہیں: ''اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔''(۱۳۵)

۲۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ترجمہ فرمایا: ''اللہ کے نام سے جو الرحمٰن اور الرحیم ہے۔''(۱۳۶)

۳۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے یوں ترجمہ فرمایا: ''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے''(۱۳۷)

ان تراجم پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے تسمیہ میں سے صرف بسم اللہ کا ترجمہ فرمایا ہے جبکہ الرحمٰن اور الرحیم کے کلمات بلا ترجمہ ہیں،اس سے قاری اللہ تعالیٰ کے ان اسماء حسنیٰ میں موجود معنی کی گہرائی اور لطافت تک نہیں پہنچ پاتا۔

مزید ملاحظہ فرمایئے:

﴿ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ...الخ ﴾ (۱۳۸)

۱۔ مولانا مودودیؒ نے اس آیت مبارکہ کا بامحاورہ ترجمہ یہ کیا ہے:

''یہ تمھارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ لو ہم اسی قبلے کی طرف تمھیں پھیرے دیتے ہیں، جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام کی طرف رُخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو اسی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرو'' (۱۳۹)

۲۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے یہ ترجمہ کیا ہے:

''(اے پیغمبر) ہم دیکھ رہے ہیں کہ (حکم الٰہی کے شوق و طلب میں) تمھارا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اُٹھ اُٹھ جاتا ہے، تو یقین کرو، ہم عنقریب تمھارا رُخ ایک ایسے ہی قبلہ کی طرف پھرا دینے والے ہیں جس سے تم خوشنود ہو جاؤ گے۔ (اور اب کہ اس معاملہ کے ظہور کا وقت آ گیا ہے) تو چاہیے کہ تم اپنا رُخ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو، اور جہاں کہیں بھی تم اور تمھارے ساتھی ہوں، ضروری ہے کہ (نماز میں) رُخ اسی طرف کو پھر جایا کرے'' (۱۴۰)

۳۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے یہ ترجمہ کیا ہے:

''تیرے منہ کا آسمان کی طرف پھرنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ پس تجھ کو ہم اسی کعبہ کی طرف پھیریں گے جسے تو پسند کرتا ہے۔ پس اپنا منہ عزت والی مسجد کی طرف پھیرا کر اور جہاں کہیں تم ہو اپنا رُخ اسی کی طرف کیا کرو'' (۱۴۱)

اس آیت میں موجود ''**فلنولینّك**'' کا فعل مضارع مؤکد بلام تاکید و نون ثقیلہ ہے۔ اس سے مضارع کے معنی میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے اور وہ زمانہ مستقبل کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے۔ اس امر کی رعایت ہمیں مولانا مودودیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ان تراجم میں نظر آتی۔ مولانا مودودیؒ نے اس کا ترجمہ زمانۂ حال میں کیا ہے جبکہ مولانا آزادؒ نے اس فعل مضارع مؤکد کا ترجمہ اسم فاعل کے طور پر کیا ہے۔ مولانا امرتسریؒ نے عربی زبان و قواعد کے التزام کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔

سورۃ النساء کی آیت ۱۷ اور اس کے تراجم ملاحظہ فرمائیے:

﴿ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُوْلٰئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْماً حَكِيْماً ﴾(۱۴۲)

۱۔ مولانا مودودیؒ اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں:

''ہاں! یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لیے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے''(۱۴۳)

۲۔ مولانا آزادؒ نے ''ترجمان القرآن'' میں اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:

''البتہ یاد رہے کہ اللہ کے حضور توبہ کی قبولیت انہی لوگوں کے لیے ہے جو برائی کی کوئی بات نادانی و بے خبری میں کر بیٹھتے ہیں اور پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں (اور ان کا ضمیر اپنے کیے پر پشیمانی محسوس کرتا ہے) تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ اللہ بھی (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آتا ہے اور وہ یقیناً سب کچھ جاننے والا اور (اپنے احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے''(۱۴۴)

۳۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی ''تفسیر ثنائی'' میں یہ ترجمہ درج ہے:

''صرف انہی لوگوں کی توبہ خدا کے ہاں مقبول ہے جو غلطی سے بُرے کام کرتے ہیں اور پھر جلدی توبہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو خدا معاف کر دیتا ہے اور خدا کو سب کچھ معلوم ہے اور وہ بڑی حکمت والا ہے''(۱۴۵)

مولانا نے اس آیت کا ترجمہ بامحاورہ اور باقی تراجم سے زیادہ سلاست والا کیا ہے۔

ثنائی ترجمہ پر علماء کا تبصرہ:

حافظ محمد یوسف صلاح الدین فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے نصف صدی سے زیادہ تحریر و تقریر سے اسلام کی جو

بیش بہا خدمت انجام دی ہے وہ زمانہ کی پیشانی پر ہمیشہ نقش وثبت رہے گی۔مولانا امرتسریؒ کی دینی خدمات اور اسلامی کارناموں نے امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ کی یاد تازہ کردی،مولانا کی تصنیفات وتالیفات آج بھی مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ اور چراغ منزل ہیں۔مولانا امرتسریؒ نے قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر لکھ کر تمام انسانوں پر احسان عظیم فرمایا۔''(۱۴۶)

مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ فرماتے ہیں:

''ہمیں امید ہے کہ یہ ترجمہ وحواشی مسلمانوں کی کتاب وسنت کی روشنی میں پوری طرح رہنمائی کریں گے اور مسلمان اس نعمت عظمیٰ کو سر آنکھوں پر رکھیں گے۔''(۱۴۷)

مولانا ظفر عالم آپ کے علمی خزانے کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''ثنائی ترجمہ والا قرآن اور اس کی تفسیر ایک علمی خزانہ ہے خود پڑھیئے اور دوسروں کو بھی اس کی رغبت دلایئے۔''(۱۴۸)

مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی کا آپ کے ترجمے کے بارے میں تجزیہ کچھ اس طرح سے ہے:

''ترجمہ اصل قرآن نہیں ہے۔مولانا ثناء اللہؒ کا ترجمہ بھی آخر ترجمہ ہی ہے قرآن کا متن تو نہیں ہے لیکن بعض امور میں وہ عام ترجموں سے بہت ممتاز اور قابل تعریف ہے۔مثلاً اس کی زبان بہت سادہ اور عام فہم ہے۔''(۱۴۹)

عبدالآخر خان نے فرمایا:

''مولانا امرتسریؒ مرحوم نے اپنے اس ترجمہ وتفسیر میں قرآن پاک کے وہ معانی ومطالب بیان کیے ہیں جو عین حقیقت اور ادیان باطلہ کے لیے ایٹم بم کا کام دیتے ہیں۔''(۱۵۰)

مولانا عبداللطیف میمن نے ثنائی ترجمہ پر ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا:

''قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا عوام وخواص سب کے لیے واقعی ایک تحفۂ بے بہا ہے ترجمہ وتفسیر کی سلاست نہایت دل آویز،حواشی پُر از معلومات مع حوالہ جات ہیں۔''(۱۵۱)

عبدالجلیل رحمانی فرماتے ہیں:

''مولانا امرتسریؒ کا ترجمہ سارے تراجم میں وہی نمایاں خصوصیت رکھتا ہے جو خصوصیت واامتیاز خود مصنف کو اپنے ہم عصر اکابر فضلاء میں حاصل رہا۔''(۱۵۲)

آج قرآن مجید کے ترجموں کی کمی نہیں ہے لیکن کتاب الٰہی کا وہ صحیح مفہوم جس کو صاحب ... کی تصدیق اور سلف صالحین کی تائید بھی حاصل ہو جو زبان وبیان کے لحاظ سے بھی شگفتہ اور سلیس ہو، ان تمام باتوں کی مراعات کے ساتھ اگر کوئی ترجمہ اور حاشیہ قابل اعتماد ہوسکتا ہے تو وہ یہی مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کا ترجمہ اور حاشیہ ہے۔

❁❁❁❁

حواشی وحوالہ جات

۱۔ عبدالمجید سوہدروی، سیرۃ ثنائی (مکتبہ قدوسیہ، لاہور ۱۹۸۹ء، اشاعت اول) ص ۶۹۔
۲۔ فضل الرحمٰن بن میاں محمد، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (دارالدعوۃ السلفیۃ، لاہور، ۱۹۹۴ء طبع خامس) ص ۲۸۔
۳۔ ایضاً، ص ۳۰
۴۔ سیرۃ ثنائی، ص ۸۶-۸۷۔
۵۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، نور توحید، ص ۳۹۔ ۶۔ سیرۃ ثنائی، ص ۸۸-۸۹۔
۷۔ ایضاً، ص ۹۳۔
۸۔ ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، نقوشِ ابوالوفا (ادارہ ترجمان السنہ، لاہور، ۱۹۶۹ء) ۱/۲۳۔
۹۔ سیرۃ ثنائی، ص ۴۴۔
۱۰۔ فضل الرحمٰن، مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص ۴۵-۵۱۔
۱۱۔ ایضاً، ص ۵۶۔
۱۲۔ قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں (سمینار مقالات) خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ص ۳۰۱۔
۱۳۔ ایضاً، ص ۳۰۳۔
۱۴۔ ایضاً، ص ۳۱۱۔
۱۵۔ سیرۃ ثنائی، ص ۲۴۷۔
۱۶۔ ایضاً، ۲۵۱۔
۱۷۔ نقوشِ ابوالوفا، ص ۱۷۔
۱۸۔ ایضاً، ص ۲۸۔
۱۹۔ مجلّہ معارف، مئی ۱۹۴۸ء، جلد ۶۱، شمارہ نمبر ۵۔
۲۰۔ سیرۃ ثنائی، ص ۲۷۹-۲۸۵۔
۲۱۔ مجلّہ فکر ونظر، برصغیر میں مطالعہ قرآن نمبر (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، جنوری ۱۹۹۹ء تا جون ۱۹۹۹ء) ص ۳۱۲۔
۲۲۔ ڈاکٹر احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم (مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء) ص ۲۲۷۔
۲۳۔ فضل الرحمٰن بن میاں محمد، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص ۱۳۸۔

۲۴۔ مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ، تفسیر ثنائی (ادارہ ترجمان السنہ، لاہور ۱۹۷۱ء، طبع دوم) ۲۴/۱۔

۲۵۔ الاحزاب: ۴۵۔

۲۶۔ احمد رضا بریلوی، کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن (ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور) ص ۵۰۹۔

۲۷۔ الشمس: ۵-۷۔

۲۸۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا (ادارہ اشاعتِ دین، دہلی ۱۳۸۵ھ، طبع ششم) ص ۷۱۲۔

۲۹۔ قریش: ۱-۲۔

۳۰۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ۷۱۸۔

۳۱۔ محمد شکیل عزح، قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ (دارالتذکیر، لاہور) ص ۲۴۵۔

۳۲۔ اللھب: ۱۔

۳۳۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۷۲۰۔

۳۴۔ المطففین: ۲۷-۲۸۔

۳۵۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۷۰۵۔

۳۶۔ قرآن مجید کے آٹھ منتخب اُردو تراجم کا تقابلی مطالعہ، ص ۱۵۸۔

۳۷۔ انشقاق: ۱۶۔

۳۸۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۷۰۶۔

۳۹۔ قرآن مجید کے آٹھ مختلف اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ، ص ۱۶۲۔

۴۰۔ النساء: ۲۸

۴۱۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۹۹۔

۴۲۔ الفاطر: ۴۔

۴۳۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۵۲۱۔

۴۴۔ النساء: ۱۲۸۔

۴۵۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۱۱۷۔

۴۶۔ بنی اسرائیل: ۲۹۔

۴۷۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۳۴۱۔

۴۸۔ لقمان: ۱۸۔

۴۹۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۴۹۴۔

۵۰۔ الملک:۵۔

۵۱۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۶۷۴۔

۵۲۔ البلد:۱۱

۵۳۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۷۱۱۔

۵۴۔ البلد:۱۴-۱۵۔

۵۵۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،۷۱۱۔

۵۶۔ التوبہ:۴۰۔

۵۷۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۲۳۱۔

۵۸۔ الحجر:۴۹۔

۵۹۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،،ص۳۱۷۔

۶۰۔ الحجر:۵۰۔

۶۱۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۳۱۷۔

۶۲۔ البقرہ:۵۰۔

۶۳۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۱۰۔

۶۴۔ البقرہ:۶۳۔

۶۵۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۱۲۔

۶۶۔ البقرہ:۲۱۔

۶۷۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۵۔

۶۸۔ المائدہ:۳۵۔

۶۹۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۱۳۵۔

۷۰۔ البقرہ:۲۶۶۔

۷۱۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۶۔

۷۲۔ البقرہ:۲۲۱۔

۷۳۔قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۴۰۔

۷۴۔زمخشری ،الکشاف،۱/۱۷۸۔

۷۵۔ آل عمران:۵۴۔

۷۶۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۶۷۔

۷۷۔ القلم: ۴۵۔

۷۸۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۶۷۸۔

۷۹۔ الانبیاء: ۵۷۔

۸۰۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۳۹۱۔

۸۱۔ الانفال: ۱۸۔

۸۲۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۲۱۳۔

۸۳۔ البقرہ: ۱۵۔

۸۴۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۵۔

۸۵۔ البقرہ: ۱۴۔

۸۶۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۵۔

۸۷۔ الحجر: ۹۵-۹۶۔

۸۸۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۳۱۹۔

۸۹۔ النساء: ۱۳۵۔

۹۰۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۱۱۸۔

۹۱۔ الانعام: ۳۸۔

۹۲۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۱۵۸۔

۹۳۔ الانعام: ۹۳۔

۹۴۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۱۶۶۔

۹۵۔ الانفال: ۴۶۔

۹۶۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۲۱۹۔

۹۷۔ ہود: ۱

۹۸۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۲۶۴۔

۹۹۔ محمد: ۲۰۔

۱۰۰۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا، ص ۶۱۰۔

۱۰۱۔ آل عمران: ۷۔

۱۰۲۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا،ص۵۹۔

۱۰۳۔ طٰہٰ:۱۲۱۔

۱۰۴۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا،ص۳۸۳۔

۱۰۵۔ طٰہٰ:۱۱۵۔

۱۰۶۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا،ص۳۸۲۔

۱۰۷۔ البقرہ:۱۵۱۔

۱۰۸۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا،ص۲۷۔

۱۰۹۔ البقرہ:۲۳۱۔

۱۱۰۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا،ص۴۳۔

۱۱۱۔ البقرہ:۱۵۱۔

۱۱۲۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا،ص۴۸۔

۱۱۳۔ البقرہ:۲۶۹۔

۱۱۴۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا،ص۵۴۔

۱۱۵۔ امرتسری،احمد دین،خواجہ تسہیل برہان القرآن (دوست ایسوسی ایٹس،لاہور) ص۲۶۹۔

۱۱۶۔ یٰسین:۱۔

۱۱۷۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا،ص۵۲۷۔

۱۱۸۔ یونس:۱۔

۱۱۹۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا،ص۲۴۸۔

۱۲۰۔ آل عمران:۵۸

۱۲۱۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا،ص۶۷۔

۱۲۲۔ الصّٰفّٰت:۲۔

۱۲۳۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا،ص۵۳۵۔

۱۲۴۔ شاہ عبدالقادرؒ،القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر موضح القرآن (تاج کمپنی لمیٹڈ،کراچی)،ص۷۳۷۔

۱۲۵۔ الصّٰفّٰت:۱۰۔

۱۲۶۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا،ص۵۳۵۔

۱۲۷۔ شاہ عبدالقادرؒ،القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر موضح القرآن،ص۷۳۸۔

۱۲۸۔ مریم:۸۳۔

۱۲۹۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۳۷۳۔

۱۳۰۔ شاہ عبدالقادرؒ، القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر موضح القرآن،ص۵۱۵۔

۱۳۱۔ النبا:۲۸۔

۱۳۲۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۶۹۹۔

۱۳۳۔ شاہ عبدالقادرؒ، القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر موضح القرآن،ص۹۷۶۔

۱۳۴۔ الفاتحہ:۱۔

۱۳۵۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن (ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)۱/۴۳۔

۱۳۶۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ، تفسیر ترجمان القرآن (اسلامی اکادی، لاہور)۱/۲۲۶۔

۱۳۷۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۲۔

۱۳۸۔ البقرہ:۱۴۴۔

۱۳۹۔ تفہیم القرآن،۱/۱۲۱۔

۱۴۰۔ ترجمان القرآن،۱/۲۵۸۔

۱۴۱۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۲۶۔

۱۴۲۔ النساء:۱۷۔

۱۴۳۔ تفہیم القرآن،۱/۳۳۲۔

۱۴۴۔ ترجمان القرآن،۱/۳۶۳۔

۱۴۵۔ قرآن مجید ترجمہ ثنائی والا ،ص۹۵۔

۱۴۶۔ قرآن مجید ثنائی ترجمہ والا ،ص۲۱۔

۱۴۷۔ ایضاً۔

۱۴۸۔ ایضاً:ص۲۲۔

۱۴۹۔ ایضاً:ص۲۲-۲۳۔

۱۵۰۔ ایضاً:ص۱۸۔

۱۵۱۔ ایضاً:ص۱۷۔

۱۵۲۔ ایضاً:ص۱۵۔

حضرت تاج محمود امروٹی کے
سندھی ترجمہ قرآن کی خصوصیات

پروفیسر عبدالخالق سہریانی بلوچ ☆

حضرت ابوالحسن تاج محمود امروٹی کا مختصر تعارف:

مولانا تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ خانوادہ سادات سے تعلق رکھتے تھے، ان کا شجرۂ نسب حضرت عبدالقادر جیلانی کے چوتھے فرزند سیدنا محمد رضا سے ملتا ہے، مولانا امروٹی کے والد گرامی کا نام سید عبدالقادر عرف بھورل شاہ تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت سندھ کے ضلع خیر پور کے شہر پریالو کے نزدیک ایک چھوٹے سے گاؤں ''دیوانی'' میں ہوئی۔ ان کی تاریخ ولادت کا تعین نہیں ہو سکا، البتہ کچھ روایات کے مطابق ان کی ولادت سن ۱۸۵۷ء یا ۱۸۵۸ء میں ہوئی تھی، مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، اس کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے سندھ کے مشاہیر علماء سے کسب فیض کرتے رہے۔ مولانا امروٹیؒ اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے لیے پنجاب کے کچھ نامور علما کرام کے پاس گئے اور عالمانہ اسناد حاصل کیں۔

(۲) مولانا امروٹی کی روحانی تربیت:

درسی کتب سے فراغت کے بعد وہ اپنے والد سے سلوک کی راہ رسم حاصل کرنے لگے، مگر ان کی وفات کے بعد وہ اس دور کے قطب الاقطاب حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کرتے رہے، حافظ صاحب جنید وقت تھے، وہ ایک طرف تو راشدی قادری طریقت کے شیخ تھے تو دوسری طرف حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پوتے حضرت شاہ

☆ حیدر آباد، سندھ

اسمعیل شہیدؒ کی زیارت کر چکے تھے اور انکے مجاہدانہ کارناموں سے واقف تھے۔ انہی اثرات کے تحت حافظ صاحب نے سندھ میں سنت کے زندہ کرنے اور شرک وبدعات کی بیخ کنی کرنے کے لیے جہاد شروع کیا حافظ صاحب کی وفات ۱۳۰۸ھ میں ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا تاج محمود بھر چونڈی سے منتقل ہو کر سکھر سندھ کے چھوٹے سے گاؤں ''امروٹ'' میں مقیم ہو کر طالبان کو اپنے روحانی فیض سے سیراب کرتے رہے۔

مولانا امروٹی کے خلفاء میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا عبد العزیز صاحب تھریچانوی، حضرت مولانا میاں محمد صالح بانجی والے اور حضرت مولانا حماد اللہ ھالیجوی شریف والے نہایت مشہور بزرگ گذرے ہیں جن کا فیض سندھ اور پنجاب تک پھیلا ہوا ہے۔

(۳) مولانا امروٹی کی سیاسی خدمات:

مولانا امروٹی نے سندھ کے غیور مسلمانوں کو انگریز کے غلام وڈیروں کی غلامی سے نجات دلائی اور عوام کو انگریز حاکم کے خلاف ابھار کر میدان جہاد میں لائے۔ خلافت تحریک کی بنیاد سندھ میں رکھی اور جب لاڑکانہ سندھ میں پہلی خلافت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں شرکت کے لیے پہلی بار مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد اور ہندوستان کی تحریک آزادی کے مشاہیر رہنما سندھ میں تشریف لائے تو اس کانفرنس کا انعقاد حضرت امروٹی کی سربراہی میں ممکن ہو سکا۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی جو حضرت حافظ محمد صدیق کے دست مبارک پر مسلمان ہوئے تھے، وہ بھی حافظ صاحب کی وفات کے بعد امروٹ شریف میں مقیم ہو گئے اور اپنی دینی وسیاسی جدوجہد کا مرکز امروٹ شریف کو ہی بنا لیا۔ حضرت امروٹی نے مولانا سندھی کو افغانستان جا کر وہاں پر حکومت موقتہ (shadow:Govt) قائم کرنے کے لیے روانہ کیا اور وہاں کے مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے ابھارا۔ حتیٰ کہ سندھ سے بہت بڑی تعداد میں لوگ افغانستان ہجرت کر گئے تا کہ وہاں پر تحریک آزادی کا مرکز قائم کیا جاسکے۔ یہ تحریک، تحریک ہجرت کے نام سے مشہور ہے۔

(۴) حضرت امروٹی کے دینی و علمی کارنامے:

حضرت مولانا شاہ ابوالحسن تاج محمود امروٹی جب اپنے مرشد حضرت حافظ محمد صدیق بھر چونڈی سے فیضیاب ہو کر اپنے گاؤں امروٹ شریف پہنچے تو اس وقت سندھ میں دینی تعلیمی اداروں یعنی دینی مدارس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس صورت حال میں دینی علوم کا چراغ روشن رکھنے کے لیے امروٹ شریف میں ایک مسجد اور دینی مدرسہ کے قیام کا فیصلہ فرمایا۔ تاکہ اس علاقہ کے لوگ نیز سندھ کے دوسرے علاقوں کے لوگ اس سرچشمہ فیض سے دینی علوم حاصل کر کے سیراب ہوسکیں، اسی مدرسہ نے آگے چل کر ایک بہت بڑی دینی درسگاہ کا مقام حاصل کرلیا، حضرت نے دینی تبلیغ اور تعلیم و تدریس کے لیے بڑے بڑے علماء کا وہاں پر تقرر کیا اور تبلیغی جدوجہد کے ذریعہ انگریزی خواندہ مسلمانوں کو دین کی طرف راغب کرنے کی جدوجہد فرمائی، اس طرح سندھ کے نہ صرف علماء کرام بلکہ انگریزی خواندہ مسلمان، افسران اور وکلا تک وہاں پہنچ کر دینی علوم اور ہدایت سے فیضیاب ہوئے۔

(۵) حضرت امروٹی اور تبلیغ دین:

حضرت امروٹی کے دور میں سندھ میں ہندو نہایت مالدار اور تعلیم یافتہ طبقات سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے حضرت نے سندھ کے ہندوؤں میں تبلیغ دین کے کام کو منظم کیا، اس سلسلے میں انہوں نے قرآن مجید کا صرف سندھی ترجمہ الگ طور پر شائع کروایا تاکہ وہ غیر مسلمانوں کو آسانی کے ساتھ مطالعہ کے لیے دیا جاسکے، تحریک آزادی میں کام کرنے والے ہندو کارکن بھی اس آزادی کے مرکز، امروٹ شریف آتے رہتے تھے اور ان میں کافی تعلیم یافتہ لوگ حضرت کی تبلیغ اور اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے جن کی تعداد بعض روایات میں ۷۰۰۰ ہزار تک بتائی گئی ہے۔

حضرت امروٹی نے قرآن مجید کے سندھی ترجمہ کے اشاعت کے لیے امروٹ شریف میں محمود المطابع کے نام سے سندھی پریس بھی لگوایا۔ مسلمانوں میں قرآن مجید کا علم عام کرنے کے لیے جیسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ہندوستان میں سب سے پہلے فارسی ترجمہ کیا، اسی اصول کے تحت مولانا امروٹی نے قرآن مجید کا سندھی ترجمہ کرایا، جس کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ حضرت نے سندھی

ترجمہ قرآن کے سلسلے میں ایک بورڈ بھی قائم فرمایا تھا جس میں علماء کے ساتھ جدید تعلیم یافتہ سندھی زبان کے ماہرین کا تقرر بھی فرما دیا تھا تا کہ سندھی زبان میں قرآن مجید کا عام فہم اور بامحاورہ ترجمہ کروا کر شائع کرایا جاسکے۔ اس کام کی نگرانی حضرت امروٹی خود فرماتے رہتے تھے اور اس طرح حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اس سارے منصوبے کے انچارج بنائے گئے تھے۔ سندھ کے ایک بڑے مؤرخ اور دانشور حضرت مولانا شبلی تحریر فرماتے ہیں۔ ''حضرت امروٹی نے سب سے پہلے ایک دینی درسگاہ قائم کی، اسکی چند ایک خصوصیات یہ تھیں کہ اس درسگاہ کو دارالعلوم دیوبند کے طریقے پر جاری کیا گیا اور اسکا روحانی تعلق دیوبند سے قائم کیا گیا۔ اس لحاظ سے سندھ کا پہلی مرتبہ دیوبند سے علمی وروحانی رابطہ پیدا ہوا۔ اس درسگاہ کے نصاب میں حدیث، تفسیر اور شاہ ولی اللہ کی تصانیف کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ اس طرح سندھ کے طالب علموں کو پہلی بار علوم اسلامیہ کی اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملا۔ اس درسگاہ میں فکری جلا پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ طلبہ میں حریت وطن اور احیائے دین قیم کی روح پیدا کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔''

مولانا امروٹی نے اس انقلابی جدوجہد کو مہمیز دینے اور قرآن مجید کے ذریعہ انقلاب کا پیغام عام کرنے کی جدوجہد جاری رکھی اس سلسلہ میں قرآن مجید کی مختلف سورتوں کے سندھی تراجم اور فقط سندھی ترجمہ (عربی متن کے سوا) ۲ جلدوں میں اور پھر مکمل ترجمہ قرآن مجید ایک جلد میں شائع کرانے کا اہتمام فرمایا۔ جسے بہت بڑی عوامی مقبولیت بھی حاصل ہوئی، کیونکہ اس دور میں ایک عام فہم سندھی ترجمہ قرآن کی ضرورت بھی محسوس کی جارہی تھی اس کے ساتھ قرآن مجید کو انقلاب کا ذریعہ بنانا بھی نہایت ضروری تھا، اس موقع پر ہم حضرت امروٹی کے ترجمہ قرآن مجید کی خصوصیات کے بارے میں اہم نکات پیش خدمت کریں گے جس سے حضرت امروٹی کی خدمات قرآن مجید پر روشنی پڑے گی۔

(۶) سندھ میں قرآن مجید کے سندھی تراجم کا آغاز:

اسلام کے ابتدائی دور میں قرآن حکیم کا خطاب براہ راست ان لوگوں سے تھا، جن کی مادری زبان عربی تھی۔ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے انہیں عربی کے علاوہ کسی اور زبان کے جاننے کی ضرورت نہیں

تھی۔ وہ خوش نصیب لوگ تھے، انہیں حضور اکرم ﷺ کی صحبت اور زیارت نصیب تھی۔ کسی چیز کے سمجھنے میں انہیں جب بھی کوئی دقت محسوس ہوتی تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ﷺ سے مکمل رہبری حاصل کرتے۔

وقت کے ساتھ ساتھ اسلام پھیلتا چلا گیا اور عرب کی سرزمین سے بھی آگے نکل گیا۔ ان حالات میں عجمیوں اور غیر عرب لوگوں کے لیے یہ مشکل ہوگیا کہ وہ قرآن پاک کو اس کے صحیح معنوں اور مطالب کے ساتھ سمجھ سکیں۔ اس لیے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کی اپنی زبانوں میں قرآن پاک کے ترجمے پیش کیے جائیں۔ امام ابوحنیفہ پہلے شخص تھے، جنہوں نے قرآن پاک کے دوسری زبانوں میں ترجمے کو جائز قرار دیا۔ ان ترجموں سے عام لوگوں کو قرآن پاک کے سمجھنے میں بہت مدد ملی۔ گو یہ مسئلہ ایک عرصہ متنازعہ فیہ رہا۔ لیکن بعد میں امام ابوحنیفہ کی رائے کو مقبولیت حاصل ہوئی۔

برصغیر پاک وہند میں سندھ ہی وہ علاقہ تھا، جہاں اسلام سب سے پہلے پہنچا۔ سندھ، خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں نوجوان سپہ سالار محمد بن قاسم کے ہاتھوں پہلی ہجری صدی کے اختتام میں فتح ہوا، لیکن اسلام کا پیغام سندھ کے اندر اس سے پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔

سندھ کے ایک عظیم محدث، محقق اور فقیہ عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے اپنی مشہور تالیف ''بیاض ہاشمی'' میں علامہ جلال الدین سیوطی کے حوالے دو روایتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت میں ہے کہ:

عن محمد بن علی بن ابی طالب ان رسول اللہ ﷺ: ذکر انه وفد ان علیه وفه ان فی یوم واحد من السند و افریقیة بسمعهم وطاعتهم

محمد بن علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو وفد، ایک سندھ سے، دوسرا افریقہ سے ایک ہی دن میرے پاس پہنچے، جنہوں نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔

دوسری روایت ہے کہ:

روی ان رسول اللہ ﷺ ارسل کتابه الی اهل السند علی ید خمسة نفر

من الصحابة فلما جاؤ فی السند فی قلعة يقال لها نيرن اسلم بعض اهله۔ ثم رجع من اصحابه اثنان مع الوافد عليه من السند وبقی ثلاثة منهم فی السند واظهر اهل السند الاسلام وبينوا الاهل السند الاحكام وما توافيه وقبورهم فيه الآن موجودة

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پانچ صحابہ کرام ؓ کو اپنے خط کے ساتھ سندھ کے لوگوں کے پاس بھیجا۔ جب وہ سندھ میں قلعہ نیرون (حیدرآباد) کے پاس پہنچے تو سندھ کے کچھ لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔ کچھ عرصہ بعد دوصحابہ کرام اپنے سندھی میزبانوں کے ساتھ واپس چلے گئے، جب کہ تین صحابہ کرامؓ سندھ میں ٹھہر گئے۔ ان کی تبلیغ سے بہت سے سندھیوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ان تینوں صحابہ کرام نے سندھ میں نئے مسلمانوں کے لیے مذہبی تعلیم کو جاری رکھا اور آخر کار ان کا وصال بھی سندھ میں ہوا۔ ان کی قبریں یہاں موجود ہیں۔ مخدوم صاحب نے ان روایتوں پر محدثانہ طور پر بحث کی ہے۔ ان کی صداقت کی دوسرے تاریخی حوالوں سے بھی تائید ہوتی ہے۔

نومسلم کوسندھیوں کوصحابہ کرام ؓ نے جو تعلیم دی ہوگی، وہ قرآن پاک کی تعلیم ہوگی، اس لیے کہ اس وقت قرآن پاک کے علاوہ کوئی دوسری کتاب موجود نہیں تھی۔ حدیث اور فقہ کی کتابیں بعد میں وجود میں آئیں۔ یہاں کے لوگ عربی زبان سے واقف نہیں تھے، اس لیے سندھی مسلمانوں کو علم سکھانے کے لیے سندھی زبان استعمال کی گئی ہوگی، جو مبلغین نے سیکھ لی ہوگی۔

(۷) حضرت امروٹی کے سندھی ترجمہ قرآن کے اشاعت سے قبل سندھی زبان میں موجودہ قرآن مجید کے تراجم کا مختصر جائزہ:

قرآن مجید کا سندھی زبان میں پہلا ترجمہ:

جب تصنیف وتالیف کا دور شروع ہوا تو برصغیر میں سب سے پہلے تیسری صدی ہجری میں سندھی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ گیارہ سو سال پرانا ترجمہ ہے، جسے مہروک بن رائق راجا کی درخواست پر منصورہ کے عرب حاکم عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے ایک عراقی عالم نے کیا۔ یہ

عالم سندھ میں رہ کر سندھی زبان سیکھ چکا تھا اور شاعر بھی تھا۔

اس راجا پر سندھی ترجمے نے ایسا اثر کیا کہ سورہ یاسین کی ایک آیت "من یحی العظام وھی رمیم" کا سندھی میں ترجمہ اور تفسیر سنی تو تخت سے نیچے اتر آیا، اور خدا کے خوف سے اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ افسوس کہ سندھی زبان کا رسم الخط نہ ہونے اور زمانے کے انقلابات کے وجہ سے قرآن پاک کا یہ سندھی ترجمہ محفوظ نہ رہ سکا۔

ہمارے پاس قدیم سندھی زبان کی جو بھی کتابیں موجود ہیں وہ سب تین سو سال پرانی ہیں ان کا سلسلہ میں ابوالحسن ٹھٹوی کے سندھی رسم الخط مقرر کرنے کے بعد شروع ہوا۔ سندھی زبان کی پہلی کتاب میاں ابوالحسن کی ''مقدمہ الصلاۃ'' ہے جو قدیم سندھی نظم میں لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد ٹھٹھہ کے علماء نے دینی کتابیں لکھنی شروع کیں۔

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کا ترجمہ:

اس زمانے میں قرآن مجید کے سندھی ترجمے کی اشد ضرورت تھی، یہ سعادت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی (وفات ۱۱۷۴ھ) کو نصیب ہوئی انہوں نے قرآن پاک کا پرانی سندھی میں منظوم ترجمہ کیا۔ نماز میں کام آنے کے خیال سے انہوں نے انتیسویں اور تیسویں پاروں کا سندھی میں ترجمہ کیا اور کچھ حواشی بھی لکھے۔ یہ ترجمہ ۱۱۶۲ھ میں ہوا یہ قدیم ترین سندھی ترجمہ ہے لیکن افسوس کہ یہ مکمل نہ ہو سکا۔

قاضی عزیز اللہ متعلوی کا ترجمہ:

تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں قاضی عزیز اللہ مٹیاری ضلع حیدر آباد کے ایک عالم نے قرآن حکیم کا ترجمہ سندھی زبان میں کیا۔ اس ترجمہ کی زبان نہایت عمدہ سلیس اور شیریں ہے۔ قاضی صاحب ایک بڑے عالم تھے، ان کے فرزند قاضی علی محمد بھی اپنے دور کے بڑے عالم اور خطاط گزرے ہیں، یہ ترجمہ بمبئی کے کریمی پریس والوں نے شائع کیا تھا۔

مولانا محمد صدیق کا ترجمہ:

چوتھا سندھی ترجمہ مولانا محمد صدیق صاحب کا ہے یہ ترجمہ بھی پرانا ہے اسکی زبان نہایت دل آویز

اور مؤثر ہے اس ترجمے کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ترجمہ پڑھنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ بنیادی عربی زبان کے الفاظ کا مفہوم سندھی زبان جاننے والوں کے لیے نہایت واضح ہے کیونکہ عربی کے الفاظ کا لفظی ترجمہ اپنے بھرپور تاثر کے ساتھ موجود ہے۔ یہ ترجمہ بہت قدیم ہے، اس دوسری اشاعت لاہور سے ملک دین محمد اینڈ سنز نے کی ہے۔

(الف) مولانا تاج محمود امروٹی کا ترجمہ قرآن:

مولانا تاج محمود امروٹی نے قرآن پاک کا سندھی ترجمہ تقریبا ۱۳۱۲ ہجری میں کیا۔ مرحوم منشی عبدالخالق شکارپوری، جو کہ سندھی زبان کے ایک بہت بڑے ادیب تھے انہوں نے تاج محمود امروٹی کے اس ترجمہ میں ان کی بہت مدد کی اور مفید مشورے دیتے رہے، حضرت مولانا علامہ عبیداللہ سندھی جو کہ دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۰۸ھ میں فارغ التحصیل ہوکر آئے تھے، مولانا محمود امروٹی کے مدرسہ میں جو کہ امروٹ ضلع سکھر میں تھا۔ درس دیتے رہے حضرت مولانا امروٹی ان سے علمی مشورے لیتے تھے۔ اس علمی ماحول میں مولانا امروٹی نے جو سندھی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کی وہ مستند، بامحاورہ اور اچھا ترجمہ ثابت ہوا، جس طرح فارسی میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا ترجمہ اعجاز کا درجہ رکھتا ہے، وہی حیثیت مولانا امروٹی کے سندھی ترجمے کی ہے۔

(ب) حضرت امروٹی کے ترجمہ قرآن کی خصوصیات:

جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت امروٹی نے سندھ کے عوام کی جہالت، بدعات اور بری رسومات کا علاج قرآن کی تعلیمات عام کرنے کے ذریعہ کرنے کا فیصلہ فرمایا، اس لیے جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اصلاح احوال کے لیے اسوقت مروج زبان فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا اسی طرح حضرت امروٹی نے قرآن مجید کا عام فہم سلیس اور بامحاورہ ترجمہ شائع کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ تاکہ عام سندھی خواندہ لوگ قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ اس سلیس اور بامحاورہ سندھی ترجمہ پڑھ قرآن مجید کی تعلیمات سے واقف ہوسکیں۔ سندھ میں شائع شدہ سابق ترجمے جن کا ذکر ہوگیا ہے جو کہ اس وقت عام طور پر دستیاب نہ تھے۔ اس صورتحال میں مولانا امروٹی کا ترجمہ سندھ کی عوام کے

لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔

مولانا امروٹی کا یہ سندھی ترجمہ دو صورتوں میں اشاعت پذیر ہوا، پہلا وہ ایڈیشن جو صرف سندھی میں مجرد ترجمہ کی صورت میں (بغیر متن) تھا۔ یہ ترجمہ دس دس پاروں کی صورت میں تین جلدوں میں شائع کیا گیا تھا اور اس کا ہدیہ نہایت کم یعنی سوا روپیہ فی جلد رکھا گیا، تاکہ ہر خاص و عام سندھی اسے آسانی کے ساتھ خرید سکے اور تبلیغی مقاصد کے لیے غیر مسلموں میں بھی تقسیم کیا جا سکے، باوجود اس کے کہ اس دور کے کچھ علما نے اس طرح مجرد ترجمہ بغیر متن قرآن مجید کے شائع کرنے پر اعتراض کیا، ان کے نزدیک وہ مصلحت میں، جو حضرت امروٹی کی نظر میں تھی، شاید کم اہمیت رکھتی تھی، جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس ترجمہ قرآن کو تحریر کرتے وقت ایک بورڈ اس کام پر مامور تھا جس میں علما کے ساتھ سندھی زبان کے ادیب اور ماہرین لغت بھی شامل کیے گئے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ترجمہ قرآن مجید آسان اور عام ہونے کے ساتھ سندھی ادب کا ایک شاہکار ترجمہ بھی قرار پا گیا۔

اس سلسلے میں میرے پیش نظر قرآن مجید کے دوسرے سندھی تراجم موجود رہے ہیں، نیز ان کا مولانا امروٹی کے ترجمہ قرآن مجید سے تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد کئی ایسی مثالیں سامنے آئی ہیں جن میں نہایت مناسب اور آسان الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے، چونکہ اس طرح کی کثیر مثالیں موجود ہیں لیکن ان کا تعلق سندھی زبان وادب سے بھی ہے، اس لیے ان کا ذکر یہاں پیش کرنے میں افادیت نہیں ہے۔ دوسرا ترجمہ قرآن مجید عربی متن کے ساتھ شائع کیا گیا تاکہ عام علماء کے اس بارے میں خدشات دور ہو سکیں، اس قرآن مجید میں آیات کے نمبر بھی پہلی بار دیے گئے ہیں حالانکہ اس سے پہلے والے تراجم میں اس بات کا اہتمام نہ کیا گیا تھا۔

ادبی لحاظ سے یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کسی بھی اجنبی زبان سے ترجمہ کرنا بے حد مشکل کام ہے، کیونکہ ہر زبان کی گرامر، محاورے اور نحوی تراکیب اپنی اپنی نوعیت کی ہوتی ہیں، نیز اس زبان کے اصطلاحی الفاظ کا معنی اور اس کی نزاکتیں اپنی خاص نوعیت کی ہوتی ہیں، خاص طور پر ایسی زبان جس کا ادب نہایت وسیع ہو اور اس میں بلاغت زبان کا دریا موجزن ہو تو ایسی زبان کا کسی دوسری زبان میں

ترجمہ کرنا کتنی محنت شاقہ کا تقاضا کرتا ہے تاکہ اصلی زبان کی روح دوسری ترجمہ والی زبان میں مفقود نہ ہو جائے، اس لیے ترجمہ والی زبان میں موزوں الفاظ کی تلاش کا کام سخت مشکل بن جاتا ہے تاکہ ترجمہ میں اصلی زبان کی روح قائم رہ سکے اور اس کا مطلب پوری طرح سے ادا کیا جا سکے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے فارسی ترجمہ قرآن مجید کے بارے میں ان مشکلات کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، اس سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ مولانا امروٹی نے اپنے کتب خانہ میں متعدد مستند تفاسیر قرآن مجید کے ساتھ لسانی مسائل حل کرنے کے لیے نہایت عمدہ کتب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بھی مہیا فرمایا تھا جس سے مترجم حضرات مکمل استفادہ کرتے رہتے تھے، نیز ان کاوشوں پر آخری نظر حضرت امروٹی خود ڈالتے تھے۔ ترجمہ قرآن مجید کو زیادہ واضح کرنے کے لیے ضروری تشریح کا اضافہ قوسین میں کیا جاتا تھا تاکہ عام قاری کو آیات کا مطلب سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

حضرت امروٹی کے سندھی ترجمہ قرآن مجید میں دوسری خصوصیات کے ساتھ یہ خصوصیات بھی موجود تھیں کہ ترجمہ قرآن مجید کے ساتھ فضائل تلاوت پر مفصل تحریر موجود ہے، تاکہ عام لوگ فضائل تلاوت وفضائل قرآن مجید سے واقف ہوسکیں اور اسکے ساتھ قرآن مجید کے آخر میں مختلف عنوانات کے تحت مضامین قرآن کی فہرست بھی شامل کردی گئی تھی، جس کے ذریعہ مضامین قرآن کی تلاش آسان ہو جاتی ہے۔ یہ خصوصیات فہم قرآن مجید میں بڑی مدد وتعاون ثابت ہوئیں۔

اس وقت تک دیگر سندھی تراجم میں اس طرح کی خصوصیات ناپید تھیں ۔ اس کے ساتھ یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت امروٹی کا یہ ترجمہ قرآن مجید سندھی ٹائپ میں طبع شدہ تھا، تاکہ اسکولوں کے تعلیم یافتہ لوگ، اساتذہ اور طلبہ اس کا آسانی کے ساتھ مطالعہ کرسکیں ۔ حالانکہ اس وقت تک سندھی تراجم کی سندھی زبان میں کتابت بھی کرائی جاتی تھی اور لیتھو پریس پر طباعت کا اہتمام کیا جاتا تھا، جو سندھی خواندہ آدمی کے لیے پڑھنا ذرا مشکل ثابت ہوتا تھا، حضرت مولانا نے جو پریس امروٹ میں محمود المطابع کے نام سے سن ۱۹۰۰ میں قائم کیا تھا وہ بھی پرنٹنگ کی صورت میں تھا، مولانا صاحب امروٹی کے اس سندھی ترجمہ قرآن مجید کے لیتھو ایڈیشن لاہور سے حضرت مولانا احمد علی

صاحب لاہوری شائع کراتے رہے ہیں۔ الحمد للہ یہ سلسلہ اب تک جاری وساری ہے۔

حضرت امروٹی نے اپنے شائع شدہ سندھی ترجمہ کا نام " الھام الرحمن فی ترجمة القرآن" رکھا تھا۔ اس کو شائع ہوئے اب ایک صدی مکمل ہونے والی ہے، گودرمیاں میں حضرت صاحب کے خلفا نے ترجمہ پر نظر ثانی کا کام بھی سرانجام دیا ہے، تاکہ ترجمہ کی وہ تابنا کی اور اثر اندازی کسی بھی طرح کم نہ ہونے پائے۔

❁❁❁❁

حوالہ جات وحواشی

۱۔	اهي ڏينهن اهي شينهن (حصہ اول)	پیر علی محمد راشدی	۱۹۷۴
۲۔	تذکرہ مولانا تاج محمود امروٹی	علمی مجلس حیدر آباد	۱۹۷۵
۳۔	تذکرہ لطفی (حصہ سوم)	لطف اللہ بدوی	۱۹۵۳
۴۔	سندھی ادب جو تاریخی جائزو	میمن عبدالمجید سندھی	۱۹۷۲
۵۔	سندھی ادبی تاریخ (حصہ اول)	میمن محمد صدیق	۱۹۷۳ء
۶۔	بیاض ہاشمی	مولانا محمد ہاشم ٹھٹوی	قلمی
۷۔	سندھ آزاد نمبر	روزنامہ الوحید کراچی	۱۹۷۳ء
۸۔	ماہنامہ نئیں زندگی	پاکستان پبلی کیشنز	۱۹۶۰ تا ۱۹۷۱ء
۹۔	ماہنامہ الرحیم	شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد	۱۹۷۱ تا ۱۹۷۲ء
۱۰۔	مولانا عبیداللہ سندھی	پروفیسر محمد سرور	۱۹۴۳

احسن التفاسیر از سید احمد حسن اور تفسیر احسن البیان از حافظ صلاح الدین یوسف کی امتیازی خصوصیات

ڈاکٹر حافظ محمد یٰسین بٹ ☆

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ اپنے علمی وفکری اور مذہبی ورثے کے حوالے سے بہت زرخیز ہے مسلمانانِ ہند اگرچہ مکۃ المکرّمۃ اور مدینہ منورہ سے بہت فاصلے پر تھے لیکن وہ اپنے Original علمی وفکری اور مذہبی ورثے سے ہمیشہ محبت وعقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر وابستہ و پیوستہ رہے اور قرآن وحدیث کی تعلیمات کے حصول میں ہمیشہ (Active) سرگرم رہتے۔

ہندوستان جو کہ مختلف تہذیبوں کے لوگوں کا مسکن رہا ہے۔ مختلف مذاہب کے افراد اس خطے میں آباد ہو چکے تھے جس میں عیسائی مذہب کے لوگ بھی تھے اور ہندوؤں کی بھی خاصی تعداد تھی۔ آریہ مذہب کے لوگ بھی یہاں آباد تھے اور مسلمان بھی 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد جب مختلف علوم و فنون ارتقاء کی منازل طے کر رہے تھے جس میں میڈیسن، طب، علم فلکیات، سائنس، طبیعات، ریاضی، جغرافیہ، فلاسفی، منطق اور تقابل ادیان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس عہد میں مسلمان سکالرز نے جہاد بالقرآن کے عظیم فریضہ کو سرانجام دیتے ہوئے قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر لکھیں تا کہ مسلمانوں کو اس کا فہم حاصل ہو اور تفہیم قرآن اور تدبر قرآن کے ذریعے سے دشمنان اسلام مستشرقین' عیسائی پادریوں اور یہودیوں کے تمام اعتراضات والزامات کے جوابات مدلل، محققانہ اور احسن انداز میں دیے جا سکیں جو وہ اسلام اور بانی اسلام کے بارے میں لکھتے تھے۔ امتیازی خصوصیات کے مطالعہ کے حوالے سے جن دو

☆ صدر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی ٹیکسلا۔

تفسیروں کا مطالعہ ہمارا مطلوب ومقصود ہے اُن میں سے ایک تفسیر مولانا حافظ سید احمد حسن محدّث متوفی ۱۳۳۸ھ دوسری تفسیر مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کی ہے جس کا نام ''احسن البیان'' ہے۔

قرآن مجید کے اردو تراجم

پس منظر:

تیسری صدی ہجری کے مشہور سیاح بزرگ ابن شہر یار نے اپنے سفر نامہ عجائب الہند میں قرآن مجید کے ایک ترجمہ کا ذکر کیا ہے جو کشمیر کے راجہ مہروک کے ایماء پر تیسری صدی ہجری کے اواخر میں ہندوستانی زبان میں کیا گیا تھا۔(۲)

معروف سیاح ابن شہر یار نے درج ذیل لکھا ہے:

کشمیر کے راجہ مہروک نے ۲۷۵ھ مطابق ۸۸۳ ع میں منصورہ (سندھ) کے حاکم امیر عبداللہ بن عمر کو لکھا کہ میرے پاس ایک ایسا آدمی بھیج دیا جائے جو اسلامی شریعت کے احکام ہندی زبان میں بیان کر سکے۔ امیر عبداللہ نے ایک مسلمان عالم کو بھیجا جو ہندوستان کی مختلف زبانیں جانتا تھا، اس نے راجہ کے پاس چند سال ٹھہر کر راجہ کو پورے طور پر اسلام سے واقف بنا دیا۔ راجہ نے یہ خواہش کی کہ ''ہندی'' زبان میں میرے لئے قرآن کی تفسیر کر دے۔ سورۂ یٰسین' تک یہ تفسیر مکمل ہو گئی تھی۔

پس منظر:

اصول وضوابط کی پابندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیے گئے تراجم کے درجے میں بلاشبہ صاحبزادگان ولی اللہؒ کے تراجم میں سرفہرست ہیں اور یہ کہنا صحیح ہے لیکن بارہویں صدی ہجری سے قبل بھی تراجم کی تاریخی شہادت ملتی ہے۔ بعض تراجم کے مطبوعہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کی رسائی اُن تک نہ ہو سکی اور جو مطبوعہ تھے ان کے مترجمین ممکن ہے مشہور ہستیاں نہ تھیں اور اس وجہ سے ان کو شہرت حاصل نہ ہوئی اور ایسے تراجم سے لوگ فیض یاب نہ ہو سکے۔

تراجم کی فہرست:

ہندوستان کی تاریخ کے تناظر میں قرآن مجید کے اردو ترجموں کی تحریک بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ اردو زبان جب سے معرضِ وجود میں آئی اسی وقت سے قرآن مجید کے تراجم کا سلسلہ کہ ''اردو'' کو پہلے ''ہندی'' ہی کہتے تھے، اس کے ثبوت کے لیے ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۱۰ء کے شاہ عبدالقادر کے قرآن کے دیباچے کے حوالے سے حسب ذیل اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

''اس بندہ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت بڑے حضرت شاہ ولی عبدالرحیم کے بیٹے سب حدیثیں جاننے والے' ہندوستان کے رہنے والے، فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں، اسی طرح عاجز نے ہندی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے۔ الحمد للہ یہ آرزو (۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ء ع) میں حاصل ہوئی۔ (حوالہ موضح قرآن' جلد اوّل' مقدمہ)

جب دائرۂ اسلام غیر عربی دان علاقوں میں داخل ہوا تو قرآن کے ترجمے کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی۔ قرآن تو عربی میں تھا اور غیر عرب مسلمان عربی سے نابلد

زبانِ یار من ترکی و ترکی نمی دانم

قرآن کے تراجم کے مختلف اسباب کا مختصر جائزہ حسب ذیل ہے۔

۱: عربی دان علماء نے قرآن کے تراجم کیے تاکہ اُس وقت کے خاص حالات میں فکری' علمی اور مذہبی ضرورت کو پورا کیا جا سکے۔

۲: ہر خاص و عام قرآن حکیم کا پیغام ذہن نشیں کر لے۔

۳: بعض ترجمے اس لئے لکھے گئے کہ وہ اس لسانی ارتقاء کا ساتھ دے سکیں۔

مولانا حافظ سید احمد حسن محدّث:

مفسر/ مؤلف احسن التفاسیر ۱۲۵۸ھ......۱۳۳۸ھ ۷ جلدیں۔ مکمل تفسیر۔ مکتبہ السّلفیہ لاہور۔

مولد و مسکن:

آپ کا خاندان دہلی کا رہنے والا تھا ۱۲۵۸ھ میں آپ دہلی میں پیدا ہوئے۔ قلعہ معلّی میں اچھے

خاصے خاندانی تعلقات کے باعث بچپن قلعہ معلیٰ میں گزرا۔

حفظ قرآن:

قاری اُمید علی جو دہلی میں رہ رہے تھے، اُن سے قرآن مجید حفظ کیا۔ گیارہ سال کی عمر میں قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

فارسی کی تعلیم:

چودہ سال کی عمر تک فارسی عبارت سمجھنے کی اچھی استعداد پیدا ہوگئی کہ خط وکتابت بخوبی کر سکتے تھے۔

۱۸۵۷ء میں آپ ہنگامے کی وجہ سے دہلی سے باہر چلے گئے تھے۔ منطق کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور اصول فقہ کی کتابیں بھی پڑھیں۔ علی گڑھ جا کر مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری سے اکتساب علوم کیا اور فقہ واصولؔ اور منطق کی بقیہ کتابوں کے ساتھ ہی تفسیر بھی اُن سے پڑھی۔

تفسیر وحدیث کی تکمیل:

دہلی واپس جا کر مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا اور حضرت سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے جلد ہی تفسیر وصحاح کی تکمیل کر ڈالی۔

مولانا حافظ سید احمد حسن محدث:

۱۳۵۸ھ میں حج بیت اللہ کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔

علمی مشاغل:

علمی ذوق کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ڈپٹی کلکٹری کی ملازمت کے دوران آپ نے تین ترجموں والا قرآن مجید مرتب کیا۔

پہلا ترجمہ فارسی فتح الرحمٰن از شاہ ولی اللہؒ

دوسرا اردو تحت اللفظ ترجمہ از شاہ رفیع الدین

تیسرا اردو با محاورہ ترجمہ از شاہ عبد القادرؒ پھر اس پر ''احسن الفوائد کے نام سے بہترین ملخص تفسیری

حواشی خود لکھے‘‘ اس قرآن مجید کو اپنے خرچ پر طبع کرایا۔

مقدمہ احسن التفاسیر

احسن التفاسیر کا مقدمہ 49 صفحات پر مشتمل ہے، جس میں درج ذیل ذیلی عنوانات زیر بحث لائے گئے ہیں۔

۱: نزول وترتیب قرآن۔

۲: شانِ نزول کے مباحث۔

۳: کتابتِ قرآن اور قرآن وحدیث کا فرق۔

۴: مکی اور مدنی کی اصطلاح۔

۵: تلاوتِ قرآن میں سہولت۔

۶: جمع قرآن عہد نبوی میں۔

۷: عہد صدیقی میں جمعِ قرآن کی صورت۔

۸: مصحفِ عثمانی اور ابنِ مسعودؓ کے اختلاف کی حیثیت۔

۹: مباحثِ قراءت وتجوید۔

۱۰: ناسخ ومنسوح پانچ آیات کو سید احمد حسن منسوخ قرار دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال سے یہی معنی نکلتے ہیں۔

۱۱: ربطِ آیات۔

۱۲: نزولِ قرآن قریش کی لغت میں۔

۱۳: قرآن کا اعجازی وصف۔

۱۴: عربی زبان کی ابتدا۔

۱۵: فضائلِ تلاوت۔

۱۶: باعثِ تالیف۔

۱۷: مبادیاتِ علمِ تفسیر اور اصولِ تفسیر۔

۱۸: تفسیر و تاویل میں سلف فرق نہیں کرتے تھے۔

۱۹: مفسرین کے طبقے' پہلا طبقہ۔

۲۰: ایک شبہے کا ازالہ۔

۲۱: عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر۔

۲۲: تفسیر کے اصول' قرآن کی تفسیر قرآن کے ساتھ۔

۲۳: صحیح حدیث سے قرآن کی تفسیر۔

۲۴: کوئی صحیح حدیث' قرآن کے مخالف نہیں۔

۲۵: تفسیر صحابہ حجت ہے۔

۲۶: تفسیر تابعین کی حیثیت۔

۲۷: تبع تابعین کی تفسیریں۔

۲۸: تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر کی حیثیت۔

۲۹: بعد کی تفسیریں۔

۳۰: احسن التفاسیر کی تالیف۔

۳۱: اشاعت تفسیر کی ضرورت و اہمیت۔

۳۲: ایک شبہ کا ازالہ۔

۳۳: قرآن فہمی کے لئے حدیث کی ضرورت۔

۳۴: منکرین حدیث سے ایک سوال۔

۳۵: ایک اور شبہ کا حل۔

۳۶: مرجع ضمائر میں احسن التفاسیر کا طریقہ۔

۳۷: معتبر اور نا قابل اعتراض کی اصطلاح۔

۳۸: قدیم وجدید فلاسفہ کے نظریات پر تنقیدی نظر۔

۳۹: عالم حادث ہے۔

۴۰: ایک شبہ کا جواب۔

۴۱: فلسفیوں کی توحید اور اس کی خامیاں۔

سید احمد حسن، احسن التفاسیر کی تالیف کے بارے میں لکھتے ہیں۔ قرآن شریف عربی زبان میں ہے اور ہر شخص کو عربی زبان کے سمجھنے کی طاقت نہیں، اس واسطے شاہ عبد القادر صاحب مرحوم کے عام فہم اُردو کے ترجمہ کے زیادہ عام فہم ہو جانے کی غرض سے اسی ترجمہ کی سلیس اردو کے ڈھنگ پر پہلے چیدہ چیدہ آیتوں کے فوائد ''احسن الفوائد'' کے نام سے تین ترجمے کے قرآن مطبوعہ مطبع فاروقی کے حاشیہ پر چھاپ دیے گئے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان فوائد سے مسلمان بھائیوں کو بہت فائدہ پہنچا جس کے سبب سے اس قرآن تین ترجمہ مع فوائد کے اب بہت لوگ خواہش مند ہیں لیکن وہ قرآن نہیں ملتا۔ اُن فوائد میں چیدہ چیدہ آیتوں کا مطلب تھا، اس واسطے اُن فوائد سے پورے قرآن شریف کا مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا تھا، اسی لیے ان فوائد کا یہ نقصان رفع کر دینے کی غرض جسے شاہ عبد القادر مرحوم کے ترجمہ کا یہ قرآن اس ڈھنگ سے چھاپا گیا کہ اوپر قرآن شریف کی آیتیں اور اُن کا ترجمہ ہے اور نیچے احسن التفاسیر کے طور پر تمام قرآن شریف کی مختصر صحیح تفسیر ہے تا کہ ترجمہ اور اس تفسیر کی مدد سے اردو دان مسلمان مرد اور عورتیں قرآن شریف کا مطلب اچھی طرح سمجھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوپر بیان کردہ صحیح حدیث کے موافق معزز فرشتوں کا مرتبہ حاصل کریں۔ (۲)

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کی حاشیہ قرآن یا مختصر تفسیر احسن البیان:

آپ نامور عالمِ دین، بلند پایۂ ادیب، وخطیب، سلفی العقیدہ شیریں بیان واعظ اور احسن البیان تفسیر آپ کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان تمام کتابوں میں سے شہرتِ دوام حاصل کرنے والی کتاب احسن البیان ہے۔ دار السلام۔ لوئر مال لاہور سے طبع شدہ ہے۔

مقدمہ:

تفسیر ''احسن البیان'' اور اس کی چند امتیازی خصوصیات۔ مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

☆ یہ حاشیہ قرآن یا مختصر تفسیر ''احسن البیان'' جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اس میں اگرچہ جگہ کی محدودیت کی وجہ سے زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیا گیا، تاہم پھر بھی کوشش کی گئی ہے کہ عوام کو قرآن فہمی اور اس کے مشکل مقامات کے لئے جتنی تفصیل کی ضرورت ہے اسے اختصار و جامعیت کے ساتھ ضرور پیش کیا جائے۔

اس مذکورہ حاشیہ قرآن یا مختصر تفسیر ''احسن البیان'' کی امتیازی اور منفرد خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

☆ اسرائیلی اور ضعیف روایات کے بیان کرنے سے گریز اور صرف صحیح روایات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ (۳)

☆ شان نزول اور سورتوں کے فضائل میں بکثرت روایات مروی ہیں لیکن ان میں صحیح، بہت کم ہیں۔ عدم گنجائش کی وجہ سے مشہور ضعیف روایات کی تردید تو ممکن نہیں تھی، اس لیے صرف یہ التزام کیا گیا ہے کہ صرف صحیح اور مستند روایت ذکر کر دی جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو روایات اس میں نقل نہیں ہوئیں، وہ کتنی بھی مشہور ہیں، بالعموم غیر مستند ہیں۔

☆ چند مقامات کے علاوہ پوری تفسیر میں احادیث کے مکمل حوالوں کا التزام کیا گیا ہے، تاکہ تفصیل کے خواہش مند اہل علم کو مراجعت میں آسانی رہے۔

☆ تفسیر ابن کثیر، تفسیر فتح القدیر، تفسیر ابن جریر طبری، ایسر التفاسیر جیسی سلفی تفاسیر، اس کے بنیادی مآخذ ہیں، زیادہ تر انہی کو سامنے رکھا گیا ہے دیگر عربی اور اردو تفاسیر سے بہت کم اعتناء کیا گیا ہے۔ (۴)

☆ توضیح و تشریح میں سلف (صحابہؓ و تابعینؒ) کی تعبیر اور ان کے منہاج کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اس اعتبار سے یہ سلفی تفاسیر کا خلاصہ سلف کے منہج و مسلک کا آئینہ اور تفسیر بالاحادیث الصحیحہ کا الحمدللہ ایک عمدہ نمونہ ہے۔ (۵)

☆ اردو میں اللہ تعالیٰ کے لیے ''خدا کا لفظ بول چال اور تحریر میں عام ہے لیکن اصلاً یہ لفظ فارسی زبان کا ہے اور فارس کے آتش پرستوں کے ہاں بالخصوص یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، جو دو خداؤں کے قائل ہیں۔

ایک کو وہ اہرمن اور دوسرے کو یزداں کہتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی کا لفظ (GOD) ہے جیسے اہل تثلیث اور بھگوان کا لفظ ہے جسے مورتیوں کے پجاری ہندو استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں اردو میں ان تمام الفاظ کے استعمال سے گریز اور صرف اللہ کا لفظ ہی لکھنا اور بولنا چاہیے۔ یہ بہتر بھی ہے اور باعث ثواب بھی، بنا بریں اس مختصر تفسیر کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ ''خدا'' کا لفظ سوائے ناگزیر تراکیب کے کہیں استعمال نہ ہو۔ اس میں جو ترجمہ دیا گیا ہے وہ دراصل مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ کا ہے۔ جو ان کے مترجم تفسیر ابن کثیر کے ساتھ ہے۔

اس میں البتہ متعدد جگہ اصلاحات کی گئی ہیں، ان میں ایک اصلاح یہ بھی ہے کہ خدا کا لفظ جہاں جہاں بھی ترجمہ قرآن میں استعمال ہوا تھا اس کو اللہ کے لفظ سے بدل دیا گیا ہے۔ اس طرح ترجمہ اور تفسیر دونوں میں لفظ ''خدا'' کے استعمال سے اجتناب کیا گیا ہے۔ اس اہتمام والتزام کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے اللہ ہی کا لفظ استعمال کریں' جو قرآن کریم کا لفظ ہے' جس کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور ''خدا'' کا لفظ ہماری زبان میں جو عام ہو گیا ہے اس سے لوگ احتراز اور گریز کریں۔ (٦)

اس تفسیر میں ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں دو قسم کی فہرستیں دی گئی ہیں:

ایک فہرست:

قرآن کریم کے مضامین کے اعتبار سے ہے، مثلاً: حضرت نوح علیہ السلام کا یا حضرت موسیٰ کا واقعہ کہاں کہاں بیان کیا گیا ہے، اللہ کی توحید کا کہاں کہاں ذکر ہے؟ اس کے لیے سورت کا نام اور آیت نمبر کے اندراج کا اہتمام کیا گیا ہے۔

دوسری فہرست:

یہ فہرست حواشی یا تفسیر میں بیان کردہ مباحث ومضامین کی ہے، جس کو دیکھ کر قاری بہت سے اہم مسائل ومباحث کو ملاحظہ کرسکتا ہے جو فہرست کے بغیر علم میں نہیں آسکتے۔ یا تو کوئی شخص پوری تفسیر پڑھ ڈالے۔ اکثر لوگ پوری تفسیر پڑھنے کی سعادت سے محروم ہی رہتے ہیں' اس لئے اس فہرست کی افادیت بھی مسلمہ ہے۔

اسباب تراجم قرآن:

قرآن اسلام کا دستور اور آئین ہے شریعت اسلامیہ کا، پہلا مصدر قرآن ہے اور دوسرا مصدر حدیث ہے۔ قرآن کو سمجھے بغیر شرعی قوانین کا نفاذ ممکن نہیں۔ ایک اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے قرآن کا سمجھنا از حد ضروری ہے۔ اس کتاب ہدایت کا اعلان پوری انسانیت کے لیے سورۂ یونس کی درج ذیل آیت میں ملاحظہ ہو۔

﴿ يَـا يُّهَـا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (یونس:۵۷)

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے۔ اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لئے شفا ہے اور راہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔''

اسباب ترجمہ قرآن مجید:

﴿ وَلَوْ جَعَلْنَا قرانًا اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثم فُصِلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴾

''یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبیر کی طرف سے۔''

﴿ قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (الاعراف: ۱۵۸)

کہہ دیجیے اے بنی نوع انسان! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب لوگوں کے لیے۔''

﴿ وَمَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴾ (سبا. ٢٨)

''اور ہم نے تو آپ کو بنی نوع انسان کے لیے خوش خبری سنانے والا اور (خدا کا) خوف دلانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں سمجھتے۔''

﴿ وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ ﴾ (ابراھیم: ۴)

''اور ہم نے (اللہ نے) بھیجا ہر رسول کو اسی کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ لوگوں کو واضح طور پر (تعلیمات) سمجھا سکیں۔''

تفسیر القرآن:

نمونہ یا مثال:

مثلاً سورۃ الانفال کی آیت:۶۱

خصوصیات تفسیر:

﴿ وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴾ (۷)

آیت کے حوالے سے احسن البیان کے مفسر درج ذیل الفاظ لکھتے ہیں:

''یعنی اگر حالات جنگ کے بجائے صلح کے متقاضی ہوں اور دشمن بھی مائل بہ صلح ہو تو صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں، اگر صلح سے دشمن کا مقصد دھوکہ اور فریب ہو، تب بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ پر بھروسا رکھیں یقیناً اللہ دشمن کے فریب سے بھی محفوظ رکھے گا اور وہ آپ کو کافی ہے، لیکن صلح کی یہ اجازت ایسے حالات میں ہے کہ جب مسلمان کمزور ہوں اور صلح میں اسلام اور مسلمانوں کا مفاد ہو لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو، مسلمان قوت و وسائل میں ممتاز ہوں اور کافر کمزور اور ہزیمت خوردہ ہوں تو اس صورت میں صلح کی بجائے کافروں کی قوت و شوکت کو توڑنا ضروری ہے۔'' (۸)

سورۃ الانفال کی آیت ۶۱ کی تفسیر میں مفسر درج ذیل آیت بھی لاتے ہیں۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ﴾ (۹)

نمونہ یا مثال تفسیر القرآن۔ تفسیر القرآن بالقرآن:

یہ آیت ملاحظہ ہو:

﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (الانفال:۶۳)

''ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے زمین میں جو کچھ ہے تو اگر سارا کا سارا بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے۔''

محولہ بالا آیت کے ذیل میں تفسیر کے الفاظ درج ذیل ہیں:

آیات قرآن کی تفسیر آیات قرآن سے:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مومنوں پر جو احسانات فرمائے ان میں سے ایک بڑے احسان کا ذکر فرمایا ہے وہ یہ کہ نبی ﷺ کی مومنین کے ذریعے سے مدد فرمائی' وہ آپ کے دست و بازو اور محافظ و معاون بن گئے۔ مومنین کے اوپر یہ احسان فرمایا کہ ان کے درمیان پہلے جو عداوت تھی اسے محبت والفت میں تبدیل فرما دیا۔ پہلے وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے' اب ایک دوسرے کے جاں نثار بن گئے' پہلے ایک دوسرے کے دلی دشمن تھے اب آپس میں رحیم و شفیق ہو گئے۔ صدیوں پرانی باہمی عداوتوں کو اس طرح ختم کر کے' باہم پیار، محبت اور الفت پیدا کر دینا یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کی قدرت و مشیت کی کارفرمائی تھی، ورنہ یہ ایسا کام تھا کہ دنیا بھر کے خزانے بھی اس پر خرچ کر دیے جاتے تب بھی یہ گوہر مقصود حاصل نہ ہوتا۔

مفسر اس عبارت میں مضمون کی مناسبت سے سورۂ آل عمران:۱۵۳ کی درج ذیل آیت کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

﴿اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ﴾ (آل عمران:۱۰۳)

”جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔“

فاضل مفسر آیات قرآنیہ کی تفسیر اس کی مماثلت والی آیت لا کر کرتے ہیں اور آیات کا ترجمہ بھی لکھتے ہیں، جیسا کہ چند مثالوں سے وضاحت کر دی گئی ہے۔

اسلوب تفسیر بیان القرآن' احسن البیان:

مشکل الفاظ کے معنی لکھنا اور صحیح احادیث سے وضاحت کرنا۔

(مضایق) صابروا) جنگ کی شدتوں

میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنا

یہ صبر کی سخت ترین صورت ہے

اس لیے علیحدہ بیان فرمایا (رَابِطُوْا)

میدان جنگ یا محاذ جنگ میں مورچہ

بند ہو کر ہمہ وقت چوکنا اور جہاد کے

لیے تیار رہنا مرابطت ہے

یہ بھی بڑے عزم وحوصلہ کا کام ہے۔

فاضل مفسر درج ذیل حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

((رِبَـاطُ يَـوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنيا وَمَا عَلَيْهَا۔)) (بخاری، باب فضل رباط یوم فی سبیل اللہ)

”اللہ کے راستے (جہاد) میں ایک دن پڑاؤ ڈالنا (یعنی مورچہ بند ہونا) دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔“

رباط کے دوسرے معنی کی وضاحت میں مفسر صحیح مسلم کتاب الطہارۃ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

مکارہ (یعنی ناگواری کے حالات میں) مکمل وضو کرنے، مسجدوں میں زیادہ دور سے چل کر جانے

اور نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کرنے کو بھی رباط کہا گیا ہے۔ ص: ۲۲۰ تفسیر احسن البیان: مفسر حافظ صلاح الدین یوسف۔

دونوں تفسیروں کے مابہ الامتیاز اور مابہ الاشتراک پہلو:

زیر مطالعہ دونوں تفسیریں تفسیر بالحدیث کی ترجمان ہیں۔

سید احمد حسن کی تفسیر کا مقدمہ طویل اور مفصل ہے جو کہ ۴۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

قدیم وجدید فلاسفہ کی بحث احسن التفاسیر میں ملتی ہے جبکہ احسن البیان میں ایسی بحث نہیں ہے۔

احسن التفاسیر میں ناسخ ومنسوخ کے حوالے سے پانچ آیات کو سید احمد حسنؒ نے منسوخ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہؓ اور تابعین کے قولوں سے یہی معنی نکلتے ہیں۔

قرآن کے اعجازی وصف کو احسن التفاسیر میں خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر ابن جریر اور تفاسیر ابن کثیر کے حوالے دونوں تفسیروں میں موجود ہیں جو کہ مابہ لا اشتراک پہلو ہے۔

احسن التفاسیر میں عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے حوالے زیادہ ہیں۔

قرآن فہمی کے لیے حدیث کی ضرورت واہمیت کو احسن التفاسیر اور احسن البیان کے مقدمہ میں نمایاں کیا گیا ہے جو کہ مابہ الاشتراک پہلو واضح ہوتا ہے۔

شان نزول کے حوالے سے دونوں تفسیروں میں مباحث میں، البتہ احسن البیان میں شان نزول کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

زیر مطالعہ دونوں کتابوں میں صحیحین کی روایات کو ترجیح سے لکھا گیا ہے۔ بخاری ومسلم کی احادیث کے حوالے زیادہ ہیں۔

صحاح ستہ کی دوسری کتابوں کے حوالے بھی ملتے ہیں۔

توضیح وتشریح میں سلف (صحابہؓ وتابعینؒ) کی تعبیر اور ان کے منہاج کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اس اعتبار سے یہ سلفی تفاسیر کا خلاصہ اور سلف کے منہج کا نمونہ ہے۔

احسن التفاسیر کے صفحات کی تعداد 2200 ہے جو کہ بڑے کتابی سائز میں ہے اور یہ 7 جلدوں

میں مکتبہ سلفیہ لاہور سے طبع شدہ ہے۔

احسن البیان چھوٹے کتابی سائز میں ہے اور 1434 صفحات پر مشتمل ہے۔عمدہ کاغذ میں ہے، ایک جلد میں مکمل تفسیر ہے۔

احسن التفاسیر کی زبان قدیم ہے، اس میں ایک عمدہ زبان کے محاسن موجود ہیں۔ زبان مشکل ہونے کے باوجود سلاست، روانی اور انداز بیان کی خوب صورتی سے مزین ہے۔

تفسیر احسن البیان کی زبان جدید ہے۔ ادبی چاشنی کے ساتھ ساتھ سادہ وسلیس انداز بیان اختیار کیا گیا ہے۔مترادفات کا استعمال بھی پایا جاتا ہے۔

گرتو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

❁❁❁❁

حواشی وحوالہ جات

۱: جائزہ تراجم قرآنی، صفحہ۱۱، مطبوعات مجلس معارف القرآن، دارالعلوم دیوبند (بحوالہ، قرآن حکیم کے اردو تراجم۔ ص: ۸۰)

۲: سید احمد حسن: تفسیر احسن البیان، ص: ۲۸۔

۳: تفسیر احسن البیان: حافظ صلاح الدین یوسف ص: ۱۱

۴: تفسیر احسن البیان حافظ صلاح الدین یوسف، ص: ۱۲

۵: ایضاً

۶: تفسیر احسن البیان

۷: الانفال: ۶۱۔

۸: محمد: ۳۵

۹: الانفال: ۳۹

❀❀❀❀

تیسیر القرآن از مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ
(ایک تعارفی جائزہ)

پروفیسر ڈاکٹر خالد ظفر اللہ ☆

مفسر و خطاط قرآن مصنف و مترجم کتب کثیرہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ۱۱نومبر ۱۹۲۳ء کو خطاطی کے نامور مرکز حضرت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم نور الٰہی (۱۸۸۲ء-۱۹۴۳ء) بھی معروف خطاط تھے۔ ان کی کتابت کے نمونے لاہور کے عجائب گھر میں نمبر ۱۹۹ اور نمبر ۲۰۰ کے تحت اب بھی محفوظ ہیں۔ (۱)

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے میٹرک (۱۹۴۱ء) تک تعلیم ہر کلاس میں نمایاں پوزیشن اور سکالرشپ کے ساتھ حاصل کی۔ بعد ازاں پرائیویٹ ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۴ء میں فوجی ملازمت کی خاطر ملٹری کا امتحان دیا اس میں اول آئے تو ممتحن برگیڈئیر نے کہا اگر ڈاڑھی منڈوا دو تو میں تمہیں برگیڈ بھیج دوں گا مگر آپ نے انکار کر دیا تو عام لوگوں کی طرح بطور کلرک حوالدار بھرتی کر کے راولپنڈی بھیج دیا۔ ۱۹۴۷ء میں ملٹری چھوڑ کر ادارہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور میں خاندانی پیشہ کتابت کا آغاز کیا۔ ۱۹۶۱ء سے قرآن کریم کی کتابت شروع کی۔ اور ۱۹۸۱ء تک پچاس کے قریب قرآن کریم کی کتابت کی۔

جن میں سے اکثر تاج کمپنی کے ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں وفاق المدارس کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ (۲)

یکم مئی ۱۹۳۴ء کو بعمر ساڑھے دس سال آپ کی شادی ہوئی۔ جبکہ آپ چھٹی جماعت کے طالب

☆ پرنسپل گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج سمندری، فیصل آباد

علم تھے آپ کی اولاد میں بالترتیب ڈاکٹر حبیب الرحمٰن ، ڈاکٹر حافظ شفیق الرحمٰن ، پروفیسر نجیب الرحمٰن ، اورانجینئر حافظ عتیق الرحمٰن ہیں ۔ بیٹیوں میں پروفیسر ثریا بتول۔محترمہ رضیہ مدنی ، حافظہ عطیہ انعام الٰہی اور پروفیسر حافظہ فوزیہ سلفی صاحبہ ہیں اور چاروں ہی عالمہ فاضلہ ہیں ۔(۳)

۱۹۸۱ء کے بعد تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے اور تادم واپس یہ شغل جاری رہا۔مختلف بلکہ متنوع موضوعات پر متعدد کتابیں تحریر فرمائیں۔اور بعض دقیق علمی کتابوں کے ترجمے بھی کیے ۔آپ کی تصانیف میں ۱۶طبع زاد ہیں جن میں'' آئینہ پرویزیت '' جیسی ضخیم کتاب دفاع حدیث میں ہے۔''شریعت وطریقت'' نامی کتاب حقیقی تصوف کے تعارف میں جبکہ'' مترادفات القرآن'' فہم قرآن میں بے مثال کاوش ہے۔ اس کے علاوہ ایک سو کے لگ بھگ مضامین ماہنامہ'' ترجمان الحدیث''،''محدث''،''معارف'' اور سہ ماہی''منہاج'' میں شائع ہو چکے ہیں۔

۱-تصانیف :

آپ کی تصانیف کا اجمالی تعارف پیش خدمت ہے۔

۱-شریعت وطریقت

ناشر مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور

ضخامت ۵۲۸صفحات

۲- روح ،عذاب قبر وسماع موتی

ناشر: مکتبہ السلام ، وسن پورہ لاہور، جولائی ۱۹۸۵ء(اشاعت اول)

ضخامت :۱۵۲صفحات

۳-احکام ستر وحجاب ،

ناشر: مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور،

ضخامت :۸۸صفحات

۴-تجارت اور لین دین کے مسائل واحکام

ناشر: مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور، اکتوبر ۱۹۹۱ء،

ضخامت: ۲۷۴صفحات

۵- اسلام میں فاضلہ دولت کا مقام

ناشر: مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور، جولائی ۱۹۸۷ء

ضخامت: ۷۲صفحات

۶- آئینہ پرویزیت (مکمل چھ حصے ایک جلد میں)

ناشر: مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور،

ضخامت: ۱۰۰۸صفحات

۷- عقل پرستی اور انکار معجزات

ناشر: مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور،

ضخامت: ۳۴۴صفحات

۸- خلافت و جمہوریت

ناشر: مکتبہ السلام لاہور،

ضخامت: ۳۱۸صفحات

۹- سرگزشت نورستان

ناشر: مجلس التحقیق الاسلامی ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن لاہور، ۱۹۸۶ء

ضخامت: ۸۴صفحات

۱۰- نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار

ناشر: مکتبہ السلام وسن پورہ، لاہور

ضخامت: ۲۸۸صفحات

۱۱- نبی اکرم ﷺ پیکر صبر و ثبات (مطبوع)

ضخامت : ۲۱۶صفحات

۱۲-ایک مجلس کی تین طلاقیں اور ان کا شرعی حل

۱۳-قرآن نافہمی کے اسباب اور ان کا حل

ناشر: مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور، ۱۹۸۸ء(اشاعت ششم)

ضخامت : ۳۸صفحات

۱۴-مترادفات القرآن

ناشر: مکتبہ السلام وسن پورہ، لاہور

ضخامت : ۱۰۰۸صفحات

۱۵-تیسیر القرآن (مفصل تفسیر قرآن)

ناشر: مکتبہ السلام وسن پورہ، لاہور

ضخامت :۴جلد، پہلی جلد : ۶۸۰صفحات، دوسری جلد : ۶۶۳صفحات، تیسری جلد ۷۴۶صفحات اور چوتھی جلد ۷۱۸صفحات

۱۶-تیسیر القرآن (ترجمہ قرآن: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، حاشیہ قرآن: انجینئر حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی)

ناشر: ''دار السلام'' وسن پورہ، لاہور

ضخامت: ۶۸۶صفحات

مذکورہ بالا ذاتی تصنیفات کے علاوہ درج ذیل تراجم بھی آپ نے یادگار چھوڑے ہیں۔

۱۷- فقہ کی معروف اور مبسوط کتاب ''الموافقات'' للشاطبی کا اردو ترجمہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور کے ایماء پر کیا جو کہ ۲ جلدوں میں مطبوع ہے۔

۱۸- ''بلوغ المرام'' کی عربی شرح ''سبل السلام'' کا اردو ترجمہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کی دعوت پر کیا جو کہ شریعہ اکیڈمی اسلام آباد کی طرف سے مطبوع ہے۔

۱۹- مفتی اعظم سعودی عرب شیخ بن بازؒ کے فتاوی کی ایک جلد کو آپ ہی نے اردو قالب میں ڈھالا جو

کہ دارالسلام الریاض/ لاہور سے مطبوع ہے۔

۲۰۔ ''سعودی عرب میں نظام زکوٰۃ'' بھی آپ کے عربی سے اردو تراجم میں شامل ہے۔(۴)

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ۱۸دسمبر ۱۹۹۵ء کو نماز عشاء با جماعت ادا کرنے گھر سے مسجد تشریف لائے۔پہلی رکعت کے پہلے سجدے میں گئے اور پھر اٹھ نہ سکے،روح پرواز کرگئی۔(**انا للہ وانا الیہ راجعون**)

ب: تیسیر القرآن

ترجمہ: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

حاشیہ: حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی

اسلامک پریس ''دارالسلام'' وسن پورہ لاہور،؟

ضخامت:۶۸۶صفحات

''تیسیر القرآن''میں پیش کردہ ترجمہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے قرآن کریم کی مفصل تفسیر کی خاطر کیا تھا جو کہ تیسیر القرآن کے نام سے ہی مطبوع ہے۔اسی ترجمہ کو ہی ''تیسیر القرآن'' کی بنیاد بنایا گیا ہے۔محشی قرآن حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی کے بقول''مگر اس کو مطلوب اسلوب کے مطابق ڈھالنے کے لئے ہمیں کچھ تبدیلیاں کرنی پڑیں، یہ تبدیلیاں عربی مادوں والے الفاظ کے استعمال،متروک اور مشکل الفاظ کی جگہ جدید اور آسان الفاظ سے تبدیلی کے متعلق تھیں۔''(۵)

تیسیر القرآن میں پیش کردہ ترجمہ کی سعی جمیلہ فاضل باپ مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ کی ہے اور'' مطلوب اسلوب'' میں ڈھالنے کی خاطر فاضل بیٹے حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی نے بھی کچھ حصہ ڈالا ہے۔ عالم فاضل باپ بیٹے کی مجموعی کاوش ہو یا کسی ایک فرد کی جہد بلیغ ہو کسی بھی نص کا بعینہ ترجمہ کسی دوسری زبان میں پیش کرنا انسانی بساط سے باہر ہے۔انتہائی کامیاب مترجم بھی صرف قریب ترین مفہوم پیش کر سکتا ہے۔جس سے ''گزارا'' چل جاتا ہے یہ تو عام عبارات کا حال ہے۔قرآن کریم کی آیات تو ویسے

بھی ''معجزہ'' ہیں۔ان کا ترجمہ کیسے ممکن ہے؟ پروفیسر ڈبلیو۔سی۔اسمتھ کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ'' ہماری بے بسی و بیچارگی کا حال یہ ہے کہ جب ہم، انسانی زبانوں میں سے کسی ایک زبان کا، دوسری زبان میں دل آویز ترجمہ نہیں کر سکتے تو خدائی زبان کا ترجمہ کس طرح ہم سے ممکن ہوسکتا ہے؟ ہم زیادہ سے زیادہ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہی کہ اس کا جو مفہوم ہماری سمجھ میں آتا ہواس کو ہم اپنی زبان میں بیان کر دیں بس''(٦)

یہی وجہ ہے کہ علماء نے ''ترجمہ قرآن'' کو غلط عبارت قرار دیا ہے۔اور کہا ہے کہ درست عبارت ''ترجمہ معانی القرآن'' ہے۔ترجمہ پہ اعتماد کرنے والا شخص کبھی بھی وہ فیوض و برکات اور کلام الٰہی کی حلاوت اور حرارت محسوس نہیں کر سکتا جو کہ ایک عربی نص سمجھنے والا کر سکتا ہے۔ فاضل حاشیہ نگار تیسیر القرآن کے بقول''چنانچہ اس ترجمہ میں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ قاری کی عربی نص سمجھنے میں مدد کی جائے، یعنی ہماری اصل توجہ اردو ترجمہ کی تزئین و آرائش کی طرف نہ تھی۔جیسا کہ بعض مترجم اور مفسر حضرات نے کوشش کی ہے بلکہ ہماری اصل توجہ اس جانب رہی ہے کہ قاری عربی عبارت سمجھنے کے قابل ہو جائے اور اس کے فیوض و برکات کے خزانے کھلتے چلے جائیں۔(٧)

لفظی یا با محاورہ ترجمہ:

تراجم میں عموماً اس قضیہ کو بہت اہمیت دی جاتی ہے کہ ترجمہ لفظی ہو یا با محاورہ ہو اگر ترجمہ لفظی ہو تو مفہوم سمجھ آنا مشکل ہے۔کیونکہ مضاف،مضاف الیہ اور صفت موصوف وغیرہ اردو اور عربی میں ایک ہی ترتیب سے نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود لفظی تراجم کی ایک تاریخ ہے۔جس کا آغاز شاہ رفیع الدین (١٢٤٩ھ/١٨٢٣ء) نے کیا ان کا کردہ تحت اللفظ ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ١٢٥٢ھ مطابق ١٨٤٠ء میں طبع ہوا۔(٨)

با محاورہ ترجمہ اگر عربی نص سے فعل فاعل وغیرہ کی تقدیم و تاخیر کی بنا پر کافی مختلف ہو جاتا ہے۔ لیکن عبارت کے سمجھنے میں بہت مدد و معاون ہوتا ہے، اس لئے برصغیر میں اردو با محاورہ تراجم کی بھی ایک طویل تاریخ ہے۔جس کا آغاز شاہ عبد القادر دہلوی (١٢٤٣ھ/ ١٨٢٨ء) نے کیا۔شاہ عبد القادر دہلوی

کے کردہ سب سے پہلے بامحاورہ ترجمہ قرآن کا پہلا ایڈیشن سید عبد اللہ لاہوری والا موجود ہے ...... یہ ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء میں طبع ہوا۔(۹)

شاہ عبد القادر صاحب کے بعد زیادہ تر بامحاورہ ترجمہ کی خدمات سرانجام دی گئیں ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین کے بقول ''شاہ عبد القادر جو با محاورہ ترجمہ کے بانی اور امام ہیں اور یہی وجہ ہے جو اسلاف ممدوحین کے بعد اس زمانے میں جس نے اس میدان میں قدم رکھا، اس نے جناب شاہ صاحب ممدوح کا اتباع کیا اور با محاورہ ترجمہ کرنے کو اختیار کیا۔(۱۰)

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح لفظی ترجمے کے بانی شاہ رفیع الدین ہیں، اسی طرح با محاورہ ترجمے کے بانی شاہ عبد القادر ہیں، گویا ہر دو مکمل ترجمے کی اولیت کا شرف انہی برادران کے حصے میں آیا ہے۔(۱۱)

تحت اللفظ یا با محاورہ تراجم کی کاوشوں کی بدولت عربی سے نابلد مسلمان کا رشتہ بھی قرآن مجید سے اس کو سمجھنے کے اعتبار سے جڑ گیا۔ یہ تعلق باعث رحمت و برکت بھی ہے اور روز افزوں بھی۔ ڈاکٹر احمد خاں کے بقول ''معلوم ہوتا ہے کہ بارہویں صدی ہجری کا نصف آخر اس خطے کے لیے رحمت و برکات کا پیغام لے کر آیا، لوگوں کی توجہ قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس کے علوم و معارف سے آگاہی کی طرف ایک عمدہ رفتار سے بڑھنے لگی۔ تقریباً ایک صدی کے اندر قران کریم کے اردو میں کئی تراجم ہو چکے تھے مزید اب تک ہو رہے ہیں۔''(۱۲)

کچھ مترجمین نے ''بعض جگہ ربط آیات بتانے کے لیے، بعض موقعوں پر اجمال کو تفصیل میں بدلنے کے لیے، بعض اوقات کسی تشریح طلب امر کی توضیح و تصریح کے لیے اور بعض مقامات پر بعض اور نکات سمجھانے کے لیے مختصر الفاظ میں حاشیہ پر چند الفاظ یا جملے دے دیئے تاکہ عوام کے لیے قرآن کریم کی بظاہر بے ربطی یا اس کا ایجاز و اختصار یا تلمیحات و استعارات، ربط و تسلسل اور وضاحت و صراحت اختیار کر لیں۔ ہمارے علماء و فضلاء اور مترجمین و مفسرین اسی روش پر چلے ہیں اور حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی کے زمانہ سے موجودہ دور تک انہوں نے عوام کی سہولت کے لیے ان کی عقل و

فہم کے لیے تفسیری حواشی اور فوائد دیئے ہیں جو عام قارئین قرآن کے لیے یقیناً بے حد مفید اور معلوماتی ثابت ہوئے ہیں۔(۱۳)

زیر جائزہ ترجمہ قرآن میں لفظی اور با محاورہ ہر دو کو ایک ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کی گئی۔ محشی تیسیر القرآن کے بقول ''ہم نے ان دونوں کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ترجمہ کی عبارت کو بامعنی اور قابل فہم رکھتے ہوئے ہم جس قدر لفظی معنی کو جگہ دے سکے ہیں وہ ہم نے دی ہے جہاں ہم قرآنی ترتیب کو برقرار رکھ سکے ہم نے برقرار رکھی ہے۔''(۱۴)

تیسیر القرآن میں کسی صفحہ کے ترجمے کا کچھ بھی حصہ دوسرے صفحہ پہ منتقل نہیں ہوا۔ ہر صفحہ کا ترجمہ اسی صفحہ میں پورا کیا گیا ہے اور قریباً ۹۰ فیصد سطور کا ترجمہ بھی انہیں سطور میں پورا کیا گیا ہے۔ ایک صفحے کے علاوہ تمام قرآن کے صفحات آیت کے خاتمہ پر ہی ختم ہوتے ہیں اور یوں بین السطور بہترین ترجمہ کی کامیاب کاوش نے اسے بہت سے تراجم سے منفرد اور ممتاز کر دیا ہے۔

تیسیر القرآن لفظی و بامحاورہ ترجمہ کی روایت کو آگے بڑھانے کے علاوہ حاشیہ قرآن کی روایت کا بھی علمبردار ہے۔ اور یہ حاشیہ بھی جدید سائنسی و فنی معلومات کو محیط ہونے کی بنا پر دیگر حواشی میں ایک ممتاز مقام و مرتبہ کا حامل ٹھہرا ہے۔

ج: ترجمہ ''تیسیر القرآن'' کے ادبی محاسن:

۱- انداز ترجمانی:

ہر زبان کا ادائیگی مفہوم کا اپنا انداز ہے۔ بعض زبانوں نے مخاطب کے ادب و احترام کا لحاظ کیے بغیر اپنے مفہوم و مدعا کے اظہار کی روش اپنائی ہے۔ جیسے عمر میں چھوٹے بڑے، رتبے میں چھوٹے بڑے ہر ایک حاضر مخاطب کے لئے انگلش میں صرف You ہے۔ عربی میں واحد مذکر مخاطب کے لئے ضمیر منصوب متصل ''ک'' مستعمل ہے۔ لیکن ادب و احترام کے مقامات پر ''ک'' کے بجائے جمع مذکر مخاطب والی ضمیر منصوب متصل ''کم'' بھی استعمال کی جاتی ہے۔ حفظ مراتب کا یہ فرق اردو میں بھی بڑے بلیغ انداز میں موجود ہے۔ چھوٹوں کے لیے اگر ''تو'' ہے تو بڑوں کے ادب و احترام کی خاطر''

آپ'' کا لفظ مستعمل ہے۔فاضل مترجم نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کے لیے اس کا خوب لحاظ رکھا ہے۔مثلاً:''ما ودعك ربك و ماقلی'' کہ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ ناراض ہوا۔ ''و للاخرة خير لك من الاولى'' اور آپ کے لیے آخرت ابتدا سے یقیناً بہتر ہے۔''ولسوف يعطيك ربك فترضى'' اور آپ کا رب آپ کو جلد ہی اتنا کچھ عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔(۱۵)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن نے ان آیات کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ''نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا ٥ اور البتہ پچھلی بہتر ہے تجھ کو پہلی سے ٥ اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا ٥''(۱۶)

سید ابو الاعلیٰ مودودی کی ترجمانی ملاحظہ فرمائیں:''(اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا اور یقیناً تمہارے لئے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے۔اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے''(۱۷)

ان دونوں ترجموں میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تجھ،تم،تمہارا اور تیرا کی ضمائر استعمال کی گئی ہیں۔ لیکن مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے ترجمہ قرآن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے''آپ'' کی ضمیر ہی استعمال کی ہے۔جس سے فاضل مترجم کی ترجمانی میں ادب احترام کی دو دھاری تلوار پر کامیابی عیاں ہے۔''ت'' بمعنی تو کی ضمیر مرفوع متصل جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیان ہوئی ہے تو اس کے ترجمہ میں بھی صاحب ترجمہ نے ادب بارگاہ نبوی کا ہی مظاہرہ کیا ہے۔مثلاً:''ارءيت الذى يكذب بالدين'' بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔(۱۸)

شیخ الہند اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:''تو نے دیکھا اس کو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو۔''(۱۹)

سید مودودی نے یوں ترجمانی کی ہے کہ''تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے۔''(۲۰)

اسی طرح ''قل'' فعل امر واحد حاضر کا ترجمہ میں ''تو کہہ'' کے بجائے آپ ﷺ کی عالی مرتبت ذات کے ادب و احترام کے تقاضے کو ہر جگہ مدنظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً: '' **قل انما انا بشر مثلکم** .....'' کہیے میں تمہیں جیسا انسان ہوں۔(۲۱)

'' **قل یاایها الکفرون** '' آپ کہہ دیجئے اے کافرو! (۲۲)

'' **قل اعوذ برب الناس** '' آپ کہیے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔'' (۲۳)

ان تینوں مقامات پر ترجمہ شیخ الہند ملاحظہ ہو:

قل انما انا بشر مثلکم .... تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم ....

قل یاایها الکفرون o تو کہہ اے منکرو

قل اعوذ برب الناس تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ہاں یہ مقامات ملاحظہ فرمائیں:

قل انما انا بشر مثلکم .... اے نبی، کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا ....

قل یاایها الکفرون o کہہ دو کہ اے کافرو

قل اعوذ برب الناس کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی

مولانا کیلانی کے ہاں '' کہیے، آپ کہہ دیجئے، آپ کہیے'' کے مقابلے میں '' تو کہہ، کہو، کہہ دو۔'' کے تراجم شیخ الہند اور سید مودودی کے ہاں موجود ہیں۔ ادب و احترام کے اعتبار سے مولانا کیلانی نے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی ہے۔

۲: ادبی چاشنی/خوبصورت ترجمے:

ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتے وقت سب سے مشکل مرحلہ انتقال مفہوم کے ساتھ ادبی معنویت کا پہلی زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ہے۔ اس پہلو سے مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کا ترجمہ بعض مقامات پر بے ساختہ داد کا مستحق ٹھہرتا ہے مثلاً:

''..... **یوم التناد** o'' آہ و فغاں کے دن (۲۴)

" واهجرهم هجرا جميلا " اورخوش اسلوبی سے ان سے الگ ہو جایئے۔(۲۵)

"..... وقدموا لانفسکم ....." مگر اپنے مستقبل کا خیال رکھو۔(۲۶)

اس آیت کے ترجمہ میں جو ادبی لحاظ اور جامع انداز اختیار کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

" بل ادارك علمهم فی الآخرة ....." بلکہ آخرت کے بارے میں ان کے علم نے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔(۲۷)

شیخ الہند یوں ترجمہ فرماتے ہیں، " بلکہ تھک کر گر گیا ان کا فکر آخرت کے بارہ میں۔"

سید مودودی کا کردہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:" بلکہ آخرت کا تو علم ہی ان لوگوں سے گم ہو گیا ہے۔"

مولانا کیلانی کے کردہ ترجمے میں "علم نے گھٹنے ٹیک دیئے" میں جو ادبی چاشنی ہے وہ دیگر تراجم میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی ہے۔

۳۔ برمحل مفہوم ادا کرنے والا ترجمہ:

ایک کامیاب مترجم اس بات کا ضرور خیال رکھتا ہے کہ ترجمہ محض الفاظ سے نہیں بلکہ صورت حال کے تناظر میں کیا جائے۔آیت کے مضمون اور موقع محل کی مناسبت سے ایسے الفاظ میں ترجمہ کیا جائے کہ مطلوبہ بات اور انداز ہر دو بعینہ سامنے آ جائیں۔مولانا عبدالرحمن کیلانی نے اس پہلو کا بھی خوب حق ادا فرمایا ہے۔مثلاً:

قل فلم تقتلون انبياء الله من قبل ان كنتم مؤمنينo

آپ پوچھیے کہ اگر تم ایمان لانے والے ہو تو اس سے قبل اللہ کے انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے ہو؟(۲۸)

یہاں سیاق مضمون یہ ظاہر کر رہا تھا کہ "قل" بمعنی " کہیے" نہیں بلکہ "پوچھیے" ہی استعمال ہوا ہے۔

سورۂ ق آیت نمبر ۳۰ میں " نقول" بمعنی ہم پوچھیں گے اور " تقول" بمعنی وہ کہے گی ہر دو معانی میں خوب ترجمہ ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

''یوم نقول لجھنم ھل امتلأت و تقول ھل من مزید'' اس دن ہم جہنم سے پوچھیں گے'' کیا تو بھر گئی؟'' تو وہ کہے گی'' کیا کچھ اور بھی ہے۔''(۲۹)

لیکن سورۂ شعراء آیت نمبر۶۱ میں'' قال بمعنی (چیخے) انتہائی موزوں ترجمہ دکھائی دیتا ہے۔

''فلما تری الجمعن قال اصحب موسی انا لمدرکون''

پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو اصحاب موسیٰ چیخے ہم پکڑے گئے۔''(۳۰)

ملکہ بلقیس کا آن واحد میں تخت اپنے پاس پانے پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے اظہار تشکر کے لیے بھی'' قال'' استعمال ہوا ہے۔جس کا ترجمے میں حق یوں ادا کیا گیا ہے'' ......فلما راہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی لیبلونی أأشکر ام أکفر..... ''پھر جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو پکار اٹھا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری......(۳۱)

ہر جگہ قال یقول مادہ ایک ہی ہے لیکن سیاق کلام اور موقع محل کی مناسبت سے مفہوم کی بھرپور ادائیگی والے مختلف تراجم سے ہر مقام کو نمایاں وممتاز کیا گیا ہے۔(ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

۴- کلام کی شدت کا اظہار:

اگر کسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا اظہار ہو رہا ہے تو ترجمہ کے لئے ایسے الفاظ کا انتخاب ضروری ہے جس سے اس اظہار کی مکمل عکاسی ہو اس بارے میں فاضل مترجم الفاظ کے چناؤ میں بہت محتاط لیکن کامیاب رہے ہیں، مثلاً:

سنسمہ علی الخرطوم ''جلد ہم اس کی لمبوتری ناک پر داغیں گے۔''(۳۲)

خرطوم کا لمبوتری ناک کیا خوب ترجمہ کیا ہے۔اکثر مترجمین نے خرطوم کا ترجمہ سونڈ کیا ہے جو کہ حقیقی ترجمہ ہے لیکن یہ جانور ہاتھی کے لئے تو درست ہے ایک انسان کے لئے جچتا نہیں ہے کیونکہ اس کی سونڈ نہیں ہوتی لمبوتری ناک ضرور ہوسکتی ہے۔اور لمبی ناک والے کو خرطمانی کہا جاتا ہے۔(۳۳)

اس کے مقابلہ میں دیگر تراجم ملاحظہ فرمائیں:

شیخ الہند کے الفاظ میں سنسمه علی الخرطوم o ''اب داغ دیں گے ہم اس کی سونڈ پر۔''

اور تفہیم القرآن کا ترجمہ یوں ہے۔ ''عنقریب ہم اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے۔''

اسی طرح سورۃ انبیاء میں ''یدمغه'' کا ترجمہ شدت کلام کا زبردست اظہار ہونے کی بنا پر قابل سماعت ہے:

﴿ بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق ولکم الویل مما تصفون o ﴾

''بلکہ ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں تو حق باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے اور باطل شکست کھا کر بھاگ اٹھتا ہے اور تمہارے لئے ہلاکت ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم بیان کرتے ہو۔'' (۳۴)

سورۂ نور کی آیت نمبر چوبیس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿ یوم تشهد علیهم السنتهم و ایدیهم و ارجلهم بما کانوا یعملونo ﴾

''جس دن ایسے مجرموں کی اپنی زبانیں ہاتھ اور پاؤں ان کے کرتوتوں سے متعلق ان کے خلاف گواہی دیں گے۔'' (۳۵)

''ان کے کرتوتوں'' کے الفاظ میں '' بما کانوں یعملون'' کا ترجمہ شدت کلام کا بلیغ اظہار ہے۔

۵- غیر مبہم واضح ترجمہ:

قرآن مجید کی بعض آیات کے ترجمے مبہم اور غیر واضح ہوتے ہیں۔ اور عام قاری کے لئے ترجمہ اور ترجمے کے ذریعے اصل عبارت کے مفہوم تک رسائی ممکن نہیں ہوتی، لیکن فاضل مترجم نے تیسیر القرآن کے ترجمہ میں ابہام کو حتی الوسع دور کر دیا ہے۔ مثلاً:

فما وجدنا فیها غیر بیت من المسلمین o کے مختلف تراجم ملاحظہ ہوں۔

شاہ عبدالقادر یوں ترجمہ کرتے ہیں کہ ''پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ سوا ایک گھر کے مسلمانوں کا۔''

ترجمہ شیخ الہند کا بھی تقریباً یہی ہے کہ ''پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ سوائے ایک گھر کے مسلمانوں سے''

سید مودودی یوں ترجمہ فرماتے ہیں۔ ”اور وہاں ہم نے ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔“

جبکہ صاحب تیسیر القرآن کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جن میں کوئی ابہام دکھائی نہیں دیتا ”ہم نے وہاں ایک گھر کے سوا کوئی مسلمانوں کا گھر نہ پایا۔“

٦۔لفظی اور با محاورہ ترجمہ کا حسین امتزاج:

قرآن مجید کی مشکل ترین آیات میں سے ایک آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جہاں پر فاضل مترجم کی کامیاب ترجمانی لائق ستائش ہے۔

﴿ قل هل من شركائكم من يهدى الى الحق ﴾

”پوچھیے تمھارے شریکوں میں کوئی ہے؟ جو حق کی طرف رہنمائی کر سکے؟“

﴿ قل الله يهدى للحق ﴾

کہہ دیجئے ”اللہ ہی حق کی راہنمائی کرتا ہے۔“

﴿ افمن يهدى الى الحق ﴾

”بھلا یہ شخص جو حق کی راہنمائی کرے۔“

﴿ احق ان يتبع ﴾

”وہ اتباع کا زیادہ حق دار ہے۔“

﴿ امن لا يهدى ﴾

”یا وہ جو خود بھی راہ نہیں پا سکتا۔“

﴿ الا ان يهدى ﴾

”الا یہ کہ اسے راہ بتائی جائے۔“

﴿ فما لكم كيف تحكمون ٥ ﴾

”پھر تمہیں کیا ہے یہ تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔“(٣٧)

۷- محاورات عرب کا لحاظ:

کسی زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کرتے وقت اصل زبان کے محاورات وضرب الامثال پر آگاہی صحیح ترجمہ میں کامیاب ٹھہراتی ہے۔ فاضل مترجم نے محاورات عرب کو مدنظر رکھ کر ان کے ترجمے کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

مثلاً: **نکس** بمعنی اوندھا کرنا اور نکس راسہ بمعنی سر جھکانا سرنگوں ہونا اور **نکس علی راسہ** بمعنی لاجواب ہو کر ندامت سے سر ڈال دینا اور سوچنے لگنا۔ (۳۸)

سورۂ انبیاء میں اس عربی محاورہ کا محاوراتی ترجمہ ملاحظہ ہو:

﴿ ثم نکسوا علی رؤسهم لقد علمت ما هولاء ینطقون٥ ﴾

"پھر لاجواب ہو کر شرم کے مارے سرنگوں ہو گئے اور کہنے لگے یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ یہ (صنم) بولتے نہیں۔" (۳۹)

اسی طرح **سقط** بمعنی کسی چیز کا گر پڑنا اور **سقط فی الکلام** بمعنی بات کرنے میں غلطی کر جانا یا نامناسب بات کہہ دینا اور سُقِطَ یا اُسقِطَ فی یدہ بمعنی اپنی کسی بات یا دلیل کے غلط معلوم ہونے پر لوگوں کے سامنے نادم اور ذلیل ہونا یا اپنا سا منہ لے کر رہ جانا ہے۔" **ولما سقط فی ایدیهم ورأوهم انهم قد ضلوا٥**" اور جب وہ شرمسار ہوئے اور دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔ (۴۰)

اشرب حب فلاں بھی ایک عرب محاورہ ہے۔ شرب بمعنی پینا اور اشرب بمعنی پلانا اور اشرب حب الفلاں یعنی جب کسی کے دل میں کسی چیز کی محبت رچ بس جائے، بیٹھ جائے یا گھر کر جائے۔ قرآن مجید میں ہے۔ **واشربوا فی قلوبهم العجل** ..... ٥ "ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑا ان کے دلوں میں رچ بس گیا۔" (۴۱)

۸- قائم کردہ اصولوں کی پاسداری:

تیسیر القرآن کے ترجمہ میں قصداً عربی مادوں والے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ تا کہ قاری کی عربی نص سمجھنے میں مدد کی جائے۔ مثلاً: صلوٰۃ کا نماز کے بجائے صلوٰۃ سے ہی ترجمہ کیا گیا ہے۔ جیسے

ویقیمون الصلوٰۃ o ''صلوٰۃ قائم کرتے ہیں۔''(۴۲)

اکثر مقامات پر اس قائم کردہ اصول کی پاسداری کے باوجود بعض دفعہ نماز بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔مثلاً:

واقیموا الصلوٰۃ.....o ''اور نماز قائم کرو۔''(۴۳)

وھم علی صلاتھم یحافظونo ''اور وہ اپنی نمازوں کو پابندی سے ادا کرتے ہیں۔''(۴۴)

واقیموا الصلاۃ .....o ''اور نماز قائم کرو۔''(۴۵)

۹- اجنبی الفاظ کا استعمال:

فاضل مترجم مفہوم کی ادائیگی کی خاطر انگریزی کے لفظ بھی ترجمہ میں لائے ہیں۔مثلاً:

وقالوا ربنا عجل لنا قطنا قبل یوم الحساب o اور کہتے ہیں'' ہمارے رب ہمیں ہماری چارج شیٹ جلدی کرکے یوم حساب سے پہلے ہی دے دے۔''(۴۶)

قط کسی چیز کے ٹکرے کو کہتے ہیں اسی طرح حساب کے رجسٹر یا صحیفہ جائزہ کے لیے مستعمل ہے۔فاضل مترجم نے چارج شیٹ کے لفظ سے نفس مضمون کی خوب ترجمانی کی ہے۔

تیسیر القرآن کے ترجمے کے جائزہ کے بعد یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ یہ ترجمہ لفظی اور بامحاورہ یا تحت اللفظ اور حاصل المعنی ترجمہ کا حسین امتزاج ہے۔تقریباً ۹۰ فیصد سطور کا ترجمہ بھی انہی سطور یعنی آیت کے تحت ہی مکمل کیا گیا ہے۔بجا طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔کہ تیسیر القرآن کے ترجمے میں اظہار مراد کے لیے عبارت کی طوالت سے حتی الوسع احتراز کیا گیا ہے لیکن اس سے تعبیر میں کوئی رکاوٹ یا مفہوم میں کوئی دقت ہرگز پیش نہیں آتی ہے۔

عربی زبان وقواعد کے اعتبار سے زیادہ بہتر،ٹھوس اور علوم اسلامیہ کے اعتبار سے زیادہ موزوں الفاظ کے ساتھ یہ ترجمہ مکمل کیا گیا ہے۔ترجمے میں قرآن کے اعراب،محذوف کی تعیین،ضمیر کے مرجع اور عبارت میں لفظ کے مقدم ومؤخر ہونے کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔آیات میں مذکور افراد کی نفسیات کو ظاہر کرنے والے الفاظ سے ترجمہ کرتے ہیں۔ترجمہ میں سلاست و روانی ،حسن ادائیگی ، جملوں کو خوبصورتی بلکہ صوتی آہنگ بھی نوازا ہے۔جس سے قاری قرآن لطف اندوز بھی ہوتا ہے اور فہم قرآن کی

دولت سے مالا مال بھی۔

اس خوبصورت ترجمہ کے ساتھ شائع شدہ حواشی میں جدید سائنسی، فنی، طبی اور تاریخی معلومات کا قرآنی آیات سے تقابل اور قرآن کے سائنسی معجزات کی وضاحت ایسے خوبصورت انداز میں کی گئی ہے کہ عصر حاضر کے پڑھے لکھے احباب اور جدید سائنسی تحقیقات سے متاثر و مرغوب افراد اس حاشیہ سے اپنی قلبی تسکین کا خوب ساماں پاتے ہیں۔اور یوں یہ ترجمہ اور حاشیہ بہت سے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن رہا ہے۔اور اس کاوش کی یہی غایت تھی ۔حسن نیت اور عمیق گرفت نے کامیابی کی راہ آسان کی ہے۔(اللھم زد فزد)

❀❀❀❀

حواشی وحوالہ جات

۱: ماہنامہ مطلع الفجر، لاہور (خصوصی اشاعت بیاد مولانا عبدالرحمٰن کیلانی) دسمبر ۱۹۹۷ء، ص۲۱ (کیلیانوالہ فن خطاطی کا قدیم مرکز از عبدالرحمٰن کیلانی)

۲: ماہنامہ مطلع الفجر، ص۱۲۲، (تذکرۃ المشاہیر، میرے والد محترم کی سوانح حیات از پروفیسر ثریا بتول علوی)

۳: ماہنامہ مطلع الفجر، ص۷۶-۷۷ (مولانا عبدالرحمٰن کیلانی تعارف سے رشتہ مصاہرت تک از عبدالقدوس سلفی)

۴: قلمی جواہر پاروں اور تصنیفی کاوشوں کے تفصیلی تبصرہ کے لیے دیکھئے۔ ماہنامہ ''مطلع الفجر'' ص ۷۹-۹۴ (مولانا عبدالرحمٰن کیلانی اپنی تصنیفات کے آئینہ میں از عبدالوکیل علوی)

۵: کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، تیسیر القرآن، دارلسلام لاہور؟ (مقدمہ از عتیق الرحمٰن کیلانی: ص۳)

۶: قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۵ء، ص ۳۹۰-۳۹۱ (مقدمہ مطالب القرآن از عطاء اللہ پالوی)

۷: کیلانی، تیسیر القرآن، مقدمہ ص۴

۸: قاسمی، اخلاق حسین، محاسن موضح قرآن، ادارہ رحمت عالم، شیخ چاند اسٹریٹ لال کنواں۔ دہلی ۱۹۷۷، ص۱۵

۹: قاسمی، محاسن موضح قرآن، ص۳۴

۱۰: صالحہ شرف الدین، عبدالحکیم، ڈاکٹر، قرآن حکیم کے اردو تراجم، قدیمی کتب خانہ کراچی؟ ص ۱۷۸

۱۱: اوج، محمد شکیل، ڈاکٹر، قرآن مجید کے آٹھ منتخب تراجم کا تقابلی جائزہ، دارالتذکیر لاہور، ۲۰۰۷ء، ص۲۳

۱۲: احمد خاں، ڈاکٹر، قرآن کریم کے اردو تراجم، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص۱۳۔۱۴

۱۳: عثمانی، محمد نسیم، پروفیسر ڈاکٹر، اردو میں تفسیری ادب، عثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ کراچی، ۱۹۹۴ء، ص۱۱۸۔۱۱۹

۱۴: کیلانی، تیسیر القرآن، مقدمہ، ص۹

۱۵: کیلانی عبدالرحمٰن، مولانا، تیسیر القرآن (مع حاشیہ از حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی)، دارالسلام وسن پورہ لاہور؟، (۹۳: الضحیٰ: ۳-۵)

۱۶: محمود الحسن، شیخ الہند، ترجمہ قرآن کریم (مع تفسیر از شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی)، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ

پریس مدینہ منورہ، (۹۳:الضحیٰ:۳-۵)

۱۷: مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، ترجمہ قرآن مجید، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۸۹ء، (۹۳:الضحیٰ:۳-۵)

۱۸: کیلانی، تیسیر القرآن، (۱۰۷:الماعون:۱)

۱۹: شیخ الہند، ترجمہ قرآن کریم، (۱۰۷:الماعون:۱)

۲۰: سید مودودی، ترجمہ قرآن مجید، (۱۰۷:الماعون:۱)

۲۱: کیلانی، تیسیر القرآن، (۱۸:الکھف:۱۱۰)

۲۲: کیلانی، تیسیر القرآن، (۱۰۹:الکفرون:۱)

۲۳: کیلانی، تیسیر القرآن، (۱۱۴:الناس:۱)

۲۴: کیلانی، تیسیر القرآن، (۴۰:المومن:۳۲)

۲۵: کیلانی، تیسیر القرآن، (۷۳:المزمل:۱۰)

۲۶: کیلانی، تیسیر القرآن، (۲:البقرۃ:۷۲)

۲۷: کیلانی، تیسیر القرآن، (۲۷:النمل:۶۶)

۲۸: کیلانی، تیسیر القرآن، (۲:البقرۃ:۹۱)

۲۹: کیلانی، تیسیر القرآن، (۵۰:ق:۳۰)

۳۰: کیلانی، تیسیر القرآن، (۲۶:الشعراء:۶۱)

۳۱: کیلانی، تیسیر القرآن، (۲۷:النمل:۴۰)

۳۲: کیلانی، تیسیر القرآن، (۶۸:القلم:۱۶)

۳۳: مصباح اللغات، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص ۱۹۸

۳۴: کیلانی، تیسیر القرآن، (۲۱:الانبیاء:۱۸)

۳۵: کیلانی، تیسیر القرآن، (۲۴:النور:۲۴)

۳۶: ترجمہ شاہ عبدالقادر، تاج کمپنی کراچی-لاہور، (۵۱:الذریت:۳۶)

۳۷: کیلانی، تیسیر القرآن، (۱۰:یونس:۳۵)

۳۸: کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، مترادفات القرآن، مکتبہ السلام لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰۰۴

۳۹: کیلانی، تیسیر القرآن، (۲۱:الانبیاء:۶۵)

۴۰: کیلانی، تیسیر القرآن، (۷: الاعراف: ۱۴۹)

۴۱: کیلانی، تیسیر القرآن، (۲: البقرۃ: ۹۳)

۴۲: کیلانی، تیسیر القرآن، (۲: البقرۃ: ۳)

۴۳: کیلانی، تیسیر القرآن، (۲: البقرۃ: ۱۱۰)

۴۴: کیلانی، تیسیر القرآن، (۶: الانعام: ۱۵۰)

۴۵: کیلانی، تیسیر القرآن، (۷۳: المزمل: ۲۰)

۴۶: کیلانی، تیسیر القرآن، (۳۸: ص: ۱۶)

حاجی احمد ملاح کا سندھی میں قرآن کا منظوم ترجمہ اور اس کی خصوصیات

پروفیسر ڈاکٹر ثناء اللہ بھٹو ☆

باب الاسلام سندھ کے علماء ودعاۃ کی دیگر خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے قرآن مجید کے تراجم کرنے میں پہل کی۔ مخدوم نوح نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ اس وقت کیا جب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ ترجمہ شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ قرآن سے ۹۰ سال قبل ہو چکا تھا۔ چونکہ شاہ ولی اللہ دارالسلطنت دہلی میں مقیم تھے، اس لیے ان کے ترجمہ کو پذیرائی حاصل ہوئی' جبکہ مخدوم نوح کے ترجمہ کو وہ شہرت نہیں ملی اور وہ در گوشۂ گمنامی میں رہا' تا آنکہ پندرھویں صدی ہجری کی شروعات میں اسے زیور طبع سے آراستہ کیا گیا۔

برصغیر پاک وہند میں قرآن مجید کے اردو تراجم کے بعد دوسرے نمبر پر جو تراجم ہوئے وہ سندھی زبان میں ہیں۔

دائرۂ معارفِ اسلامیہ کی عبارت اس طرح ہے:

> ''اس وقت تک عربی زبان کے سب سے زیادہ قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر اردو میں ہیں' اس کے بعد سندھی زبان ہے جس میں دیگر زبانوں سے زیادہ تراجم اور تفاسیر ہیں' جن کی تعداد ۶۷ ہے اور اس کے بعد فارسی کا نمبر آتا ہے۔'' (۱)

درحقیقت یہ معلومات چالیس پینتالیس سال قبل کی ہیں' اس کے بعد قرآن مجید کے بہت سارے تراجم وتفاسیر کی تلخیصیں آچکی ہیں۔

☆ ڈین فیکلٹی آف تقابل ادیان واسلامک، سندھ یونیورسٹی، جامشورو

ہم جس ترجمے کا تعارف پیش کر رہے ہیں وہ ہے ''نور القرآن'' یہ سندھی میں منظوم، یعنی (شعری) ترجمہ ہے جو حاجی احمد ملاح صاحب نے کیا ہے۔ حاجی احمد ملاح صوبہ سندھ کی ایک تحصیل بدین کے ایک قصبے ''کنڈو'' میں ۱۳۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام ''نانگیو'' تھا۔ جو کہ ایک ناخواندہ معمولی کسان تھا۔ حاجی احمد ملاح کا پورا خاندان ناخواندہ تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس خاندان میں ایسے فرد کو پیدا کیا جس نے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور وہ اپنے علاقے کے مسلمانوں میں مروج جاہلانہ رسوم و بدعات اور شرک کو ختم کرنے میں کوشاں رہے۔

چنانچہ دعوت وتبلیغ کے ساتھ قلم کے ذریعے بھی جہاد کیا۔ ان کی اکثر تصانیف شاعری پر مشتمل ہیں' جو مجموعے چھپ کر مارکیٹ میں آ چکے ہیں' وہ درج ذیل ہیں:

دیوانِ احمد، گلشنِ احمد، گلزارِ احمد، بیاضِ احمد، پیغامِ احمد، ہیکڑائی حق، فتح لنواری، معرفۃ الالٰہ اور نور القرآن۔ (قرآنِ کریم کا منظوم ترجمہ)

مذکورہ بالا کتب میں ''معرفۃ الالٰہ'' کے علاوہ تمام کی تمام کتب نظم کی شکل میں ہیں۔ احمد ملاح کی تمام تصانیف علمی اور ادبی لحاظ سے اعلیٰ اور امثل ہیں' مگر نور القرآن ادبی اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتی ہے۔ یہ سندھی زبان کا شہ پارہ' فصاحت وبلاغت کا ایک بے نظیر اور عجیب نمونہ ہے۔ ترجمے اور زبان کا صحیح لطف اور مزہ تو وہی شخص لے سکے گا جو اس کا نہ صرف جاننے والا ہو بلکہ ادبی' شعری اور بلاغی ذوق بھی رکھتا ہو:

قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری

نور القرآن میں ترجمہ جس نظم کی صنف میں کیا گیا ہے وہ قدیم صنف ہے۔ جس کو سندھ کے قدیم شعراء شیخ حماد' نوح ہوتیانی' شیخ اسحاق آہنگر' اور قاضی قادن سے لے کر شاہ عبدالکریم بلڑی والے' شاہ لطف اللہ قادری' شاہ عنایت رضوی اور شاہ عبداللطیف بھٹائی جیسے شعراء نے اپنی شاعری میں کیا ہے۔ (۳) اور اسی صنف کو سندھ کے دیگر کبار شعراء نے بھی استعمال کیا ہے۔

فنی ترتیب کے لحاظ سے سندھی بیت شروع میں دو سطور، پھر بعد میں تین سطور میں پایا جاتا تھا۔ سندھ کے بڑے شاعر سنگ چارن کا ایک بیت تین سطر کا ہے، بعد میں چار اور اس سے بھی زیادہ سطور

والے ابیات کہے گئے اور کہے جا رہے ہیں۔ (۴)

جس طرح ابیات میں سطور کی تعداد کی کوئی پابندی نہیں ہوتی' اسی طرح کسی موضوع کی بھی قید نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر عبدالمجید سندھی لکھتے ہیں:

''اگرچہ شاعری کے مضامین' مقاصد اور رجحانات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، تاہم ہر دور کے شاعر نے ابیات کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ سومروں کے دور میں کہانیوں اور واقعات کو مؤثر بنایا گیا اور واقعات کو بیان کرنے کے لیے ابیات کا استعمال ہوا۔ چنانچہ واقعاتی ابیات کا بہت بڑا ذخیرہ وجود میں آیا جس میں تاریخی یا عمومی واقعات بیان کیے گئے تھے۔'' (۵)

نور القرآن کی خوبیاں:

یہ ترجمہ بے شمار خوبیوں کا حامل ہے ان میں سے چند درجِ ذیل ہیں:

☆ اس ترجمہ میں خالص سندھی لغت کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ عموماً شاہ عبد اللطیف کے رسالے والی قدیم سندھی لغت والے اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے۔

☆ یہ ترجمہ ادبی اعتبار سے تمام خوبیوں سے سرشار ہے جس میں فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

☆ اس ترجمے کو سہل اور آسان انداز میں پیش کیا گیا ہے' جس سے عام آدمی بھی استفادہ کر سکتا ہے۔

☆ قرآن مجید کے الفاظ و کلمات کا ترجمہ کہیں بھی نہیں چھوڑا گیا ہے، تاہم قرآنی الفاظ کی تقدیم و تاخیر ہوتی ہے انہیں بامحاورہ بنانے کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔

☆ اس ترجمہ میں محاورات اور الفاظ دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

☆ سندھی زبان میں اب تک لکھے گئے منظوم ترجموں میں مکمل قرآن کا یہی ترجمہ ہے جبکہ سندھ کے بڑے عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی (ت ۱۱۷۴ھ ۱۷۶۰ م) نے سندھی نظم میں قرآن مجید کے آخری پارے ''عم'' کا ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۳۳۰ھ ممبئی سے شائع ہوا' بعد میں علامہ غلام

مصطفیٰ قاسمی نے مرتب کر کے دوبارہ چھپوایا۔ علامہ قاسمی نے اس ترجمہ کے دیباچہ میں لکھا ہے:

''مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے سندھی زبان میں ایک پارے کا ترجمہ کر کے بعد والے علماء کے لیے تراجم کے لیے راہ ہموار کر دی ہے۔'' (٦)

تفسیر ہاشمی میں ''ن'' قافیہ والا ایک طویل بیت ہے، جس کی ۲۵ سطور ہیں اور ''و'' والے قافیہ کے ایک بیت میں ۳۵ سطور ہیں۔ ان کے علاوہ ''ی'' اور الف اشباع (۷) قافیے والے ابیات بھی ہیں۔

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی سندھ کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں، ان کے علم کی شہرت نہ صرف پاکستان تک محدود ہے بلکہ عرب ممالک میں بھی ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے ''تفسیر ہاشمی'' میں قدیم سندھی زبان استعمال کی ہے' اور ترجمہ وتفسیر کا پورا حق ادا کیا ہے۔

نور القرآن کے مترجم حاجی احمد ملاح اگرچہ علمی لحاظ سے مخدوم ٹھٹوی سے کم تھے لیکن اگر دونوں تراجم کا موازنہ کیا جائے تو احمد ملاح کا کیا ہوا ترجمہ لغت اور عام فہم کے اعتبار سے بہت بہتر نظر آتا ہے اور فصاحت وبلاغت میں بھی بلند مقام رکھتا ہے۔ حاجی احمد ملاح کے ترجمہ میں عام فہم کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے اور ترجمہ کے لیے خاص الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور شاعری کے باوجود اختصار والا اسلوب اختیار کیا ہے' جبکہ یہ چیزیں تفسیرِ ہاشمی میں نہیں پائی جاتیں۔

ذیل میں ہم تفسیر ہاشمی اور نور القرآن کے موازنہ کے لیے چند مثالیں پیش کرتے ہیں: نور القرآن: ''وخلقناکم ازواجاً'' (۸)

''۽ اپايو سون آن کي جورو نر ۽ نار'' (۹)

تفسیر ہاشمی: ۽ اسان انکي خلقيو آهي کري جت جورا'' (۱۰)

حاجی احمد ملاح نے لفظ ''خلق'' کے معنی خالص سندھی لفظ...... کا استعمال کیا ہے جبکہ تفسیر ہاشمی میں لفظ ''خلق'' ہی استعمال کیا گیا ہے۔

''وجعلنا النهار معاشاً'' (۱۱)

نور القرآن: ''۽ڏينهن کيو سون ڏيھ لئي، روشن روزگار ''(۱۲)

تفسیر ہاشمی: "ء گردانيوسين دينهن کي سبب معيشت" (۱۳)

مذکورہ بالا آیت کے ترجموں میں معاش کے لیے احمد ملاح نے لفظ ''روزگار'' استعمال کیا جبکہ تفسیرِ ہاشمی میں اصل لفظ ''معیشت'' استعمال کیا گیا ہے۔

"فتأتون افواجاً" (۱۴)

نورالقرآن: "پوء نولن پتيان نوليون نکر نديون نروار" (۱۵)

تفسیر ہاشمی: "فوج فوج تيو نکرندا هيکرا پين پتيان" (۱۶)

اس آیت میں احمد ملاح نے لفظ **"افواجاً"** کے لیے **"ٹولیون"** استعمال کیا ہے اور جبکہ تفسیرِ ہاشمی میں عربی والا لفظ ''فوج'' ذکر کیا گیا ہے۔

"جزآءً وفاقا" (۱۷)

نورالقرآن: **"بدلو سو بدين جو، پورا پورا پار"** (۱۸)

تفسیر ہاشمی: "دني تيندي کافرن کي پوري صحي جزا" (۱۹)

اس آیت میں لفظ ''جزا'' کے معنی میں حاجی احمد ملاح نے تجنیس حرفی کے ساتھ سندھی لفظ ''بدلو'' استعمال کیا ہے، جبکہ تفسیرِ ہاشمی میں وہی عربی لفظ ''جزاء'' استعمال ہوا ہے۔

"لا يسمعون فيها لغواً ولا كذابا" (۲۰)

نورالقرآن: "کچي کوري ان م، کنين بدندا کانه" (۲۱)

تفسیرِ ہاشمی: "نکو سٹندا بهشت م کلام زبونا

نکو فحش نه گار کانکي لفظ بيهودا" (۲۲)

اس آیت کے ترجمے میں احمد ملاح نے **"لغواً"** کے معنی سندھی لفظ ''کچ'' اور **"کذب"** کے لیے ''کور'' استعمال کیا ہے اور آیت کا ترجمہ تجنیس حرفی کے ساتھ تحت اللفظ اور ایک ہی سطر میں کیا ہے، جبکہ تفسیرِ ہاشمی میں ایک سطر کے بجائے دو سطروں میں ہے:

﴿ **ان الذين فتنوا المؤمنين والمؤمنات ثم لم يتوبوا فلهم عذاب جهنم ولهم عذاب**

نورالقرآن:"مؤمنن ۽ مؤمناڻين سان ڪياجن ڪلور

موني، نه مونيا، پوءتن لئي منگرآ هه مور

پن سندا ساري سور، سزا سدائين تن ڪي۔ (۲۴)

تفسیر ہاشمی"تحقيق جن ڪئا ڪافرن منجا عذاب مؤمنن"

توڻي ڪئاء مردن ڪي ڪـ وري عورتن

موني توبه نڪئاء ڪنان اهرن ڪمن

آهي ڪارڻ تن ڪافرن عذاب دوزخن

ءيں آهي ڪارڻ تن عذاب سندو چيرن" (۲۵)

مذکورہ آیت میں حاجی احمد ملاح نے "فتنوا" کا ترجمہ خالص سندھی لفظ "ڪلور" جبکہ علامہ ہاشمی نے اس لفظ کے معنی "عــذاب" کیا ہے جو عربی کا ہی لفظ ہے۔"جہنم" کے لیے علامہ ہاشمی نے "دوزخ" استعمال کیا ہے اور احمد ملاح نے اس کے لیے خالص سندھی لفظ "مـگـر" استعمال کیا ہے۔احمد ملاح نے "توبہ" کے لیے سندھی لفظ "مـونيـا" لکھا ہے اور تفسیر ہاشمی میں وہی عربی لفظ توبہ استعمال ہوا ہے۔اسی طرح تفسیر ہاشمی میں لفظ "عذاب" کے لیے اسی لفظ کو لکھا گیا ہے اور حاجی احمد ملاح نے عذاب کا ترجمہ "سـارو" کیا ہے۔اور مزید یہ کہ احمد ملاح نے اس آیت کا ترجمہ تین سطور میں کیا ہے جبکہ مخدوم ہاشم ٹھٹوی نے چار سطور میں کیا ہے۔

حاجی احمد ملاح کی سندھی زبان میں مہارت فصاحت و بلاغت اور ادبی ذوق کا اندازہ اس مثال سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے "بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم" کا ترجمہ تقریباً ۹ سورتوں کا مختلف انداز میں الگ الگ الفاظ اور مختلف جملوں میں کیا ہے' جبکہ مفہوم و معنی میں کوئی بھی فرق نہیں آتا۔ملاحظہ کے لیے ترجمے پیش کیے جا رہے ہیں:

سورۃ الفاتحہ:"بسم الله الرحمن الرحيم" اول نام الله جو' جو ڏيندڙ ڏيهه ساري "

ڏيئي نه پڇاري، مرنيان مهربان گهڻو۔" (۲۶)

سورة البقرة:"بسم الله الرحمن الرحيم " اول نام اللّٰه جو' جو ديهن جو داتار

ديئي نه پچاري پار، مرنيان مهربان گهٽو۔"(۲۷)

سورة آل عمران:"بسم الله الرحمن الرحيم " اول نام اللّٰه جو بركت بيشمار

ديهن جو داتار سياجهو سپين پرين (۲۸)

سورة النساء:"بسم الله الرحمن الرحيم " اول نام اللّٰه جو، بركت بيشمار سو

ديهن جو داتار، سو سياجهو سپين پرين (۲۹)

سورة المائدة:"بسم الله الرحمن الرحيم " اول نام اللّٰه جو، جو ديهن جو داتا،

جو ديئي نه كري پچار، سياجهو سپين پرين (۳۰)

سورة الانعام:"بسم الله الرحمن الرحيم " اول نام اللّٰه جو، ديندر ديهه سارى

ديئي نه پچاري، مرنيان مهربان گهٽو۔ (۳۱)

سورة الاعراف:"بسم الله الرحمن الرحيم " اول نام اللّٰه جو، ديهن جو داتار،

ديئي نه پچاري پار، مرنيان مهربان گهٽو (۳۲)

سورة الانفال:"بسم الله الرحمن الرحيم " اول نام اللّٰه جو، جو بركت سان پرپور

جو ديئي نه پچاري مور، سخي سياجهو گهٽو (۳۳)

سورة الفرقان:"بسم الله الرحمن الرحيم " اول نام اللّٰه جو، اول نام اللّٰه جو، مئو موچارو

سخي سونهارو، ترسوند تمام گهٽو (۳۴)

سورة الشعراء:"بسم الله الرحمن الرحيم " اول نام اللّٰه جو، مئو موچارو،

سخي سونهارو، تر سوند تمام گهٽو۔ (۳۵)

سورة النمل:"بسم الله الرحمن الرحيم " (۳۶)اول نام اللّٰه جو،

سخي سياجهو گهٽو۔ (۳۷)

سورة الرحمٰن:"بسم الله الرحمن الرحيم " اول نام دٽي ديان

سخي سياجهو سو سبحان۔ (۳۸)

سورۃ الفاتحہ، البقرہ، آل عمران، النساء، الانعام، الاعراف، الانفال اور الرحمٰن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ترجمے مختلف الفاظ اور پیرایوں میں کیے ہیں۔ جبکہ سورۂ یونس سے سورۂ نور تک اور سورۂ نمل سے سورۂ قمر تک، اور سورۃ الواقعہ سے آخر القرآن تک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ سورۂ نساء والا کیا ہے اور سورۃ الفرقان اور الشعراء دونوں سورتوں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ بقیہ تراجم سے مختلف کیا ہے۔ اور پھر سورۃ الرحمٰن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ تمام تراجم میں منفرد ہے۔

مرحوم حاجی احمد ملاح کا یہ ترجمہ درحقیقت سندھ کی علمی وثقافتی تاریخ کا عظیم کارنامہ ہے، جو سندھ کے علمی ودعوتی منظر پر چمکتا رہے گا۔ اس ترجمے کو پڑھتے ہوئے شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۱۱۶۵ھ) کی شاعری کی یاد تازہ ہوتی ہے، سلیس، رواں، بامحاورہ، ادبی چاشنی سے بھرپور اور قرآنی تعلیمات کا حامل ہے کہ شاید ہی کسی اور زبان اور فرد کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہو۔

۱۹۷۸ء میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق (مرحوم) نے ان کے کارنامے کی قدردانی کرتے ہوئے تمغۂ حسنِ کارکردگی اور دس ہزار روپے نقد دے کر ان کی خدمات کا اعتراف کیا۔

مرحوم حاجی احمد ملاح نے یہ ترجمہ ۶۵ سال کی عمر میں مکمل کیا۔ یہ ترجمہ چھ مرتبہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ اس ترجمہ کی تصحیح، کتابت اور ترتیب مولانا احمد ملاح (مرحوم) کے شاگرد اور معتقد مولوی عبداللہ جونیجو نے کی ہے۔ پہلی طبع ۱۹۶۸ء میں حقی آفسٹ پریس کراچی میں 30x20 کے عمدہ کاغذ پر ہوئی ہے جو 800 صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے ناشر مولانا کے معتقد خاص ارباب اللہ جڑیو صاحب ہیں۔ اور اس کی خطاطی مولوی مشتاق احمد کے فرزند عبدالرؤف نے کی ہے۔ ایک کالم میں قرآن مجید کی آیات ہیں دوسرے کالم میں بالمقابل ترجمے کے بیات ہیں جو شاعر کا کمال ہے۔

دوسری مرتبہ طبع ۱۹۷۸ء میں مہران آرٹس کونسل حیدرآباد، تیسری طبع داؤد فاؤنڈیشن، چوتھی طبع جمیل میمن بدین اور پانچویں طبع ۱۴۱۵ھ میں سعودی عرب کے امیر ولید بن طلال بن عبدالعزیز کی طرف سے کی گئی اور سندھ میں ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا گیا۔ چھٹی طبع ۲۰۰۴ء میں سندھیکا اکیڈمی کراچی سے ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جلیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین

حواشی وحوالہ جات

۱: دائرۃ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور ا/۱۶/ ۶۱۵۔

۲: مذکورہ تمام کتب حاجی احمد ملاح کے تلمیذ رشید اور عقید مولوی عبداللہ جو نیجو کی کوشش سے چھپی ہیں۔

۳: میمن عبدالمجید سندھی ڈاکٹر: سندھی بیت: ص۔۶۳۔مھران اکیڈمی شکار پور۔ط۔ا۔۲۰۰۲۔

۴: سندھی شاعری میں کچھ ابیات طویل ہوتے ہیں جن میں مصرعوں کی تعداد کی پابندی نہیں کی جاتی' بیس سے پچیس مصرعے بھی ہوتے ہیں اس طرز کو کبت کہا جاتا ہے۔ (میمن عبدالمجید سندھی: بیت۔ص۔۷۳۔ط۔مھران اکیڈمی شکار پور۔ط۔ا۔۲۰۰۲۔

۵: میمن عبدالمجید سندھی ڈاکٹر: سندھی بیت: ص۔۶۳

۶: قاسمی علامہ: غلام مصطفیٰ: مقدمہ تفسیر ہاشمی۔ص۱۳۔ط۔سندھی ادبی بورڈ جام شورو سندھ۔ط۔ا۔۱۹۸۷

۷: الف اشباع والے ابیات وہ ہیں جن کے قافیے کے آخر میں ''الف'' لگایا جاتا ہے، مثلاً: کریم سے کریما' انعام سے انعاما

۸: القرآن: سورۃ النبأ الآیۃ (۸)

۹: احمد ملاح: نور القرآن۔طابع: امیر ولید بن طلال ۱۴۱۵ھ میں سعودی عرب ص۔۶۸۷

۱۰: ٹھٹوی مخدوم محمد ہاشم: تفسیر ہاشمی۔ص۔۸۔سندھی ادبی بورڈ جام شورو سندھ۔۱۹۸۷

۱۱: القرآن: سورۃ النبأ الآیۃ۔۱۱

۱۲: احمد ملاح: نور القرآن۔ص۔۶۸۷

۱۳: ٹھٹوی: مخدوم محمد ہاشم: تفسیر ہاشمی۔ص:۱۱

۱۴: القرآن: سورۃ النبأ الآیۃ۔۱۸

۱۵: احمد ملاح: نور القرآن۔ص۔۶۸۷

۱۶: ٹھٹوی: مخدوم محمد ہاشم: تفسیر ہاشمی۔ص۔۱۴

۱۷: القرآن: سورۃ النبأ۔الآیۃ۲۴

۱۸: احمد ملاح: نور القرآن۔ص۔۶۹۷

۱۹: ٹھٹوی: مخدوم محمد ہاشم: تفسیر ہاشمی۔ص۔۲۰

۲۰: القرآن: سورۃ النبأ۔الآیۃ۳۵

۲۱: احمد ملاح: نور القرآن۔ص۔۶۹۷

۲۲: ٹھٹوی: مخدوم محمد ہاشم: تفسیر ہاشمی۔ص۔۲۰
۲۳: القرآن: سورۃ البروج الآیۃ (۱۰)
۲۴: احمد ملاح: نورالقرآن۔ص۔۸۰۷
۲۵: ٹھٹوی: مخدوم محمد ہاشم: تفسیر ہاشمی۔ص۔۱۱۱
۲۶: احمد ملاح: نورالقرآن۔ص۔۲
۲۷: احمد ملاح: نورالقرآن۔ص۔۳
۲۸: احمد ملاح: نورالقرآن۔ص۔۲۱
۲۹: احمد ملاح: نورالقرآن۔ص۔۹۴
۳۰: احمد ملاح: نورالقرآن۔ص۔ ۱۲۸
۳۱: احمد ملاح: نورالقرآن۔ص۔۱۵۳
۳۲: احمد ملاح: نورالقرآن۔ص۔۱۸۲
۳۳: احمد ملاح: نورالقرآن ۔ص۔۲۱۵
۳۴: احمد ملاح: نورالقرآن ۔ص۔ ۴۴۸
۳۵: احمد ملاح: نورالقرآن۔ص۔ ۴۵۷
۳۶: القرآن: سورۃ النمل الآیۃ ۳۰
۳۷: احمد ملاح: نورالقرآن۔ص ۴۷۰
۳۸: احمد ملاح: نورالقرآن۔ص۔۶۸۶

❀❀❀❀

مرزا بشیر الدین محمود احمد اور مولوی محمد علی قادیانی کے تراجم قرآن کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

حکیم محمود احمد ظفر ☆

جب سے اردو زبان کا ہندوستان میں چلن ہوا ہے اسی وقت سے قرآن حکیم کے اردو زبان میں تراجم ہونا شروع ہو گئے۔ چنانچہ اٹھارویں صدی میں شاہ مراد اللہ انصاریؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے تراجم خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ انیسویں صدی میں بے شمار لوگوں نے قرآن حکیم کے ترجمے کیے جن میں شاہ رؤف احمد رأفتؒ، نواب قطب الدین بہادر دہلویؒ، قاضی محمد صبغت اللہؒ، سر سید احمد خان، مولانا محمد احتشام الدین مراد آبادی، مولانا فخر الدین احمد قادری فرنگی محلی، مولانا عبدالحق حقانی، حکیم سید محمد حسن امروہی، مولانا فتح محمد تائب لکھنوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا امیر علی ملیح آبادی، ڈپٹی حافظ نذیر احمد دہلوی، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالی اور مولانا فتح محمد جالندھری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ پھر بیسویں صدی میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا وحید الزمان، مولانا انشاء اللہ، مرزا حیرت دہلوی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولوی محمد علی ایم۔ اے، خواجہ حسن نظامی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید عبدالدائم جلالی، مولانا فیروز الدین، مولانا ابوالاعلی مودودی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا سعید دہلوی کے تراجم مشہور ہوے۔ انیسویں صدی ہی میں دو قادیانی حضرات نے بھی قرآن حکیم کے ترجمے کیے اور اس کی تفسیر بھی لکھی۔ ان میں ایک مرزا بشیر الدین محمود احمد قادیانی ہے جس نے نہ صرف ترجمہ قرآن کیا بلکہ اس کے ساتھ دو تفاسیر بھی لکھیں۔ ایک کا نام تفسیر کبیر ہے جو دس جلدوں پر مشتمل ہے اور دوسری کا نام تفسیر صغیر ہے جو ایک جلد میں حواشی کی

☆ سیالکوٹ

شکل میں ہے۔ دوسرا ترجمۂ قرآن مولوی محمد علی ایم اے کا ہے جس کے ساتھ اس کی تفسیر ''بیان القرآن'' کے نام سے چھپی ہے۔ مولوی محمد علی ایم اے تو پڑھا لکھا آدمی تھا۔ وہ ان شخصیات میں سے تھا جنہوں نے انگریزی تعلیم کیمبرج میں حاصل کی تھی چنانچہ اس نے قرآن حکیم کا انگریزی زبان میں بھی عنفوان شباب میں ترجمہ کیا۔ اور یہ ترجمہ ہندوستان میں انگریزی زبان کا سب سے پہلا ترجمہ ادبی حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔ مولوی محمد علی انگریزی زبان کے علاوہ عربی زبان سے بھی بخوبی آشنا تھا اس وجہ سے اس نے نہ صرف قرآن حکیم کا اردو زبان میں ترجمہ کیا بلکہ بخاری کا ترجمہ بھی اردو زبان میں کیا جو عوام میں تو نہیں، البتہ ان کی اپنی جماعت میں نہایت مقبول ہوا۔

مولوی محمد علی ایم اے مرزائیوں کی لاہوری جماعت کے امیر تھے اور 1914ء تک یہ بھی مرزا غلام احمد کو اسی طرح اور انہی معنوں میں نبی مانتے تھے جن معنوں میں قادیانی شاخ نبی مانتی ہے۔ لیکن سنہ 1914ء میں جب مرزا غلام احمد قادیانی کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین بھیروی کا انتقال ہوا تو اس کے بعد خلیفہ ثانی کے لیے دو امیدوار تھے۔ ایک مرزا بشیر الدین محمود احمد اور دوسرے مولوی محمد علی ایم اے۔ مرزا بشیر الدین کے مقابلہ میں مولوی محمد علی پختہ کار بھی تھا اور صاحب علم بھی اور اس وقت اس نے قرآن حکیم کے کافی حصہ کا انگریزی زبان میں ترجمہ بھی کر لیا ہوا تھا۔ جبکہ مرزا بشیر الدین میں مولوی محمد علی کے مقابلہ میں نہ تو وہ پختہ کاری تھی اور نہ ہی وہ صاحب علم تھا۔ اس کی صرف ایک خصوصیت تھی کہ وہ مرازا غلام احمد قادیانی کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور مرزا کے الہام کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کی بشارت سے پیدا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے اسے بشیر الدین کہتے تھے۔ اصل نام اس کا محمود احمد تھا۔ چنانچہ مرزا قادیانی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے قادیانیوں کی اکثریت نے اسی کو خلیفہ ثانی مقرر کر دیا۔ چنانچہ مولوی محمد علی مرزا بشیر الدّین کے اس انتخاب سے ناراض ہو کر لاہور آ گئے اور انجمن احمدیہ اشاعت اسلام کے نام سے ایک جماعت، جو قادیانیوں میں سے ان کے ہم خیال تھی، بنا کر مرزائیت کی تبلیغ کرتے رہے۔ اس کا انتقال 1951ء میں ہوا۔ اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا دفتر برانڈرتھ لاہور میں ہے اور اسی جگہ پر 1908ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کا انتقال ہوا تھا۔

مرزا بشیر الدین اور مولوی محمد علی دونوں کا تعلق چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی سے ہے اور ان دونوں کی تعلیم و تربیت قادیان میں مرزا غلام احمد کے ہاں ہوئی ہے، لہٰذا 1914ء سے قبل ان دونوں کے عقیدے ایک جیسے تھے ،یعنی دونوں ہی مرزا غلام احمد کو نبی مانتے تھے، لیکن 1914ء کے بعد ذاتی اختلاف کی وجہ سے جب مولوی محمد علی لاہور آ گئے تو اب انہوں نے اپنے عقیدے میں تھوڑی سی تبدیلی کی۔ وہ تبدیلی بڑی عجیب اور نا قابل فہم ہے۔ مرزا غلام احمد کی تحریروں سے یہ بات قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ وہ نبوت کا مدعی ہے اور اس کے دعوی کے مطابق جو اس پر ایمان نہ لائے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ مرزا کی کتابیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ان کا مصنف مدعی نبوت ہے، صاحب وحی ہے، صاحب امرونہی ہے اور صاحب شریعت ہے۔ لیکن مولوی محمد علی مرزا صاحب کی اپنے خیال میں ان کی دینی خدمات اور کارناموں کی آبرو کو بچانا چاہتے ہیں اور دراصل وہ اپنے شعوری اور غیر شعوری طریقہ پر اپنے قلبی تعلق اور اس سے دینی عقیدت کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ گویا سرور بارہ بنکوی کی زبان میں۔

زندگی نذر حرم تو ہو چکی لیکن سرور
ہے عقیدت کا وہی عالم صنم خانوں کے ساتھ

چنانچہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے کہیں اصطلاحی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں جہاں جہاں بھی نبوت، وحی اور مسلمانوں کی تکفیر وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان کی تاویل یہ کی ہے کہ وہ صوفیانہ اصطلاحات اور مجازات و استعارات ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد علی مرزا صاحب کو اصطلاحی نبی نہیں مانتے، بلکہ چودھویں صدی کا مجدد اعظم اور مصلح اکبر اور اس سے بڑھ کر مسیح موعود مانتے ہیں اور اس نقطہ پر دونوں شاخوں کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کافۃ الناس کی طرف مبعوث ہو گئے۔ اور جن کا زمانۂ نبوت قیامت تک ممتد ہے۔ کسی دوسرے رسول یا نبی کا محتاج اپنے آپ کو سمجھنا اس نعمت کبریٰ کی

ناشکر گزاری ہے۔ پس حدیث میں جو ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ہے اس کے معنی صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ اس امت میں سے کوئی شخص ابن مریم کے رنگ میں آجائے جس طرح الیاس کے دوبارہ آنے کی پیش گوئی یوں پوری ہوئی کہ حضرت یحییٰ الیاس کے رنگ میں آ گئے۔ حضرت عیسیٰ کو قرآن حکیم کی یہ تصریح امت محمدیہ میں آنے سے روکتی ہے۔'' (تفسیر بیان القرآن:۱/۳۱۷)

مرزا قادیان کے لیے مسیح موعود کا لقب انہوں نے اپنی کتاب ''النبوۃ فی الاسلام'' میں کئی جگہ استعمال کیا ہے اور خود ان کی تفسیر بیان القرآن میں بھی کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔

(الف) ترجمہ قرآن کا عقائد سے تعلق:

ترجمہ قرآن کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا تعلق عقائد سے بھی ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص پہلے ایک عقیدہ اپنے ذہن میں قائم کر لے اور پھر قرآن کا مطالعہ کر لے تو اس کو جو آیت بھی اپنے عقیدہ کے خلاف نظر آئے گی یا تو وہ اس کی تاویل کرے گا یا اس آیت کے ترجمہ میں تحریف کا مرتکب ہو گا۔ اس کی مثالیں ہمیں سرسید کے ترجمہ قرآن اور مرزا غلام احمد کے کئی آیات قرآنیہ کے ترجمہ میں ملتی ہیں، جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

(1) ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عابد کامل جب فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو اسے رب العالمین کی صفات عطاء کی جاتی ہیں۔ (اعجاز المسیح: ص ۱۹، روحانی خزائن: ۱۸/۱۲۳)

(2) ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' میں ''یوم الدین'' سے مراد مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ (روحانی خزائن: ۱۸/۱۴۴۔۱۴۵)

(3) سورۃ القیامۃ کی آیت ''وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ'' سے چاند گرہن اور سورج گرہن مراد ہے جو مرزا صاحب کے زمانہ میں واقع ہوا۔ (نور الحق: ۲/۱۷، روحانی خزائن: ۸/۱۹۴)

(4) یاجوج ماجوج سے مراد انگریز اور روس ہیں۔ (ازالہ اوہام: ص ۵۰۲، روحانی خزائن: ۲۱/۳۶۹)

(5) تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے۔ مکہ اور مدینہ اور قادیان۔

(ازالہ اوہام حاشیہ: ص ۷۷، روحانی خزائن: ۳/۱۴۰)

(6) قرآن شریف بضرب دہل فرما رہا ہے کہ عیسیٰ بن مریم رسول اللہ زمین میں دفن کیا گیا ہے۔

(تحفہ گولڑویہ: ص ۴۶، روحانی خزائن: ۱۵/۱۵۶)

(ب) مرزا بشیر الدین کا ترجمہ قرآن اور تفسیر صغیر:

مرزا بشیر الدین نے اپنے آبا کے عقائد اور دعاوی کو درست ثابت کرنے کے لیے قرآن حکیم کا ترجمہ کیا اور ترجمہ کرتے وقت نہ تو اس نے قرآن حکیم کی دوسری آیات کا لحاظ رکھا اور نہ ہی حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین کا اور نہ ہی لغت عرب اور اس کی گرامر کا جس کو آپ مندرجہ ذیل آیات میں ملاحظہ فرمائیں گے:

(1) قرآن حکیم میں ہے "وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ" کا ترجمہ کیا ہے کہ "آئندہ ہونے والی (موعود باتوں) پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

(2) وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ فَسَجَدُوْا إِلَّا إِبْلِيْسَ (البقرہ: ۳۴)

مرزا بشیر الدین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے

(اور اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی فرمان برداری کرو اس پر انہوں نے فرمان برداری کی مگر ابلیس (نے نہ کی)

جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کیا۔

اس آیت میں سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا آدم علیہ السلام بطور قبلہ کے تھے۔ اس کا معنی فرمان برداری درست نہیں ہے۔ (دیکھیے تفسیر ابن کثیر، ۱/۷۷)

(3) وَ إِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْن [72:2]

(اور اس وقت کو بھی یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا، پھر تم نے اس

کے بارے میں اختلاف کیا حالانکہ جو (کچھ) تم چھپاتے تھے، اللہ اسے ظاہر کرنے والا تھا۔ (تفسیر صغیر: ص ۱۸)

اس آیت میں ''واذقتلتم'' کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے، اس کا صحیح ترجمہ ''اور جب تم نے قتل کیا۔'' یہ ترجمہ کہ ''اور جب تم نے قتل کرنے کا دعویٰ کیا'' درست نہیں ہے۔

(4) تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ (البقرۃ: ۱۴۲،۱۳۵)

''یہ وہ جماعت ہے جو (اپنا زمانہ پورا کر کے) فوت ہو چکی ہے۔'' (تفسیر صغیر: ص ۳۹، ۴۰)

یہ ترجمہ عربی لغت کے خلاف ہے کیونکہ خَلَا یَخْلُوْ خَلْوًا کا مَاتَ یموت موتاً سے کرنا لغت عرب کے خلاف ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کے علاوہ اور کسی مترجم نے یہ ترجمہ نہیں کیا۔ قادیانی یہ ترجمہ کر کے سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

(5) عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ (البقرہ: ۱۸۷)

''اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنے نفسوں کی حق تلفی کرتے تھے، اس لیے اس نے تم پر فضل سے توجہ کی اور تمہاری (اس حالت کی) اصلاح کر دی۔'' (تفسیر صغیر: ص ۴۰، ۴۱)

اس آیت میں ''تختانون انفسكم'' اور ''وعفاعنكم'' کے ترجمہ میں تحریف کی گئی ہے۔

اختیان کا صحیح معنی ہے خیانت کرنا، حق تلفی کرنا نہیں ہے۔ اور ''عفاعنكم'' کے دو معنی ہیں گنجائش دینا اور گناہ معاف کرنا۔ اصلاح کرنا اس کا معنی ہرگز نہیں۔

(6) اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّ هِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَه (البقرہ: ۲۵۹)

''اس پر اللہ نے اسے سو سال (تک خواب میں) مارے رکھا پھر اسے اٹھایا۔'' (تفسیر صغیر: ص ۶۹)

مرزا بشیر الدین کا یہ ترجمہ غلط ہے۔ یہ عالم بیداری کا ایک واقعہ ہے جس کو انہوں نے خواب کا واقعہ بنا دیا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ نے بھی اس ترجمہ کے غلط ہونے کی تردید کی ہے۔ چنانچہ مقالہ نگار نے لکھا ہے:

''قرآن مجید نے یہ قصہ ایک حقیقی واقعہ کی حیثیت سے بیان کیا ہے۔ اسے مجاز یا مکاشفہ کا رنگ دینا درست نہیں۔ مشہور قول کے مطابق یہ واقعہ حضرت عزیر کے ساتھ پیش آیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر دمشق میں ہے۔''

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور: ۱۳/ ۳۲۸)

(7) قرآن حکیم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا.(البقرہ: ۲۶۰)

''اور (اس واقعہ کو بھی یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ اے میرے رب! مجھے بتا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے.......... فرمایا: اچھا تو چار پرندے لے اور ان کو اپنے ساتھ سدھا لے۔ پھر ہر ایک پہاڑ پر ان میں سے ایک (ایک) حصہ رکھ دے۔ پھر انہیں بلا، وہ تیری طرف تیزی سے چلے آئیں گے۔''(تفسیر صغیر: ص ۷۰۔۷۱)

اس ترجمہ میں مرزا بشیر الدین نے تحریف کی ہے۔ ''**فصرهن الیك**'' کا ترجمہ کیا ''اور ان کو اپنے ساتھ سدھا لے۔'' اور ''**یاتینك سعیاً**'' کا ترجمہ کیا ''وہ تیری طرف تیزی کے ساتھ چلے آئیں۔ اگر یہ ترجمہ درست مان لیا جائے تو یہ احیاء موتی کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ سوال سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا احیاء موتی کی کیفیت کے بارے میں تھا، اور سدھائے ہوئے پرندوں کو اپنے پاس بلا لینا احیاء موتی کی کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا ''**فصرهن الیك**'' کا ترجمہ ہے ''چار جانور پکڑوا کر اپنے پاس منگوالو اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرا دو پھر ہر ٹکڑا کو ہر ایک پہاڑ پر رکھو اور پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے۔''

چنانچہ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں "فصرھن" سے "فَقَطِّعْهُنَّ" مراد ہے۔

اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور ان کے گوشت، پروں اور خون وغیرہ کو باہم ملا دیا۔ پھر انہیں بلایا تو وہ دوڑتے ان کے پاس چلے آئے۔ (تفسیر کبیر: ۷/۴۵)

(8) سورۃ آل عمران میں ہے:

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَ ارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (آل عمران: ۴۳)

"اے مریم! تو اپنے رب کی فرمان بردار بن اور سجدہ کر اور صرف موحدانہ پرستش کرنے والوں کے ساتھ مل کر موحدانہ پرستش کر۔" (تفسیر صغیر: ص ۸۵)

مرزا محمود نے اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے کہ "رکع" کے معنی توحید کے مطابق عبادت کرنے ہیں، اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ موحدانہ پرستش کر۔

معلوم نہیں دنیا کے کس لغت میں رکوع کے معنی موحدانہ پرستش کے ہیں (ملاحظہ ہو المفردات فی علوم القرآن: ص ۲۰۲، المنجد اور دیگر لغات عرب) اور تمام مفسرین نے بھی رکوع کے معنی نماز والا رکوع کیا ہے۔

(9) سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں قرآن حکیم میں ہے:

وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا (آل عمران: ۴۶)

"اور پنگھوڑے یعنی چھوٹی عمر میں بھی لوگوں سے باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر کی حالت میں بھی۔" (تفسیر صغیر: ص ۸۵)

"مہد" کے اہل عرب کے ہاں دو مطلب ہیں:

(1) ماں کی گود

(2) بچے کے دودھ پینے کا زمانہ

ان میں سے جو معنی بھی مراد لیا جائے، اس سے آیت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ماں کی گود میں لوگوں سے گفتگو فرماتے تھے۔ اور سورہ مریم آیت نمبر 28 میں صاف طور پر کہا گیا

ہے کہ جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ مریم ان کو اٹھا کر (تَحمِلُهٗ) قوم کے پاس لے کر گئیں اور انہوں نے قوم سے باتیں کیں اور اپنی والدہ کی بریت فرمائی۔ مرزا بشیر الدین نے وہاں بھی "تحملہ" کا ترجمہ غلط کیا ہے کہ "وہ ان کو لے کر اپنی قوم کے پاس سوار کرا کر لائیں۔" (تفسیر صغیر: ص ۳۸۶)

(10) اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السمآء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ (آل عمران: ۵۵)

اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "اے عیسیٰ! میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھا لوں گا۔" لیکن مرزا بشیر الدین نے اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے:

"(اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ نے کہا: "اے عیسیٰ! میں تجھے (طبعی طور پر) وفات دوں گا اور تجھے اپنے حضور میں عزت بخشوں گا۔" (تفسیر صغیر: ص ۸۷)

اس آیت میں مرزا بشیر الدین نے "**متوفيك**" کا اور "**رافعك الى**" کا ترجمہ درست نہیں کیا۔ "**متوفيك**" کا درست اور صحیح معنی ہے "میں تجھے پورا پورا (یعنی جسد مع الروح) وصول کروں گا، جب کہ مرزا بشیر نے اس کا معنی کیا ہے کہ "میں تجھے طبعی طور پر وفات دوں گا۔" اور "**رافعك الى**" کا صحیح ترجمہ ہے "میں تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا" اور بشیر الدین نے تحریف کر کے اس کا معنی کیا ہے "میں تجھے اپنے حضور میں عزت بخشوں گا۔"

حیات عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفع الیٰ السماء کی تفصیل اور "**متوفيك**" اور "**رافعك الى**" کے معنوں کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "عقيدة اهل الاسلام فى حياة عيسىٰ عليه السلام۔"

(11) وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (آل عمران: ۱۱۲)

اور بلا وجہ نبیوں کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ (تفسیر صغیر: ص ۹۴)

اپنے اس ترجمہ کے حاشیہ میں مرزا بشیر الدین نے لکھا ہے:

"قرآن کریم میں "يقتلون الانبياء" کے الفاظ ہیں، اور بنی اسرائیل نے سب انبیاء کو

قتل نہیں کیا، مگر چونکہ قتل کا لفظ کوشش قتل کے لیے بھی آتا ہے، ہم نے واقعات کے مطابق قتل کرنے کی کوشش ترجمہ کیا ہے۔''

مرزا بشیر الدین کو معلوم ہونا چاہیے کہ ''الانبیاء'' پر الف لام استغراق کا نہیں بلکہ عہد کا ہے، لہٰذا مرزا بشیر کا یہ ترجمہ اور حاشیہ غلط ہے۔

(12) **وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل** (آل عمران: ۱۴۴)

''اور محمد صرف ایک رسول ہے اور اس سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔''

(تفسیر صغیر: ص ۹۸)

اس آیت میں مرزا بشیر الدین نے ''قَدْ خَلَتْ'' کا معنی کیا ہے ''فوت ہو چکے ہیں''، جو کہ بالکل غلط ہے۔ یہ ترجمہ صرف سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے عقیدہ کو تقویت دینے کے لیے ہے۔ خلت کا معنی فوت ہونا نہیں ہے۔ یہ کسی مستند لغت میں معنی نہیں لکھا ہوا۔ خود مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی ''خلت'' کا معنی موت نہیں کیا، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''**وَمَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ** میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ وہ صرف ایک رسول ہے اور اس سے پہلے بھی رسول ہی آتے رہے ہیں۔''

(جنت مقدس: ص ۷، روحانی خزائن: ۱۴/ ۸۹)

(13) **وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ** (النساء: ۶۹)

''اور جو (لوگ بھی) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں۔''

(تفسیر صغیر: ص ۱۱۹۔۱۲۰)

اس آیت میں مرزا بشیر الدین نے ''مع'' کو ''من'' کے معنی میں لیا ہے۔ یہ معنی لغت اور چودہ سو سال کے مفسرین کے معنوں کے خلاف ہے۔

(14) وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النسآء:۱۵۸)

''اورانہوں نے ہرگز اسے قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اسے اپنے حضور رفعت بخشی۔''

رفع کا معنی مرزا بشیر نے یہاں رفعت بخشا لکھا ہے جو کہ غلط ہے جب کہ قادیانی خلیفہ اول حکیم نورالدین نے اس کا معنی اٹھانا لکھا ہے۔

''بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔'' (فصل الخطاب: ص۳۱۴ حاشیہ)

(15) وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (النسآء:۱۵۹)

''اور اہل کتاب میں سے ایک بھی نہیں جو اس (واقعہ) پر اپنی موت سے پہلے ایمان نہ لاتا رہے۔'' (تفسیر صغیر: ص۱۳۶)

اس آیت میں ''بہ'' کی ضمیر کا مرجع واقعہ صلیب کو قرار دیا ہے، جو سیاق وسباق اور اصول تفسیر کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔ یہاں پر دونوں ضمیروں کا مرجع سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہے۔

(16) فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (المائدہ:۱۱۷)

''مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگران تھا۔ (میں نہ تھا) تو ہر چیز پر قادر ہے۔'' (تفسیر صغیر: ص۱۶۳)

اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور مرزا بشیر الدین نے ''توفّی'' کا معنی ہر جگہ موت لکھا ہے۔ اس معنی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک خودساختہ قاعدہ لکھا ہے کہ

''علم نحو میں صریح یہ قاعدہ مانا گیا ہے کہ ''توفی'' کے لفظ میں جہاں خدا فاعل اور انسان مفعول بہ ہو ہمیشہ اس جگہ توفی کے معنی مارنے اور روح قبض کرنے کے آتے ہیں۔''

(تحفہ گولڑویہ: ص۴۵، روحانی خزائن: ۱۷/۱۶۲)

یہ قاعدہ مرزا غلام احمد قادیانی کا خود ساختہ ہے، علم نحو کی کسی کتاب میں یہ قاعدہ مرقوم نہیں۔ باقی قادیانیوں کا یہ دعویٰ کہ جب اللہ فاعل اور انسان مفعول بہ ہو تو توفی کا معنی موت کے علاوہ ممکن ہی نہیں، ان کا یہ دعویٰ قرآن وحدیث کی نصوص کے خلاف ہے۔ قرآن وحدیث میں کئی جگہ اس قاعدہ کے خلاف آیا ہے۔ (ملاحظہ ہو البقرۃ:۲۸۱، آل عمران:۶۵، الانعام:۶۰، النمل:۱۱۱ وغیرہ)

خود مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اپنے اس قاعدہ کے خلاف قرآن کی آیت کے معنی کیے ہیں:

"اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ.........."

"یعنی میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔"

(براہین احمدیہ: ص ۵۲۰، حاشیہ، روحانی خزائن: ۱/ ۶۲۰)

(17) فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ (یوسف:۳۲)

"پس جب انہوں نے اسے دیکھا تو اسے (بہت) بڑی شان کا انسان پایا اور (اسے دیکھ کر حیرت سے) اپنے ہاتھ کاٹے (یعنی انگلیاں دانتوں میں دبالیں)۔" از حاشیہ (تفسیر صغیر: ص ۲۹۳)

مرزا بشیر الدین نے " قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ " کا ترجمہ انگلیاں دانتوں میں دبانا مراد لیا ہے جو کہ غلط ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ان عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔

(18) فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا (یوسف:۹۶)

پس جونہی کہ (یوسفؑ کے مل جانے کی) بشارت دینے والا (شخص حضرت یعقوب کا پاس) آیا اس نے اس (کرتے) کو اس کے سامنے رکھ دیا جس پر وہ ساری بات سمجھ گیا، کہ بصیرا کا غلط ترجمہ ہے۔" (تفسیر صغیر: ص ۳۰۴)

(19) فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا (مریم:۲۹)

"اس پر اس نے اس (بچہ) کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر لوگوں نے کہا: ہم اس سے کس طرح بات کریں جو کہ (کل تک) پنگھوڑے میں بیٹھنے والا بچہ تھا۔" (تفسیر صغیر: ص ۳۸۶)

جب کہ اس کا درست ترجمہ یہ ہے: ''مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا، وہ بولے کہ ہم اس سے کہ گود کا بچہ ہے کیوں کر بات کریں''

(20) فَاَكَلَا مِنۡهَا فَبَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَـنَّةِ (طٰہٰ:۱۲۱)

''پس ان دونوں نے (یعنی اور اس کے ساتھیوں نے) اس درخت میں سے کچھ کھایا (یعنی اس کا مزہ چکھا) جس پر ان دونوں کی کمزوریاں ان پر کھل گئیں، اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کی زینت کے سامان (یعنی اعمال نیک) لپیٹنے لگ گئے۔'' (تفسیر صغیر: ص ۴۰۶)

مرزا البشیر الدین نے اس ترجمہ میں تین تحریفیں کی ہیں:

3/41 ''فاکلا'' تثنیہ کا صغیہ ہے لیکن اس نے اس کا فاعل جمع قرار دیا یعنی ''آدم اور اس کے ساتھیوں نے'' حالانکہ ''فاکلا'' کا فاعل صرف دو ہیں، سیدنا آدم اور حوا۔

3/42 ''سواٰتهما'' کا ترجمہ کمزوریاں کیا ہے جب کہ درست ترجمہ شرم گاہیں ہیں۔

3/43 ''ورق الجنة'' کا صحیح ترجمہ ہے جنت کے درخت کے پتے'' مگر اس نے ترجمہ کیا ہے جنت کی زینت کے سامان یعنی اعمال نیک۔

(21) وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا (حج: ۷)

''اور ہر چیز کے لیے جو وقت مقرر ہے، وہ ضرور آ کر رہے گا۔'' (تفسیر صغیر: ص ۴۲۳)

جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے ''اور بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں۔''

(22) حَتّٰٓى اِذَاۤ اَتَوۡا عَلٰى وَادِ النَّمۡلِ قَالَتۡ نَمۡلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا مَسٰكِنَكُمۡ (النمل: ۱۹)

''یہاں تک کہ وہ وادی نملہ میں پہنچے تو نملہ قوم میں سے ایک شخص نے کہا: اے نملہ قوم! اپنے اپنے گھروں میں چلے جاؤ۔'' (تفسیر صغیر: ص ۴۸۶)

یہاں لفظ نملہ سے مراد چیونٹی ہے، جب کہ مرزا البشیر نے نملہ قوم مراد لی ہے۔ نملہ کا قوم چیونٹی کے بجائے نملہ قوم اس لیکیا تا کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کا یہ معجزہ تسلیم نہ کرنا پڑے۔

(23) وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فِى النَّارِ (النمل: ۹۰)

''اور جو لوگ برے عمل لے کر خدا کی خدمت میں حاضر ہوں گے ان کے سرداروں کو دوزخ میں اوندھا کر کے گرا دیا جائے گا۔'' (تفسیر صغیر: ص ۴۹۵)

جب کہ اس کا درست ترجمہ یہ ہے کہ ''جو شخص برائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔''

(24) وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ (ص: ۴۴)

''اس کا درست ترجمہ یہ ہے کہ ''اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مار دو اور قسم نہ توڑو۔''

لیکن مرزا بشیر الدین نے اس کا نہایت عجیب وغریب ترجمہ کیا ہے:

''اور (ایوب سے کہا کہ) اپنے ہاتھ میں ایک کھجور کی گچھے دار ٹہنی پکڑ لے اور اس کی مدد سے تیزی کے ساتھ سفر کر (یعنی اس سے مار مار کر سواری کے جانور کو دوڑا) اور حق سے باطل کی طرف مائل نہ ہو۔''

ان آیت کے سیاق وسباق میں کہیں بھی گھڑ سواری اور سواری کو مارنے کا کوئی حکم نہیں۔ معلوم نہیں یہ ترجمہ مرزا بشیر الدین نے کہاں سے بیان کر دیا۔

(25) وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا (زخرف: ۶۱)

''اور وہ (یعنی قرآن) آخری گھڑی کا علم بخشتا ہے پس تم ساعت کے متعلق شبہ نہ کرو۔'' (تفسیر صغیر: ص ۶۵۱)

جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہے (تو کہہ دو کہ لوگو!) اس میں شک نہ کرو''

اس آیت کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح کا اول مرتبہ آنا تو خاص بنی اسرائیل کے لیے ایک نشان تھا کہ بدوں باپ کے پیدا ہوئے اور عجیب وغریب معجزات دکھلائے اور دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہو گا۔ ان کے نزول سے لوگ معلوم کر لیں گے کہ قیامت بالکل نزدیک آ لگی ہے۔'' (فوائد عثمانی: ص ۶۵۶)

(26) يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (المدثر: ۱)

''اے بارانی کوٹ پہن کر کھڑے ہو جانے والے۔'' (تفسیر صغیر: ص ۷۸۲)

جب کہ اس کے درست معنی ہیں: ''اے (محمد!) جو کپڑا لپیٹے پڑے ہو۔''

(27) وَفِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَاد، اَلَّذِيْنَ طَغَوْا فِى الْبِلَاد (فجر: ۱۰۔۱۱)

''اور فرعون کے متعلق بھی تجھے کچھ پتہ ہے جو پہاڑوں کا مالک تھا وہ (پہاڑ) جنہوں نے شہروں میں سخت فساد کر رکھا تھا۔''

یہ ترجمہ بھی تحریف شدہ ہے۔

(28) سورۂ فیل میں فرمایا:

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ (فیل: ۱۵)

''(جو) ان (کے گوشت) کو سخت قسم کے پتھروں سے مارتے (اور نوچتے) تھے۔''

(تفسیر صغیر: ص ۸۴۵)

اس ترجمہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''چیلیں وغیرہ جب مردوں کے گوشت کھاتی ہیں تو اسی طرح کھاتی ہیں۔ پہلے مردے کی ایک بوٹی اٹھا کر لے جاتی ہیں۔ پھر پتھر پر بیٹھ جاتی ہیں۔ پھر چونچ سے اس بوٹی کو پکڑ کر بار بار پتھر پر مارتی ہیں اور پھر کھاتی ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اگر بوٹی کو مٹی یا ریت وغیرہ لگ گئی ہو تو اس کو دور کر دیں۔

مرزا بشیر الدین نے اپنی تفسیر کبیر: ۱۰/ ۴۵۔۴۶ میں بھی لکھا ہے کہ ابرہہ بادشاہ اور اس کے فوجیوں کو چیچک لاحق ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ سب مر گئے۔ ''ترمیھم بحجارۃ من سجیل'' کا مطلب یہ ہے کہ چیلیں اور کوے وغیرہ پرندے ان کی لاشوں کو نوچتے تھے اور گوشت کے ٹکڑے لے کر چٹانوں پر بیٹھ جاتے اور بوٹیوں کو سخت پتھروں پر مارتے تھے۔

یہی بات اس نے اپنی تفسیر صغیر میں بھی لکھ دی ہے۔

(29) بعض آیات کا ترجمہ مرزا بشیر الدین نے کسی حد تک درست کیا ہے، لیکن اس کی تفسیر و توضیح

میں وہ تاویلات کی ہیں کہ اقبال (مرحوم) کو کہنا پڑا ؎

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت

خداو جبرئیل و مصطفٰے را

اس کی مثال سورۃ اللھب ہے۔ اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

''شعلہ کے باپ کے دونوں ہاتھ ہی شل ہو گئے ہیں اور وہ (خود) بھی شل ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے مال نے اس کو کوئی فائدہ نہیں دیا اور نہ اس کی کوششوں نے (کوئی فائدہ) دیا ہے۔ وہ ضرور آگ میں پڑے گا جو (اسی کی طرح) شعلے مارنے والی ہو گی، اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن اٹھا اٹھا کر لاتی ہے (آگ میں پڑے گی) اس کی (بیوی کی) گردن میں کھجور کا سخت بٹا ہوا رسہ باندھا جائے گا۔''

پہلے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''یا تو ابولہب کے رنگ کی طرف اشارہ ہے جو بہت سفید تھا یا اس کی طبیعت کی طرف اشارہ ہے جو بہت غصیلی تھی، یا ہر دشمن اسلام کی طرف اس کی باطنی حالت کی وجہ سے اشارہ ہے، یا امریکہ اور روس کی طرف اشارہ ہے جن دونوں نے اپنے دو دو حلیف بنا چھوڑے ہیں تا کہ بوقت جنگ کام آئیں۔ اور حلیف ہاتھ کا ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ ہاتھ سے بھی مدد یا دفاع کا کام لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ یہ دونوں فریق غلطی پر ہوں گے۔ ایک فریق تثلیث پر قائم ہو گا اور دوسرا فریق دہریت پر، اس لیے ہم نے ان دونوں فریق کے دونوں ہاتھوں کو شل کر دیا ہے یعنی ان کے جو بڑے بڑے ساتھی ہیں ان کی تباہی کے سامان پیدا کر دیئے ہیں اور اسی طرح ان دونوں فریق کی اپنی تباہی کے بھی سامان پیدا کر دیئے ہیں۔

شعلہ اور مال پر حاشیہ میں مزید لکھا ہے کہ ''یعنی وہ بڑے مالدار ہوں گے، لیکن ان کا مال ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ بڑے بڑے سائنٹیفک سامان ان کو حاصل ہوں گے لیکن وہ بھی ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ یعنی وہ آخر میں ضرور دنیوی یا اخروی عذاب میں پڑ کر رہیں گے جو ویسی ہی شعلہ مارنے والی آگ ہو گی جیسا کہ ان کا دل اسلام کے خلاف بغض سے شعلے مارتا ہے۔

"وامرأته حمالة الحطب" کی تفسیر میں لکھا ہے۔ "بیوی سے اس جگہ تابع لوگ مراد ہیں یعنی ملکی رعیت اور مطلب یہ ہے کہ جو بیرونی دوست وہ بنائیں گے وہ بھی تباہ ہو جائیں گے اور ان کے اموال بھی تباہ ہو جائیں گے اور سامان بھی تباہ ہو جائیں گے۔ اور رعایا بھی تباہ ہو جائے گی۔ اس وجہ سے کہ رعایا بھی ان کی بھڑکائی ہوئی آگ میں مزید ایندھن ڈالتی جاتی تھی اور ان کو جوش دلاتی جاتی تھی۔

چونکہ یہ جمہوری حکومتیں ہوں گی اس لیے ان کی رعایا اپنے سیاسی سرداروں سے بڑا گہرا جوڑ رکھتی ہو گی۔ ایسا جوڑ جس کو توڑا نہیں جاتا، اس لیے یہاں کھجور کے رسے کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہ ٹوٹا نہیں کرتا اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی رعایا ہمیشہ ان کو اکساتی رہے گی کہ لڑائی کے لیے اور سامان پیدا کرو جس کی طرف "حمالة الحطب" میں اشارہ ہے۔

مرزا بشیر الدین قادیانی کے ترجمہ قرآن کی یہ چند غلطیاں تھیں جن کو ہم نے اس مقالہ میں بیان کیا ہے۔ اگر ان تمام غلطیوں کی تفصیل بیان کی جائے تو اس کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے ۔

ہر ایک بات زبان پر نہ آسکی باقی
کہیں کہیں سے سنائے ہیں ہم نے افسانے

۲۔ مولوی محمد علی ایم اے کے ترجمہ قرآن کا سرسری جائزہ:

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ مولوی محمد علی ایم اے نہ صرف انگریزی کے بہت بڑے عالم اور ادیب تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے انگریزی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ کیا، بلکہ اردو اور عربی میں بھی بہت ماہر تھے اور انہوں نے نہ صرف قرآن حکیم کا اردو زبان میں ترجمہ کیا بلکہ حدیث کی کتاب بخاری کا ترجمہ بھی کیا۔ یہ مرزا بشیر الدین پڑھے لکھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا بشیر الدین نے قرآن حکیم کے ترجمہ میں بہت سی غلطیاں بلکہ تحریفات کی ہیں۔ لیکن اس کے مقابلہ میں مولوی محمد علی نے قرآن حکیم نہایت اچھا اور بامحاورہ ترجمہ کیا ہے سوائے ان مقامات کے جہاں مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد پر زد پڑتی تھی کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی سے عقیدت کا دامن تو تاحال بندھا ہوا ہے۔ مولوی محمد علی اگرچہ اس کو حقیقی معنوں میں نبی تو نہیں مانتا، لیکن مسیح موعود اور مجدد اعظم تو مانتا ہے لہٰذا حیات مسیح وغیرہ کے

بارے میں جہاں بھی آیات درج ہیں وہاں اس کے معنی وہی لکھے ہیں جو تمام امت کے خلاف مرزا غلام احمد نے لکھے ہیں۔ جس کے بارے میں آئندہ صفحات میں اجمالی طور پر کچھ بیان کیا جائے گا۔

اتنی بات ضرور ہے کہ مولوی محمد علی کا یہ ترجمہ مرزا بشیر الدین قادیانی کے ترجمہ سے بہت بہتر ہے۔ قریباً قرآن حکیم کے ہر لفظ کا عربی میں مأخذ بیان کر کے بتایا ہے کہ لغوی لحاظ سے اس کے معنی یہ ہیں اور اصطلاحی لحاظ سے یہ ہیں، ترجمہ کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے ترجمہ کرنے اور تفسیر میں محنت کی ہے۔ پھر چونکہ مولوی محمد علی جدید اور قدیم دونوں علوم سے آشنا تھا اس وجہ سے جدید نظریات کی بھی اپنی تفسیر اور ترجمہ میں تردید کی ہے۔

اس ترجمہ کی پہلی جلد 1340ھ/ 1921ء میں مطبع کریمی میں ماسٹر فقیر اللہ مہتمم تصنیفات نے طبع کروا کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے شائع کی۔ اس میں ابتدائے سورۃ الفاتحہ سے آخر سورۃ الانعام تک کا ترجمہ ہے۔ صفحات کی تعداد سات سو اٹھائیس (728) ہے۔

جلد دوم مطبع کریمی میں باہتمام میر امیر بخش طبع ہوئی۔ دوسری جلد ابتدائے سورۃ الاعراف سے اخر سورۃ المومنون تک ہے۔ صفحات کی تعداد 604 ہے۔ اس کی اشاعت 1341ھ/ 1922ء میں ہوئی۔

جلد سوم 1342ھ/ 1923ء میں مطبع کریمی لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ طبع ہوئی جو اول سورۃ النور سے آخر سورۃ الناس تک ہے اور 624 صفحات پر مشتمل ہے۔

دوسری بار یہ ترجمہ مولوی محمد علی کی وفات (1951ء) کے اٹھارہ سال بعد 1969ء میں دو جلدوں میں طبع ہوا۔ اس کی طباعت منشی محمد شریف اور منشی غلام جیلانی جو نہایت اچھے کاتب ہیں، ان سے کروائی گئی اور نوائے وقت پرنٹرز، لاہور سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے اہتمام سے چھپوایا۔ اس کی پہلی جلد 775 صفحات پر مشتمل ہے، جبکہ دوسری جلد 721 پر مشتمل ہے۔ متن قرآن کی کتابت نہایت عمدہ ہے۔ متن کے بالکل سامنے اس کا ترجمہ اور نیچے حاشیہ میں اس کی تفسیر دی ہوئی ہے۔ جلد اور کاغذ اور کتابت تینوں نہایت دیدہ زیب ہیں۔

ترجمہ سلیس ہوتے ہوئے ادبی خوبی بھی لیے ہوئے ہے، لسانی حیثیت سے فصاحت اور شستگی ہے۔

معنوی لحاظ سے ان کے عقائد اور خیالات کی وجہ سے ان کے ترجمے اور تفسیر پر اعتراضات ہیں۔ اگر چہ ترجمہ بہت محتاط ہو کر کیا گیا ہے لیکن مولوی صاحب چونکہ مرزائیوں کی لاہوری شاخ کے امیر تھے اس لیے ان کا ترجمہ غلط عقائد کی ترجمانی سے خالی نہیں ہے، لیکن ترجمہ کرتے وقت نص قرآن اور ترتیب الفاظ کا خیال رکھنے کے باوجود ترجمہ میں روانی اور تسلسل قائم ہے۔ چنانچہ ترجمہ کا نمونہ درج ذیل ہے:

﴿ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ (القصص: ٦٠)

''اور جو کوئی چیز تم کو دی گئی ہے تو وہ دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟''

ایک اور آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴾ (محمد: ٣٦)

''دنیا کی زندگی صرف کھیل اور بے حقیقت چیز ہے، اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو وہ تمہارے اجر تمہیں دے گا اور تمہارے مال تم سے نہیں مانگے گا۔''

مولوی محمد علی نے ہر جلد کی شروعات میں فہرست مضامین بیان القرآن دی ہے۔ ان کے ترجمے کا طریقہ یہ ہے کہ سورۃ کا نام لکھنے کے بعد خلاصۂ مضمون لکھتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا تعلق گذشتہ سورت اور آیات سے کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ تاریخ نزول اور ترتیب نزول آیات پر بحث کرتے ہیں۔ تعلق اور ترتیب کے بارے میں تین قسم کے ربط اور تعلق پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اولاً آیات کا باہمی تعلق، ثانیاً ہر سورت کے رکوعوں کا باہمی تعلق اور ثالثاً مختلف سورتوں کا باہمی تعلق۔ اس کے علاوہ ہر رکوع کا خلاصہ اس کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔ سورتوں کے نام میں جو حکمت ہے اس کی بھی مترجم نے تشریح کی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا خلیفۂ اول حکیم نورالدین بھیروی تھا۔ یہ اچھا خاصا پڑھا لکھا شخص تھا اور

اعلیٰ درجہ کا طبیب بھی تھا۔ مرزا قادیانی کی کتابوں میں بھی اس کا بہت دخل ہے۔ یہ شخص مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں بڑا راسخ الاعتقاد تھا۔ چنانچہ جب مرزا صاحب نے اپنی کتابیں فتح اسلام اور توضیح مرام تصنیف کیں اور حکیم صاحب کو یہ دونوں کتابیں ابھی دیکھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ایک شخص نے حکیم صاحب سے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی آ سکتا ہے؟ حکیم صاحب نے کہا نہیں۔ اس نے کہا کہ اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو پھر؟ حکیم صاحب نے کہا تو پھر ہم یہ دیکھیں گے کہ وہ صادق اور راست باز ہے یا نہیں۔ اگر صادق ہے تو اس کی بات کو قبول کریں گے۔ حکیم صاحب نے یہ روایت خود ہی سنائی، اور یہ قصہ سنا کر کہا کہ تو صرف نبوت کی بات کرتا ہے، میرا تو ایمان یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کریں اور قرآنی شریعت کو منسوخ قرار دیں تو بھی مجھے انکار نہ ہو کیونکہ جب ہم نے واقعی آپ کو صادق اور من جانب اللہ پایا ہے تو اب جو بھی آپ فرمائیں گے وہی حق ہوگا، اور ہم سمجھ لیں گے کہ آیت خاتم النبیین کے کوئی اور معنی ہوں گے (سیرۃ المہدی، مرزا بشیر احمد: ص ۹۸-۹۹)

حکیم نور الدین کی داستان زندگی کے کئی ابواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے بڑے حصہ میں ذہنی کشمکش میں مبتلا رہے اور شروع ہی سے اس نے بے چین طبیعت پائی تھی۔ اس میں شروع سے عقل پرستی کا رجحان پایا جاتا تھا۔ پہلے وہ مذاہب اربعہ کی تقلید کی بندش سے آزاد ہوا۔ پھر سرسیّد احمد خان کے لٹریچر سے متاثر ہوا اور سرسیّد دین کے معاملہ بڑے متجددین میں تھے۔ حکیم صاحب کے ذہن نے ان کی تعلیمات اور ان کے طرز فکر ونظر کو پورے طور پر جذب کر لیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ برصغیر پاک و ہند میں سائنس اور طبیعات کی ابتدائی معلومات اور اس کی نئی تحقیقات نئی نئی آئی تھیں اور برصغیر کا عقلیت پسند طبقہ ان سے بڑا متاثر ہو رہا تھا۔ جو لوگ دینی رجحان اور طبیعت رکھتے تھے وہ دینی حقائق اور قرآن حکیم کے بیانات وتعلیمات کو ان نئی تحقیقات کے ساتھ منطبق کرتے۔ اگر وہ آسانی سے منطبق نہ ہوسکتیں تو قرآن حکیم کی آیات اور الفاظ کی بڑی سے بڑی تاویل اور توجیہہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حکیم نور الدین قادیان میں قرآن حکیم کی تفسیر کا جو درس دیتے تھے وہ اسی طرز فکر اور ذہنی رجحان کا ایک نمونہ تھا۔ مولوی محمد علی ایم اے حکیم نور الدین کے حلقہ درس کے ایک

نامور تربیت یافتہ تھے۔ تعلیم جدید سے بھی بخوبی واقف تھے۔ اس لیے ان کی تفسیر بیان القرآن میں حکیم نورالدین اور سر سید احمد خان کا ذہنی اور دینی رجحان نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

مولوی محمد علی ؒ نے سرسید کے لٹریچر اور اس کی تفسیر قرآن کو پڑھا اور اس کے فکر کو پورے طور پر جذب کر لیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ حکیم نورالدین کے درس تفسیر اور صحبت نے اس رجحان اور ذوق کو مزید تقویت دی۔ وہ اس طبقہ اور گروہ کے بہترین نمائندہ ہیں جس کو اسلام کے تعلق اور عصر جدید کے سامنے قرآن پیش کرنے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اس کی اشاعت کا شوق تھا لیکن ان کی ذہنی ساخت اور گذشتہ تعلیم و تربیت غیبی حقائق اور ماورائے عقل واقعات کو قبول کرنے میں یک قلم قاصر تھی۔ انہوں نے مشہور نظریات و مسائل کو مسلمات اور بدیہیات کے طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ ان کا ذہن، ان کی ثقافت حقیقتاً عالم غیب اور خوارق و معجزات کو تسلیم کرنے سے ابا کرتی تھی۔ لیکن وہ اپنے نسلی اور دینی لگاؤ کی وجہ سے قرآن حکیم اور اسلام کے نصوص سے بھی دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے درمیان کی یہ راہ نکالی کہ ان غیبی حقائق اور خوارق و معجزات اور مافوق الفطرت واقعات کی توجیہ اور تشریح اس طرح کی جائے کہ جدید نظریات اور مسلمات و معلومات سے وہ متصادم نہ ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے قرآنی آیات کی تفسیر اور تاویل میں ہر طرح کا تکلف اور ہر طرح کی موشگافی کرنے کے لیے تیار تھے۔ ہر کمزور سے کمزور چیز کا سہارا لینے سے بھی ان کو کوئی عذر نہیں۔ وہ اپنی ان تشریحات اور تاویلات میں اصول تفسیر، زبان و ادب کے قواعد اور اہل زبان کے فہم، متقدمین کی تفاسیر، اقوال صحابہ و تابعین غرض ہر اس چیز سے جو اس راہ میں حارج اور قرآن حکیم اور فہم جدید کی تطبیق میں خلل انداز ہو دست بردار ہونے کے لیے تیار تھے، مولوی محمد علی ایم اے کے تفسیری نوٹس اور قرآنی حواشی اس طرز تفسیر کا بہترین نمونہ ہیں۔ اس کی چند ایک مثالیں یہاں ذکر کی جا رہی ہیں۔

ا۔ قرآن حکیم میں سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے لیے پانی مانگا تو ارشاد ہوا کہ اپنا عصا چٹان پر مارو۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنا عصا چٹان پر مارا

تو قدرت خداوندی سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبائل نے نہایت آسانی اور آسودگی کے ساتھ اپنی پیاس بجھائی۔ لیکن مولوی محمد علی نے اس آیت کے مجازی معنوں کے لحاظ سے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ''اپنی جماعت کے ساتھ کسی پہاڑ پر چلے جاؤ۔'' اور اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو کسی پہاڑ پر چلے جانے کی ہدایت فرمائی جہاں ان کو بارہ چشمے مل گئے۔ یہ سب تکلفات انہوں نے اس لیے کیے کہ اس معجزہ اور خارق واقعہ کے تسلیم کرنے سے وہ بچ جائیں۔ اور ان کے قارئین کے دل ودماغ پر ایمان بالغیب اور تصدیق معجزات کا بوجھ نہ پڑے۔

۲۔ ایسے سورہ ہی آل عمران میں سیدنا مسیح علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ میں بطور معجزہ اور دلیل نبوت کے تمہارے سامنے مٹی کے جانور بناتا ہوں اور پھر ان کو پھونک مار کر ہوا میں پرندوں کی طرح اڑاتا ہوں۔ ''اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔'' اس میں بے جان چیزوں میں روح ڈالنے کے معجزہ سے بچنے کے لیے مولوی محمد علی ایم اے نے اس آیت کو تمام تر استعارات پر مشتمل بنادیا۔ چنانچہ لکھا:

> ''رنگ استعارہ یہاں غیر سے مراد ایسے لوگ ہیں جو زمین اور زمینی چیزوں سے اوپر اٹھ کر خدا کی طرف پرواز کرسکیں، اور یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ کس طرح نبی کے نفخ سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ زمینی خیالات کو ترک کر کے عالم روحانیت میں پرواز کرے۔'' (بیان القرآن: ۱/۲۱۵۔۲۱۶)

یہ ہے مختصر سا جائزہ قادیانیوں کے مشہور دو ترجموں کا جن میں سے ایک قادیانی فرقے کا ہے اور دوسرا لاہوری فرقے کا اور دونوں ہی ان فرقوں کے امیروں کے لکھے ہوئے ہیں۔ مرزا بشیر الدین مرزا غلام احمد کا خلیفہ ثانی تھا جب کہ مولوی محمد علی ایم اے لاہوری فرقہ کا امیر تھا۔

❁❁❁❁

حافظ عبدالسلام بن محمد کے ترجمہ قرآن کریم کا تعارف وخصوصیات

ڈاکٹر منیر احمد☆

اردو میں کیئے گئے تراجم قرآن کافی تعداد میں ہیں۔ ہر ترجمہ قرآن اپنے اندر کوئی ایسی خوبی رکھتا ہے جو قاری کے لیے دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔اردو میں کیے گئے تراجم قرآن کی دنیا میں ایک ترجمہ قرآن حافظ عبدالسلام بن محمد کا ہے۔

تعارفِ مترجم:

حافظ عبدالسلام علوم القرآن اور علوم الحدیث میں ایک مقام کے حامل ہیں۔موصوف کا مکمل نام ابوعبدالرحمٰن حافظ عبدالسلام بن محمد بھٹوی ہے۔حافظ صاحب اگست ۱۹۴۶ کو گوہڑ چک نمبر ۸ ضلع قصور میں پیدا ہوئے تھے۔

تعلیم:

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے گھر سے ہی کیا۔قرآنِ مجید حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ ابتدائی علومِ دینیہ کا بھی سلسلہ جاری رکھا۔پھر آپ نے میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔موصوف نے میٹرک کے بعد درس نظامی، فاضل عربی، فاضل فارسی اور فاضل طب کی تعلیم حاصل کی۔

اساتذہ:

مترجم نے ابتدائی و اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بہت سے اساتذہ سے استفادہ کیا۔مثلاً حافظ

☆اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ، اسلامیہ یونی ورسٹی بہاولپور

محمد گوندلوی، مولانا محمد عبدہ الفلاح، مولانا صادق خلیل، قاری اسلم اور مولانا شریف اللہ سواتی وغیرہ۔ حافظ صاحب نے ترجمہ قرآن کے علاوہ بھی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً u ایک دین چار مذہب۔ v چوری کے متعلق قانون الٰہی۔ w مقالات طیبہ۔ x احکام زکوٰۃ وعشر وصدقہ فطر۔ y ترجمہ القرآن کریم۔ z شرح کتاب الطہارہ من بلوغ المرام۔ } شرح کتاب الجامع من بلوغ المرام وغیرہ۔ حافظ صاحب نے ۱۷ سال کی عمر میں تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۹۶۶ سے ۱۹۹۲ تک جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں پڑھایا۔ اس وقت سے لے کر تا حال تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

تصانیف

حافظ عبدالسلام بن محمد نے تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ تصنیف کا کام بھی جاری رکھا۔ اب تک ان کی 10 کے قریب تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

1۔ ایک دین چار مذہب
2۔ کشف الظلام فی جواب اظہار المرام
3۔ سورۃ فاتحہ اور احناف
4۔ چوری کا متعلق قانون الٰہی
5۔ مقالات طیبہ
6۔ احکام زکوۃ وعشر وصدقہ فطر
7۔ تفسیر القرآن پارہ ۲۹، ۳۰
8۔ ترجمہ القرآن الکریم
9۔ شرح کتاب الجامع من بلوغ المرام
10۔ شرح کتاب الطہارۃ من بلوغ المرام

موصوف کو ترجمۃ القرآن کریم مکمل کرنے میں تقریباً ۱۳ ماہ محنت کرنا پڑی تھی۔

موصوف جوانی سے اب اُدھیڑ عمر تک مسلسل ان علوم کی تدریس وتحریر میں ہی مصروف ہیں۔ یہ بہت سادہ سی بات ہے کہ انسان جس راستے پر چل پڑتا ہے اور مسلسل چلا رہتا ہے وہ بہت آگے نکل جاتا ہے۔ خصوصاً جب قلب ونظر میں اللہ کا خوف ہو۔ گفتار وکردار سے تعلق باللہ ظاہر ہو۔

ترجمۂ قرآن کریم کا تعارف:

قبل اس کے کہ مضمون کا محور تعارف اور ترجمہ کی خصوصیات ہو قاری کی سہولت کی خاطر ترجمہ کا معنی ومفہوم ذکر کیا جاتا ہے۔ ترجمہکے لفظی مفہوم کے ضمن میں مولانا بلیاوی صاحب لکھتے ہیں کہ: ’’کسی

کے معاملہ کو واضح کرنا ترجمہ کہلاتا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے'' تَرْجَمَہٗ بِالتُّرْکِیَّۃِ'' اس نے ترکی زبان میں ترجمہ کیا''(۱)۔

اسی بات کی وضاحت میں پھر مناع القطان لکھتے ہیں کہ ترجمہ کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے:

۱۔ لفظی ترجمہ، یعنی کسی اور زبان میں اس کے مشابہ الفاظ اس انداز میں ذکر کرنا تا کہ ترتیب وغیرہ میں تبدیلی نہ آئے۔

۲۔ بامحاورہ ترجمہ یعنی کسی دوسری زبان میں ترتیب کا لحاظ رکھے بغیر مفہوم واضح کرنا(۲)۔

واضح ہوا کہ ترجمہ کا مطلب ہے مفہوم بیان کرنا، کسی نا سمجھ آنے والے الفاظ کو ایسے الفاظ میں بیان کرنا جو قابل فہم ہوں۔ تو اس اعتبار سے حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہٗ اللہ نے قرآن کریم کا ترجمہ کرتے ہوئے بامحاورہ ترجمہ کے اسلوب کو اپنایا ہے (اور صفحہ کی ایک جانب عربی متن اور دوسری جانب اس کا بامحاورہ ترجمہ ذکر کیا ہے)۔

بقول حافظ عبدالسلام صاحب ''دوران ترجمہ پچیس اردو اور فارسی میں تراجم میرے زیر نظر رہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ بعض مفاہیم کی تعیین کے لیے مجھے کتنی ہی عربی کتب، یعنی تفسیر، حدیث، لغت، ادب اور بلاغت کی کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑی''۔(۳)

حافظ عبدالسلام بن محمد صاحب کے ترجمہ قرآن کریم کو دارالاندلس، لاہور والوں نے ایک بہترین جلد میں ۲۰۰۶ء میں شائع کیا ہے۔

صفحہ نمبر ۷ سے صفحہ نمبر ۱۹ تک حافظ صاحب نے مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے برصغیر کے تراجم کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے مزید ترجمے کی ضرورت پر زور دیا ہے اور پھر اپنے ترجمہ کی خصوصیات اور باقی تراجم کے بالمقابل اس کی انفرادیت کو بیان کیا ہے اور مقدمہ کے آخر میں معاون حضرات کے لیے دُعا خیر کی ہے۔

صفحہ نمبر ۲۰ سے ترجمہ قرآن کا آغاز کرتے ہوئے صفحہ نمبر ۷۰۲ تک اس کی تکمیل کی ہے۔

خصوصیات:

حافظ صاحب کے ترجمہ قرآن کی خصوصیات کو ذکر کیا جاتا ہے جو کہ باقی تراجم میں نظر نہیں آتیں۔مثلاً

1۔ مبالغہ کے مفہوم کو بیان کرنے کے بعد ترجمہ قرآن سے اس کی وضاحت مثالوں سے کی گئی ہے۔
تعریف:جب فاعل میں مصدری معنیٰ کی زیادتی پائی جائے اس کو مبالغہ کہتے ہیں۔ جیسے'' ضَرَّابٌ''(بہت مارنے والا)۔ یہ لفظ مادہ میں کبھی حرف کے مکرر لانے اور کبھی ی، واو یا الف کے زیادہ کرنے سے بنتا ہے۔اس کے اوزان بھی سماعی ہیں اور کثیر الاستعمال یہ ہیں
فَعِلٌ،فَعِيلٌ، فَعُوْلٌ، فَعَّالٌ، فُعَّالٌ، فِعِيلٌ، مِفْعَلٌ، مِفْعَالٌ،
مِفْعِيْلٌ،فُعَالٌ، فَاعُوْلٌ، فُعَلَةٌ، فَعُّولٌ، فُعَّلٌ، وغیرہ.

مبالغہ کی بحث کا محل استشہاد یہ ہے کہ اکثر تراجم میں مبالغہ کے صیغہ مثلاً حکیم،حکمت والا ''عَلِيْم'' (جاننے والا یا واقف کیا گیا ہے) جبکہ حکیم کا معنی کمال حکمت والا ہے۔اور علیم کا معنی خوب جاننے والا ہے۔تو موصوف نے رحمان، رحیم، حکیم،عزیز وغیرہ۔تمام الفاظ میں جہاں بھی وہ آئے ہیں مبالغہ کے صیغوں میں معنی کا لحاظ رکھا ہے۔مثلاً ﴿إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ (البقرہ:۳۲) (بے شک تو ہی سب کچھ جاننے والا ، کمال حکمت والا ہے)(۴)۔یہ اس ترجمہ کی خوبی اور انفرادیت ہے جو کہ عام تراجم میں نہیں ہے۔

2۔ عربی زبان میں تاکید یعنی کسی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے بہت سے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً حروف قسم، اِنَّ، لام تاکید،نون تاکید وغیرہ۔بعض دفعہ ایک ہی جملہ میں زور پیدا کرنے کے لیے کئی حروف لائے جاتے ہیں۔ چونکہ اردو محاورہ میں اکثر ایسا نہیں ہوتا اس لیے بعض مترجمین نے تو اردو محاورے کو مقدم رکھتے ہوئے تاکید کے حروف کا ترجمہ ہی نہیں کیا، یا ایک حرف کا ترجمہ کر کے باقی ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔مثلاً سورہ ق میں ہے:﴿إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ﴾ (ق:۳۷)۔

(بلاشبہ اس میں اس شخص کے لیے یقیناً نصیحت ہے جس کا کوئی دل ہو)۔

تو ایسے مواقع پر موصوف حفظہا اللہ نے کوشش کی ہے کہ تاکید کے کسی حرف کا مفہوم ترجمے میں آنے سے رہ نہ جائے۔ حافظ صاحب نے حروف تاکید کا ترجمہ بھی تاکید ہی سے کیا ہے جو کہ موصوف کی گرائمر پر سخت گرفت اور وسعتِ علم کی علامت ہے۔

3۔ عربی زبان کی جامعیت اس کی حرکات وسکنات سے بھی عیاں ہوتی ہے۔ مثلاً تنوین جو کہ عربی میں کئی معانی کے لیے استعمال ہوتی ہے مثلاً تنکیر، تعظیم، تحقیر وغیرہ۔ تو موصوف حفظہٗ اللہ نے کوشش کی ہے کہ ہر تنوین کا موقع کے مناسب ترجمہ آ جائے مثلاً ﴿مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ﴾ (الحجر:۱۱) (اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا) (۵)۔ اور ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ﴾ (الواقعہ :۳۰) (اور ایسے سائے میں جو خوب پھیلے ہوا ہے) (۶)۔

واضح رہے کہ تنوین کا مفہوم بھی مترجم نے سابق مفسرین کی اقتداء میں لکھا ہے

4۔ مفعول مطلق وہ مصدر ہے جو فعل کے بعد آئے اور اس کا مادہ فعل کا ہم معنی ہو جیسے ''ضَرَبْتُ ضَرْبًا'' (میں نے مار ماری) یہ مفعول تین طرح سے مستعمل ہوتا ہے:

۱۔ تاکید کے واسطے جیسے ''ضَرَبْتُ ضَرْبًا''

۲۔ بیان نوع کے واسطے جیسے ''جَلَسْتُ جِلْسَةَ القاری'' (میں قاری کی نشست بیٹھا)۔

۳۔ بیان عدد کے واسطے جیسے جیسے ''جَلَسْتُ جَلْسَةً'' (میں ایک نشست بیٹھا)۔

مذکورہ وضاحت کا مطلب یہ ہے کہ عربی زبان میں تاکید کے لیے فعل کے بعد مصدر لایا جاتا ہے ۔ عام طور پر اس کا ترجمہ محاورہ کی مشکل کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جبکہ ترمہ نگار نے اس کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ اور ہر مقام پر مصدر کی تنوین کے مفہوم کو مدنظر رکھا ہے مثلا ﴿وَأَكِيدُ كَيْدًا﴾ (الطارق: ۱۶) (اور میں بھی خفیہ تدبیر کرتا ہوں، ایک خفیہ تدبیر) (۷)۔ یہ موصوف حفظہٗ اللہ کے علم الصرف کے فن میں مہارت تامہ کی دلیل ہے۔

5۔ نحو میں مِنْ کے چھ مختلف مفاہیم ومناہج میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ابتدائیہ۔ ۲۔بعضیہ۔

۳۔بیانیہ۔ ۴۔سببیہ۔

۵۔بدل۔ ۶۔فصل جب دو متضاد چیزوں پر آئے۔

تو مولانا موصوف حفظہُ اللہ نے ترجمہ کرتے ہوئے معانی کے فرق اور موقع ومحل کی تعیین کا اہتمام کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ موصوف کے علم النحو کے فن پر مضبوط گرفت کی علامت ہے۔ مثلاً ﴿لَـآكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ﴾ (الواقعہ:۵۲) (یقیناً تھوہر کے پودے میں سے کھانے والے ہو) (۸)۔اور ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هَذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ﴾ (الزمر:۲۷) (اور بلاشبہ یقیناً ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے) (۹) وغیرہ۔

6۔ شیخ بہاؤ الدین السبکی نے کتاب ''عروس الافراح'' میں ''اِذا ما'' کا بیان حروف شرط کے ضمن میں کیا ہے عام طور پر چند الفاظ کو زائد کہہ کر ترجمہ میں ان کا خیال نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ کوئی سمجھ دار آدمی بھی کوئی لفظ بلا مقصد نہیں بولتا تو ربّ العالمین کے کلام میں کوئی لفظ بے مقصد کیسے ہوسکتا ہے۔ ان الفاظ میں سے ایک ''ما'' ہے مثلاً ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿حَتَّـــى إِذَا جَآءُ وهَا﴾ (الزمر:۷۱)۔ دوسرے مقام پر ﴿حتّٰى اِذا مَا جَآءُ وْها﴾ (حم السجدہ:۲۰)۔ اب دونوں کا ایک ہی ترجمہ ہو تو ''مـــا'' بالکل بے فائدہ ٹھہرتا ہے۔ تو اس لیے موصوف نے ان میں فرق کرتے ہوئے ''اِذا'' کا ترجمہ (جب) اور ''إِذَامـــا'' کا ترجمہ (جونہی) کیا ہے۔ مثلاً ﴿اثم اِذَا مَا وَقَعَ اٰمنتم به﴾ (یونس:۵۱)۔ کیا پھر جونہی وہ (عذاب) آپڑے گا تو اس پر ایمان لے آؤ گے؟ (۱۰)۔ جو کہ مترجم کی ترجمہ کے سلسلہ میں کمال مہارت اور باریک بینی کی نشانی ہے۔

7۔ مفسر کے لئے جہاں بہت سے دیگر علوم میں مہارت ضروری ہے وہاں نحو اور صرف میں مہارت تامہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اِمّا کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

۱۔شک جیسے '' جآء نِي امَّا زيدٌ وَاِمَّا عَمْرٌ''۔

۲۔تخییر جیسے "امّا انْ تعذّب واِمّا انْ تتخذ فیھم حسْنًا"۔

۳۔تفصیل جیسے "امّا شاکِرا واِمّا کفُورا"۔

واضح رہے کہ یہ لفظ "اِن" شرطیہ اور "ما" سے مرکب ہے عام طور پر "اِن" اور "اِمّا" دونوں کا ترجمہ "اگر" کیا جاتا ہے مگر اس صورت میں "ما" بے فائدہ ٹھہرتا ہے تو مترجم نے اس کا خیال رکھا ہے۔مثلاً ﴿اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳)(اگر کبھی تیرے پاس دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ ہی جائیں تو ان دونوں کو "اُف" مت کہو)(۱۱)۔وغیرہ جو کہ مترجم کے علم نحو پر مہارت کا ثبوت ہے۔

8۔ عربی زبان میں "الف لام" کئی معانی کے لیے آتا ہے مثلا اسم موصول، تعریف، تخصیص، استغراق، جنس، عہد، زائدہ وغیرہ۔﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ (سبا:۱)(سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے)(۱۲)۔اور﴿فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذاً وَبِيلاً﴾ (المزمل: ۱۶)(سو فرعون نے اس پیغام پہنچانے والے کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے پکڑ لیا، نہایت سخت پکڑنا)(۱۳)۔حافظ صاحب نے موقع کے مناسب ہر "الف لام" کے مفہوم کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ ان کے وسعت علم کی علامت ہے۔

9۔ مخصوص طریق سے کسی امر کو کسی امر کے ساتھ خاص کرنا یا کسی امر کے لیے کوئی حکم ثابت کرنا اور اُس کے ماسوا سے اُس حکم کی نفی کرنا "حصر" کہلاتا ہے اور "حصر" کو "قصر" بھی کہتے ہیں۔ "قصر" کی دو قسمیں ہیں ایک "قصر الموصوف علی الصفۃ"، دوسری "قصر الصفۃ علی الموصوف"۔اکثر خبر پر "الف لام" لانے سے کلام میں "حصر" پیدا ہو جاتا ہے۔مثلاً﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ﴾ (الملک:۲)۔"اور وہ سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے" کی بجائے "اور وہی سب پر غالب بے حد بخشنے والا ہے" ہوگا۔اکثر تراجم میں یہ خیال نہیں رکھا گیا، بعض تراجم میں ایک جگہ یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے تو دوسری جگہ اسے نظر انداز کر دیا گیا ہے مگر موصوف حفظہ اللہ نے

اس بارے میں بھی کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔

10۔لفظ میں بعض حروف کے اضافے سے معنی بدل جاتا ہے مثلاً ''نزل'' کا معنی (وہ اُترا)اور ''أنزل'' (اس نے اُتارا) اور بعض اوقات طلب یا دوسرے معانی پیدا ہوجاتے ہیں اگر حرف کے اضافے کے باوجود معنی ایک ہی ہوتو معنیٰ میں زیادتی مراد ہوتی ہے۔مثلاً ﴿يَسۡخَرُونَ﴾ (الصافات:۱۲)۔اور ﴿يَسۡتَسۡخِرُونَ﴾ (الصافات:۱۴)۔دونوں کا معنی (مذاق اُڑاتے ہیں) کہا جائے تو ''سین'' اور ''تاء'' کا اضافہ بے فائدہ ٹھہرتا ہے۔اس لیے ﴿يَسۡتَسۡخِرُونَ﴾ کا معنی ہوگا (خوب مذاق اُڑاتے ہیں)(۱۴)۔اس فرق کا لحاظ بہت کم مترجمین نے رکھا ہے مگر حافظ صاحب نے زائد حروف کا مفہوم ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔

11۔تقریباً تمام مترجمین نے ﴿وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (آل عمران:۳۱)۔اور ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (الفرقان:۷۰)۔کا ایک ہی ترجمہ کیا ہے کہ (اللہ غفور رحیم ہے) اسی طرح ﴿وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبہ:۴۰)۔اور ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (الفتح:۷)۔اور دوسری تمام صفات کا جو ''کان'' کے بغیر آئی ہیں یا ''کان'' کے ساتھ آئی ہیں ایک ہی ترجمہ کیا ہے۔ظاہر ہے کہ اس طرح ''کان'' محض بے فائدہ ٹھہرتا ہے جبکہ ''کان'' کئی معانی کے لیے آتا ہے مگر اکثر طور پر یہ ماضی میں خبر کے ثبوت کے لیے آتا ہے جیسے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے (۱۵)۔تو اس اعتبار سے موصوف حفظہ اللہ نے ان میں فرق کو واضح کرنے کے لیے ترجمہ میں فرق رکھا ہے۔

12۔قرآن مجید میں آنے والے ہر لفظ کا ترجمہ اس کے صیغے کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔مثلاً فعل ماضی، فعل مضارع، اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ، ہاں جملہ شرطیہ ہونے یا سیاق کلام کی وجہ سے ماضی کا معنی مضارع میں یا مضارع کا معنی ماضی میں کرنا ضروری ہو تو اسے بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔مثلاً ﴿فَأَصَابَهُمۡ سَيِّـَٔاتُ مَا عَمِلُواْ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُواْ بِهِۦ يَسۡتَهۡزِءُونَ﴾ (النحل:۳۴)۔(پس اس کے برے نتائج آپہنچے جو انہوں نے کیا اور انہیں اس چیز نے گھیر لیا جسے

وہ مذاق کیا کرتے تھے)(۱۶)۔

13۔مترجم کی جانب سے ترجمہ زیادہ سے زیادہ آسان اردو میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے فارسی یا عربی الفاظ میں ترجمہ سے مطلب ادا ہو بھی جائے تو عام آدمی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔مثلاً بعض اردو ترجمہ کرنے والوں نے ''مُرْسَلُون'' کا ترجمہ (فرستادگان الٰہی) اور ''رَیبَ المنُوْن'' کا ترجمہ (حوادث دہر) کیا ہے اس لیے اس سے احتراز کرتے ہوئے حافظ صاحب نے ''مُرْسَلُون'' کا ترجمہ (بھیجے ہوئے) جو کہ عام فہم ہے۔

14۔اس ترجمہ کا باقی تراجم سے تقابل کریں تو ترجمہ میں کمال فن کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً

﴿وَمَن يَعْمَلْ سُوءاً أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّهَ يَجِدِ اللّهَ غَفُوراً رَّحِيماً﴾

(النساء: ۱۱۰)

اس آیت کا ترجمہ تفسیر احسن البیان میں مولانا محمد جونا گڑھیؒ سے یوں منقول ہے:

(جو شخص کوئی بُرائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا، مہربانی کرنے والا پائے گا)(۱۷)۔

مذکورہ ترجمہ میں:

۱۔ ''یَسْتَغْفِرِ اللّٰہ'' کے ترجمہ میں بھی عربی لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔حالانکہ ان کی جگہ پر اردو الفاظ آنے چاہیے تھے۔

۲۔ صیغوں کے مطابق ترجمہ نہیں کیا گیا۔

۳۔ مبالغہ کے الفاظ مثلاً ''غَفُوراً رَّحِيماً'' کے ترجمہ میں مبالغہ کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

اس آیت کا ترجمہ مولانا مودودیؒ یوں کرتے ہیں:

(اگر کوئی شخص بُرا فعل کر گزرے یا اپنے نفس پر ظلم کر جائے اور اس کے بعد اللہ سے درگزر کی درخواست کرے تو اللہ کو درگزر کرنے والا اور رحیم پائے گا)(۱۸)۔

درج بالا ترجمہ میں:

۱۔ تنوین کے معنی اور موقع ومحل کا تعین نہیں ہے۔

۲۔ صیغوں کے مطابق ترجمہ نہیں کیا گیا۔

۳۔ بعض عربی الفاظ کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔

۴۔ مبالغہ کے الفاظ میں ترجمہ اس انداز سے نہیں کیا گیا۔

مزید اس آیت کا ترجمہ ڈاکٹر محمد لقمان السلفی یوں لکھتے ہیں کہ:

(اور جو شخص کوئی گناہ کرے گا یا اپنے آپ پر ظلم کرے گا، پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے گا، تو اللہ کو بڑا مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا پائے گا)(۱۹)۔

اس ترجمہ میں:

۱۔ بعض عربی الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

۲۔ صیغوں کے مطابق ترجمہ نہیں کیا گیا۔

۳۔ کثرت سے لفظ ''گا'' کا ذکر عبارت کے حسن میں نقصان دہ ہے۔

مگر اسی آیت کا ترجمہ حافظ عبدالسلام صاحب یوں کرتے ہیں:

(اور جو بھی کوئی بُرا کام کرے، یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ سے بخشش مانگے وہ اللہ کو بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان پائے گا)(۲۰)۔

اس ترجمہ میں:

۱۔ تنوین کا معنی بھی کیا گیا ہے۔

۲۔ پھر ترجمہ میں کوئی عربی لفظ نہیں ہے۔

۳۔ صیغوں کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴۔ مبالغہ کے صیغوں میں بھی ترجمہ مبالغہ کے انداز میں کیا گیا ہے۔

۵۔ آسان اردو زبان میں بامحاورہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

ایک اور مثال سے حافظ عبدالسلام صاحب کے ترجمہ کا تقابل پیش کیا جاتا ہے مثلاً:

﴿ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيراً مِّنَ النَّاسِ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (ابراهيم: ٣٦)

اس کا ترجمہ مولانا مودودیؒ یوں کرتے ہیں:

(پروردگار ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا (ممکن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کردیں، لہٰذا ان میں سے) جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً درگزر کرنے والا مہربان ہے)(۲۱)۔

اس ترجمہ میں:

۱۔ بعض الفاظ (مثلاً تاکید وغیرہ کے) کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔

۲۔ صیغوں کے مطابق ترجمہ نہیں۔

۳۔ پرانی اردو کو استعمال کیا گیا ہے۔

اسی آیت کا ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھیؒ یوں لکھتے ہیں کہ:

(اے میرے پالنے والے معبود! انہوں نے بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکایا ہے پس میری تابعداری کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت ہی معاف اور کرم کرنے والا ہے)(۲۲)۔

مذکورہ ترجمہ میں:

۱۔ اضافی الفاظ موجود ہیں۔

۲۔ بعض الفاظ کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔

۳۔ مبالغہ کے الفاظ کا ترجمہ مبالغہ کے انداز میں نہیں کیا گیا۔

حافظ صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ:

(اے میرے ربّ! بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا، پھر جو میرے پیچھے چلا تو یقیناً وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً تو بے حد بخشنے والا، نہایت

مہربان ہے)۔

موصوف حفظہ اللہ کے ترجمہ میں:

۱۔ تاکید کے الفاظ کا ترجمہ بھی تاکید سے کیا گیا ہے۔

۲۔ مبالغہ کے صیغوں کا ترجمہ بھی اضافہ سے کیا گیا ہے۔

۳۔ صیغوں کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴۔ ترجمہ کمی وبیشی کے بغیر با محاورہ اردو زبان میں ہے۔

۵۔ آسان فہم اور رائج اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

الغرض مولانا موصوف حفظہ اللہ نے بہت طویل عرصہ میں شب و روز کی محنت سے ایک ایسے ترجمہ قرآن کو متعارف کروانے کی کوشش کی ہے جو کہ بہت سی خوبیوں کا حامل ہے اور اس کو باقی تراجم پر کئی اعتبار سے فوقیت بھی ہے۔ مثلاً اس ترجمہ کو رائج اردو زبان میں با محاورہ بنا کر آسان فہم کر کے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور حافظ صاحب نے الفاظ کے اُتار چڑھاؤ اور کمی وبیشی کے ساتھ ساتھ معانی میں اس کا خیال کیا ہے صرف ونحو کی پیچیدگیوں کو آسان انداز میں سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور صیغوں کے مطابق ترجمہ کیا ہے جو کہ ایک ماہر فن ہی کا کام ہے۔ مترجم کی اس ساری کاوش کا ماحاصل یہ ہے کہ ترجمہ قرآن کو آسان سے آسان تر بنا کر پیش کیا جائے تا کہ قارئین کے لیے فہم قرآن آسان ہو جائے۔

❀❀❀❀

حوالہ جات

۱۔ بلیاوی، مولانا عبدالحفیظ، مصباح اللغات (مکتبہ قدوسیہ، لاہور، جولائی ۱۹۹۹ء) ص ۸۵۔

۲۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن (مکتبہ محمودیہ، لاہور، ۱۴۲۷ھ) ص ۳۱۳۔

۳۔ عبدالسلام، حافظ، بھٹوی، ترجمہ قرآن، مقدمہ (دارالاندلس، لاہور، ۲۰۰۷ء) ص ۱۷۔

۴۔ بھٹوی، ترجمہ قرآن، ص: ۲۵۔

۵۔ ایضاً، ص: ۲۱۱۔

۶۔ ایضاً، ص: ۶۱۰۔

۷۔ ایضاً، ص: ۶۸۵۔

۸۔ ایضاً، ص: ۶۱۱۔

۹۔ ایضاً، ص: ۵۲۱۔

۱۰۔ ایضاً، ص: ۲۳۸۔

۱۱۔ ایضاً، ص: ۳۱۶۔

۱۲۔ ایضاً، ص: ۴۴۸۔

۱۳۔ ایضاً، ص: ۶۵۹۔

۱۴۔ ایضاً، ص: ۵۰۰۔

۱۵۔ ایضاً، ص: ۴۰۹۔

۱۶۔ ایضاً، ص: ۳۰۱۔

۱۷۔ صلاح الدین یوسف، تفسیر احسن البیان، ترجمہ، مولانا محمد جونا گڑھی (مکتبہ دارالسلام، الریاض، ۱۹۹۸ء/۱۳۱۸ھ)
ص: ۲۶۳۔

۱۸۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، ترجمہ قرآن مجید (ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اگست ۲۰۰۰ء/۱۴۲۱ھ) ص: ۱۳۹۔

۱۹۔ محمد لقمان السّلفی، ڈاکٹر، تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن (دارالکتاب والسنۃ، لاہور، ۲۰۰۲ء/۱۴۲۳ھ۔) ص: ۲۹۲۔

۲۰۔ بھٹوی، ترجمہ قرآن، ص: ۱۱۴۔

۲۱۔ ایضاً، ص: ۲۷۹۔

۲۲۔ ایضاً، ص: ۶۲۸۔

❀❀❀❀

برصغیر کے پہلے مسیحی اردو ترجمہ قرآن کا تعارفی جائزہ

ساجد اسد اللہ ☆

دنیا کی کوئی علمی زبان مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن کریم کے ترجمہ سے خالی نہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اردو زبان، کہ جس کا دنیا کی کم عمر ترین علمی زبانوں میں شمار ہوتا ہے، میں قرآن کریم کے تراجم جس کثرت سے ہوئے ہیں اس کی مثال کسی زبان میں نہیں ملتی۔ بلکہ عربی زبان کے تفسیری سرمایہ کے بعد سب سے زیادہ تراجم قرآنی اردو زبان میں پائے جاتے ہیں، جن کی تعداد ۷۰۰ ذکر کی گئی ہے۔(۱) کمیت کے اس شرف کے ساتھ ساتھ ان تراجم کو نکات علمیہ، تنوع، اسلوب زبان دانی اور ادبیت کے کئی پہلوؤں سے بھی دیگر پر برتری حاصل ہے

اردو کے اس مؤقر ذخیرہ تراجم قرآنی میں برصغیر کے مسلم علماء کے ساتھ ساتھ ہندو، سکھ اور عیسائی غیر مسلم مترجمین کے نام بھی سامنے آتے ہیں۔ یہ ایک امر مسلّم ہے کہ ترجمہ مترجم کے عقیدہ اور مسلک کی غمازی کر رہا ہوتا ہے۔ ثانی الذکر غیر مسلم مترجمین کی اکثریت زبان دانی سے ہٹ کر Translators are Traitors (ان المترجمین مخربین) کی عملی تصویر پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں مسلم نقطہ نظر سے ہٹ کر قرآنیات پر لکھنے والے مسیحی اہل قلم کا نام خصوصی طور پر سامنے آتا ہے۔(۲) مسلم مسیحی مناظراتی ادب پر مشتمل برصغیر کے کلامی ادب کا ایک معتد بہ حصہ مسیحی تراجم قرآنی پر مشتمل ہے، جس میں پادری عماد الدین، پادری احمد شاہ، سلطان محمد پال اور پادری جے علی بخش کے تراجم قرآنی شامل ہیں۔(۳) یہ سبھی مترجمین اسلام سے ارتداد کرتے ہوئے بپتسمہ لینے والے ہیں۔ پادری عماد الدین اور پادری احمد شاہ کے تراجم قرآنی مکمل جب کہ مؤخر الذکرین کی جزوی تفاسیر مع ترجمہ ہیں۔ ان میں

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ ڈگری کالج سمندری

لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ "مولوی" سے ملقب یہ مترجم عربی زبان پر عبور اور اسلامیہ میں رسوخ رکھتا تھا بلکہ ارتداد سے قبل اکبر آباد کی مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتا رہا ہے۔(۴) اس پس منظر کے ساتھ یہ ترجمہ قرآن کافی اہمیت کا حامل ہے۔

حالات زندگی : پادری عماد الدین (۱۸۳۰ء ۔ اگست ۱۹۰۰ء)

عماد الدین نے ۱۸۳۰ء کو پانی پت (۵) میں ایک مسلم گھرانے میں آنکھ کھولی ۔(۶) لیکن چھتیس سال کی عمر میں کئی فکری مراحل سے گذرنے کے بعد دین اسلام سے ارتداد کرتے ہوئے ۱۸۶۶ ء میں عیسائیت کا چولا پہن لیا۔ان مراحل میں دین محمدی میں تشکیک،تصوف کے ذاتی تجربے، رہبانیت اور سب مذاہب کو واہیات گردانناشامل ہے۔(۷) مسیحی الٰہیات کے حکیم (Doctor of Divinity) کا عہدہ حاصل کرنے کے بعد ستر سال کی عمر میں اگست ۱۹۰۰ء کو آنجہانی ہو گئے۔(۸)

پادری موصوف کا خاندانی پس منظر خاصا متنازعہ ہے۔موصوف اپنی سوانح عمری "واقعات عمادیہ" میں اپنا نسب نامہ ہانسی شہر کے ایک بزرگ شیخ جمال الدین سے جوڑتے ہیں (۹) جب کہ خود پادری صاحب کے بڑے بھائی اس پر سخت نقد کرتے ہوئے اسے جھوٹ گردانتے ہیں۔(۱۰)

اس متنازعہ نسب نامہ کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ ان کی خاندانی حیثیت اور سماجی مرتبہ و مقام پر بھی دو رخی تصویر سامنے آتی ہے۔مسیحی تحریروں سے مترشح ہوتا ہے کہ پادری عماد الدین حکمرانوں کے مقرب رئیس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے،(۱۱) لیکن اس کے برعکس مسلم تحریروں میں ان کے خاندانی پس منظر کی تصویر اس سے میل نہیں کھاتی۔(۱۲)

یہ سوال غور طلب ہے کہ اس مترجم قرآن کا اپنا سلسلہ نسب بدلنا اور مسیحی تحریروں میں پشتی رئیس ظاہر کرنا، ان کے اپنے Complex (احساس کمتری) کا شعوری اظہار ہے یا کہیں نئے مذہب میں نئی برادری کی طرف سے نئے تشخص کا تقاضا تو نہ تھا؟ آخر طبقہ اشراف سے ناطہ جوڑنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔اس دور میں تبشیری سرگرمیوں کے عمیق مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ اس وقت مسیحی تنظیموں کی طرف سے مخالف پر نفسیاتی وار کر کے اسے مرعوب کرنا خاص ہتھیار تھا۔ہندوستان کے پس ماندہ علاقوں

میں مخصوص سماجی پس منظر کی بناء پر کسی چیز کے صحیح یا غلط ہونے کا ایک معیار اشرافیہ کے ہاں قبولیت بھی تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے اشرافیہ طبقہ کو خاص طور پر ہدف بنایا جس میں انہیں کچھ نہ کچھ کامیابی بھی ہوئی۔(۱۳) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس طرف کے نومسیحی افراد کو بتکلف اشرافیہ ظاہر کیا گیا ہوتا کہ عام آدمی کو ذہنی طور پر مرعوب کر کے اسے آسانی سے شکار بنایا جا سکتا۔

عمادالدین نے ابتدائی تعلیم کے بعد بغرض تحصیل علم اپنے بڑے مولوی کریم الدین کے پاس اکبر آباد رخت سفر باندھا۔ وہاں عمادالدین نے کالج میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ علماء وصلحاء سے علوم دینیہ کا حصول کیا اور اسی دوران چند مسیحیوں کی صحبت سے یہ اثر ہوا کہ اپنے دین کے بارے دل میں شک بیٹھ گیا۔

اس کے بعد بقول اے ٹھاکرداس، انہیں تصوف اور رہبانیت کا شوق دامن گیر ہوا؛

''انہیں تصوف کا شوق دامن گیر ہوا اور فقراء و اولیاء کے پاس معرفت کی غرض سے جانے لگے۔ الغرض یہ نوجوان آنکھیں بند کر کے سمندر تصوف میں غوطہ زن ہوا۔ ایک خیال اسی وقت سے دنیا ترک کرنے کا ایسا دل میں آیا کہ سب چھوڑ چھاڑ جنگل کو نکل گیا۔''(۱۴)

پادری عمادالدین کا تصوف اور رہبانیت کا سفر دس سالوں پر محیط ہے۔ اور اس عرصہ میں وظائف، اذکار، چلّے اور (خود ساختہ) عملیات (۱۵) کے تجربوں کا نتیجہ اسلام سے دوری اور قلبی سکون کھونے کی شکل میں سامنے آیا......

''لیکن میری روح نے آرام نہ پایا بلکہ دن بدن خود بخود تجربہ کاری کے سبب شریعت محمدی سے متنفر ہونے لگا۔''(۱۶)

اس دوران لاہور منتقل ہونے کا موقع ملا۔ مذہب کے بارے تشکیک اور اضطراب وتفکر کی حالت میں مسٹر میکن تاش ہیڈ ماسٹر نارمن سکول لاہور، کی صحبت میسر آئی تو ان سے انجیل پڑھنا شروع کی۔ اس مسیحی مناد کی کوشش رنگ لائیں اور انجیل متی کے ساتویں باب تک پہنچتے پہنچتے اپنے مذہب کے بارے کامل شک دل میں پیدا ہو گیا۔ موصوف کے اپنے الفاظ میں؛

"میگن تاش صاحب سے کہا آپ براہ مہربانی مجھے انجیل کو سمجھ کر پڑھائیں اور میں خوب تحقیق کروں گا۔ انہوں نے بڑی خوشی سے انجیل پڑھانا شروع کر دیا۔ متی کے ساتویں باب تک پڑھ کر مجھے دین محمدی پر شک پڑ گیا۔"(۱۷)

جس کا منطقی انجام یہ نکلا کہ اپریل ۱۸۶۶ء (جس سال برصغیر کے سرخیل پادری فینڈر ہندوستان چھوڑ کر گیا) امرتسر جا کر چرچ مشن میں پادری رابرٹ کلارک (م ۱۹۰۰ء) کے ہاتھ بپتسمہ لے لیا اور مسیحی مذہب میں شامل ہو گئے۔(۱۸) بپتسمہ پانے کے بعد دو سال تک سرکاری ملازمت پر مامور رہے۔ پھر باقی زندگی امرتسر کلیساء میں تبشیری سرگرمیوں میں گزاری۔ لیکن کلیسائی خدمت کے آخری سالوں میں امرتسر کی فضا ان کے لیے غیر موزوں رہی اور (اپنے ہی مسیحی) حاسدوں کی عیب جوئی اور دوستوں کی بے وفائی کے سبب کلیساء کی خدمت سے الگ ہو گئے۔

مذہبی زندگی کے نئے دور میں پادری فینڈر کی تحریروں (۱۹) اور پادری رابرٹ کلارک کی صحبتوں اور علمی مذاکرات نے ایک نئے عماد الدین کو جنم دیا۔ اسلامی علوم پر دسترس اور رسوخ کے پس منظر میں اپنے سابقہ مذہب (اسلام) کا مطالعہ صرف تنقیدی حوالے اور تنقیص کے پہلو ہونے لگا جس کا مقصد وحید مسیحی مذہب کو سچا ثابت کرنا تھا۔ برطانوی مشنریز کے تحت کلیسیا کی خدمت میں یہ نو مسیحی پادری "شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار ثابت ہوا"۔

پادری عماد الدین نے مختلف موضوعات پر ۵۳ کتب لکھیں ان میں سے چند اہم کتب یہ ہیں:
(۱) ہدایت المسلمین (مطبع نور، لاہور (۱۸۶۸ء)، (۲) تحقیق الایمان (مطبع آفتاب، لاہور (۱۸۶۸ء)، (۳) تواریخ محمدی (کرسچین نالج سوسائٹی، پنجاب پریس امرتسر، ء (عموماً اسے تاریخ محمدی سے موسوم کیا جاتا ہے مگر جس طباعت تک راقم الحروف کی رسائی ہوئی اس کے ٹائٹل پر تواریخ محمدی مرقوم ہے)، (۴) حیات المسلمین (مطبوعہ لاہور ۱۸۶۶ء) (۶) واقعات عمادیہ (پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور، س ن) (۱۳) اردو ترجمہ قرآن (نیشنل پریس امرتسر، ۱۸۹۴ء) (۱۵) تفسیر متی (۱۶) تفسیر اعمال (۱۷) نغمہ طنبوری

پادری موصوف کے اسلوب تحریر کے متعلق "فرنگیوں کے جال" میں مرقوم ہے

"طرز تحریر نہایت بھونڈا تھا اور دل شکن قلم کے مالک تھے۔ مہذب تخیل سے بہت کم پالا پڑا تھا۔ ان کی طرز نگارش نے خاص طور پر مسلمانوں کے دل بہت دکھائے۔ یہ بات ان کے ساتھی مشنری بھی مانتے تھے۔"(۲۰)

پادری عمادالدین نے اپنے اردو ترجمہ قرآن کی نسبت "ہدایت المسلمین "اور تنقید القرآن" میں قرآن پر کھل کر تنقید کی ہے۔ فرق یہ ہے کہ "ہدایت المسلمین میں اعجاز عیسوی(مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مطبوعہ ۱۸۵۳ء آگرہ)، عقوبت الضالین (۲۱) اور مولوی سید محمد صاحب کی تنزیہہ الفرقان کا جواب دیتے ہوئے الزامی انداز اختیار کیا ہے جبکہ تنقید القرآن میں اپنی خواہش کے مطابق معانی کشید کر کے ایسے عنوانات قائم کیے گئے ہیں جن سے قرآن اور اسلام کے بارے اچھی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ نیز پادری صاحب نے اپنی تصنیف" تحقیق الایمان "میں بھی جمع تدوین قرآن، اعجاز القرآن، اور قرآنی پیشین گوئیوں پر قلم اٹھایا ہے۔

پادری ای ایم ویری رقم طراز ہے:

He turns the enemys guns upon the Quran He proved the language and style of the Quran are not incomparable as claimed by Moslems. The contradictions and interpolations of Quran were exposed21۔

ترجمہ قرآن بہ اردو زبان از پادری عمادالدین (نیشنل پریس، امرتسر، ۱۸۹۴ء، بار اول) (۲۲)

اردو رسم الخط میں یہ اشاعت ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں مقدمہ ۲ صفحات جبکہ اختتام پر ۹ صفحات کا اشاریہ اور صحت نامہ (تصحیح اغلاط) بھی شامل ہے۔

یہ ترجمہ بدون متن معری ہی طبع ہوا ہے۔ چونکہ انجیل مقدس کے اصل متن کی عدم دستیابی کی بنا پر مسیحی معاشرہ میں فقط ترجمہ انجیل (یونانی، لاطینی یا انگریزی) زیادہ رواج پا گیا تھا، غالباً اس پس منظر میں مسیحی اہل قلم کی طرف سے قرآن کو بائبل کی طرح بدون متن پیش کرنے کی یہ شعوری کاوش ہے۔(۲۳)

اس پہلے مکمل مسیحی ترجمہ قرآن کا سبب پادری موصوف دیباچہ کے ابتداء میں یوں بیان کرتے ہیں:

"از طرف بندہ مترجم عماد الدین لاہز واضح ہو کہ یہ ترجمہ قرآن کا عربی سے اردو میں بمراد فائدہ عام جو میں نے لکھہ (لکھ) دیا اس کا پہلا سبب مرزا غلام صاحب قادیانی کا وہ قول (۲۴) ہوا جو انہوں نے مسٹر آتھم سے کہا کہ (قرآن کو بتوجہ دیکھیں)۔۔۔شاید مرزا صاحب کا منشا یہ ہو کہ ہندوستان کے عام خاص سب مسیحی بتوجہ دیکھیں۔مگر وہ عربی نہیں جانتے کیونکر بتوجہ دیکھ سکتے ہیں ۔کیا وہ عربی سیکہہ (سیکھ) کے دیکھیں ایسی تکلیف عقلاو نقلا جائز نھین (نہیں) کہ غیر ملک کے لوگوں کو دیجائے ۔ چاہیے کہ قرآن کے حامی اس کا ترجمہ کر کے کھیں (کہیں) کہ سب لوگ بتوجہ دیکھیں مگر انکی طرف اب تک عام فہم عبارت میں اس کا ترجمہ نہ ہوا۔دو لفظی ترجمے دو معزز بزرگوں (شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالقادر) سے ہوئے جو عربی خوانوں کے فائدے کے لیئے ہیں عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتے ۔ جب سے ہندوستان میں اسلام آیا ابتک عام فہم عبارت میں قرآن کا ترجمہ انھوں نے نہ کیا ۔(۲۵) اور فی الحال علماء محمدیہ زور تفسیریں لکھنے پر بہت ہے مگر محققین بانصاف صرف متن دیکھنے کے محتاج ہیں تا کہ مدعی کا خالص دعوی پھلے (پہلے) سنین پھر گواہوں کی چستی یا سستی جو کچھہ ہو تفسیروں سے دریافت کر کے اپنی تمیزوں سے اپنے لئے آپ فیصلہ کریں۔ لیکن مجھے امید نہیں رہی کہ علماء محمدیہ کا قرآن کا عام فہم ترجمہ عربی سے الگ کر کے کبھی رائج کرینگے شاید یہ نمونہ دیکھ کے کچھ کریں تو اچھا ہے۔ابتک اہل اسلام اس فطری قانون سے آگاہ نہین ہوئے کہ جب تک الہامی کوئی کتاب لوگ اپنی مادری زبان میں نہین پڑھتے اس کی نشیب و فراز انکی روحوں پر ہرگز منکشف نہیں ہوا کرتی ۔ پس ان کی طرف سے ناامید ہو کے یہہ ان کا بوجہہ (بوجھ) تمام ہندوستان کے فائدہ کے لیے مینے اٹھایا ۔ اور مرزا صاحب کے ارشاد کی تعمیل کی کہ قرآن کو دوبارہ نہ صرف بتوجہ دیکھا بلکہ بتوجہ اس کا ترجمہ کیا اور نہایت کوشش کی کہ کہیں مجہہ سے امانت میں خیانت نہ ہو کیونکہ عدالت الہی میں حاضر ہونا ہے۔(۲۶)

اپنے ماخذ ترجمہ کے حوالے سے پادری صاحب رقم طراز ہیں:

”(یہ) ترجمہ لکھتے وقت کتب مفصلہ ذیل میز پر میرے سامنے تھے۔(۱) لفظی ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب کا (۲) کچھ لفظی با محاورہ دہلی ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کا (۳) فارسی ترجمہ آقا جمال صاحب مجتہد ایران کا ہے جو سالگذشتہ (سال گذشتہ) میں درمیان بمبئی کے چھپا عمدہ ہے اور فصیح اور نہایت صحیح ہے۔ (۴) تفسیر جلالین (۵) تفسیر قاضی بیضاوی (۶) تفسیر الفوز الکبیر (۷) تفسیر مدارک التنزیل (۸) تفسیر حسینی۔ یہ تفسیر بہت عمدہ اور جامع ہے کہ بہت سی تفسیروں کے خیالات اسمیں جمع ہیں (۹) تفسیر اتقان فی علوم القرآن (۱۰) قاموس درعلوم لغت (۱۱) منتھی الارب درلغت (۱۲) صراح۔“(۲۷)

☆ ہر سورت کے آغاز میں عدد سورت، نام، مکی، مدنی اور تعداد آیات و رکوع مندرج ہے۔ مثلاً
(۲) سورہ بقرہ مدنی ہے آیات ۲۸۶ رکوع ۴۰

☆ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا ترجمہ "اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں" سورتوں ۱۱۳ کی بجائے

سورت توبہ سمیت سورتوں کے شروع میں دیا گیا ہے۔

☆ آیات کے نمبر انجیل کی طرح اختتام کی بجائے شروع آیت میں دیئے گئے ہیں۔

☆ نیز آیات کے نمبر شمار فلوگل Flugel کے ۱۸۳۴ء میں لیپزگ ((Leipzig)) جرمنی سے شائع ہونے کردہ قرآن کریم کی ترتیب سے ہیں۔ جو کہ ہمارے ہاں متداول مصاحف سے مختلف ہے۔ اس میں تعداد آیات تو یکساں ہے لیکن آغاز و اختتام آیت میں فرق ہے۔ مقالہ میں آیات کے نمبر طبع ہذا کے مطابق ہے۔

☆ متن کے باہر "ع" سے پارے کے رکوع کی نشاندہی کی گئی ہے جس کے اوپر رقم رکوع مندرج ہے مگر آیات رکوع اور سورت کے رکوع کے نمبر کا اظہار نہیں کیا گیا۔ جیسے ع۔ تیسویں پارے میں سورۃ النازعات کے بعد رکوع نمبر نہیں دیئے گئے۔

☆ ہر رکوع نئی سطر سے شروع کیا گیا ہے۔

☆ آغاز پارے کا اظہار متعلقہ آیت /الفاظ کو تحت الخط یعنی ان پر ایک لائن کھینچ کر کیا گیا ہے۔

☆ اگر چہ اس وقت فورٹ ولیم کالج اور سر سید کی تحریک کے نتیجہ میں معاصر مذہبی ادب میں آسان انشاء پردازی اور اردو محاوہ کا استعمال راہ پا چکا تھا۔لیکن ہندی ،عربی اور فارسی ترکیبات کے عام استعمال کی وجہ سے ترجمہ ہذا میں یہ اسلوب نہیں پایا جاتا۔

☆ رسم الخط کے حوالے سے اکثر " ھ " کی بجائے "ہ " اور "ں" کی بجائے "ن" کا مشاہدہ عام ہے۔مثلاً کچھ،یھ ،کھیں، پھلے ، سنین ،وغیرہ یہی وجہ ہے کہ مقالہ ہذا میں اس ترجمہ کی منقول عبارات کو بعینہ اسی رسم الخط میں نقل کیا گیا ہے۔

☆ زبان دانی کے اعتبار سے اپنے دور کی تحریروں کے ہم پلہ ہے۔

نمونہ ترجمہ

☆ (ا) الم اس کتاب میں کچھ شک نھیں ہے اہل خوف کے لیے ہدایت ہے (۲) جو اندیکھے (اَن دیکھے) پر ایمان لاتے اور نماز (۲۸) پڑھتے اور جو کچہہ (کچھ) انکو ہم نے دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔(۲۹)

☆ سورۃ اخلاص مکی ہے آیات ۴

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں

(ا) تو کہہ اللہ ایک ہے (۲) اللہ بے نیاز ہے (۳) اسنے کوئی نہیں جنا اور نہ وہ خود جنا گیا (۴) اور اس کا ہمسر کوئی نہیں۔(۳۰)

☆ بعض اوقات مفردات کے معانی ہندی محاورہ یا الفاظ میں کیے ہیں۔جیسے

اندادا ہمتا وقودھا بالن رغدا محظوظ ہو کے کہاؤ (کھاؤ)

حالانکہ معاصر مسلم و مسیحی تحریروں میں ان لفاظ کے مترادف آسان اردو الفاظ مستعمل تھے۔

☆ اکثر اوقات ترجمہ میں قوسین کا اظافہ کر کے الفاظ کی وضاحت کرتے ہیں۔

اللہ تجھے خوشخبری دیتا ہے یحیی کی جو خدا کا کلمہ (یعنی عیسی) کا مصدق اور ایک سید ہے اور عورتوں سے پاک اور ایک نبی ہوگا۔ (آل عمران :۳۸)

☆ بعض دفعہ ان قوسین میں آیات کا سیاق و شان نزول بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۔تو کیا سمجھتا ہے کہ اصحاب کہف ورقیم ہماری نشانیوں میں سے کچھ اچمبا تھے۔(یہ وہ بعض عیسائی کہلاتے ہیں جو بعہد دقیانوس پہاڑ کی غار میں چھپے تھے جب مسیحی مارے جاتے تھے۔

(الکھف :۱۸)

۔وہ اپنی خواہش کا پیرو ہے اسکا کام از حد گذشتہ ہے (وہ امیہ بن خلف یا عنیہ بن حفص تھا کہ صحبت سے حضرت کی منع کرتا تھا (الکھف :۲۳)

☆ بعض جگہ محذوف الفاظ کو قوسین میں ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۔پھر اسکے بعد ایک سال یہ آئے گا جس میں لوگ بارش پائیں گے اور (انگور) نچوڑیں گے۔

(یوسف :۹۴)

☆ بعض جگہ آیات میں مستعمل عربی الفاظ کو اسی طرح ترجمہ میں استعمال کر کے رعایت لفظی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

۔اے مسلمانوں تم (محمد کو) راعنا نہ کہا کرو وانظرنا کہا کرو۔ (بقرہ:۱۰۴)

۔کیا ان کافروں نے نہ دیکھا کہ آسمان اور زمین رتق تھے (یعنی شیء واحد) پھر ہمنے انہیں فتق کردیا (یعنی جدا جدا) (انبیاء:۳۱)

۔مشرق اور مغرب خدا کی ہے جدھر تم منہ کرو ادھر خدا کا مونہہ ہے خدا فراخ دانندہ ہے۔

(بقرۃ :۱۱۵)

☆ ترجمہ میں ہندی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔

۔جو خدا کے سوا انداد (ہمتا) ٹھہراتے ہیں (بقرۃ:۱۵۸)

اور جو مورث مرد یا عورت کلالہ ہو یعنے کہنڈی چہری (کُھنڈی چُھری) یعنے اوت نپوت جسکے نہ

باپ ہے نہ بیٹا اور خصم والیوں کا لینا بھی حرام ہے۔(نساء:۱۵)

ان کا ارادہ ہے کہ طاغوت (یعنی شیطان مراد کعب بن اشرف یہودی) کی طرف فیصلہ کے لیے مقدمہ لیجائیں۔(النساء:۶۳)

☆ جہاں قرآن نے مسیحی عقائد پر تنقید کی ہے وہاں مسیحی مترجم خاموشی سے بلا کسی تعلیق کے گذر جاتے ہیں۔

۔اے اہل کتاب اپنے دین میں مبالغہ نہ کرو اور خدا کی نسبت صرف حق بات بولو۔ مسیح ابن مریم اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جسے اسنے مریم کی طرف ڈالا تھا اور روح ہے اس میں سے (یعنی خدا میں سے) پس تم اللہ پر اور اسکے رسولون پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو باز آؤ تمہارا بہلا ہوگا۔

(النساء :۱۶۹)

۔وہ کافر ہیں جو مسیح ابن مریم کو اللہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ مسیح بن مریم اور اس کی ماں کو اور سب کو جو زمین میں ہیں ہلاک کرنا چاہے تو کون اس کے ارادہ کو روک سکے گا۔(المائدۃ :۱۹)

☆ بعض اوقات ترجمہ میں محاورہ کا استعمال کیا گیا ہے۔

۔اور جو نصیحت انھیں ملی تہی اس سے حظ اٹھانا بھول گئے۔(المائدہ :۱۶)

☆ سورۃ النساء آیت ۱۷۰ کے ترجمہ میں کتابت کی غلطی کی وجہ ترجمہ میں تبدیلی آ گئی ہے۔" مسیح کا بندہ ہونے سے ہرگز برا نہ مانیگا اور نہ مقرب فرشتے "جو کہ دراصل " مسیح اس کا بندہ ہونے سے ہرگز برا نہ مانے گا " تھا۔

☆ بعض جگہ قوسین میں مسلم عقائد کے خلاف توضیحات درج ہیں :

۔اور تجھے گمراہ پایا (کہ سب کے ساتھ بت پرست تھا(العیاذ باللہ) پھر ہدایت کی (اسلام کی) اور تجھے محتاج پایا (جب مکہ میں تھا) پھر تونگر کر دیا (مدینہ میں) (الضحی :۶۔۷)

☆ اسی طرح بعض جگہ عربی الفاظ کا معنوی اعتبار سے اردو میں غلط مفہوم ادا کرنے والے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں:

اے اہل کتاب ہمارا رسول (محمد) بیان سنانے کو تمہاری طرف اس وقت آیا ہے جبکہ رسولوں میں گھاٹا (گھاٹا) پڑ گیا تھا۔

۔اللہ نے بھی مکر کیا اور اللہ مکاروں میں اچھا مکار ہے۔

آخر میں ۷ صفحات پر مشتمل ایک انڈیکس بعنوان "فہرست بعض مضامین قرآن معہ بعض اشارات بحث طلب "کے عنوان سے مرتب کیا گیا ہے۔ نقد مسیحیت پر مبنی قرآنی مقامات کا ترجمہ کرتے ہوئے پادری صاحب بلا تعلیق اس مقام سے گذر گئے لیکن قرآنی کے بارے اپنی فکر کو یہاں اس فہرست میں عیاں کیا ہے۔ جہاں قرآنی بیانات کا ایک پادری کی نظر سے مفہوم کشید کرتے ہوئے تحریف معنوی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔اس ترجمہ کا یہ حصہ مسیحی نقطہ نظر سے مفید مطلب، ہے۔ بعض عنوانات ملاحظہ ہوں۔

تثلیث کو نہ مانو، نساء ۱۶۹ مائدہ ۱۷۷، تثلیث کیا شئی ہے اللہ سے الگ عیسیٰ و مریم کو بھی خدا ماننا تثلیث ہے مائدہ ۱۱۶۔۱۲۰ (۶۶،۶۷)

رحمٰن ۔ یہہ لفظ حضرت نے کلیسا سے لیا عرب میں مروج نہ تھا اہل مکہ نہیں جانتے اور نہیں مانتے کسی اہل کتاب خبردار سے پوچھہ کہ رحمٰن کیا ہوتا ہے ۔ رعد مریم ۲۹ و انبیاء ۳۷ فرقان ۶۱،۶۰ زبعری قریشی نے مباحثہ میں محمد کو بند کر دیا اسپر قریش نے تالیاں بجائیں ۔ زخرف ۵۷

عیسائیوں نے چند رب مقرر کر رکھے ہیں (توبہ ۳۱) (بقول پادری صاحب) یہہ تہمت ہے۔

سدرۃ المنتہی (نجم ۱۴) غالباً یہہ مطلب مکاشفات ۲۲۔۲ سے بتصرف لیا ہے۔

عیسائی لوگ قیامت تک کافروں کے اوپر غالب رہیں گے ۔ اللہ کا وعدہ ہے (ال عمران ۴۸)

شیطان نبیوں کے خیالوں میں بوقت نبوت کچھہ ڈالدیا کرتا ہے (حج ۵۲،۱۵)

دعوی نبوت سے پہلے حضرت نے قریش کو خوب ٹٹول لیا تھا کہ اگر کوئی نبی ان میں اٹھے اور کوئی کتاب ان میں بھی نازل ہو وہ مانیں گے یا نہیں اور انہوں نے قسمیں کھائی تہیں کہ مانیں گے جب دعوی نبوت ہوا تو اب نہیں مانتے ہیں (فاطر، صافات ۱۶۷)

ہر متنفس گنہگار ہے (نحل، فاطر) عصمت انبیاء کا خیال قرآن سے نہیں صرف مسیح یسوع کی عصمت کا اقرار قرآن کرتا ہے (آل عمران ۳۲، ۲۱) کہ اسے اور اس کی والدہ کو شیطان نے نہیں چھوا۔

مثل قرآن، قرآن کی مثل لاؤ (یونس ۳۹، ۴۰) کس چیز میں مانند لاویں ایسی عبارت لائیں یا مطالب وہ کہتا ہے ایسے مطالب لاؤ (طور ۳۴)

لوگ بے فائدہ فصاحت لفظی مانگتے پھرتے ہیں کوئی عیسائی اس پر توجہ نہ کرے۔ قرآن ہرگز فصاحت لفظی کا مدعی نہیں ہے ایک لفظ بھی ایسا دعوی نہیں دکھاتا۔ عبارت کے اعتبار سے اہل عرب نے صاف کہا کہ ہم اس قرآن کی مانند بنائیں گے۔ (انعام ۹۳)

وحی یا الہام شیطان سے بھی ہوا کرتا ہے یعنی شیطان بھی وحی کرتا ہے (انعام ۱۲۱، ۱۱۳، ۱۱۲) وحی یا الہام جو اللہ سے ہے اس کی تین قسمیں ہیں (شوری ۵۰) اور تینوں قسموں میں صرف دوسری قسم کا الہام محمد کو ملا ہے (۵۱) قرآن کے کسی مقام سے ثابت نہیں کہ پہلی اور دوسری قسم کے الہام میں سے کچھ بھی کبھی محمد کو ملا ہو آیت میں تیسری قسم پر انحصار ہے۔ اس لیے رسول کریم کا قول کہلایا ہے اور واضح رہے کہ یہ تیسری قسم الہام کی غیر مقبول ہے

برصغیر کے اولین مسیحی اردو قرآنی ترجمہ کا جائزہ لیتے ہوئے ایک دلچسپ بات یہ سامنے آئی ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مسلم مسیحی مناظراتی ادب بہت وقیع اور وسیع ہے جس میں طرفین کی طرف سے اسلام اور عیسائیت پر متنوع تحریریں سامنے آئیں اور اسی ضمن میں مسیحی اہل قلم کے قرآن کریم کے تراجم و تفسیر بھی منصۂ شہود پر ظاہر ہوئے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اگرچہ بہت سے مسلم علماء نے بائیبل کی ثقاہت کے حوالے سے اس کے داخلی اور خارجی پہلو پر قلم اٹھایا لیکن ترجمہ و تفسیر بائبل پر مسلم کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سلسلہ میں مسیحی نقطہ نظر سے غیر معتبر انجیل برنباس کے اردو ترجمہ از مولوی محمد حلیم انصاری (۳۰) اور جزوی تفسیر بائبل "تبین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام " از سر سید احمد خاں (۱۸۹۸ء) (۳۱) کے سوا اور کوئی مسلم کاوش معروف نہیں ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم علماء کی اکثریت بائیبل میں تحریف لفظی کے قائل تھی اس لیے انہوں نے اسے درخو اعتناء ہی

نہیں سمجھا۔صاحب ''موج کوثر'' جان آرنلڈ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں ؛

''اگر تفسیر بائیبل کا کام مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہو جائے تو پھر عیسائیوں کو یہ ثابت کرنا دشوار نہ ہو گا کہ اگر انجیل صحیح ہے تو (نعوذ باللہ) قرآن ضرور جھوٹ ہے۔'' (۳۲)

برصغیر کے اولین مسیحی اردو قرآنی ترجمہ کا جائزہ لیتے ہوئے ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ بائبل کی ثقاہت پر معترض ہونے کے باوجود مسلم علماء نے کلیسا کے ہاں رائج بائبل سوسائٹیوں کے کردہ تراجم پر اعتماد کیا۔ جب کہ اس کے برعکس مسیحی منادین فرقہ بندی اور عدم فصاحت کے آڑ لے کر مسلمانوں کے کردہ تراجم پر اعتماد کرتے دکھائی نہیں دیتے۔ مثلاً پادری ای ایم ویری شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کی نسبت منادین کے لیے عماد الدین کے کردہ اس ترجمہ کو بہتر گردانتے ہیں۔ اگر کلیسا کو مسلمانوں میں متداول تراجم پر اعتماد نہیں تھا تو چاہیے تھا کہ کلیسا کی زیر نگرانی ایک مستند ترجمہ کا اہتمام کیا جاتا اور مسلم مترجمین کی غلطیوں کو آشکار کرتے۔ دوسری طرف مسیحی کارپردازوں کی زیر نگرانی مسلم علماء کا کردہ ترجمہ قرآن بوجوہ منظر عام پر نہیں آنے دیا گیا۔ یوں ان حالات میں بظاہر انفرادی کاوش اور کلیسیا کے نگرانی سے ماوراء کردہ تراجم مسلم قارئین کے ہاں سادگی سے قابل قبول نہیں۔

❀❀❀❀

حوالہ جات

(1) سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد (خصوصی اشاعت : برصغیر میں مطالعہ قرآن) ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء ،(اعجاز فاروق اکرام، ڈاکٹر، برصغیر میں مطالعہ قرآن- تراجم وتفاسیر) ص ۸۵

(2) ان مسیحی تراجم وقرآنیات کے مقاصد کو ڈاکٹر سفیر اختر صاحب ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں:۔''[برصغیر میں] عیسائیوں نے قرآن کریم کے حوالے سے جو قلمی تحریری کام کیا ہے اس کا مقصد قرآن پاک کے صحیح مترجمین ومفسرین کے مقاصد سے بہت مختلف تھا اور خاصی حد تک نازیبا اور پست مقصد تھا پادریوں کی ان کاوشوں کا مرکزی نقطہ یہی تھا کہ قرآن کریم کے منزل من اللہ، کتاب ہدایت اور خدا کے آخری پیغام ہونے کی بہرصورت (معاذ اللہ) تردید کی جائے۔اس کی صداقت وتعلیمات پر یقین وعقیدہ کو مسلسل کمزور کیا جائے اور اس کوشش کے نتیجے میں مسیحیت کی تبلیغ واشاعت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے کی جدوجہد عام ہو سکے یہ حقیقت ہے کہ مشنریوں کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوا اور ان کے چھاپے ہوئے ترجموں اور تفاسیر قرآن کو مسلمانوں میں کبھی بھی پذیرائی اور قبول عام حاصل نہیں ہوا۔'' (سہ ماہی ''عالم اسلام اور عیسائیت''، اسلام آباد، دسمبر ۱۹۹۳ء (اختر راہی، مسیحی اہل قلم کے اردو تراجم وتفاسیر قرآن)، ص ۴)

(3) ترجمہ قرآن بہ اردو زبان از پادری عمادالدین، (نیشنل پریس، امرتسر ۱۸۸۴ء)، صفحات ۴۰۳؛ ترجمہ قرآن (اردو) از پادری احمد شاہ، (زمانہ پریس، کانپور ۱۹۱۵ء)، ص ۸۰۵؛ تفسیر قرآن از پادری جے علی بخش، (مرکنٹائل پریس، لاہور ۱۹۳۵ء)، صفحات ۵۷۲؛ سلطان التفاسیر، پادری سلطان محمد پال، (ایم کے خان مہان سنگھ، لاہور، س ن)، صفحات ۴۸۱۔

(4) صابری، امداد، جہاد آزادی کے روشن چراغ المعروف فرنگیوں کا جال، دہلی ۱۹۷۹، ص ۱۶۱-۱۶۲

(5) حسن اتفاق سے برصغیر کے مسلم مسیحی مناظراتی ادب میں جگہ پانے والی تحریروں میں سے تین اہم مصنفین کا تعلق پانی پت سے ہے۔مسلم نمائندگی کرنے والے مولانا الطاف حسین حالی کا تعلق بھی پانی پت سے تھا جنہوں نے پادری مذکور کی دو کتب ''ہدایت المسلمین'' اور ''تاریخ محمدی'' کے جواب میں بالترتیب ''تریاق مسموم'' اور ''تاریخ محمدی پر ایک منصفانہ نظر'' کے عنوان سے قلم اٹھایا۔جبکہ نو معتقد مسیحی ماسٹر رام چندر بھی پانی پتی ہی تھے جس کی نقد قرآن پر ''تحریف قرآن'' اور ''اعجاز القرآن'' نامی تحریریں موجود ہیں۔

(6) لاہز، عمادالدین، واقعات عمادیہ، (پنجاب ریلجس بلک سوسائٹی، لاہور س ن)، ص ۱؛ پادری ای ایم ویری نے سن پیدائش ۱۸۶۵ء نقل کیا ہے، جو کہ غلط ہے۔

Wherry The Muslim Controversy ,(The Christian Litraturer Society .

Madras 1905) , p.15

کیونکہ موصوف ۱۸۵۴ء میں آگرہ میں پادری فانڈر (۱۸۶۵ء) اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی (۱۸۹۱ء) کے درمیان ہونے والے معروف مناظرے میں موجود تھے۔ (برکت اللہ، پادری، صلیب کے علمبردار، (پنجاب رلیجس بک سوسائٹی، لاہور)، ص ۱۹

(7) پادری صاحب کا عیسائیت قبول کرنے کا فکری سفر دین اسلام کے بارے تشکیک سے شروع ہوا۔ موصوف اپنی سوانح عمری میں رقم طراز ہیں۔ "(کالج میں پڑھائی کے) ان ایام میں کئی عیسائیوں کی صحبت کے سبب مجھے دین محمدی پر شک پڑ گیا تھا" (واقعات عمادیہ، ص ۴)؛ تصوف کے متعلق پادری مذکور لکھتے ہیں؛ "اس علم سینہ کو تصوف کہتے ہیں اور بڑے بڑے دفتر کتابوں کے محمدی عالموں نے اس علم میں قرآن و حدیث سے اور اپنی عقل سے اور ہنود کے بیدانت اور رومیوں و عیسائیوں اور یہودیوں و مجوسیوں کی رسموں سے اور رہبان و مجاریب کی عادت سے انتخاب کر کے لکھ رکھی ہیں۔" (ایضاً، ص ۵)؛ اس کا تجربہ یوں دل میں آ گیا کہ سب مذاہب واہیات ہیں جسم کو آرام دینا چاہیے۔ (ایضاً، ص ۱۱)

(8) واقعات عمادیہ، ص ۲۲ ؛ فرنگیوں کا جال، ص ۱۶۳؛ ایورل پاؤل کو تاریخ وفات ۱۸۹۹ء لکھنے میں تسامح ہوا ہے۔ Powell , Avril A, Muslims and Missionaries in Pre-Munity India (Curzon Press Ltd. Uk1993) , p.133

(9) "پس واضح ہو کہ اپنے حسب نسب کی بابت مجھے اس قدر معلوم ہے کہ ہمارے بزرگ ہانسی شہر کے باشندے تھے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ شہر ہانسی میں بارہ قطب ہیں۔ ان میں سے ایک قطب جن کا نام شیخ جمال الدین ہے۔ ان کے بیٹے شیخ جلال الدین تھے۔ ان کے کے بیٹے شیخ فتح محمد تھے ان کے بیٹے مولوی محمد سردار ہوئے ان کے بیٹے مولوی محمد فاضل تھے ان کے بیٹے مولوی محمد سراج ہوئے ان کا بیٹا میں ہوں "۔ (واقعات عمادیہ، ص ۱)

(10) "فرنگیوں کے جال "، ص ۱۶۱۔۱۶۲ پر اس نسب نامہ کی صحت اور "دعوی اخلاف قطب" کا جائزہ یوں لیا گیا ہے؛ "پادری عمادالدین کے حقیقی بھائی لکھتے ہیں؛ "پادری عمادالدین نے ایک کتاب واقعات عمادیہ لکھی ہے جس میں اپنا نسبی سلسلہ حضرت جمال الدین قطب ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاتے ہیں۔ اگر کوئی ہندوستانی اس واقعہ کی تحقیق کرے تو ان کی یہ تحریر باطل ٹھہرے گی۔ اگر عمادالدین کو اپنا نسب بدلنا تھا تو شیخ جمال الدین سے نہ جوڑتے۔ ان کو یہ سلسلہ کسی حواری فرضی طمطاؤس یا پلوس (پولس) سے ملانا چاہیے۔ کیونکہ اگر کوئی محقق تحقیق کرے گا تو ان کو ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا (منشور محمدی ، بنگلور، یکم شوال......۱۵ نومبر ۱۸۷۴ء)"

(11) پادری اے ٹھاکرداس کے مطابق؛ "(پادری عمادالدین کے) والد ماجد مولوی سراج الدین صاحب ابھی حیات ہیں جو شہر پانی پت کے رئیسوں میں شمار کئے جاتے ہیں"۔ (ٹھاکرداس، مسیح کے نورتن، (مسیحی اشاعت خانہ، لاہور ۱۹۹۵ء)، ص ۱۰ اسی طرح ایورل پاؤل رقم طراز ہیں؛

His Grandfather,Maulavi Muhammad Sirdar,had been called to nearby

Paniput to minister to the Afghan chaif ,his father,Maulavi Ghulam Muhammad Kahn and Muhammad Siraj-ud-Din received similar esteem from the local chief (Process to Religious Conversion movement in South Asia " : Continuities and Change 1800 - 1900 (ed.Geoffry A oddie , Curzon Press, Uk 1997) p.37

برصغیر کے مشہور مناد پادری ای ایم ویری لکھتے ہیں؛

The Rev.Imad-ud-din D.D , of the C.M.S. Amritsar , know generally as Molvi Imad-ud-din , Lahiz claimed descent from a celebrated Muslim saint, Qutab Jamal , a scion of a royal family of Persia

(12) امداد صابری لکھتے ہیں؛ "پادری عمادالدین ذات کے تیلی تھے۔ان کے والد نے یہ پیشہ ترک کر دیا۔ ہزاروں آدمی پانی پت کے رہنے والے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور جب مدرسہ میں آپس میں ہنستے اور مذاق کرتے تھے تو ان کو تیلی کا لونڈا کہا جاتا تھا"۔اس بات کی تصدیق قلمی میدان میں ان پر کسی گئی پھبتیوں سے بھی ہوتی ہے۔ "پادری صاحب نے جب ''ہدایت المسلمین'' لکھی تو جواب دینے والوں نے اپنے جواب میں (ان کے تیلی ہونے کے)اس نسلی رشتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔وہ طعناً فرماتے ہیں؛

کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگوا تیلی
جہاں میں رشک مزعفرا گر کلی ہو جائے
تو کیا عجب ہے کہ تیلن بکاؤ لی ہو جائے

(فرنگیوں کا جال،ص۱۶۲)

(13) اس حوالے سے Avril Powell کے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں مختلف مقامات پر بعض اشارات ملتے ہیں۔
Powell,Avril A, Muslims and Missionaries in Pre-Munity India(Curzon Press Ltd.Uk 1993)

(14) ٹھاکر داس، مسیح کے نورتن،ص ۷۱

(15) پادری صاحب کے مذکورہ ان تجربوں میں قصیدہ غوثیہ، چہل کاف، حزب البحر، کشف قبور، مراقبہ، وجد کی محفلیں، باعتقاد صوفیوں کا تکنا، گیروے کپڑے پہن کر فقیر کا روپ سدھارنا، پیادہ بے سروسامان دو ہزار کوس کا سفر شامل تھا۔ ایک بار بارہ روز بے سلا کپڑا پہن، ایک زانو پر برلب جاری نہر بآواز بلند ورد کرنا، ہَو کا آٹا، بے نمک حلال کھانا، نہ کسی آدمی کو چھونا نہ بے وقت بات کرنا، سوا لاکھ بار اسم الجلال (اللہ) لکھ کر آٹے کی گولیوں میں لپیٹ مچھلیوں کو کھلانا بھی شامل تھا۔(واقعات عمادیہ،ص ۶۔۹)

(16) واقعات عمادیہ،ص ۱۰

(17) ایضاً،ص ۱۲

(18) واقعات عمادیہ،ص ۱۲

(19) پادری فینڈر کی ان تحریروں کے متعلق مدراس یونیورسٹی کے فیلو ایل بی جونز کی رائے ہے کہ ''ڈاکٹر فینڈر کی ایک کمی ہے کہ اسلام کی تعلیم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال وعادات پر نکتہ چینی کے بغیر مسیحی ایمان پر نہیں لکھ سکتا تھا یا لکھنا نہیں چاہتا تھا'' (تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہندوستان، مدیران خصوصی :سید فیاض و ڈاکٹر عبادت بریلوی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۴، ص ۳۹۵)

(20) فرنگیوں کا جال، ص ۱۶۳

(21)Wherry,E. M,Islam and Christianity in India and For East (Fleming H. Revell Company, London1907), p.164(

(22) بقول ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پیرس) اس کا ایک اور ایڈیشن رومن رسم خط میں کلکتہ سے ۰۰ میں شائع ہوا۔ (القرآن فی کل اللسان، ادارہ عالمگیر تحریک قرآن، حیدر آباد دکن، طبع ثالث ۱۳۶۶ھ)، ص ۶۔۷

(23) یہ امر واقعہ ہے کہ الہامی کتب کے پیروکاروں کے ہاں ایک تقدس اور احترام کے ساتھ ان کتب پر ایمان ہوتا ہے۔ مسیحی کارپردازوں کی طرف سے اشاعت تراجم قرآنی سے قبل مسلمانوں کے ہاں بغیر متن کے معری ترجمہ قرآن کی اشاعت کی روایت موجود نہ تھی۔ ایسی اشاعت میں قرآنی تقدس کا احساس مفقود رہتا ہے۔ زیر بحث ترجمہ دیکھ کر بھی قرآنی احترام تقدس کا قطعاً احساس نہیں ہو پاتا۔ مسلم عقیدہ کے مطابق الفاظ قرآنی منزل من اللہ ہیں جب کہ غالب مسیحی عقیدہ یہ ہے کہ انجیل کے الفاظ من وعن الہامی نہیں بلکہ الہام وکشف کو انسانی الفاظ میں ڈھالا گیا ہے۔ (فینڈر، سی جی، میزان الحق، (پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور ۱۹۶۲ء)، ص ۱۶۴) اس لیے الفاظ اتنے اہم نہیں جب کہ مسلم عقیدہ کے مطابق قرآنی الفاظ کلام الٰہی ہونے کی بناء پر خاص تقدیس کے حامل ہیں۔

(24) مرزا صاحب نے سابقہ مسلم اور نو مسیحی پادری عبداللہ آتھم کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ آپ لوگ کبھی انصاف کی پاک نظر کے ساتھ قرآن کریم کو نہیں دیکھتے۔ (قادیانی، غلام احمد، مرزا، جنگ مقدس، (قادیان) ص ۱۵۱

(25) پادری صاحب کا یہ دعویٰ تاریخی حقائق کے خلاف ہے کیونکہ اس وقت تک قرآن پاک کے کئی ایک تراجم ہو چکے تھے مگر منظر عام پر کم آئے تھے اس کی ایک وجہ اس دور تک جاری مسلم علماء کے ہاں یہ ایک نزاعی بحث تھی کہ قرآن کریم کا ترجمہ جائز بھی ہے یا نہیں۔ عام طور پر قیاس کیا جاتا ہے کہ علمائے دین کی مخالفت ترجمہ وتفسیر کے کام میں مانع رہی "" فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گل کرسٹ کی نگرانی میں مسلم علماء نے جو ترجمہ قرآن کیا اس کے بارے مرقوم ہے؛ "شروع ترجم میں خلقت نے اس بات میں بہت سی شورش کی تھی کہ بنا اس ترجمے کی ہوتی ہے نہایت دین و آئین سے برخلاف ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ ہندی میں ہوتا ہے آخرش جو اہل علم تھے انھوں نے جواب دیا کہ اگر فارسی میں ترجمہ ہوا ہے تو ہندی میں کیا کفر ہے۔) (ڈاکٹر سید حمید شطاری، قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر کا تنقیدی مطالعہ ۱۹۱۴ء تک، حیدر آباد ۱۹۸۲ء، ص ۱۹۴)۔ مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ۲۸ دسمبر ۱۸۸۸ء (لاہور) میں ڈپٹی نذیر احمد نے کہا، "میرے مذہب میں قرآن کا ترجمہ گناہ ہے کیونکہ کہ ترجمہ میں معجزہ بیانی نہیں آ سکتی'' کیونکہ ان کے خیال میں،

"اگر ہم قرآن کو اصل زبان میں سمجھتے ہوتے تو ہم اس سے کہیں بہتر مسلمان ہوتے جیسے اب ہیں''، بعدازاں ان کی یہ رائے بدل گئی اور انہوں نے خود بامحاورہ شگفتہ زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا جو ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا۔ (صدیقی، افتخار احمد، ڈاکٹر، مولوی نذیر احمد دہلوی۔ احوال و آثار، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۲۶۴۔۲۶۵)

(26) عمادالدین، ترجمہ قرآن بہ اردو زبان، (نیشنل پریس، امرتسر، ۱۸۹۴ء) ص ا

(27) ایضاً، ص ۲

(28) پادری صاحب کے ہم سفر، اسلام سے ارتداد کرتے ہوئے نومسیحی سلطان محمد پال نے اپنی تفسیر میں یہاں الصلوۃ کا ترجمہ دعا کیا ہے۔''اور جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور جو دعا پر ثابت قدم رہتے ہیں''(پال، سلطان محمد، سلطان التفاسیر، (ایم کے خاں مہان سنگھ، لاہور، س ن)، ص ۲۲

(29) ترجمہ قرآن بہ اردو زبان، ص ۳

(30) ایضاً، ص ۲۹۴

(31) انصاری، محمد حلیم، مولوی، انجیل برنباس (اردو) (کشمیر بک ڈپو، لاہور، ۱۹۱۶ء)، صفحات ۳۶۹

(32) سرسید احمد خاں، تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام، (غازی پور) یہ جزوی تفسیر بائبل تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ دس مقدموں پر مشتمل پہلی جلد ۱۸۶۲ء اور توریت کی کتاب پیدائش کی تفسیر پر محتوی دوسری جلد ۱۸۵۶ء میں طبع ہوئی جب کہ ۱۸۸۷ء میں سامنے ہونے والی تیسری جلد انجیل متی باب اول تا باب پنجم کی تفسیر پر مشتمل ہے

(33) محمد اکرام، شیخ، موج کوثر، (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور)، ص ۸۴

(34) Wherry, The Muslim Controversy, p.vi (Preface)

قرآن مجید کے فرانسیسی ترجمے

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ☆

مسلمانوں کی یورپ میں آمد:

قسطنطنیہ (حال استانبول) کے بادشاہ ہرقل کے نام بھیجا ہوا مکتوب نبویؐ ۷ھ کی بات ہے۔ امام بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق یہ تبلیغی خط جس میں قرآن مجید کی بعض آیتیں بھی ہیں، ہرقل کو اس وقت پہنچا جب وہ حمص میں تھا اور سفیر سے اس نے بیت المقدس پہنچنے پر ملاقات کی۔

تاریخ طبری کے بیان کے مطابق ۲۶ھ، ۶۴۶ء میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی فوجیں اندلس (جنوبی اسپین) میں پہنچ گئیں اور کمک نہ ملنے کے باوجود وہیں حاکمانہ وقابضانہ مقیم رہیں تا آنکہ اس کے ستر سال بعد طارق اور موسیٰ بن نصیر نے اس آغاز کو انجام تک پہنچایا۔

فاطمی دور کے ممتاز مورخ القاضی الرشید ابن الزبیر نے اپنی کتاب "الذخائر والتحف" میں بیان کیا ہے کہ طارق نے اربونہ (حال ناربون، فرانس) پر بھی قبضہ کیا تھا، اس کے کچھ ہی دن بعد عبدالرحمٰن الغافقی نے بورڈو فتح کیا اور وہاں کے حکمران کی لڑکی سے شادی کی۔ اس کے بعد شامل کی طرف کسانوں اور دیگر نو آباد کاروں کی امن پسند مہم کے ساتھ روانہ ہوا، لیکن پوریتے اور طور کے درمیان ایک غیر مقام پر جسے اب خندق الملک (فوسے روا) کہتے ہیں شارل مارتل سے مڈبھیڑ ہوئی اور بظاہر کسی جاسوس یا کسی غدار نے رات کو عبدالرحمٰن الغافقی کو شہید کر دیا، اس لیے دوسرے دن بے سری فوج اندلس واپس ہوگئی۔ نئے امیر اندلس نے دوسرے ہی سال دوبارہ طور جانے کی تیاری کی، لیکن

☆ معروف سکالر۔ پیرس

خوارج نے بغاوت کر دی، اس لیے مجبوراً فرانس کی نو آبادکاری ملتوی کرنا پڑی۔ میں نے دو تین مرتبہ ان مشاہد شہداء پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی ہے۔

چند نسلوں بعد تونس کے اغلبی حکمرانوں نے پروانس (جنوبی فرانس)، سوئٹزر لینڈ اور اٹلی تک اپنا اقتدار پھیلایا۔ اس دور یعنی دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی کی فرانس میں کافی یادگاریں اب تک باقی ہیں، مثلاً قلعوں کے کھنڈر، ہتھیار، سکے وغیرہ۔

قرآن مجید کا ترجمہ:

مجریط (میڈریڈ) کے کتب خانوں میں قرآن مجید کے چار ترجمے اب تک محفوظ ہیں، جو اسپینی زبان میں عربی خط میں لکھے ہوئے ہیں۔ پولینڈی اور لتھوانی زبانیں بھی ایک زمانے میں وہاں کے مسلمان عربی خط میں لکھتے تھے۔ ایسے پولینڈی اور لتھوانی (عربی خط والے) تراجم قرآن کے مخطوطے بھی اب تک باقی ہیں۔ حال میں اسی طرح کا ایک یوگوسلافی (عربی خط والا) ترجمہ قرآن کا قلمی نسخہ بھی ملا ہے، ان حالات میں یہ گمان کرنا بے جا نہیں کہ اموی اور عباسی (اغلبی) دور میں جب فرانس کے تقریباً ایک تہائی رقبہ پر کم وبیش سو سال تک مسلمانوں کا قبضہ رہا تو نومسلموں کی ضرورت کے لیے عربی خط میں فرانسیسی ترجمہ قرآن کی اشاعت ضروری ہوگئی، لیکن اب تک کوئی دستاویزی ثبوت ایسے فرانسیسی ترجمے کا نہیں ملا ہے۔ قدیم ترین جس فرانسیسی ترجمہ کا ذکر ملتا ہے وہ اس سے دو صدی بعد کا ہے جیسا کہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

فرانسیسی تراجم قرآن مجید:

۱۔ قسطنطنیہ کے حکمران الفونسو دہم (حکمرانی ۶۵۰ھ (۱۲۵۲ء) تا ۶۸۳ھ (۱۲۸۴ء) کے حکم سے طلیطلہ کے ایک عالم دون ابراہام نے (جو غالباً یہودی تھا) قرآن مجید کی سورۃ المعارج کا اسپینی میں ترجمہ کیا اور پھر اس اسپینی سے بوناونتورا دیسیب (Bonnaventura de seve) نے اس کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا، (جیسا کہ جویش انسائیکلوپیڈیا میں بعنوان ''قرآن'' ذکر ہے) لیکن بظاہر اب اس کا کوئی وجود باقی نہیں۔

۲۔ پھر چار سو سال تک سکوت رہا۔ اس کے بعد ۱۰۵۷ھ (۱۶۴۷ء) میں سیور دور یئے (Siewr du ryer) پاریس نے مکمل قرآن مجید کا ایک ترجمہ-Lalcoran de Mahmet کے نام سے شائع کیا، جس کے سوا سو سال میں کم از کم اکیس اڈیشن چھپے اور اس کی اساس پر متعدد یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔

۳۔ ساواری (M. Sarary) کا ترجمہ دو جلدوں میں پہلی مرتبہ پاریس میں ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲ء) میں Lekoran کے نام سے چھپا، اس کے بعد اس کے کئی اڈیشن شائع ہوئے۔ اب بھی یہ بازار میں آسانی سے ملتا ہے۔ ادبی نقطۂ نظر سے بہت عمدہ لیکن صحت کے لحاظ سے ناقابل اعتماد ہے۔

۴۔ رینو (Reinaud) فرانس کے ممتاز ترین عربی دانوں میں گزرا ہے۔ اس کی مشہور تالیف ''عربوں کا حملہ فرانس پر اور پھر وہاں سے سوئٹزر لینڈ اور اٹلی پر'' حال میں پروفیسر ہارون خان شروانی کے انگریزی ترجمے کے ذریعے کافی معروف ہو چکی ہے۔ اسی مستشرق نے ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء) میں دو جلدوں میں ایک کتاب شائع کی جس میں ڈیوک (Deblacas) اور بعض دوسرے لوگوں کے ذخیروں کی عربی، فارسی اور ترکی چیزوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کی دوسری جلد میں متعدد آیتوں اور سورتوں کا ترجمہ ہے۔

۵۔ گارئیسن دتاسی کے نام سے اردو دان اچھی طرح واقف ہیں۔ اس کی متعدد تالیفوں کے مندرجات سے گمان ہوتا ہے کہ وہ مخفی طور پر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے فرانسیسی میں ''قرآن سے ماخوذ اسلامی عقائد و فرائض'' کے نام سے ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں ایک کتاب شائع کی جس میں بکثرت قرآنی سورتوں کا ترجمہ ہے۔ مولف نے صراحت کی ہے کہ یہ ساواری (نمبر۳) سے ماخوذ ہے۔ لیکن نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ پھر نظر ثالث کے بعد یہی مواد ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ء) میں (Isalmisme D apresle Coran) کے نام سے شائع ہوا۔

۶۔ کازیمیرسکی (Kasimiri) اصل میں پولینڈ کا باشندہ تھا۔ پھر جامعہ پیرس میں عربی کا پروفیسر مقرر

ہوا۔ اس نے ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں مکمل قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ شائع کیا۔ اس کے کم از کم پچیس اڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اب تک مقبول ہے اور دوسرے ترجموں کے مقابلہ میں بہت اچھا ہے۔

۷۔ کازیمیرسکی کے ترجمہ پر نظر ثانی کر کے پوتیے (G. Pauthier) نے ایک اڈیشن شائع کیا۔

۸۔ ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶ء) میں مارسل (J.J. Marrcal) کے ترجمہ کرنے کا ذکر ملتا ہے مگر اشاعت کا پتہ نہیں چلتا۔

۹۔ اسی طرح ایک اور مارسل (Citoyen Marcal) نے مختلف آیات اور سورتوں کا منظوم ترجمہ کیا۔ یہ بھی میری نظر سے نہیں گزرا۔

اس کے علاوہ بعض اور ترجموں کے حوالے ملتے ہیں، مثلاً

۱۰۔ گالان (Gallant) نے ایک ترجمہ کیا۔ لیکن اس کی اشاعت سے پہلے فوت ہو گیا۔ اس کا مسودہ لاپتا ہے۔

۱۱۔ لبلوا (Leleblois) نے اپنی فرانسیسی کتاب ''قرآن اور عبرانی بائبل'' میں نمبر ۵۷ تا ۶۵ کی سورتوں کا ترجمہ شائع کیا ہے۔

۱۲۔ سینٹ ایلیر (St. Hilaire) نے بھی اقتباسات کیے (جیسا کہ امریکی مشنری رسالہ مسلم ورلڈ نے ۱۹۲۷ء میں بیان کیا ہے)۔

۱۳۔ پاریس کے کتب خانہ عام میں مخطوطہ نمبر ۴۶۸ بھی قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ کہا جاتا ہے۔ مگر میں اس کی تحقیق نہ کر سکا اور ذیل کے جدید تراجم سے میں خود واقف ہوں۔

۱۴۔ ژبوت (CH. gillotte) کے الجزائر کے شہر عنابہ میں ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ء) میں فقہ اسلامی پر جو کتاب چھاپی ہے اس میں قرآن مجید کے اقتباس بھی ہیں۔

۱۵۔ فاطمہ زاہدہ (Zaida) نے Lakoran کے نام سے فرانسیسی میں ایک کتاب لزبن (پرتگال) میں ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء) میں شائع کی ہے۔ مولفہ اپنے کو مسلمان کہتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس فرضی

نام سے بعض مکاروں نے گپ شپ پر مشتمل ایک کتاب چھاپی ہے۔سوائے سورۂ فاتحہ کے اس میں کوئی اور قرآنی سورت مجھے نظر نہ آئی۔

۱۶۔ جنیوا (سوئٹزر لینڈ) کی یونیورسٹی کے قیم (رکٹر) دوار مونتے (Edaward Montet) نے پاریس میں ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۵ء) میں ایک ترجمہ شائع کیا، اگرچہ یہ ترجمہ اب تک تین بار چھپ چکا ہے لیکن اتنا ناقص ہے کہ ناقابل اعتنا ہے۔

۱۷۔ ماردروس (J.C. Mardrus) نے ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۶ء) میں باسٹھ سورتوں کو پاریس میں Chapitres Du coran کے نام سے شائع کیا۔

۱۸۔ دوالجزائری مسلمانوں احمد الاعمش اور ابن داؤد نے دہران (الجزائر) میں ۱۳۵۰ء (۱۹۳۱ء) میں ایک ترجمہ چھاپا جو بہت مقبول ہے۔

۱۹۔ پیل (O. Pesle) جو غالباً نومسلم تھے اور احمد تیجانی نے مل کر پاریس میں ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۶ء) میں ایک ترجمہ شائع کیا جس کے تین اڈیشن نکل چکے ہیں، یہ ترجمہ برا نہیں ہے۔

۲۰۔ ریژی بلاشیر (Regis blachere) آج کل جامعۂ پاریس میں عربی کے پروفیسر ہیں، انہوں نے ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۶ء) تا ۱۳۷۱ھ (۱۹۵۱ء) میں ایک ترجمہ شائع کیا جس کا دوسرا اڈیشن ۱۳۷۷ء (۱۹۵۷ء) میں شائع ہوا ہے۔

۲۱۔ آں ری بے ریس (Henri Peres) نے الجزائر میں ۱۳۷۱ھ (۱۹۵۱ء) میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کا ترجمہ طلبہ کی تدریسی ضرورتوں کے لیے چھاپا ہے۔

۲۲۔ ترکی عالم محمود مختار پاشا نے حکمت قرآنی (Sagesse Coranique) کے نام سے پاریس میں منتخبات قرآنی کا ترجمہ شائع کیا ہے۔

۲۳۔ قدیرہ (Ghedira) ایک تونسی مسلمان نے فرانس کے شہر لیون میں ۱۳۷۶ھ (۱۹۵۶ء) میں ایک ترجمہ اہتمام سے آرٹ پیپر پر چھاپا ہے۔

۲۴۔ آں ری مرسیے (Henre Mercier) نے مراکش کے شہر رباط میں ۱۳۷۶ھ (۱۹۵۶ء) میں

منتخبات قرآنی مع ترجمہ شائع کیے ہیں۔ اس میں عربی متن کو عربی خط کے علاوہ لاطینی خط اور موسیقی کی صوتی علامات میں بھی نقل کیا ہے اور چند مہمل اور بھونڈی تصویریں بھی ایک بدبخت مسلمان کی طرف منسوب کر کے درج کی ہیں۔

۲۵۔ بشیر الدین محمود احمد امیر جماعت قادیان نے بھی ایک ترجمے کا اعلان کیا تھا مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ چھپا یا نہیں۔

۲۶۔ راقم الحروف ناچیز کا ترجمہ، پاریس ۱۳۷۹ھ (۱۹۶۹ء)۔

آخر الذکر ترجمے کی سرگزشت:

۱۳۷۷ھ (۱۹۵۷ء) کی بات ہے کہ ایک دن کسی اجنبی نے دروازے پر گھنٹی بجائی، معلوم ہوا کہ رتینے نامی نشریات کے مالک ہیں، کہنے لگے کہ میں قرآن مجید کا عربی متن اور ترجمہ چھاپنا چاہتا ہوں اور پروفیسر مسینیوں نے آپ کا پتا دیا ہے اور یہ فرمائش کی کہ میں ساواری (مذکور الصدر نمبر ۳) کے ترجمہ کی نظر ثانی کر دوں۔ دو ہفتوں کے بعد وہ اس کا نمونہ لے گیا اور آج تک پھر اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی۔

اس کے چند ماہ بعد ایک اور کمپنی Club Francais Du Liver کے ڈائرکٹر نے پروفیسر ماسینیوں ہی کے حوالہ سے ملاقات کی اور کہا، ہم نے حال ہی میں بائبل کا ایک نیا ترجمہ شائع کیا ہے، جو مقبول ہوا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کا بھی ایک نیا فرانسیسی ترجمہ شائع کریں۔ میں نے کہا کہ اگر کوئی فرانسیسی ایک اجنبی کے ترجمے میں ''بوئے کچوری می آید'' کہنے لگے، معیاری ترجمہ تو وہی ہوتا ہے جو کوئی ایسا فرانسیسی ادیب کرتا جو عربی پر بھی عبور رکھتا ہو اور مسلمان اور ایک فرانسیسی ادیب اشتراک عمل سے ترجمہ کریں اور ہم آپ کو ایسا آدمی مہیا کریں گے۔

میرے لیے یہ بڑی سعادت تھی۔ اس کا معاوضہ بھی کافی ملا، مگر میں نے یہ پوری رقم یہاں کی اسلامی انجمن ''مرکز ثقافت اسلامی'' کو دے دی، صفر ۱۳۷۷ھ میں معاہدے پر دستخط ہو گئے اور یہ شرط قرار پائی کہ اٹھارہ مہینوں میں ترجمہ پورا کر دیا جائے۔

میں نے پاریس اور استانبول میں کام جاری رکھا اور میرے مسودے پر ''تمت بحمد اللہ'' پاریس ۲۰ صفر ۱۳۷۸ھ اور ٹائپ شدہ مبیضے پر ایک ماہ بعد کی تاریخ ۷ ستمبر ۱۹۵۸ء درج ہے۔

جیسے جیسے کام ہوتا گیا اپنے رفیق کار موسیو لیتوری کو بھیجتا رہا، وہ ترمیم کر کے واپس کرتے رہے۔ نظر ثانی میں بھی اسی طرح ان کو بھیجتا رہا، اس کے بعد ان کے مسکن شہر روبے (Roubaix) میں جا کر دسمبر ۱۹۵۸ء اور جنوری ۱۹۵۹ء میں چند ہفتوں تک ان کے پاس قیام کر کے شروع سے آخر تک مکرر تصحیح کر کے ناشر کے سپرد کر دیا گیا اور انتظامی مراحل کے گزرنے کے بعد ۱۹۵۹ء میں کمپوز ہونا شروع ہو گیا اور سات سو صفحے کے پروف ایک ماہ میں مل گئے۔ اکتوبر میں طباعت اور جلد بندی ہوئی اور یکم نومبر کو شائع ہو گیا۔ بعون اللہ وفضلہ۔

اس ترجمہ کی بعض خصوصیتیں یہ ہیں:

اس کی طباعت دورنگی ہے، ترجمہ الگ رنگ میں ہے اور حواشی الگ رنگ میں، تا کہ باطنی تقدس کے ساتھ ظاہری حسن سے بھی آراستہ ہو، حواشی میں اس کی کوشش کی گئی ہے کہ جہاں کہیں توریت، انجیل، زبور کے حوالے ہیں یا قرآنی قصے ان کتابوں میں ہیں، ان کے مکمل حوالے دیئے گئے ہیں۔ حجاب اور تعدد زوجات وغیرہ کے احکام میں توریت وانجیل کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ ''وانہ لفی زبر الاولین'' کے سلسلے میں حضرت ادریس سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہما السلام تک کے اقوال اور پارسی اور ہندو کتب مقدسہ کے مکمل حوالے ہیں اور دوسرے جو فوائد ذہن میں آئے وہ بھی درج کیے گئے ہیں۔

شروع میں پچاس ساٹھ صفحوں کا ایک مقدمہ ہے، اس کی اہم ذیلی سرخیاں یہ ہیں:

قرآن کا مولف۔

الہام ربانی کا مفہوم مختلف ملتوں میں۔

نزول وحی کی کیفیت۔

قرآن وحدیث کا فرق۔

قرآن کا اسلوب بیان اور اس اسلوب کا مقصد۔

مندرجات قرآنی۔

قرآن میں یہودیوں سے زیادہ خطاب کیوں ہے؟

قرآنی تصورِ حیات اور اقسام احکام۔

عورت کا ذکر قرآن میں۔

غلامی اور قرآن۔

سیرت نبویہ قرآن کی روشنی میں۔اس سے قرآنی اشاروں کا تاریخی پس منظر سمجھ میں آ جاتا ہے۔

قرآن مجید کی تدوین کی تاریخ۔

ترتیب آیات وسورت ہائے قرآنی۔

عربی خط اور اعراب اور دیگر علامات تحریری۔

قرآن کے نسل بہ نسل تحفظ کا دہرا طریقہ یعنی تحریر و حفظ۔

صحت متن کے لیے استاذ سے سماع اور اجازت۔

اختلاف روایات۔

مسئلہ تنسیخ و تبدیل۔

تجوید و تلاوت۔

تراجم قرآنی، جن کا آغاز صحابہؓ کرام نے فرمایا۔

تاریخ (مسلمان مترجمین اور غیر مسلم مترجمین)۔

ایک نئے فرانسیسی ترجمے کی ضرورت۔

یورپی زبانوں میں تراجم قرآن کی مکمل فہرست۔

کتاب میں جغرافیہ اور مشاعرِ حج کے متعدد نقشے بھی ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ .

(معارف اعظم گڑھ۔دسمبر ۱۹۵۹ء)

قرآن مجید کے ترجمے

ڈاکٹر محمد حمید اللہ☆

عربی زبان:

سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے، لیکن کم لوگ اس زبان کی بعض خصوصیتوں پر غور کرتے ہیں۔ ایک بات یہ ہے کہ وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کی، اگلے ہوں کہ پچھلے تا قیام قیامت، مادری زبان ہے کیونکہ امہات المومنین رضی اللہ عنھن یہی زبان بولتی تھیں۔ کیا کسی کو یہ آیت ۶/۳۳ یاد دلانے کی ضرور ہے کہ ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ (مومنوں کے لیے نبی ﷺ اپنی ذات سے اولیٰ (مرجح) ہوتا ہے اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں؟)

دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ ایک ابدی اور غیر تبدل پذیر زبان ہے۔ دنیا کی زبانیں مرورِ زمانہ سے بدلتی رہتی ہیں حتی کہ پانچ ایک سو سال ہی میں وہ ناقابل فہم ہو جاتی ہیں مثلاً، پندرھویں صدی عیسوی کے انگریز ادیب چاسر کی زبان آج انگلستان میں سوائے گنتی کے متخصصین کے کسی کی سمجھ میں نہیں آتی، موجودہ زبانیں ہوں کہ دنیا کی قدیم زبانیں، سب کا یہی حال ہے۔ اردو، انگریزی، ترکی، روسی، جرمنی، فرانسیسی اور یونانی وغیرہ کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں، صرف عربی اس کلیے سے خارج ہے کہ چودہ سو سال پہلے کی قرآن وحدیث کی زبان وہی ہے جو آج بھی ریڈیو پر بولی جاتی، اخباروں کتابوں پر برتی جاتی اور بازار سے باہر علمی حلقوں میں، نیز بین العرب ضروریات کے لکھی اور بولی جاتی ہے۔ کم از کم گزشتہ پندرہ سو سال سے نہ اس کے الفاظ کے معنی بدلے، نہ صرف ونحو بدلی، نہ املا وتلفظ! کسی ابدی تعلیم اور آخری

☆ معروف سکالر۔ پیرس

نبی ﷺ کے ذریعے سے انسانیت کے لیے آئے ہوئے احکام خداوندی کی حامل کون سی دوسری زبان ہوسکتی ہے بجز اس کے جو مرورِ زمانہ سے نہ بدلے بلکہ ہمیشہ قابل فہم رہے؟

ان اور دیگر خصوصیات کے ساتھ اور اس امر کے باوجود کہ قرآن مجید "بلسان عربی مبین" نازل ہوا ہے۔ عجمی نہیں، خود عربوں کو بھی تفسیر کی ضرورت خود عہد صحابہ سے رہی ہے کیونکہ قرآن کی زبان کی بلاغت اور اس کے معانی کی گہرائی ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ کا مصداق ہے اور اس کا ہر مطالعہ کرنے والا کچھ نہ کچھ نئی چیز پالیتا ہے بغیر اس کے کہ کسی دوسرے کو کچھ خسارہ ہو۔ چونکہ اللہ نے اسے ﴿كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ بنا کر بھیجا ہے، عجمی بھی اللہ کے فضل سے اس قرآن کے باعث ہدایت پاتے رہے ہیں اور موروثی مسلمانوں کی بداعمالی کے باوجود نومسلموں کی تعداد روز افزوں ہی ہے اور تو اور پولینڈ اور یوگوسلاویا جیسے کمیونسٹ (اور اللہ اور دین کے دشمن) ملکوں میں بھی نو مسلم نظر آرہے ہیں۔ ان غیر عرب لوگوں کے لیے اسلام لانے سے پہلے بھی اور اسلام لانے کے بعد بھی قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے ترجمے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ خارج از بحث اور خارج از امکان ہے کہ وہ پہلے عربی زبان سیکھیں، پھر راست قرآن کو پڑھیں اور سمجھیں۔

اولین ترجمے:

تاریخ بتاتی ہے کہ علمائے اسلام، آغازِ اسلام سے لے کر گزشتہ صدی تک، قرآن مجید کا اجنبی زبانوں میں بغیر کسی ادنیٰ تذبذب کے ترجمہ کرتے رہے۔ قدماء میں مثلاً، مشہور و مستند فقیہ امام شمس الائمۃ سرخسی اپنی تیس جلدوں والی کتاب المبسوط (ص ج ۱ ۳۷) میں لکھتے ہیں: ''امام ابوحنیفہ نے اس روایت ❶ سے استدلال کیا ہے کہ (چند نومسلم ایرانیوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ انہیں سورۂ فاتحہ فارسی میں لکھ دیں یہ لوگ اس (ترجمے) کو اس وقت تک نماز میں پڑھتے رہے جب تک کہ ان کی زبانیں عربی الفاظ سے مانوس نہ ہوگئیں۔'' (یعنی قرآنی سورے حفظ نہ ہوگئے) ایک دوسرے مشہور فقیہ تاج الشریعہ ابن صدر الشریعہ نے اپنی فقہی کتاب ''النہایۃ حاشیۃ الھدایۃ'' (طبع دہلی ۱۹۱۵ء

❶ مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مسلک سے رجوع کرلیا تھا کہ قرآن کا ترجمہ نماز میں پڑھا جاسکتا ہے۔ (فاران)

ج۱ص۸۶ حاشیہ نمبر۱) میں اس کی مزید تفصیل دی ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے سورۂ فاتحہ فارسی میں لکھ دیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بنام یزدان بخشایندہ وغیرہ ترجمہ کیا اور لکھنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، پھر اسے ان (ایرانیوں) کو بھیج دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند نہ فرمایا۔''

واقعہ ہے کہ فارسی مشرقی ترکی اور مغربی ترکی میں قرآن مجید کے ترجمے سامانی دور کے، یعنی چوتھی صدی ہجری کے علماء نے کیے ان میں سے فارسی ترجمہ جس کے ساتھ تفسیر طبری کا خلاصہ ترجمہ بھی انہیں علماء کا کیا ہوا موجود ہے حال میں ایران میں چھپ گیا ہے یہ بادشاہ منصور بن نوح کے حکم سے ۳۴۵ھ میں انجام پایا تھا اس سے کچھ ہی بعد کے فارسی ترجمے سورابادی، زاہدی، اسفرائنی اور خواجہ عبداللہ انصاری نے کیے جن میں سے بعض چھپ بھی گئے ہیں۔ سامانی دور کے ترکی ترجمے البتہ ابھی ناشر کے انتظار میں ہیں۔ جاحظ (م ۲۵۵ھ) نے اپنی کتاب البیان والتبیین (ج۱ص ۱۳۹) میں لکھا ہے کہ موسیٰ بن سیارالاسواری قرآن کی فارسی میں تفسیر کیا کرتے تھے۔ بزرگ بن شہر یار نے اپنی کتاب عجائب الھند والصین (طبع یورپ ص۲ تا ص۳) میں لکھا کہ ۳۴۵ھ کے لگ بھگ کامل قرآن مجید کا شمالی ہند کی ایک زبان میں (شاید سندھی یا ملتانی ہو) ترجمہ ہوگیا تھا۔

ترجمہ قرآن کے ناجائز ہونے کا ادعا:

جواز اور عمل کی ان پرانی اور مستند روایتوں کے باوجود گزشتہ صدی کے اواخر میں خاص کر ترکی سلطنت اور ان کے مصر شام وغیرہ علمی نقطۂ نظر سے ترقی یافتہ عربی صوبوں میں یہ دعویٰ کیا جانے لگا کہ قرآن مجید کی اعجاز بیانی کی وجہ سے اس کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ ناجائز ہے اور یہ خیال ابھی حال تک بھی باقی رہا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب محمد مارماڈیوک پکتھال نے نظام حیدرآباد عثمان علی خاں کی سرپرستی میں قرآن مجید کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور پھر مزید احتیاط کے لیے مصر جا کر شیخ الازہر کی نگرانی میں اس کی نظر ثانی بھی کی اور شائع کیا تو اس کا داخلہ مصر میں ممنوع قرار دیا گیا۔ اس نقطۂ خیال کو سمجھنے کی کوشش کی تو مجھے دو باتیں نظر آئیں۔

۱۔ ترجمے کی حرمت کے خیالات کا ذکر کرنا اور ان کو اچھالنا اسلامی کتب ورسائل سے زیادہ عیسائی مشنریوں کے رسالوں میں نظر آیا۔

۲۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے کہ جب قریب قریب سارے اسلامی ملکوں پر فرنگی عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔

کیا ان حقائق کو اتفاقات سے سمجھا جائے۔ یا ان میں باہم ربط وصلہ سمجھا جائے؟ اسے بھی نہ بھلایا جائے کہ سیاہ افریقہ ہی نہیں، الجزائر وغیرہ عربی علاقوں میں بھی فرنگی حاکموں نے عربی زبان کی تعلیم بند کردی۔ غیر سرکاری اسلامی مدرسے بھی مسدود کردیئے۔ ہندوستان میں انگریز مشنریوں نے تو اس کی بھی کوشش کی کہ قرآن کے سارے نسخے خرید کران کو تلف کردیں۔

میں ان سب سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ ان عیسائیوں نے چاہا کہ مسلمان عربی سے نابلد ہو جائیں اور مقامی زبانوں میں قرآن کا ترجمہ بھی نہ ہو۔ اس طرح عیسائیت کے لیے میدان خالی ہو جائے۔ مگر تدبیر کند بندہ۔ تقدیر زند خندہ۔

ہوا یہ کہ ان مہربانوں نے یہ فرض کیا کہ قرآن مجید کا ترجمہ عرب ہی کریں گے۔ اسی لیے یہ خیال عربی ممالک میں پھیلایا یا غالباً کسی مشنری نے ایک بھولے بھالے مسلمان عالم سے کہا: قرآن مجید کی زبان واقعی ایک معجزہ ہے۔ اس کا ترجمہ ناممکن ہے! یہ بھولے بھالے فاضل خوشی سے اچھل پڑے کہ "الفضل ما شهدت به الاعداء" (جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے) دشمن کی شہادت سے بڑھ کر اور کیا چیز ہوسکتی ہے۔ حلقہ احباب میں فخر سے اس کا ذکر کیا اور جلدی ہی معجز بیاں قرآن کا ترجمہ ناممکن ہے کو ایک قدم آگے بڑھا کرنا جائز ہے اور جیسا کہ عرض ہوا یہ خیالات عربی ممالک میں پھیلے اور پھیلائے گئے۔

مگر اس منطق میں ایک نقص تھا۔ یہ مفروضہ ہی غلط تھا کہ ترجمے عرب کریں گے کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ ترجمے ان عجمیوں نے کیے جنھوں نے عربی سیکھی اور علوم اسلامی میں رسوخ حاصل کیا۔ جہاں تک مجھے علم ہے، یہ خیالات ہندوستان، ایران، افغانستان اور ملایا وغیرہ کے علماء میں بالکل نظر نہ آئے۔

مصری، شامی اہل قلم کے خیالات کا انہیں علم ہوا بھی تو بھی بہ ظاہر انہوں نے مسکراہٹ سے زیادہ قابل اعتناء نہ سمجھا ہوگا کیونکہ ہندوستان میں اردو فارسی ترجمے اسی زمانے روز افزوں ہونے لگے۔

ابھی بیان ہوا کہ اسلام کے عہد زریں میں محترم اور ثقہ علماء نے قرآن مجید کے ترجموں پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ مثلاً: خواجہ عبداللہ انصاری اپنے فارسی ترجمے اور تفسیر کے متعلق ۵۲۰ھ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پیشترووں کی (۱۰۷) عربی فارسی تفسیروں سے استفادہ کیا ہے۔

دنیا میں اسلام کے پھیلنے کی رفتار عربی زبان کے پھیلنے کی رفتار سے زیادہ تیز ہے۔ اور غیر عرب نو مسلموں کو اسلام کی اساسی کتاب، یعنی قرآن مجید کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے ترجمے کی ضرورت پر حکومتوں نے بھی توجہ کی اور علماء ربانیین رحمہم اللہ نے بھی جہاں تک سامانی دور کے مذکورہ فارسی اور ترکی ترجموں کا تعلق ہے، میں کہہ سکتا ہوں وہ بہت نفیس ہیں، زبان بھی اچھی ہے اور مفہوم بھی خوبی سے ادا کیا گیا ہے۔ ہمالہ تلے کے براعظم میں مسلمان علماء نے قدیم سے ملک کی مختلف زبانوں میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ اسلام یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پہنچا۔ اکیلی اردو زبان ہی میں آج تک قرآن کے تین سو سے زائد ترجمے ہوئے ہیں اور نئے ترجموں کا شوق تا حال نہ ہند میں ختم ہوا ہے نہ پاکستان میں، ترکی اور فارسی میں بھی اب سو سو سے زیادہ تراجم ہو چکے ہیں۔

یورپی زبانوں میں سے اندلسی اور پولینڈی میں قرآنی تراجم قدیم ہیں۔ اس زمانے میں یہ زبانیں عربی خط میں لکھی جاتی تھیں۔ یوشناق، یعنی پوسینہ (یوگوسلاویہ) میں عربی خط کا ترجمہ قرآن غالباً متاخر زمانے میں ہوا ہے۔ شاید گزشتہ صدی سے پہلے کا ایسا ترجمہ موجود بھی نہیں ہے۔

عربی خط:

حقیقت یہ ہے کہ عربی خط پر اعراب لگا ہوا ہو تو دنیا کا کوئی دوسرا خط صحت تلفظ میں اس کا مقابلہ نہیں کرتا۔ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ Hamid تلفظ حمد، حامد، حمید، حامید، چار طرح سے ہو سکتا ہے۔ اعراب لگے ہوئے عربی خط میں ایسا ابہام ناممکن ہے۔ جسے اللہ نے سمجھ دی وہ اسے سمجھ گیا، جسے نہ دی نہ سمجھا۔ یہ بیان کرتے چلیں تو کوئی حرج نہیں کہ قدیم اندلس میں عام مسلمان عربی بولتے لکھتے

تھے لیکن بعض اندلسی (غیر مسلم ہی نہیں نو مسلم بھی) ایسے بھی تھے جو اندلسی (اسپینی اور پرتگالی زبانیں) بولتے بھی تھے اور لکھتے تھے اور لکھنے میں عربی خط برتتے تھے اور اس عربی خط والی اندلسی زبان کو وہ الاعجمیۃ کہتے تھے۔ (جواب بگڑ کر الخمیا دو Aljamiado ہوگیا ہے۔ اسپینی میں ز کا تلفظ جیم نہیں، خے ہوتا ہے) سینکڑوں الخمیادو مخطوطے آج بھی مغربی کتب خانوں میں محفوظ ہیں ان میں قرآن مجید کے ترجمے بھی موجود ہیں۔

غیر مسلم مترجم:

قرآن کریم کے اجنبی زبانوں میں ترجمے مسلمانوں نے بھی کیے ہیں، غیر مسلموں نے بھی۔ ظاہر ہے کہ عربی داں مسلمان عالم قرآن کا ترجمہ زیادہ تر اپنے بچوں اور ملک کے عربی نہ جاننے والے مسلمانوں کے لیے کرتا ہے۔ غیر مسلم مترجموں کی غرض مختلف افراد کے لحاظ سے مختلف ہوتی رہی ہے۔ کوئی اپنے دین کی حفاظت اور اسلام کی پیشتر وی کو روکنے کے لیے ترجمہ کرتا ہے تاکہ عربی نہ جاننے والے غیر مسلم عالم اس کا مطالعہ کر کے بحث و جدل کے لیے اس میں قابل اعتراض مقامات کا پتہ چلا سکیں لیکن کچھ ایسے بھی رہے ہیں جو محض علم اور اپنی زبان کو متمول کرنے کے لیے بھی اس کام میں مشغول ہوئے ہیں۔ اسی طرح عربی دانی بھی افراد کے لحاظ سے کم و بیش ہوا کرتی ہے۔

جہاں تک غیر مسلموں کے کیے ہوئے ترجموں کا تعلق ہے، غالباً قدیم ترین سریانی زبان میں ہے یہ تو معلوم نہیں کہ سریانی عیسائیوں نے کامل قرآن کا ترجمہ کیا یا نہیں، لیکن جو اقتباسات جدل اور مباحثوں کی کتابوں میں ملتے ہیں وہ حجاج بن یوسف کے زمانے، یعنی پہلی صدی ہجری کے نصف دوم سے متعلق ہیں۔ یہ لوگ ذمی، یعنی اسلامی رعایا سے تھے اور سوریا، یعنی شام میں رہتے تھے ان کتابوں کے وجود سے پتا چلتا ہے کہ مسلمان روادار اور فراخ دل تھے کہ اپنی غیر مسلم رعایا کو اس کی بھی اجازت دیتے تھے کہ اسلام کے خلاف اپنے اختلاف کا برملا بھی اظہار کریں۔

بیزنطینی نصرانیوں کی یونانی کتابوں میں بھی جو مذہبی جدلی اور مباحثوں پر ہیں، قرآنی اقتباسات ملتے ہیں۔ فرانسیسی مستشرق وے سال مونتے ای (Prof. Vincet Monteil) جنھوں نے ابھی

حال میں ۱۹۷۷ء میں اپنے اسلام کا اعلان کیا ہے اپنی ایک پرانی کتاب میں لکھا تھا کہ بیزنطینی پادری نیقی طاس (Nicitas) نے قرآن کے ایک حصے کا کامل اور باقی کا خلاصہ ترجمہ یونانی زبان میں کیا تھا؟ لیکن نہ تفصیل دی، نہ حوالے بیان کیے۔ فرانسیسی فاضل مستشرقہ مس دالویرنی (Dalverny) نے مجھ سے بیان کیا کہ نیقیطاس نویں صدی عیسوی (تیسری صدی ہجری) یعنی عباسی دور کا مؤلف ہے، اس نے اسلام کے خلاف کئی جدلی رسالے لکھے ہیں (جو پاتر ولوگیا گریکا Patrologia Graeca نامی کتاب میں) چھپ چکے ہیں اور ان میں قرآنی اقتباسات یونانی زبان میں ملتے ہیں۔ ان معلومات پر میں مس صاحبہ کا شکر گزار ہوں۔

یونانی کے بعد یورپی زبانوں میں قدیم ترین قرآنی ترجمہ لاطینی میں ہوا جو قرون متوسطہ میں سارے یورپ کی مشترکہ علمی زبان تھی ایسا قدیم ترین ترجمہ میرے علم کی حد تک ۱۱۴۱ء میں ہوا اور یہ اندلس کی بات ہے دیگر یورپی زبانوں میں سے اطالوی میں ۱۵۴۳ء میں جرمن میں ۱۶۱۶ء میں ونسیزی (ہالینڈی) میں ۱۶۴۱ء میں، فرانسیسی میں ۱۶۴۷ء میں اور انگریزی میں ۱۶۴۸ء میں پہلی بار قرآن کا ترجمہ چھپا۔ نشاۃ ثانیہ، یورپ میں، سولہویں صدی عیسوی میں اٹلی سے شروع ہوئی، پھر باقی مغربی یورپ میں سترہویں صدی میں پھیلی۔ مشرقی یورپ میں قدیم ترین روسی ترجمہ اٹھارہویں صدی عیسوی سے ملتا ہے۔ سابقہ ترجموں کی اصلاح کے لیے مختلف فرنگی زبانوں میں یکے بعد دیگرے متعدد ترجمے چھپتے رہے ہیں۔

عربی زبان غیر عربی خط میں:

یہ بھی شاید قابل ذکر ہے کہ بعض عجمی لوگ قرآن کے عربی متن کو اپنے غیر عربی خط میں نقل کرتے رہے ہیں۔ ایسی قدیم ترین مثال سریانی مخطوطوں میں ملتی ہے جو پہلی صدی ہجری کی چیز ہیں چونکہ سریانی زبان عربی سے اتنی ہی قریب ہے جتنی مثلاً: فارسی زبان اردو سے، اس لیے عربی عبارت کو سریانی پڑھنے والے کم وبیش سمجھ لیتے تھے۔ اس کے بعد یہودیوں نے قرآن کو عبرانی خط میں لکھا۔ پھر اہل یورپ نے لاطینی (انگریزی) خط میں بھی منتقل کیا۔ ہمارے اپنے زمانے میں آج کل بنگالی،

ترک، چینی وغیرہ لوگوں نے بھی یہی کیا اور آج کل کوریا والے بھی اپنے زیر تالیف ترجمہ قرآن میں عربی متن بھی کوریائی رسم الخط میں دے رہے ہیں اس کی ایک اور ضرورت جھوٹے پیمانے پر یہ بھی ہے کہ نومسلم کو پہلے ہی دن سے نماز پڑھنا لازم ہے اور نماز میں سورے، التحیات اور دیگر دعائیں صرف عربی میں ہوتی ہیں جو زبانی یاد کر کے پڑھنی ہوتی ہیں۔ عربی خط سیکھنے میں کافی وقت لگتا ہے، اس لیے فوری ضرورت کے لیے یہ عربی متن گراموفون کے علاوہ فرنگی یا دیگر خطوں میں لکھنے پر حفظ میں سہولت ہوتی ہے مگر اس عارضی کو مستقل بنانے کی خواہش کی حوصلہ افزائی نہیں کی جانی چاہیے۔ خوشی کی بات ہے کہ ناروچ کے نومسلم انگریز اب انگریزی زبان کو روز افزوں عربی خط میں لکھ رہے ہیں۔ ایسا ایک ترجمہ قرآن بھی چھپنا شروع ہوا ہے۔ حدیث وغیرہ کے ترجمے بھی انگریزی زبان اور عربی خط میں چھپنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔

حجم قرآن کی تفصیل پر کتب ورسائل:

تقریباً پچاس ایک سال قبل جرجی زیدان نے اپنے عربی ماہوار رسالہ ''الہلال'' (مصر) میں ایک مختصر فہرست شائع کی تھی کہ کس کس زبان میں کس نے قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ رسالہ اس تحریر کے وقت پیش نظر نہیں ہے کہ تاریخ دے سکوں کچھ معلومات جواد سلماسی زادہ کی فارسی کتاب ''تاریخ سیر ترجمہ قرآن در اروپا و آسیا'' (تہران یور ۱۳۴۲ فصلی) میں اور کچھ محمد سالم قاسمی کی اردو کتاب ''جائزہ تراجم قرآنی'' مطبوعہ دیوبند ۱۹۵۸ء میں ہیں۔ لیکن الفاظ پر اعراب نہ ہونے سے فرنگی ناموں کا پڑھنا آسان نہیں خاص کر جب غیر انگریزی الفاظ کو انگریزی کے طور پر پڑھ کر عربی خط میں لکھا جائے عبدالصمد صارم کی تاریخ القرآن کا یہی حال ہے۔

میری اپنی القرآن فی کل لسان Quran in every Language کا تیسرا ایڈیشن ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد دکن میں چھپا تھا۔ اس میں فرنگی اور اصحاب الشمال کی زبانوں کے معلومات لاطینی خط میں اور عربی خط میں لکھی جانے والی زبانوں اردو، فارسی، پشتو اور ترکی وغیرہ کو عربی خط میں دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس تیس سال میں یہ معلومات پرانے ہو گئے ہیں، میرے پاس جو تازہ

ترین معلومات ہیں وہ France Islam نامی پاریس کے فرانسیسی ماہنامے میں حروف تہجی پر چھپ رہے ہیں، چنانچہ آغاز Abyssin یعنی حبشی زبان سے ہوا اور اب ۱۹۷۷ء حرف G میں گاتلک زبان تک پہنچا ہوں۔ اس میں ہر زبان کے تمام معروف کامل وجزئی ترجموں کا ذکر، مؤلف کے نام اور مقام اشاعت اور اشاعت کی تاریخوں کی بھی تفصیل رہتی ہے اور ہر زبان میں بطور نمونہ سورۃ فاتحہ کا ترجمہ دیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ آئے دن نئے ترجمے نکلتے ہیں اور شائع شدہ معلومات اضافہ طلب ہو جاتے ہیں میرے فرانسیسی ترجمہ قرآن کے دیباچے میں صرف یورپی زبانوں کے ترجمے کی تفصیل دی گئی ہے یہ اب تک آٹھ بار چھپا ہے فرنگی ماخذ بہ کثرت ہیں۔ ہر سائیکلوپیڈیا میں کچھ ذکر آتا ہے اور خصوصی مراجع کی کتابوں میں بھی اہم تر کا ذکر کرتا ہوں۔

1. Byunet, Manuel Du Libraire, 1862, III, 1306-1310.
2. Victor Chauvin, Bibiliographie Des Ouvrages Arabes Ou Relaties Aux Arabes, Liege - Lipzig 1907, Vol x, Le Coranet La Tardition.
3. Erert, Allgemeines Bibliographischen Lexikon, 1821, I, 945-947.
4. Keyzer, Bijzonderheden Nopens Almede Beoording van de bestende Koranvertaligen Op Java, 1863.
5. Peavmuller, Hanbuch Der Islamlitteratur, a Quran.
6. Schnorrer, Bibliotheca Apabica, I, Lvii-LXII.
7. Storey, Persian Literature, Vol I, Quran and Tafsir.
8. Veth, Jets over De Vertaligen Des Dorans In De Talen Van Oen Indischen Archipel, 1867.
9. D. Van Wijk, De Koranische Verhalen In Het Maleisch, Batavia 1893.
10. Znker, Bibliotheca Orientalis. I, 167- 174, II, 85-88.
11. Moslim World, USA, July and October 1927.
12. MissionBlatt, Barmen 1883, P58 - 76.

ان پرانے ماخذوں میں سے نمبر ۳ اور نمبر ۵ زیادہ اہم ہیں آخر الذکر دو رسالے بھی کار آمد ہیں، نمبر ۷ میں صرف فارسی تراجم کا ذکر ہے جس طرح ترکی کتاب قرآن تاریخی (Kuran Tarihi) میں جو میں نے اور ماجد پاشاء اوغلو نے مل کر شائع کیا، صرف ترکی ترجموں کا ذکر ہے۔

موجودہ معلوم ترجمے:

ان تمہیدی معلومات کے بعد بطور خلاصہ عرض ہے کہ میرے ناچیز وحقیر علم میں فی الوقت ذیل کی

زبانوں میں قرآنی ترجمے موجود ہیں:

شمار	زبان	ملک	خط	مقدار ترجمہ	تعداد تراجم
۱	آذری	ایشیا	عربی وروسی	کامل	۴
۲	آسامی	ایشیا	خاص	کامل	۱
۳	اثیوبی (حبشی)	افریقہ	خاص	کامل	۲
۴	اراغونی	یورپ	لاطینی	کامل	۲
۵	اردو	ایشیا	عربی	کامل	تین سو سے زائد
۶	لینڈی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۷	ارمنی	ایشیا	خاص	کامل	۵
۸	اُڑیا	ایشیا	خاص	جزئی	۱
+	اسپینی	دیکھو تحت قشتالی			
+	اسکاٹلینڈی	دیکھو تحت گائلک ولولینڈی			
۹	آئسلینڈی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۱۰	اطالوی	یورپ	لاطینی	کامل	۱۲
۱۱	افریقانیہ	افریقہ	عربی	کامل	۲
۱۲	افریکانس	افریقہ	لاطینی	کامل	۴
۱۳	البانی	یورپ	عربی ولاطینی	کامل	۴
۱۴	الخمیادو	یورپ	عربی	کامل	۳۶ مخطوطے
۱۵	امہری	افریقہ	خاص	کامل	۱
۱۶	انڈونیسی	ایشیا	عربی ولاطینی	کامل	۶

۱۷	انگریزی	یورپ	لاطینی	کامل	۹۲
۱۸	اوکرانی (یوکرینی)	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۱۹	اسپیرانتو	یورپ	لاطینی	کامل	۴
۲۰	ایستونی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۲۱	ایوہے	افریقہ	لاطینی	جزئی	۱
۲۲	باشک	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۲۳	بربر	افریقہ	عربی	جزئی	۱
۲۴	برمی	ایشیا	خاص	کامل	۴
۲۵	برنو	افریقہ	عربی	جزئی	۱
۲۶	بروہوی	ایشیا	عربی	کامل	۱
۲۷	بریتونی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۲۸	بشناق	یورپ	لاطینی	کامل	۱۰
	بشناق	یورپ	روسی	کامل	۴
	بشناق	یورپ	عربی	جزئی	۳
۲۹	بلغاری	یورپ	روسی	کامل	۳
۳۰	بلوچی	ایشیا	عربی	کامل	۳
۳۱	بھمبرا	افریقہ	عربی ولاطینی	جزئی	۲
۳۲	بنگالی	ایشیا	عربی وخاص	کامل	۲۵
۳۳	بوہیمی (چکوسلواکی)	یورپ	لاطینی	کامل	۴
۳۴	پالی	ایشیا	خاص	جزئی	۱

۳۵	پرتگالی	یورپ	لاطینی	کامل	۴
۳۶	پردوانسانی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۳۷	پشتو	ایشیا	عربی	کامل	۵
۳۸	پلات وائچ	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۳۹	پنجابی	ایشیا	عربی	کامل	۵
۴۰	پولینڈی	یورپ	عربی	کامل	۳
	پولینڈی	یورپ	لاطینی	کامل	۵
۴۱	تامل	ایشیا	خاص وعربی	کامل	۵
۴۲	ترکستانی	ایشیا	عربی	کامل	۲
۴۳	ترکی	یورپ وایشیا	اویغوری	جزئی	۲
	ترکی	یورپ وایشیا	عربی ولاطینی	کامل	سو سے زائد
۴۴	تلنگی	ایشیا	خاص	کامل	۶
۴۵	تھائی لینڈی	ایشیا	خاص	کامل	۲
۴۶	جاپانی	ایشیا	خاص	کامل	۷
۴۷	جاوی	ایشیا	عربی	کامل	۵
۴۸	جرمن	یورپ	لاطینی	کامل	۴۹
۴۹	چینی	ایشیا	خاص	کامل	۱۳
۵۰	حوسا	افریقہ	عربی ولاطینی	کامل	۲
۵۱	دانمارکی	یورپ	لاطینی	کامل	۶
۵۲	دکھنی	ایشیا	عربی	کامل	۱

۵۳	ڈیولا	افریقہ	لاطینی	جزئی	۱
۵۴	روسی	یورپ وایشیا	روسی/ یلی	کامل	۱۱
۵۵	رومانش	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۵۶	رومانوی	یورپ	لاطینی	کامل	۲
۵۷	زولو	افریقہ	لاطینی	جزئی	۱
۵۸	ساراکولا	افریقہ	عربی	جزئی	۱
۵۹	سریانی	ایشیا	کاص	جزئی	۱
۶۰	سندانی	اوقیانوسیہ	لاطینی	جزئی	۱
۶۱	سندھی	ایشیا	عربی	کامل	۳۶
۶۲	سنسکرت	ایشیا	خاص	جزئی	۳
۶۳	سنہالی	ایشیا	خاص	کامل	۱
۶۴	سواحلی	افریقہ	عربی ولاطینی	کامل	۲
۶۵	سونرائی	افریقہ	عربی	جزئی	۱
۶۶	سویڈنی	یورپ	لاطینی	کامل	۳
۶۷	عبرانی	ایشیا	خاص	کامل	۵
۶۸	عربی	ساری دنیا	عربی ودیگر	کامل	اصل
۶۹	فارسی	ایشیا	عربی	کامل	سو سے زائد
۷۰	فرانسیسی	یورپ	لاطینی	کامل	۴۶
۷۱	خریزونی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۷۲	فلاتا	افریقہ	عربی	کامل	۲

۷۳	فلاماں	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۷۴	فنلینڈی	یورپ	لاطینی	کامل	۱
۷۵	قتلانی	یورپ	لاطینی	جزئی	۲
۷۶	قشتالی (اسپینی)	یورپ	عربی ولاطینی	کامل	۱۹
۷۷	کررجا	جنوبی امریکہ	لاطینی	جزئی	۱
۷۸	کردی	ایشیا	عربی ولاطینی	کامل	۲
۷۹	کرینول	افریقہ	لاطینی	جزئی	۱
۸۰	کشمیری	ایشیا	عربی	کامل	۳
۸۱	کمبوجی	ایشیا	خاص	جزئی	۱
۸۲	کنٹری	ایشیا	خاص	کامل	۱
۸۳	کوتوکولی	افریقہ	لاطینی	جزئی	۲
۸۴	کوریائی	ایشیا	خاص	کامل	۲
۸۵	کوکنی	ایشیا	عربی	جزئی	۱
۸۶	کوہستانی	ایشیا	عربی	جزئی	۱
۸۷	کیوا	جنوبی امریکہ	لاطینی	جزئی	۱
۸۸	گالہ	افریقہ	عربی	جزئی	۱
۸۹	گائلک	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۹۰	گجراتی	ایشیا	خاص وعربی	کامل	۶
۹۱	گرجستانی (جرجانی)	ایشیا	لاطینی	جزئی	۱

۹۲	گروز	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۹۳	گورمکھی	ایشیا	خاص	کامل	۱
۹۴	لاپلینڈی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۹۵	لاتوی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۹۶	لاطینی	یورپ	لاطینی	کامل	۴۴
۹۷	لوگانڈی	افریقہ	لاطینی	جزئی	۱
۹۸	لولینڈی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۹۹	مجندناو	ایشیا	عربی ولاطینی	کامل	۲
۱۰۰	مرہٹی	ایشیا	خاص	کامل	۱
۱۰۱	مکاسری	ایشیا	خاص	جزئی	۲
۱۰۲	ملایو	ایشیا	عربی ولاطینی	کامل	۵
۱۰۳	ملایاضم	؟	؟	؟	؟
	ملایالم	ایشیا	عربی وخاص	کامل	۲
۱۰۴	ملتانی	ایشیا	عربی	کامل	۲
۱۰۵	مدگاش	افریقہ	عربی ولاطینی	جزئی	۲
۱۰۶	میمنی	ایشیا	عربی	جزئی	۱
۱۰۷	نارویجی	یورپ	لاطینی	جزئی	۲
۱۰۸	ولاپوکی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۱۰۹	ولندیزی (ہالینڈی)	یورپ	لاطینی	کامل	۷

۱۱۰	ولوف	افریقہ	عربی ولاطینی	جزئی	۲
۱۱۱	ہندی	ایشیا	خاص	کامل	۴
۱۱۲	ہنگروی	یورپ	لاطینی	کامل	۲
۱۱۳	یدش	یورپ	عبرانی	جزئی	۳
۱۱۴	یروبا	افریقہ	لاطینی	جزئی	۱
۱۱۵	یوروبا	افریقہ	عربی ولاطینی	کامل	۱
۱۱۶	یونانی	یورپ	خاص	کامل	۵

نوٹ: اگر نمبر ۱۱ ، نمبر۱۲ افریقانیہ اور افریکانس کو ایک ہی زبان شروع کریں تو تعداد (۱۱۵) رہے گی حقیقت میں ان میں صرف رسم الخط کا فرق ہے اور بس۔

(فاران۔ کراچی دسمبر ۱۹۷۷ء)

❀❀❀❀

اُردو زبان میں تراجم قرآن
ایک مطالعہ

پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ☆

حضرت آدم علیہ السلام آسمان کی بلندیوں سے فرشِ زمین پر تشریف لائے تو ان کے پاس اپنی ذریت کے لیے ہدایت کا ایک صحیفہ بھی تھا۔ پھر قافلۂ انسانیت کے لیے مختلف زمانوں اور زمینوں میں ہزاروں انبیاء ورسل علیہم السلام مبعوث ہوئے اور ان پاکیزہ صفت انسانوں میں چند وہ بھی تھے جنہیں وحی پر مشتمل کتابیں اور صحیفے عطا کیے گئے۔ بالآخر اس کا اختتامی سلسلہ غارحرا کی وحی ''اقراء'' سے شروع ہوا اور تکمیل دین وشریعت، اتمام نعمت اور انتخاب دین اسلام پر ختم ہوگیا۔ یوں قرآن مجید خاتم الوحی بھی ہے اور قیامت تک انسانوں کو جادۂ توحید اور اطاعت رسول کے جملہ لوازم سے باخبر اور آگاہ کرنے والا صحیفہ بھی۔ نبی ﷺ کی بعثت سے قبل مختلف آسمانی مذاہب کے پیروکار اپنی کتابوں کے متون کھو چکے تھے سو ان پر عمل کا کوئی مبسوط اور منضبط نقشۂ کار بھی ان کے پاس موجود نہ تھا۔ قرآن مجید کی حقانیت وجامعیت تو اپنی جگہ واضح ہے مگر اس کے متن کا کسی تحریف لفظی سے پاک ہونا صحائف آسمانی کی تاریخ کا سب سے بڑا اعجاز ہے۔

قرآن مجید نے اپنے برحق ہونے کی خود صداقت فراہم کی ہے۔ اس کے احکام پر مبنی معاشرہ اور ریاست خود عہد نبوی (ﷺ) میں قائم ہوگئی۔ قرآنی احکام کو ایک مکمل عملی تفسیر میسر آئی۔ نبی کریم ﷺ کی نبوت کے فرائض ثلاثہ بھی یہی تھے کہ انسانیت کے سامنے آیات الٰہی کی تلاوت کی جائے، ان کے ذریعے سے نفوس انسانی کا تزکیہ کیا جائے اور انہیں نفس امارہ کی ساری کثافتوں اور کدورتوں سے محفوظ کر کے نفس مطمئنہ کے درجے پر فائز کیا جائے۔ تاریخ اسلام کے اوراق اس امر کی

☆ ڈائریکٹر نیشنل سیرۃ چیئر، اسلام آباد۔

شہادت فراہم کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت قرآن کی تفسیر پر مشتمل ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت نے بھی اس کے معروف ومنکر کو اس درجہ سمجھ لیا کہ پھر اپنی زندگیوں کی کامل شہادت اس کے لیے پیش کر دی۔

قرآن مجید اپنے پڑھنے اور ماننے والوں کے سامنے سے بہت سے مطالبات اور تقاضے پیش کرتا ہے۔ اولاً یہ کہ قرآن مجید کو وحی حق پر مشتمل اور منزل من اللہ تسلیم کیا جائے۔ اس کے احکام پر شرح صدر کے ساتھ ایمان لایا جائے۔ اس کے متن میں جن صفات المومنین کو بیان کیا گیا ہے ان پر صدق دل کے ساتھ عمل کیا جائے اور انہی کی روشنی میں اپنی سیرت سازی کی جائے۔ اسی باعث اس کے ادب واحترام کے بہت سے لوازم بیان کیے گئے ہیں۔ آج انسانیت کے پاس یہ واحد صحیفہ آسمانی ہے، جس سے منشائے الٰہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید کو تجوید وقراءت کی پوری پابندیوں کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ قرآن مجید نے اپنے مخاطبین کو قرآن فہمی کے مختلف وسائل اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ قرآنی آیات میں مسلسل غور وفکر اور تدبر وتفحص کے نتیجے میں اس کے حکیمانہ نکات سمجھ میں آتے ہیں۔ یہی نکات انوارِ الٰہیہ ہیں جن کی روشنی میں تعمیر کردار اور تشکیل سیرت کے لوازم فراہم ہوتے ہیں۔ فکر وتدبر کے نتیجے میں حکمت کا جوہر میسر آتا ہے جو قرآن مجید کے مطالعے کا سب سے بڑا حاصل ہے۔ قرآن مجید نے اسی کو خیر کثیر قرار دیا ہے۔ یہی خیر کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں اور سیرتوں کی سب سے بڑی متاع ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کی حکمت سے ملنے والی اس متاع گراں بہا کو لے کر نکلے تو تہذیب وتمدن کے سارے ایوان جگمگا اٹھے اور صالح تہذیب و ثقافت کی اقدار وروایات نے روئے ارضی سے ابلیسی قوتوں کا خاتمہ کر دیا۔ زمین نورِ توحید سے جگمگا اٹھی اور انسانی قلوب واذہان کو حقیقی طمانیت نصیب ہوگئی۔ قرآن مجید پر جو مختلف نوعیت کے مظالم ہوئے، ان میں ایک ظلم یہ بھی رہا ہے کہ اس کی تعلیمات کا فہم عموم کے بجائے ایک خصوص بنا کر پیش کیا گیا۔ یہ قرآن مجید پر ایک اتہام اور بہتان ہے کہ یہ صرف چند مخصوص لوگوں کی میراث ہے اور وہی اس کے حکیمانہ نکات کو سمجھ سکتے ہیں اور بیان کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید اس طرز استدلال کی نفی کرتا ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ (القمر: ۱۷)

''ہم نے قرآن مجید کو نصیحت کے لیے آسان بنایا ہے تو کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے؟''

قرآن کے معانی و مطالب کو اس کی جامعیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے بیان کر دیا اور آپ ﷺ کی یہ قرآنی تشریح و تفسیر احادیث میں پورے شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اپنی معلمانہ حکمت عملی سے قرآن مجید کی اس بصیرت کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان کیا جن کے حلقوں سے تابعین اور مابعد کے طبقات نے ان تعلیمات کو سیکھا ہے۔ تفسیر ماثور کی پوری روایت اسی مفہوم کی امانت دار ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا ہے۔ یوں جس طرح قرآن مجید کا متن ہر عیب سے پاک ہے، اسی طرح اس کی تشریح و تفسیر بھی پوری جامعیت کے ساتھ امت کے پاس موجود ہے۔

قرآن مجید کے معانی و مطالب کو بیان کرنے اور سکھانے کے لیے ہمیشہ سے امت میں اس کے درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کے مراکز قائم رہے۔ ناظرہ قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھنا اور اس کے مطالب کو اسلوب رسالت کے ساتھ جاننا ایک ایسا دائرہ کار رہا ہے جسے اس امت کے اکابرین اور مفسرین نے ہمیشہ ایک فرض منصبی کے طور پر پیش کیا ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں تعلیم قرآنی کے حلقے کئی درجوں میں قائم کیے گئے۔ ایک طرف اس کی تجوید و قراءت کے حلقے اور دوسری طرف اس کی تحفیظ کے مراکز قائم کیے گئے، تیسری طرف اس کے احکام اور تفسیری نکات سکھانے کے لیے درس و تدریس کا نظام قائم ہوا۔ چوتھی طرف قرآنی دعوت کو عام کرنے کے لیے اس کے ترجمہ و تفسیر پر توجہ دی گئی۔ یہی باعث ہے کہ آج دنیا کی بیشتر زبانوں میں ترجمہ و تفسیر قرآن کا ایک عظیم الشان ذخیرہ اپنی تمام تر علمی تابناکیوں کے ساتھ موجود ہے جس کا اندازہ اس کی بیسیوں فہارس سے ہوتا ہے۔ ہمارے علم و تحقیق کے مطابق قرآن مجید کا پہلا جزوی ترجمہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (م ۳۵ھ) نے سورۂ فاتحہ کے دری یا فارسی میں ترجمے سے کیا اور پھر ہر عہد میں اس کے تراجم ہوتے چلے گئے۔ ابتدائی صدیوں

میں اسلامی علوم کی زبان عربی رہی تو لوگ کثرت سے عربی زبان کے ذریعے ہی سے قرآن مجید کو سمجھتے رہے۔ قرآن مجید کی ابتدائی تفاسیر کا سرمایہ بھی عربی زبان میں ملتا ہے۔ علمی انحطاط اور دعوتی ضرورتوں کے پیش نظر پھر دوسری زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم و تفسیر کی روایت قائم ہوئی۔ یوں آج دنیا کی ۱۰۵ سے زائد زبانوں میں قرآن مجید کے مکمل تراجم نثر و نظم کی شکل میں موجود ہیں۔ اسی طرح بعض دوسری زبانوں میں اس کے مختلف اجزا کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے ان تراجم کی ایک مستقل تاریخ ہے جسے بیسیوں کتابوں اور کتابیات کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے "القرآن فی کل لسان" میں قرآنی تراجم کے نمونوں کو جمع کر دیا ہے۔

برصغیر میں قرآنی تراجم کا معروف آغاز شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ سے ہوا، جس سے ایک تحریک کی سی صورت پیدا ہوئی۔ یہ ۱۷۳۹ء کا واقعہ ہے۔ اسی ترجمے کی روایت نے اردو ترجمے کی بنیاد ڈالی۔ مگر اس سے بیس سال قبل قاضی محمد معظم سنبھلی نے قرآن مجید کا ایسا ترجمہ کیا جس میں عربی، فارسی اور بھاشا کے الفاظ کا امتزاج ملتا ہے۔ اسے ہم اردو زبان کا ایک قدیم نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ شاہ صاحب کے نامور فرزندان میں سے شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہما نے ۱۸۰۵ء کے قریب قریب قرآن مجید کے اردو تراجم پیش کیے جو اپنے روزمرہ اور محاورہ کے اعتبار سے آج بھی دوسرے تراجم کے لیے ایک معیار اور سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ پہلے شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کیا مگر شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اس سے پہلے شائع ہوا اور اس کے اثرات زبان کے لحاظ سے زیادہ مفید اور واضح ہیں۔

گزشتہ دو سو سالوں میں ایک ہزار کے قریب مکمل اور نامکمل ترجمے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ چند اردو ترجمے نظم کے قالب میں بھی پیش کیے گئے ہیں مگر ہمیں یہ کاوش محض ایک عقیدت اور لسانی مشق دکھائی دیتی ہے۔ قرآن مجید کے اردو تراجم کے سلسلے میں مستقل کتابیں بھی تحریر کی گئی ہیں۔ کچھ اہم مضامین فنِ ترجمہ کے حوالے سے بھی ملتے ہیں، مگر ہم یہاں اپنے اس احساس کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس کی توثیق یا تائید بیسیوں دوسرے صاحبانِ علم نے بھی کی ہے اور ان سب آراء کا ملخص یہ ہے کہ قرآن مجید کا کما

حقہ ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن نہیں، البتہ اس کی ترجمانی کی بہتر سے بہتر کوششوں اور اسالیب کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔بس یہی ایک نقطۂ نظر ہے جس کے پیش نظر ہر عہد کے مترجمین نے نئے سے نئے قرآنی تراجم پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اور یہ سلسلہ ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔

اردو زبان میں قرآن مجید کے معیاری تراجم کا جائزہ لیتے ہوئے ایک بات کو اصولی طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ خود اردو زبان کی پیدائش اور نشو ونما کی عمر بہت مختصر ہے۔سترھویں صدی عیسویں میں جنوبی ہند کے علاقوں میں اس کی نثر کی ابتدائی کتابیں دکھائی دیتی ہیں۔اٹھارویں صدی میں صوفیائے کرام کے بعض رسائل اور چند شعری کاوشیں منظر عام پر آئیں، البتہ انیسویں صدی سے اس زبان نے خاصی ترقی کی، اس میں ہر موضوع اور فن پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں۔ بالخصوص اس تحقیق کے نتائج کو سمجھ لینا چاہیے کہ خود اردو زبان کی ساخت اور تشکیل میں ساٹھ فیصد قرآنی الفاظ اور عربی زبان کے ذخیرے نے بہت بنیادی اثر پیدا کیا ہے۔اگر کوئی محقق لسانیات کے اس پہلو سے جائزہ لے کہ قرآن مجید کی لغت کے دنیا کی دوسری زبانوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے تو اس کا دلچسپ اور حیرت انگیز جائزہ پیش کرسکتا ہے۔قرآن مجید کے معجز اثر لغوی سرمائے نے اس کے مترجمین کے لیے ہمیشہ یہ دقت پیدا کی ہے کہ عربی زبان کے الہامی اثر کو کسی دوسری زبان میں کیسے منتقل کیا جائے اور قائم رکھا جائے۔ قرآنی زبان کے نمونے تو خود عربی ادب میں موجود نہیں تھے۔ یہ الگ بات کہ کچھ حضرات نے عربی زبان کے جاہلی ادب سے قرآنی مفاہیم کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، مگر اس ضمن میں انہوں نے ایسی ایسی ٹھوکریں کھائی ہیں کہ بعض مقامات پر قرآن مجید کی تعلیمات واضح ہونے کے بجائے چیستان بن کر رہ گئی ہیں۔قرآن مجید اپنے اسلوب اور ہیئت کے لحاظ سے نظم ہے یا نثر...... ناقدین ابھی تک اس کا بھی صحیح اور درست فیصلہ نہیں کر پائے۔ ذاتی طور پر ہمیں ان حضرات کی رائے سے اتفاق ہے کہ قرآن مجید کا ادبی پیرایہ، اسلوبی آہنگ اور لغوی ساخت نظم ونثر ہر دو کی لطافتوں اور نفاستوں سے قریب تر ہونے کے باوجود ایک جداگانہ مزاج رکھتی ہے۔قرآنی اسلوب نہ تو کسی ادب پارے سے متاثر ہوا اور نہ یہ جاہلی ادب کی لغت کے حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے۔اس کی تفہیم وتدبر کا واحد ذریعہ خود قرآنی لغت

ہے جسے ہدایت کی ضروریات کے پیش نظر ایک خاص صرفی اور نحوی ترکیب کے ساتھ سمجھتے ہوئے اس کی ترجمانی کی کوشش کی جانی چاہیے۔ بظاہر قرآنی تعلیمات عربی زبان کے الفاظ ہی کے جامے میں پیش کی گئی ہیں مگر احکام قرآنی کی مشروعیت اسے ایک مخصوص مزاج عطا کرتی ہے۔ اس معجز انگیز مزاج کو جو مترجم جس قدر قریب تر ہو کر سمجھے گا اس کی ترجمانی میں وہ خوبی پیدا ہو سکے گی جو قرآن کے صحیح مطالب کو سمجھنے اور جاننے کے لیے ناگزیر ہے۔

اردو زبان میں قرآن مجید کی ترجمانی کے جو مثالی نمونے پائے جاتے ہیں ان میں ابھی تک شاہ برادران کی کوششیں ایک معیار مطلوب کے قریب تر ہیں۔ مولانا فتح محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے میں قبولیت کے بہت سے عناصر ہیں مگر اسے بھی معیار مطلوب کا نمونہ قرار دینے میں ہم متذبذب ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں ایک آزاد اردو ترجمے کا تجربہ کیا ہے جس میں قرآنی مفاہیم کے تسلسل کو اردو اسلوب کے تسلسل میں برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ترجمہ اپنی شگفتگی، ادبیت اور معیاری روزمرہ اور محاورہ کا نمائندہ ہونے کے باوجود ترجمانی ہی کی ایک عمدہ کوشش ہے۔ انہوں نے اپنی اس کوشش کو ''عربی مبین'' سے ''اردوئے مبین'' میں تبدیل کرنے کی مساعی قرار دیا ہے۔ اپنے سے ماقبل کے تراجم کی نسبت یہ روانی اور سلاست میں منفرد ہے۔ اس عہد میں بعض مخصوص فقہی مسالک نے بھی قرآن مجید کے اردو ترجمے کی کوشش کی ہے۔ مگر انہوں نے قرآن مجید کی فکری گہرائیوں سے مطابقت کی نسبت اپنے مخصوص عقائد کی ترجمانی کو ترجیح دی۔ ابوالکلام آزاد کا ترجمہ اگرچہ مکمل نہیں مگر اپنی ادبی شان کے اعتبار سے منفرد ہے۔ مولانا کی شخصیت میں ایک خوبی یہ تھی کہ ان کی مادری زبان عربی تھی اور وہ عربی، فارسی اور اردو کے نفیس اسالیب کی لطافتوں سے کماحقہ آگاہ تھے، مگر یہ ترجمانی بھی اردو زبان کا معیاری نقش قرار نہیں دی جا سکتی۔ خالص لسانی سطح پر قرآن مجید کا اعجاز بہت واضح ہے۔ اس کے اسالیب حد درجہ بلیغ، اس کے معنی متعدد اور اس کے مفاہیم و مطالب متنوع اور بوقلموں ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے انگریزی زبان کے ترجمے کے مقدمہ میں کیا خوب بات لکھی ہے:

"Of all the great works The Holy Quran is perhapcs the least translatable"

''دنیا کے تمام عظیم (علمی) کارناموں میں شاید قرآن مجید سب سے کم ترجمے کی گنجائش رکھتا ہے۔''

قرآن مجید کا ہر ہر لفظ اپنے مقام پر ایک مخصوص معنوی اہمیت کا حامل ہے۔ بعض الفاظ کے ایک سے زیادہ معنی ہوتے ہیں۔ یہ سلسلہ محض ذو معنی الفاظ کا نہیں بلکہ بعض لفظوں کے تو بیک وقت بیسویں مفہوم اور معانی ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی مقام پر کسی خاص لفظ کا ترجمہ کیا ہوسکتا ہے، اس کا انحصار مترجم کی علمی حیثیت، قواعد وضوابط سے گہری واقفیت اور عربی روز مرہ اور محاورے سے بھر پور ذہنی مناسبت پر ہے۔ قرآن مجید کے عربی متن میں (ضمائر اشارہ) کا ترجمہ ایک مخصوص فنی مہارت کا متقاضی ہے۔ ذرا سی غفلت سے مترجم کا ترجمہ معنی کو کیا سے کیا کر سکتا ہے اور مفہوم کو کہاں سے کہاں لے جا سکتا ہے، اس کی مثالیں گمراہ قسم کے مترجمین میں کثرت سے دیکھی جا سکتی ہیں۔

برصغیر میں لسانیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اردو زبان کے ابتدا میں کئی نام رہے ہیں۔ اس کے ابتدائی نمونے دکنی اردو میں ملتے ہیں۔ پھر مدت العمر اسے ہندی یا ریختہ بھی کہا جاتا رہا۔ قرآن مجید کے اردو تراجم ابتدا میں دکنی اور ہندی زبانوں کے نام سے معروف ہوئے۔ ۱۰۸۷ھ میں عبدالصمد بن نواب عبدالوہاب خان نے چار جلدوں میں قرآن مجید کا دکنی زبان میں ترجمہ کیا اور تفسیر لکھی جو ''تفسیر وہابی'' کے نام سے مشہور ہے۔ اٹھارویں صدی سے قبل بعض نامکمل اور ناقص تراجم کے مخطوطات ہمارے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ اردو زبان کے فروغ کے لیے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا گیا جس کے پرنسپل ڈاکٹر جان گلکرسٹ (م ۱۸۴۱ء) تھے۔ ان کے ایما پر علماء کی ایک کمیٹی نے ۱۸۰۳ء میں قرآن مجید کا ایک ترجمہ کیا۔ اس کمیٹی میں جو مترجمین شامل تھے، ان میں امانت اللہ شیدا، میر بہادر علی، کاظم علی، غوث علی حافظ اور مولوی فضل اللہ کے نام ملتے ہیں۔ اس ہندی زبان کا ترجمہ قرار دیا گیا ہے۔ اس اردو ترجمے کے مخطوطات حیدر آباد دکن اور ممبئی کے کتب خانوں میں موجود اور محفوظ ہیں۔

ڈاکٹر احمد خان نے قرآن مجید کے اردو تراجم کی جو کتابیات ۱۹۸۷ء تیار کی ہے اور وہ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد سے شائع ہوچکی ہے، اس میں ایک ہزار گیارہ قرآن مجید کے اردو تراجم کے موضوع پر

پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے جو قدیمی کتب خانہ کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں بھی سترھویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی عیسوی تک کے سینکڑوں اردو تراجم قرآن کا تفصیلی ذکر موجود ہے، مگر اس مقام پر ہمیں ان سب کا تذکرہ مطلوب نہیں۔ البتہ علمی وجوہ سے اہم ترین اردو مترجمین میں قاضی محمد معظم سنبھلی، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ مراد اللہ انصاری، مرزا حیرت دہلوی، سید امیر علی، مولانا وحید الزمان، مولوی محمد ان شاء اللہ، عبداللہ چکڑالوی، احمد رضا خان بریلوی، نعیم الدین مراد آبادی، سید حسن بہاری، ڈاکٹر ابوالفضل مرزا، خواجہ احمد دین امرتسری، اشرف علی تھانوی، محمود حسن (سورۂ نساء تک ترجمہ کیا تو ۱۹۱۹ء میں انتقال ہوا۔ باقی حصے کا ترجمہ اور حواشی مولانا شبیر احمد عثمانی کے ہیں)، سید احمد حسن دہلوی، ڈپٹی نذیر احمد، ابوالکلام آزاد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، امین احسن اصلاحی، احمد علی لاہوری، مولوی فیروز الدین، محمد جونا گڑھی، غلام وارث، کرم شاہ الازہری، محمد حنیف ندوی، حامد حسن بلگرامی، ثناء اللہ امرتسری، عبدالمجید خادم سوہدروی، فتح محمد جالندھری، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، خواجہ حسن نظامی، عبدالماجد دریابادی، سرسید احمد خان، غلام احمد پرویز، مفتی محمد شفیع، مسعود احمد اور عبدالرحمٰن کیلانی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ مذکورہ تراجم میں سرسید احمد خان اور مسٹر غلام احمد پرویز کے تراجم اردو ترجمے کی روایت میں ایک واضح انحراف کی مثالیں ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا ترجمہ مکمل نہ ہونے کے باوجود علمی سطح پر قابل مطالعہ ہے۔ قرآن مجید کے ان تراجم میں قادیانی اور عیسائی مترجمین کا ذکر بوجوہ نہیں کیا گیا ہے کہ یہ مسلم عقائد کی رو سے لائق اعتنا نہیں ہیں۔ انہیں کتب خانوں اور ذاتی ذخائر میں محض حوالے کے طور پر رکھا گیا ہے۔ اردو زبان میں پچاس کے قریب مکمل اور نامکمل منظوم تراجم بھی ملتے ہیں مگر اپنے شعری صنائع اور خصائص کے باوجود یہ تمام کاوشیں قرآن مجید کے مفہوم کو مجروح کرنے والی ہیں۔ ہمارے نزدیک ان تمام اردو تراجم میں سے کسی ایک کو مثالی اور معیاری قرار دینا تو بہت مشکل ہوگا، البتہ ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، محمود حسن، محمد جونا گڑھی، ثناء اللہ امرتسری، فتح محمد جالندھری اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم اردو زبان کے معیاری اور مقبول نمونے ہیں۔ اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مذکورہ تمام کوششیں کسی مثالی ترجمے کے نمونے کو پیش کرنے سے قاصر ہیں تو پھر اس معیار

مطلوب کو حاصل کرنے کے فنی تقاضے کیا ہیں؟ اس مقام پر ہم اسی موضوع پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کے اردو ترجمے میں امکانی حد تک عربی الفاظ کو علیٰ حالہ برقرار رکھا جائے۔ مترجمین نے سینکڑوں قرآنی الفاظ کو اردو ترجمے میں برقرار رکھا ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق قرآن مجید کے ساٹھ فیصد الفاظ آج بھی اردو زبان میں استعمال ہو رہے ہیں۔

۲۔ اردو ترجمہ عربی متن کے جس قدر قریب ہوگا، اپنی ترجمانی کے لحاظ سے کامیاب ٹھہرے گا۔

۳۔ ترجمے میں مفہوم اور مطلب کو مجروح کرنے والے ہر پہلو کو نظر انداز کرنا ضروری ہے۔

۴۔ وہ دل نشینی اور اعجاز آفرینی جو قرآن مجید کا عربی متن پڑھتے ہوئے محسوس ہوتی ہے، کوشش کی جائے کہ اسے اردو ترجمے میں برقرار رکھا جائے۔

۵۔ ترجمے میں زبان کے تقاضوں پر مفہوم کی ضرورت کو ترجیح دی جائے۔

۶۔ ترجمے کی زبان میں سادگی، سلاست، روانی اور سہولت کو پیش نظر رکھا جائے۔

۷۔ اگر کسی ایک عربی لفظ کا ایک سے زیادہ اردو الفاظ میں ترجمہ ہوسکتا ہو تو عربی متن کے سیاق و سباق کو پیش نظر رکھتے ہوئے موزوں ترین لفظ کا انتخاب کیا جائے۔

۸۔ ترجمے میں عربی قواعد اور انشا کا لحاظ رکھا جائے۔ اس سلسلے میں مترجم کو صرف ونحو کے قواعد پر عبور حاصل ہونا چاہیے وگرنہ ترجمہ لطائف وغرائب کا مجموعہ بن کر رہ جائے گا۔

۹۔ اردو زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے عربی زبان میں لغۃ القرآن پر لکھی گئی کتابوں اور قدیم تفاسیر ماثورہ سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔

۱۰۔ اردو ترجمہ کرتے ہوئے کتب حدیث میں ابواب تفسیر کی احادیث صحیحہ سے کما حقہ راہنمائی حاصل کی جائے۔

۱۱۔ قرآن مجید کے پہلے مفسر خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی استعداد کے مطابق مختلف سورتوں اور آیات کی تفسیر بیان کی ہے۔ ان ہر دو ذخائر سے استفادہ ناگزیر ہے۔ اپنے ترجمے کو ان کے نکات کے مطابق ڈھالا جائے۔

۱۲۔ قرآن مجید میں مختلف سورتوں اور آیات کا ایک خاص شان نزول ہے۔ یہ آیات ایک زمانی اور مکانی تعلق بھی رکھتی ہیں۔ بعض جگہ چند خاص واقعات کے پس منظر میں ان آیات کی تفسیر وتشریح ممکن ہے۔ اردو ترجمہ کرتے ہوئے ان سب صورتوں کو پیش نظر رکھا جائے۔

۱۳۔ قرآن مجید کے اردو مترجم کے لیے جہاں عربی زبان، اس کی صرف ونحو اور قواعد فصاحت و بلاغت کا علم ضروری ہے، وہاں اسے اردو زبان کے عہد بہ عہد لسانی تغیرات کی بھی خبر ہونی چاہیے۔ اردو لغت اور روز مرہ اور محاورے کی شناسائی بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ مترجم کو اردو، عربی اور فارسی کے ذخیرۂ لغت پر جس قدر عبور ہوگا، ترجمے میں اسی قدر خوبی اور کمال کا پہلو پیدا ہوگا۔

مذکورہ تمام شرائط وضوابط کو ہم نے محض فنی لوازم کے طور پر پیش کیا ہے، مگر ایک کامیاب مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی عقائد کا پختہ شعور اور عبادات واذکار کے مسنون آداب سے آگاہ ہو۔ اس کی شخصیت میں جس قدر للّٰہیت، تقویٰ، راست بازی اور خشیت الٰہی ہوگی، وہ مسلکی تعصّبات سے جس قدر بالاتر ہوگا اور کتاب وسنت کے ذخیرے پر اسے جس قدر دسترس ہوگی، وہ رزق حلال پر جس قدر قناعت اور حرام امور سے جس درجہ اجتناب کرے گا، کلام الٰہی کے حکیمانہ اسرار ونکات کو اسی قدر بہتر سمجھ پائے گا۔

بیسویں صدی کے اسلامی اور علمی ماحول میں قرآن فہمی کے جتنے ادارے قائم ہوئے اور ترجمہ و تفسیر کی جتنی کاوشیں منظر عام پر آئیں، یہ ماضی کی نسبت ایک شوق فراواں کی دلیل ہیں۔ بالخصوص گزشتہ دو عشروں میں ترجمہ قرآن اور فہم القرآن کے نام سے متعدد ادارے اور تنظیمیں وجود میں آئی ہیں۔ مرد ہوں یا خواتین، بچے ہوں یا بوڑھے سبھی طبقات میں قرآن فہمی کا ایک رجحان نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ ان اداروں اور تنظیموں کے ہاں اس مقصد کے لیے بہت سی مفید علمی اور عملی صورتیں سامنے آئی ہیں اور مسلسل آرہی ہیں۔

فہم قرآن اور تدریس ترجمہ قرآن کی غرض سے گزشتہ چند عشروں سے مفید تجربات ہوئے۔ قرآن مجید کے اشاریے مرتب کیے گئے اور مزید سائنٹی فک موضوعاتی اشاریے طبع ہو کر سامنے آرہے ہیں۔ لغت قرآن پر بہت مفید کام ہو رہے ہیں۔ ترجمہ قرآن کی تدریس کی غرض سے قرآنی قواعد وصرف ونحو

ترتیب دی جارہی ہیں۔ قرآن مجید کے حواشی لکھے جا رہے ہیں گویا قرآنیات کی دنیا میں بیسیویں نوعیت کی کاوشیں منظر عام اور منصۂ شہود پر آرہی ہیں جن میں سے ایک کاوش قرآن مجید کے آسان ترین تراجم کی پیس کش بھی ہے جس کا آغاز حافظ نذر احمد صاحب کے آسان اردو ترجمہ قرآن مجید کی صورت میں ۱۹۸۷ء میں سامنے آیا جس میں پہلے درجے میں ہر لفظ کا جدا جدا ترجمہ خانوں کی صورت میں دیا گیا ہے اور پھر اس کے نیچے ایک دوسری سطر میں پوری عربی عبارت کی سطر کا رواں ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ ہر سطر کا ترجمہ اسی سطر میں دیا گیا ہے تاکہ ایک عام قاری کو کسی نوع کی الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس ترجمے میں وحدت امت کا سامان یوں فراہم کیا گیا کہ اہل سنت کے تینوں معروف مسالک کے لیے ایک متفق علیہ ترجمہ تیار کیا گیا۔ اس ترجمے پر مختلف مسالک کے چھ علمائے کرام نے نظر ثانی کا فریضہ بھی انجام دیا جس سے یہ کاوش ایک مقبول علمی کوشش کے طور پر ہمارے سامنے ہے۔

آسان ترجمہ قرآن کی ایک مزید مفید کوشش حافظ شبیر احمد مرحوم نے کی جنھوں نے پہلی مرتبہ ترجمہ قرآن کی تفہیم اور تسہیل کی غرض سے رنگوں کا استعمال کیا۔ قرآن مجید کی ایک آیت کو مختصر ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ان ٹکڑوں کو الگ الگ نیلے اور سرخ رنگوں میں درج کیا گیا ہے اور ان کے سامنے ایسے ہی رنگوں میں ان کا ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے۔ اس کاوش سے بھی ایک عام علمی سطح کے مسلمان کے لیے قرآنی مطالب کو سمجھنا آسان ہوگیا۔ اس کاوش کو ان دنوں بہت مقبولیت حاصل ہے اور لاکھوں گھرانوں میں اس سے استفادہ کیا جارہا ہے۔

قرآن فہمی میں آسانی اور سہولت پیدا کرنے کی غرض سے ایک اہم، مفید اور موثر کوشش مکتبہ دارالسلام نے کی ہے، اس کاوش کے پس منظر میں کسی ایک فرد کے بجائے ایک مستقل ٹیم نے طالبان قرآن کی جملہ ضرورتوں کا ادراک کرتے ہوئے اس ترجمے کو یوں تو خانوں میں پیش کیا ہے مگر خانوں کی بناوٹ اور تشکیل میں ہر ہر لفظ کو جدا جدا لکھنے اور ان کے معنی بیان کرنے کے بجائے آیات کے الفاظ ایسے ٹکڑوں کا مسلسل انتخاب کیا ہے جن کے معنی بیان کرتے ہوئے قرآنی مفہوم میں مزید وضاحت پیدا ہوگئی ہے۔ نیز الگ الگ ٹکڑوں کے ترجمے کے التزام کے باوجود تسلسل بیان مجروح نہیں

ہونے پاتا۔ اس میں تمام تر حروف کی معنویت کو برقرار رکھتے ہوئے ضمائر کے ترجمے اور اسماء وافعال کی صرفی ونحوی صورتوں کا پورا لحاظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آسان اردو ترجمہ قرآن کی یہ کاوش آئندہ اس نوع کا کوئی بھی مفید کام کرنے کے لیے ایک راہنمائی کا فریضہ انجام دے گی۔

قرآن مجید کے تراجم کی ایک طویل تاریخ ہے۔ سینکڑوں زبانوں میں کیے جانے والے ہزاروں تراجم میں ترجمانی قرآن کے بہت سے اسالیب، مناہج اور طرق استعمال ہوئے ہیں اور ایک معیاری اور مثالی ترجمہ قرآن کے لیے ان سب میں بہت موزوں اور مناسب راہنمائی موجود ہے۔ قرآن مجید الہامی کتاب میں آخری محفوظ نوشتہ ہے جس کی تعلیمات میں آفاقی اقدار اور جہانی امن پیدا کرنے کی مستقل قوت موجود ہے۔ مادیت اور روحانیت کے مطلوبہ امتزاج کے حصول کے لیے قرآن فہمی ایک ناگزیر تقاضا ہے۔ تمام مذاہب کی کتب کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو قرآن مجید کی تعلیمات کے حسن اور فوائد کا بھر پور ادراک ہوتا ہے۔ اگرچہ قرآن مجید کے تراجم کے لیے مدینہ منورہ میں مجمع ملک فھد میں بہت سائنٹی فک کام ہو رہا ہے مگر اس امر کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کے پیغام کو دنیا کی ہر زبان میں منتقل کرنے کے لیے ترجیحی بنیادوں پر کام کیا جائے تاکہ کوئی انسان اس ہدایت کاملہ کے پیغام، فیض اور روحانیت سے محروم نہ رہ جائے۔ دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی بھی قرآنی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اپنی بساط اور وسائل کے مطابق کام کر رہی ہے اور اس سلسلے میں ابھی تک دس زبانوں کے تراجم شائع کر چکی ہے۔ مولانا فتح محمد جالندھری رحمہ اللہ کے مقبول عام ترجمے کی تسہیل بھی شائع کی جا چکی ہے اور اس نوع کے بہت سے دوسرے علمی کام زیر ترتیب اور پیش نظر ہیں۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے استدعا ہے کہ وہ ہماری راہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف
(اقبالؒ)

❁❁❁❁